وہ فرشتہ بن گیا جو خدا سے ہمکلام تھا۔ لڑکی کے آنسو نکل آئے تھے۔ جوں جوں آنسو بہتے گئے اُسے ایسے لگا جیسے اس کا وجود تبریز کے وجود میں سماتا جا رہا ہو۔

تبریز نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ وہ شاید بھول گیا تھا کہ اس گُٹ میں کوئی اور بھی ہے، یا یہ کہ لڑکی گہری نیند سوئی ہے۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ ”خدائے عزّوجل! مجھے گناہوں سے دامن پاک رکھنے کی ہمت عطا فرما۔ میری روح کو اتنی پاکیزگی عطا فرما کہ تیری اتنی خوبصورت امانت کو خیانت کے بغیر منزل تک پہنچا سکوں۔ تیرا یہ بندہ کمزور اور ناتواں ہے۔ مجھے شیطان کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور جرأت عطا فرما۔“

تبریز فرشتہ نہیں تھا۔ وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں سے پناہ مانگ رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ منہ پر پھیرے اور گھوم کر دیکھا۔ ویرا اسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے رخساروں پر آنسو بہے جا رہے تھے۔ تبریز اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ لڑکی نے کوئی حرکت نہ کی۔

”باہر جاؤ“۔۔۔ تبریز نے اُسے کہا۔ ”اُس طرف صاف پانی کا چشمہ ہے۔ منہ دھو آؤ“۔ اُس نے اپنے سر پر لپیٹا ہوا سوتے کپڑے کا گز بھر لمبا چوڑا رومال اتار کر اُسے دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ”منہ اچھی طرح دھوؤ اور بالوں کو بھی جھاڑ پونچھ لو۔ میں تمہیں اُسی روپ میں تمہارے رشتہ داروں کے حوالے کرنا چاہتا ہوں جس طرح تم طغیانی میں گرنے سے پہلے تھیں۔“

ویرا اُس کے ہاتھ سے رومال لے کر ایسے انداز سے باہر نکل گئی جیسے گونگا اور بہرہ بچہ کسی کے اشارے پر چل پڑا ہو۔ تبریز کے پاس کھانے پینے کا جو سامان تھا وہ گھوڑے کے ساتھ بندھا تھا۔ اب کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ویرا کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

☆

ویرا منہ سر دھو کر واپس آئی تو تبریز کو یوں دھچکا سا لگا جیسے کسی نے اُسے کانٹا چبھو دیا ہو۔ اس سے پہلے ویرا کے بال مٹی سے اٹے ہوئے اور جُڑے ہوئے تھے۔ چہرے کا بھی یہی حال تھا۔ اب بال اور چہرہ دُھل گئے تو تبریز جیسے اُسے پہچان ہی نہ سکا۔ وہ ایسے طلسماتی بالوں کو کبھی تصور میں بھی نہیں لا سکا تھا۔ دُور دراز رہنے والے دیہاتی نے ایسا حسن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چہرہ اتنا ملائم اور آنکھوں میں ایسی دلکشی اُسے حیران کر رہی تھی۔ تبریز اُس تبریز کے ہاتھ سے نکلنے لگا جو کچھ دیر پہلے خدا کے حضور کھڑا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔۔۔ ”کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ ہمیں خالی پیٹ سفر کرنا پڑے گا۔ چلو۔“

وہ اُٹھنے لگا تو ویرا نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔۔۔ ”ذرا دیر بیٹھو۔ میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں کچھ جاننا چاہتی ہوں“۔۔۔ تبریز رات بھر اس لڑکی کے لیے دہشت بنا رہا تھا۔ اب اس کی ذہنی کیفیت یہ تھی جیسے یہ لڑکی اُس پہ غالب آ گئی ہو۔ کچھ کہے بغیر اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا۔۔۔ ”تم جب خدا کے ساتھ باتیں کر رہے تھے تو خدا تمہیں نظر آ رہا تھا؟“

”خدا ہمیں نظر نہیں آیا کرتا“۔۔۔ تبریز نے کہا۔۔۔ ”میں عالم نہیں، اس لیے بتا نہیں سکتا کہ خدا نظر

آئے بغیر کس طرح اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ خدا میری باتیں، میری دعائیں سن لیتا ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ یہ خدا تھا جس نے تمہیں اپنی قوت دی کہ تم نے مجھے طغیانی سے نکال لیا؟“ ویرا نے پوچھا۔

”ہمیں خطیب نے بتایا ہے کہ روح پاک ہو تو خدا ہر مشکل میں مدد دیتا ہے“۔۔۔ تبریز نے جواب دیا۔ ”اگر میں اس ارادے سے تمہیں بچانے کی کوشش کرتا کہ تم بہت خوبصورت لڑکی ہو اور تمہیں بھگا کر لے جاؤں گا تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈوب جاتا۔“

”مگر میری روح پاک نہیں ہے“۔۔۔ ویرا نے دکھیارے سے لہجے میں کہا۔ ”خدا نے میری مدد کیوں کی ہے؟ مجھے ڈوبنے سے کیوں بچایا ہے؟“

”جمعہ میں کے خطیب سے پوچھیں گے“۔۔۔ تبریز نے کہا۔۔۔ ”مجھ میں اتنی عقل نہیں۔“

”اور تم نے میرے جسم سے کیوں بے رُخی کی؟“۔۔۔ ویرا نے اُس سے پوچھا۔

”اگر میں ایسا کرتا جیسے تمہیں ڈر تھا تو میں تمہارے خنجر سے نہ بچ سکتا“۔۔۔ تبریز نے جواب دیا۔ ”تم خدا کی امانت ہو، اور“ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ چپ ہو گیا۔ ذرا دیر بعد بے اختیار بولا۔۔۔ ”تم بہت ہی خوبصورت امانت ہو ویرا! آؤ چلیں“۔۔۔ وہ بے قرار سا ہو کر اٹھنے لگا۔ ویرا نے اُسے اٹھنے نہ دیا۔ تبریز نے کہا۔۔۔ ”مجھے اپنے قریب زیادہ دیر نہ بیٹھنے دو۔ مجھے اتنے سخت امتحان میں نہ ڈالو لڑکی! مجھے خدا کے حضور سرخرو ہونے دو۔“

”تمہیں اپنے خدا کی قسم!“۔۔۔ ویرا نے کہا۔۔۔ ”مجھے بھی خدا کے حضور سرخرو ہونے کے قابل بنا دو۔ تم اپنے جیسے انسانوں سے بہت اونچے ہو۔ تم خدا کے ایلچی ہو۔“

”تم رو کیوں رہی ہو؟“

”میں گناہگار ہوں“۔۔۔ ویرا نے جواب دیا۔۔۔ ”خدا مجھ سے ناراض ہے۔ جب اونٹ نے مجھے طغیانی میں گرا دیا تھا تو بھی مجھے خدا یاد نہیں آیا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ جو کچھ ہے وہ جسم ہے اور مجھے اپنے جسم کو بچانا چاہیے۔ تم مجھے طغیانی سے نکال کر یہاں لے آئے تو بھی میرے سامنے یہی مسئلہ آ گیا کہ مجھے تم سے اپنا جسم بچانا ہے۔ اپنے جسم کو بچانے کے لیے ہی میں نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔ میں طغیانی سے بھی بچ گئی۔ تم سے بھی بچ گئی لیکن تمہاری عبادت اور دعا نے مجھے بتایا کہ مجھے بچانے والی قوت کوئی اور تھی۔ مجھے بتاؤ وہ قوت کیا ہے؟ کہاں ہے؟“

”یہ خدا کی قدرت ہے“۔۔۔ تبریز نے جواب دیا۔۔۔ ”یہ روح کی پاکیزگی کا کرشمہ ہے۔“

”میری ساری زندگی ایک گناہ ہے۔“

”مجھے صاف لفظوں میں بتاؤ“۔۔۔ تبریز نے پوچھا۔۔۔ ”تم رقاصہ ہو؟ امیروں وزیروں کے پاس جاتی رہی

میں نے سنا ہے کہ ایسی لڑکیاں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ میں نے ایسی خوبصورت لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔"

دیرا خاموش رہی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ سرک کر تبریز کے قریب ہوگئی۔ تبریز پرے سرک گیا۔ دیرا نے کہا۔۔۔ "مجھے ڈر آتا ہے۔ طغیانی کی دہشت مجھے ابھی تک ڈرا رہی ہے۔ مجھے اپنے قریب رکھو۔"

"نہیں"۔۔۔ تبریز نے عجیب سی مسکراہٹ سے کہا۔۔۔ "میرے اتنا قریب نہ آؤ۔ میں بھٹک جاؤں گا۔"

"دیکھ لیا، میں کتنی گناہگار ہوں؟"۔۔۔ دیرا نے کہا۔۔۔ "تم اس لیے مجھ سے دور رہنا چاہتے ہو کہ بھٹک نہ جاؤ۔ میں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔"۔۔۔ اُس نے دیکھ لیا کہ تبریز کے پاس مذہبی جذبات ہیں اور جذبہ بھی لیکن اس کی سوچ میں گہرائی نہیں ہے۔ اگر اُسے کسی سانچے میں ڈھالا جائے تو ڈھل جائے گا۔ دیرا نے اُس کے ساتھ کھل کر باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگی۔۔۔ "اگر میں تمہیں کہوں کہ آؤ ہم ساری عمر کے سفر میں اکٹھے رہیں تو کیا جواب دو گے؟"

تبریز نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ذرا سا مسکرایا اور سنجیدہ ہوگیا۔ بولا۔۔۔ "آؤ چلیں۔ سورج نکل آیا ہے سفر مشکل ہو جائے گا۔"

دیرا اپنی ذات میں ایک انقلاب محسوس کر رہی تھی جسے وہ اچھی طرح سمجھ نہ سکی۔ وہ اُس کے ساتھ اُٹھ کر چل پڑی۔ وہ راستے کو کم اور تبریز کو زیادہ دیکھ رہی تھی۔ گزشتہ رات وہ تبریز کو قتل کر کے حمص کو بھاگ جانے کی فکر میں تھی لیکن اب وہ تیز چلنے سے گریز کر رہی تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ دیر تبریز کے ساتھ رہنے کی خواہش لیے ہوئے تھی۔ ایک بار اُس نے تبریز کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔۔۔ "آہستہ چلو۔"

"ہمیں آہستہ نہیں چلنا چاہیے"۔۔۔ تبریز نے کہا۔۔۔ "ورنہ ایک اور رات آجائے گی۔"

"آنے دو" دیرا نے کہا۔۔۔ "میں تیز نہیں چل سکتی۔"

"جہاں رہ جاؤ گی وہاں تمہیں اُٹھا لوں گا"۔۔۔ تبریز نے کہا۔۔۔ "آہستہ نہ چلو۔"

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل نے صلیبی بادشاہ بالڈون کو حماۃ کے قلعے کے باہر بہت بڑی شکست دی تھی جس سے بوکھلا کر بالڈون کی فوج بکھر کر پسپا ہوئی تھی۔ اس معرکے کی تفصیل سنائی جا چکی ہے۔ اس صلیبی بادشاہ نے بڑی مشکل سے اپنی بکھری ہوئی فوج کو یکجا کیا تھا۔ تب اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کا کتنا جانی نقصان ہوا ہے۔ اُس کے پاس نصف سے کچھ زیادہ فوج رہ گئی تھی۔ وہ تو دمشق تک کے علاقے پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ اُس کی فوج العادل کے چھاپہ مار حملے میں مری تھی اور جب صلیبی بھاگے تو ان میں سے بہت سے وادیوں اور ویرانوں میں بھٹک گئے تھے۔ ان میں سے کئی ایک کو مسلمان گڈریوں، خانہ بدوشوں اور دیہاتیوں نے مار ڈالا اور ان کے ہتھیاروں اور گھوڑوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

جب بالڈون نے بچی کھچی فوج کو حماۃ سے دور ایک جگہ جمع کر لیا تو اُسے بتایا گیا کہ فوج کے وہ

سپاہی اور عہدیدار جو اکیلے اکیلے آرہے تھے، مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ہیں۔ بالڈون شکست سے بوکھلایا ہوا تھا، اس اطلاع سے اُس کا غصہ اور تیز ہوگیا۔ اُس نے حکم دیا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کا کوئی گاؤں نظر آئے اسے لوٹ لو، جوان لڑکیاں اٹھا لاؤ اور گاؤں کو آگ لگا دو۔ چنانچہ یہ فوج جب نفری اور دیگر نقصان پورا کرنے اور حملے کی ازسرِنو تیاری کرنے کے لیے پیچھے جا رہی تھی مسلمانوں کے گاؤں تباہ کرتی گئی۔

اب یہ فوج حمص سے چھ سات میل دور خیمہ زن تھی۔ بالڈون اس کوشش میں تھا کہ کوئی صلیبی حکمران اُس کے ساتھ تعاون کرے اور اپنی فوج اسے دے دے جس سے وہ العادل سے شکست کا انتقام لے سکے اور دمشق تک اپنی حکمرانی جسے وہ صلیب کی حکمرانی کہتا تھا قائم کرنے کا عزم پورا کر سکے۔ اسی سلسلے میں وہ ایک اور صلیبی بادشاہ ریجنالٹ آف شاتیون کے ہاں گیا ہوا تھا۔

دیرا کی تلاش سے مایوس ہو کر بوڑھا عیسائی اور اُس کے ساتھی رات بھر چلتے رہے اور صبح حمص پہنچے۔ قافلے کے دوسرے لوگ بھی پہنچ گئے۔ ان میں سے کوئی بھی حمص کا نہیں تھا۔ انہیں آگے جانا تھا۔ تبریز کا گھوڑا اُن کے ساتھ تھا۔ انہوں نے گھوڑا ایک مسجد کے امام کے حوالے کر کے بتایا کہ اس کا مالک حمص کا رہنے والا تھا۔ وہ طغیانی میں گھوڑے سے گر کر ڈوب گیا تھا اور گھوڑا باہر آگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑا پہچان لیا گیا۔ جب گھوڑا تبریز کے گھر پہنچا تو وہاں کہرام بپا ہوگیا۔

وہاں ایک یہودی تاجر کا گھر تھا۔ یہ ایک دولت مند یہودی تھا۔ وہ جو اپنے آپ کو دیرا کا باپ کہتا تھا، اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس یہودی کے گھر میں بیٹھا تھا۔ وہ بتا چکا تھا کہ دیرا ڈوب گئی ہے۔ سب افسوس کا اظہار کر رہے تھے لیکن اُن کا مسئلہ افسوس کرنے سے حل نہیں ہو سکتا تھا۔ بوڑھے نے یہودی میزبان سے پوچھا کہ حمص کے مسلمانوں کی سرگرمیاں اور عزائم کیا ہیں۔

"بہت خطرناک"۔۔۔ میزبان نے جواب دیا۔۔۔ "انہیں باقاعدہ ٹریننگ دی جا رہی ہے اور یہ قصبہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کا اڈہ بنتا جا رہا ہے۔ خطیب صرف خطیب نہیں فوج کا کمانڈر اور استاد معلوم ہوتا ہے۔"

"اگر اسے قتل کرا دیا جائے تو کیا فائدہ ہوگا؟"۔۔۔ بوڑھے عیسائی نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں"۔۔۔ یہودی تاجر نے جواب دیا۔۔۔ "اس کا نقصان یہ ہوگا کہ مسلمان ہم پر شک کر کے ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ یہ قصبہ ان کی سلطنت میں ہے۔"

"یہاں جو عیسائی اور یہودی گھرانے ہیں، کیا اُن کی لڑکیاں کچھ نہیں کر سکتیں؟"۔۔۔ بوڑھے نے پوچھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ اس کام کے لیے کتنی ٹریننگ اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے"۔۔۔ میزبان نے جواب دیا۔۔۔ "ہماری لڑکیوں میں کوئی ایک بھی اتنی چالاک نہیں۔"

"اور آپ ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں کے مسلمان جنگی ٹریننگ حاصل نہ کریں؟"۔۔۔ بوڑھے نے پوچھا۔

"آپ کیا حکم لے کر آئے ہیں؟" — میزبان نے پوچھا۔

"حکم تو بڑا صاف ہے" — بڑھے نے کہا۔ "ان مسلمانوں کو آپس میں ٹکرانا اور انہیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف کرنا ہے۔ پہلے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ اس کے بغیر یہ مہم ممکن نہیں رہی۔ ہمیں دو لڑکیاں یہاں لانی پڑیں گی۔"

"وقت کم ہے" — میزبان نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ رملہ کی لڑائی کو کتنے مہینے گزر چکے ہیں جس میں صلاح الدین ایوبی کو شکست ہوئی تھی۔ آپ اگر حقیقت کو قبول کریں تو یہ شکست صلاح الدین ایوبی کے عزم اور جذبے کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ وہ سنبھل چکا ہے اور اس نے فوج تیار کر لی ہے۔ قاہرہ سے جاسوس جو خبریں بھیج رہے ہیں وہ اچھی نہیں۔ صلاح الدین قاہرہ سے کوچ کرنے والا ہے۔ ابھی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کس طرف کوچ کریگا اور کہاں حملہ کرے گا۔ ادھر اُس کے بھائی العادل کو دمشق سے کمک مل گئی ہے۔ اس نے شاہ بالڈون کو ایسی شکست دی ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی شاہ بالڈون سنبھل نہیں سکا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی شب خون اور چھاپوں کی جنگ لڑتا ہے۔ ہماری فوجوں کی رسد اُس سے محفوظ نہیں رہتی۔ اگر حمص کے مسلمانوں نے اسے چھاپہ ماروں کے لیے اڈہ مہیا کر دیا تو یہ لوگ ہماری رسد اور آگے جانے والی کمک کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔۔۔۔

"ان حالات میں آپ کا یہ طریقۂ کار بالکل بے کار ثابت ہوگا کہ تربیت یافتہ لڑکیوں کو یہاں لا کر مسلمانوں میں رقابت پیدا کی جائے اور ان کی کردار کُشی کی جائے۔ اس کے لیے حالات اور مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ میں آپ کے اُن افسروں پر حیران ہوں جنہوں نے ایک لڑکی یہاں بھیجی تھی۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"صفایا" — میزبان نے اپنے ہاتھ کو تلوار کی طرح دائیں بائیں جنبش دے کر کہا — "پورے قصبے کو آبادی سمیت ختم کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں ہم بھی یہاں نہیں رہ سکیں گے۔ ہم اپنے بیوی بچوں کو اور مال و دولت کو یہاں سے پہلے نکال دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ صلیبی بادشاہ ہمیں کسی دوسری جگہ آباد کرنے میں مدد دیں گے اور ہمارا مالی نقصان پورا کر دیں گے۔ میں یہودی ہوں۔ میں ہیکلِ سلیمانی کی خاطر اپنا گھر تباہ کرانے کے لیے تیار ہوں۔"

"لیکن اس قصبے کی تباہی کا انتظام کیا ہوگا؟" — بوڑھے نے پوچھا۔ "اس کے لیے فوج کی ضرورت ہے۔"

"فوج موجود ہے" — یہودی نے کہا۔ "شاہ بالڈون کی فوج پانچ چھ میل دور خیمہ زن ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اس فوج نے پسپائی کے راستے میں آنے والی تمام مسلمان بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اس سے حمص بھی تباہ کرایا جا سکتا ہے۔ میں آج ہی روانہ ہو جاؤں گا اور شاہ بالڈون کو بتاؤں گا کہ ہمارا قصبہ اس کی فوج کے لیے کس قدر خطرناک ہے۔"

"مقصد یہ نہیں کہ قصبہ تباہ کرایا جائے" — بوڑھے نے کہا — "بلکہ یہ کہ یہاں کے کسی مسلمان کو

زندہ نہ رہنے دیا جائے۔"

"اور لڑکیوں کو فوج اٹھا لے جائے۔"

سب متفق ہو گئے اور فیصلہ ہوا کہ میزبان یہودی اُسی رات شاہ بالڈون کی خیمہ گاہ کو روانہ ہو جائے۔ وہ باہر نکلے تو انہیں ایک گھوڑ سوار قصبے میں داخل ہوتا نظر آیا۔ وہ کوئی اجنبی تھا۔ خطیب کا گھر نظر آ رہا تھا۔ یہ سوار خطیب کے گھر کے سامنے گھوڑے سے اُترا۔ دروازے پر دستک دی۔ خطیب باہر آیا۔ اجنبی سے ہاتھ ملایا اور اسے اندر لے گیا۔

"یہ سوار دمشق یا قاہرہ کا قاصد ہے۔" میزبان یہودی نے کہا۔

☆

عشا کی نماز کے بعد نمازی چلے گئے۔ پانچ چھ آدمی خطیب کے پاس بیٹھے رہے۔ ان میں یہ اجنبی گھوڑ سوار بھی تھا۔ خطیب نے کسی سے کہا کہ مسجد کا دروازہ اندر سے بند کر دیا جائے۔

"میرے دوستو!" — خطیب نے کہا — "ہمارا یہ دوست الملک العادل کی طرف سے خبر لایا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی بہت جلد قاہرہ سے کوچ کرنے والے ہیں۔ آپ سب فوجی ہیں اور شبخون کے استاد ہیں۔ آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اب کیا کرنا ہے۔ تربیت اور مشق تیز کر دو۔ العادل نے یہ اطلاع بھیجی ہے کہ صلیبی بادشاہ بالڈون کی فوج [illegible] سے بھاگی تھی ہمارے قریب کہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ ہمیں اس پر نظر رکھنی ہے اور اس کی نقل و حرکت کی اطلاع العادل تک پہنچانی ہے۔ انہوں نے یہ حکم بھی بھیجا ہے کہ اگر ہم ضروری سمجھیں تو صلیبیوں کی اس فوج پر شب خون ماریں یا چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھیں تاکہ یہ فوج چین سے نہ بیٹھ سکے۔۔۔۔

"اس کے ساتھ ہی العادل نے یہ بھی کہا ہے کہ اس فوج نے مسلمانوں کے بہت سے گاؤں تباہ کر دیئے ہیں۔ چونکہ العادل کے پاس فوج کی کمی تھی اس لیے صلیبی فوج کا تعاقب نہ کیا جا سکا۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر بالڈون کی فوج اور پیچھے اپنے علاقے میں چلی جاتی ہے تو اُسے نہ چھیڑا جائے کیونکہ خطرہ ہے کہ وہ حمص کو تباہ کر دے گی۔ ہمیں تربیت اور مشق تیز کرنے کو کہا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے سلطان ایوبی کسی طرف حملہ کریں تو بالڈون اُن پر عقب یا پہلو سے حملہ کر دے۔ اس صورت میں ہمیں بالڈون کے عقب پر شب خون مارنے ہیں اور اُسے یہیں اُلجھائے رکھنا ہے۔"

خطیب نے ایک آدمی کو یہ کام سونپا کہ وہ اس فوج کو دیکھ آئے۔

اُس وقت تبریز اور روبیرا اس حالت میں قصبے میں داخل ہوئے کہ روبیرا تبریز کی پیٹھ پر تھی۔ راستے میں پانی تو مل گیا تھا لیکن کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا۔ روبیرا صلیبیوں کی شہزادی تھی۔ وہ پیدل سفر کی عادی نہیں تھی۔ تبریز رات کے لیے کہیں رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے روبیرا کو پیٹھ پر اُٹھا لیا اور باقی سفر اسی طرح طے کیا۔ اُس نے لڑکی کو اپنے گھر کے سامنے اُتارا اور اُسے اندر لے گیا۔ اس کے گھر والوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ تبریز زندہ ہے۔ اس کا گھوڑا پہلے ہی گھر پہنچ چکا تھا۔ اُس نے گھر والوں کو بتایا کہ اس پر کیا بیتی ہے۔

ویرا کو معلوم تھا کہ اس کی منزل یہودی تاجر کا گھر ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اس کے گھر فوراً جانا چاہتی ہے۔ شاید اس کا باپ زندہ آگیا ہو۔ تبریز اس کے ساتھ گیا۔ اُسے یہودی تاجر کا گھر معلوم تھا۔ راستے میں اندھیرا تھا۔ ویرا اچانک رک گئی اور تبریز سے لپٹ گئی۔ کبھی چہرہ اُس کے سینے پر رگڑتی، کبھی اُس سے الگ ہو کر اُس کے ہاتھ چومتی اور آنکھوں سے لگاتی۔

"ہماری منزلیں جدا ہیں"۔۔۔ ویرا نے جذبات اور رقت سے بوجھل آواز میں کہا۔۔۔ "مگر ہم کسی دوراہے پر پھر ملیں گے۔ میں اپنی روح سے بیگانہ تھی وہ مل گئی ہے اور میں نہیں جانتی تھی محبت کیا ہے، وہ تم نے دے دی ہے۔ دل میں تمہاری یاد لے کے جا رہی ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ گے؟"

"نہیں ویرا"۔۔۔ تبریز کی جذباتی کیفیت ویرا سے زیادہ متزلزل تھی۔ کہنے لگا۔۔۔ "میں تمہیں بھول نہیں سکوں گا۔ میں نے تمہیں راستے میں کہا تھا کہ اب تک ایک باطل مذہب کی پجاری رہی ہو، باقی عمر اسلام کے سائے میں گزارو۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ میرے دل میں اب کوئی لڑکی نہیں سما سکے گی۔ تم اب اسی قصبے میں رہو گی۔ ہم ملا کریں گے لیکن وہاں جہاں کوئی دیکھ نہ سکے۔"

تبریز نے امانت میں خیانت نہیں کی تھی۔ دورانِ سفر یہ لڑکی اُس کی مرید ہو گئی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ لڑکی تبریز کے دل میں اُتر گئی۔ اب وہ دل پر پتھر رکھ کر اسے یہودی کے حوالے کرنے جا رہا تھا۔۔۔۔ وہ جب اُسے یہودی کے گھر لے گیا تو وہاں اُسے بوڑھا عیسائی ملا۔ اُس نے ویرا کو گلے لگا لیا۔ یہودی تاجر گھر نہیں تھا۔ وہ فیصلے کے تحت شاہ بالڈون کی خیمہ گاہ کو روانہ ہو گیا تھا۔ تبریز بوڑھے کے اصرار کے باوجود وہاں رکا نہیں۔ وہاں سے وہ مسجد میں چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دستک دی۔ دروازہ کھلا تو وہ اندر چلا گیا۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک سال کے اندر اپنی فوج تیار کر لی تھی۔ اس نے مزید انتظار نہ کیا۔ جس رات حمص کا ایک یہودی تاجر شاہ بالڈون سے یہ کہنے جا رہا تھا کہ وہ اپنی فوج سے حمص کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دے اُس رات سلطان ایوبی کی فوج قاہرہ سے نکل گئی تھی۔ اس کی منزل دمشق تھی۔ کوچ بہت تیز تھا۔ سلطان ایوبی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس دور کے وقائع نگاروں کے مطابق، سلطان ایوبی دمشق قیام کر کے وہاں کے حالات، غداریوں اور سازشوں کا جائزہ لے کر اور ان کا سدِباب کر کے العادل سے ملنا چاہتا تھا اور وہاں سے اُسے جنگی کارروائی کا آغاز کرنا تھا مگر راستے میں ہی اُس نے راستہ بدل دیا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُسے عزالدین کا ایک ایلچی راستے میں ملا۔ وہ سلطان ایوبی کے نام قاہرہ پیغام لے کر جا رہا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ سلطان ایوبی وہاں سے کوچ کر آیا ہے۔ آدھے راستے میں اس نے ایک فوج آتی دیکھی۔ جھنڈوں سے پہچانا گیا کہ یہ سلطان ایوبی کی فوج ہے۔ وہ قلب میں چلا گیا جہاں

سلطان ایوبی تھا۔ ایلچی نے اُسے عزالدین کا پیغام دیا۔ عزالدین نورالدین زنگی مرحوم کے مشیروں میں سے تھا جسے امیر کا درجہ حاصل تھا۔ وہ مردِ مومن تھا اس لیے زنگی کا منظورِ نظر۔ زنگی نے وفات سے پہلے اسے حلب کے صوبے میں قارا حصار کے نام کا قلعہ دے کر اُس کا امیر بنا دیا تھا۔ خاصا علاقہ اس قلعے کے تحت آتا تھا۔ اس سے ملحق ابن لاعون کی ریاست تھی جو صلیبیوں کے ساتھ صلیبی اور مسلمانوں کے ساتھ مسلمان بن جاتا تھا۔ اُس نے صلیبیوں کی شہ پر عزالدین کے علاقے میں سرحدی جھڑپوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ عزالدین اکیلا اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ حلب اور موصل والوں سے مدد نہیں لینا چاہتا تھا کیونکہ جب سے حلب اور موصل کے حکمرانوں الملک الصالح اور سیف الدین وغیرہ نے سلطان ایوبی کے خلاف محاذ قائم کیا تھا، عزالدین نے اُن کے ساتھ تعلقات توڑ لیے تھے۔

اُس نے سلطان ایوبی کو جو پیغام بھیجا وہ یوں تھا۔۔۔ "قابلِ احترام سلطان صلاح الدین ایوبی بن نجم ایوب، سلطان مصر و شام! آپ پر اور سلطنتِ اسلامیہ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میری وفاداری کے متعلق آپ کو شک نہیں ہوگا۔ میں نے تل خالد کی طرف سے صلیبیوں کا راستہ روک رکھا ہے۔ تمام تر علاقہ اور پیش قدمی کے راستے میرے چھاپہ ماروں کی نظر میں رہتے ہیں۔ صلیبیوں نے مجھے راستے سے ہٹانے کے لیے ابن لاعون کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میری سرحد اس علاقے سے ملتی ہے جو دراصل آرمینیوں کا علاقہ ہے۔۔۔ ان آرمینیوں نے میری سرحدی چوکیوں پر حملے شروع کر دیے ہیں۔ آپ آگاہ ہوں گے کہ میرے پاس فوج کی کمی ہے۔ صلیبیوں اور آرمینیوں نے میرے پاس دو بار ایلچی قیمتی تحائف کے ساتھ بھیجے تھے۔ وہ مجھے دعوت دے رہے ہیں کہ میں اُن کا اتحادی بن جاؤں اور آپ کے خلاف لڑوں۔ انکار کی صورت میں انہوں نے مجھے حملے کی دھمکی دی ہے۔۔۔۔

"میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنی زمین کے تحفظ کے لیے یہ دعوت قبول کر لیتا۔ یہ جگہ اتنی دور ہے کہ وقت پڑے تو مدد کو آنے والے بروقت نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے باوجود میں نے اُن کی دعوت کی بجائے اُن کی دھمکی قبول کی ہے اور میں نے یہ اقدام اللہ کے بھروسے پر کیا ہے۔ میں اپنا قلعہ اور اپنا علاقہ اور اس کے ساتھ اپنی جان قربان کر دوں گا، صلیبیوں کے ساتھ اتحاد نہیں کروں گا۔ میں نورالدین زنگی مرحوم کی روح کے آگے جواب دہ ہوں اور میں اُن لاکھوں شہیدوں کے آگے جواب دہ ہوں جو قبلۂ اوّل کے نام پر قربان ہو چکے ہیں۔۔۔۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کا آئندہ اقدام کیا ہوگا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ رملہ کے حادثے کے بعد آپ تنظیمِ نو اور دیگر تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ محترم الملک العادل میری مدد کو آنے کے قابل نہیں۔ میں آپ کو اپنے احوال سے خبردار رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے علاقے اور قارا حصار سے دستبردار ہو کر اپنی فوج آپ کے پاس لے آؤں۔ دوسری صورت میں مجھے ہدایت دیں کہ میں کیا کروں۔ میں کسی قیمت پر صلیبیوں اور آرمینیوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کروں گا۔"

سلطان ایوبی نے یہ پیغام پڑھا۔ اسی وقت اپنے سالاروں اور مشیروں کو بلایا۔ پیغام انہیں پڑھ کر سنایا اور یہ حکم دے کر سب کو حیران کر دیا کہ کوچ کا راستہ بدل دو۔ ہم ابن لاعون کے علاقے پر یلغار کریں گے۔ سلطان ایوبی ڈکٹیٹروں کی طرح حکم نہیں دیا کرتا تھا اور وہ جذبات سے مغلوب ہو کر بھی کوئی جنگی فیصلہ نہیں کیا کرتا تھا مگر اس حکم کے پیچھے جنگی فہم و فراست کے ساتھ جذبات بھی کارفرما تھے۔

"قلعہ قاہر ہمارے محترم استاد نورالدین زنگی مرحوم کی نشانی ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا — "اور عزالدین کے الفاظ میں مجھے زنگی مرحوم کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ میں اس شخص کو تنہا نہیں رہنے دوں گا جو ہمارے مقصد اور ہم کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرتا ہے۔"

"سلطان محترم!" ایک سالار نے کہا — "ہم حقائق کو سامنے رکھیں تو کسی بہتر فیصلے پر پہنچ سکیں گے۔"

"حقائق یہ ہیں کہ ہمیں پہلے دمشق جا کر وہاں کے حالات کا جائزہ لینا تھا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اب اگر ہم دمشق چلے گئے تو ابن لاعون قلعہ قاہر پر حملہ کر دے گا۔ عزالدین اس کے آگے نہیں ٹھہر سکے گا۔ آگے حلب ہے۔ تم سب الملک الصالح اور اس کے جنیوں کو اچھی طرح جانتے ہو۔ بے شک وہ اس معاہدے کا پابند ہے جو اس نے ہمارے ساتھ کر رکھا ہے لیکن معاہدہ توڑنے کی روایت نہیں ہوگی کہ وہ فوراً صلیبیوں کے ساتھ سمجھوتہ کر کے ایک بار پھر ہمارے خلاف لڑنے کو تیار ہو جائے گا۔ میں صلیبیوں کو حلب نہیں لینے دوں گا اور عزالدین کو میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔"

کچھ دیر عملی پہلوؤں پر بحث مباحثہ ہوا اور طے ہوا کہ قلعہ قاہر کی سمت کوچ ہوگا۔ سلطان ایوبی نے عزالدین کے ایلچی کو زبانی پیغام دیا جس میں کہا کہ عزالدین ابن لاعون سے ملے اور اسے دوستی کا دھوکہ دے لیکن اسے اپنے علاقے میں داخل نہ ہونے دے۔ اس کے ساتھ دوستی کی شرائط پر بات چیت کرتا رہے اور اسے یہاں تک دھوکہ دے کہ وہ اپنی فوج اس کے حوالے کر دے گا۔ سلطان ایوبی نے ایلچی کو بتا دیا کہ اس نے اپنی فوج کو قلعہ قاہر کی طرف تیز کوچ کا حکم دے دیا ہے۔ ایلچی روانہ ہو گیا۔

☆

صلیبی جاسوس سلطان ایوبی کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے اور صلیبیوں تک خبریں پہنچا رہے تھے جن کے مطابق انہوں نے اپنے قلعوں اور اپنے علاقوں کا دفاع مضبوط کر لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سلطان ایوبی کے اقدامات کے متعلق کوئی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔ صلیبیوں کے مشترکہ ہیڈکوارٹر میں جب جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ سلطان ایوبی کی فوج دمشق کے راستے سے ہٹ کر کسی دوسری سمت جا رہی ہے تو ان کے جرنیلوں نے کہا کہ ایوبی اپنے آزمائے ہوئے میدانوں میں جا رہا ہے۔

حمص کا یہودی تاجر جو حمص کو تباہ کرانے کے لیے شاہ بالڈون کے پاس گیا تھا، واپس آ گیا تھا۔ بالڈون نہیں ملا تھا۔ وہ اپنے صلیبی دوستوں سے مدد مانگنے گیا تھا۔ اس کے جرنیلوں نے یہودی سے کہا تھا کہ وہ شاہ بالڈون کے حکم کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ کریں گے ضرور۔ یہودی حمص واپس آیا تو اسے

بتایا گیا کہ ویرا زندہ آگئی ہے اور اسے تبریز نام کا ایک مسلمان لایا ہے۔ تبریز کو عیسائیوں اور یہودیوں نے نقد انعام پیش کیا تھا جو اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا تھا کہ اس نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

اب یہودی تاجر ویرا کو بیکار سمجھتا تھا کیونکہ قصبے کو تباہ کرانے کا انتظام ہو چکا تھا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ویرا کو واپس ہیڈکوارٹر میں بھیج دیا جائے لیکن ویرا چالاک لڑکی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ خطیب کے اعصاب پر غالب آ جائے گی اور مسلمانوں کو جنگی تربیت دینے والوں کے درمیان منافرت کی دشمنی پیدا کر دے گی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ یہاں کے مسلمانوں کے عزائم معلوم کرنے کے لیے بھی اس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسے حمص ہی میں رہنے دیا گیا لیکن کسی کو شبہ نہ ہوا کہ وہ صرف تبریز کی خاطر وہاں کچھ دن اور رکنا چاہتی ہے۔

وہ تبریز سے ملتی رہی۔ رات کو وہ قصبے سے دور نکل جاتے اور بہت دیر وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ اس صلیبی لڑکی کے مقابلے میں تبریز کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو امراء، وزراء اور بادشاہوں کے محلات میں رہنے والی لڑکی تھی۔ دمشق پر اس نے انتظامیہ کے بڑے امراء کو اپنے قدموں میں بٹھا لیا تھا اور ان کے ہاتھوں ایسی سازش تیار کرا دی تھی جس کی اطلاع پر سلطان ایوبی دمشق جا رہا تھا مگر صحرائی کی دہشت اور تبریز کے کردار نے اسے ایسا جھٹکا دیا تھا کہ اس کی ذات میں روح اور جذبات بیدار ہو گئے تھے۔ وہ تبریز کی پوجا کرنے لگی تھی اور تبریز اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔

"تبریز! ایک بات بتاؤ۔" ایک رات ویرا نے اس سے پوچھا — "خطیب اور دوسرے جو ایک دو آدمی تمہیں جنگی تربیت دیتے ہیں وہ کہاں سے آئے ہیں؟"

تبریز جواب دینے لگا تو ویرا بول اٹھی — "رہنے دو۔ جانے دو تبریز! انہیں اس سے کیا کوئی کچھ بھی ہے۔ ہم اتنی خوبصورت رات کو جنگ کی باتوں سے کیوں گندا کریں؟"

اس طرح وہ دو حصوں میں کٹ گئی تھی۔ تبریز کے ساتھ ہوتی تو وہ معصوم اور پاک لڑکی ہوتی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ اس نے ایک ہی بار تبریز سے خطیب اور دوسرے استادوں کے متعلق پوچھا لیکن اسے اس نے دھوکہ سمجھا اور تبریز کو جواب دینے سے روک دیا۔ یہی ویرا جب یہودی تاجر کے گھر میں بیٹھی ہوتی تو مسلمانوں کی تباہی کی باتیں کرتی تھی۔

☆

ڈیڑھ دو مہینے گزر گئے تھے۔ ایک شام ویرا تبریز کے گھر چلی گئی اور اس کی ماں کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اس نے تبریز کو اشارہ کیا جسے وہ سمجھتا تھا۔ وہ چلی گئی۔ شام کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی تبریز اس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ ملا کرتے تھے۔ ویرا آ گئی تھی۔ تبریز کو قصبے سے دور لے گئی۔ وہ پریشان ہوئی تھی۔ تبریز کے پوچھنے پر بھی اس نے نہ بتایا کہ اس کی گھبراہٹ کی وجہ کیا ہے۔ انہیں آوازیں سنائی دیں کوئی پکار رہا تھا۔ تبریز نے پوچھا "یہ کون ہے؟" ویرا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا کہ اس کے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں — "چلو اور دور نکل چلیں"۔ ویرا نے کہا اور اسے اور دور لے گئی۔ اسے ابھی تک کوئی پتہ نہ تھا

"[illegible] تبریز!" ویرا نے کہا۔ "میں جب تمہارے پاس ہوتی ہوں تو میں اپنے کسی آدمی کی آواز نہیں سننا چاہتی۔"

آگے چٹانیں تھیں۔ ویرا تبریز کو چٹانوں کے پیچھے لے گئی۔ تبریز حیران سا ہو کے اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ وہ ایک جگہ رک گئے۔ وہاں کسی کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ تبریز چونک اٹھا اور بولا۔ "شور سا سنائی دیتا ہے۔ تم بھی سننے کی کوشش کرو۔ ایسے لگتا ہے جیسے چیخ و پکار ہو رہی ہے اور گھوڑے دوڑ رہے ہیں۔"

"تمہارے کان بج رہے ہیں۔" ویرا نے ہنس کر کہا۔ "ہوا کے تیز جھونکے چٹانوں سے ٹکرا کر [illegible] رہے ہیں۔ یہ ان کی آوازیں ہیں۔"

ویرا نے اُسے اپنے بازوؤں اور ریشمی بالوں میں گرفتار کر کے اُس کی آنکھوں، کانوں اور عقل پر قبضہ کر لیا۔ تبریز مان گیا کہ یہ آوازیں ہوا کی ہیں جو بہت دور کے شور کی طرح سنائی دیتی ہیں مگر اُسے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ آوازیں اُس کی اپنی بستی کے لوگوں کی ہیں اور وہاں وہ قیامت بپا ہو چکی ہے جو یہودی تاجر بپا کرانا چاہتا تھا۔ ویرا کو معلوم تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ آوازیں تبریز کے کانوں تک پہنچیں۔

یہ سب اس طرح ہوا تھا کہ یہودی تاجر ایک بار پھر بالڈون سے ملنے گیا تھا۔ اُسے بالڈون مل گیا تھا۔ یہودی نے اُسے بتایا کہ حمص کے مسلمان کیا کر رہے ہیں اور وہ کس طرح صلیبی فوج کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ بالڈون کا یہ پسندیدہ شکار تھا۔ اُس نے یہودی کو بتایا کہ وہ کس رات چپکے سے حمص پر حملہ کرائے گا۔ اُس نے یہودی سے یہ بھی کہا۔ عیسائی اور یہودی اُس رات حملے سے پہلے قصبے سے نکلیں۔ اگر وہ دن کے دوران نکلے تو مسلمانوں کو شک ہو گا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ یہودی نے واپس آ کر جب اپنے آدمیوں کو یہ سکیم بتائی تو ویرا نے کہا کہ وہ تبریز اور اس کے کنبے کو بچانا چاہتی ہے۔

"اسے ہم صلیب سے غداری کہیں گے۔" بوڑھے عیسائی نے کہا۔

"سانپ کے بچوں کو بچانا کہاں کی عقل مندی ہے؟" یہودی تاجر نے کہا۔

"یہاں مسلمانوں کے دو گھر ایسے ہیں جن کے ساتھ میرے دلی تعلقات ہیں۔" وہاں کے رہنے والے ایک عیسائی نے کہا۔ "لیکن میں انہیں بچانے کی نہیں سوچ رہا۔ ہمیں مسلمان کا خون چاہیے۔ مسلمان میرا ذاتی دوست ہو سکتا ہے، میرے مذہب کا وہ دشمن ہی ہو گا۔"

"میں اُسے زندہ رکھنا چاہتی ہوں جس نے مجھے موت کے منہ سے نکالا تھا۔" ویرا نے غصے سے کہا۔

"ہم نے اُسے اتنا انعام پیش کیا تھا جو اُس نے کبھی خواب میں نہیں دیکھا ہو گا۔" یہودی تاجر نے کہا۔ "اُس نے کہا کہ اُس نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ہم نے اُسے انعام پیش کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب وہ ہمارا دشمن اور ہم اُس کے دشمن ہیں۔"

"میں اُسے دشمن نہیں سمجھتی۔" ویرا نے جھنجھلا کر کہا۔ "یہ صرف ایک مرد ہے جس نے میرے جسم پر ذرہ بھر توجہ نہیں دی۔ تم سب گنہگار ہو۔ تم میں کون ہے جس کی نیت میرے حق میں صاف ہے؟ میری آنکھوں میں اپنے چہرے دیکھو۔"

"تم صرف تبریز کو سنبھالو۔" یہودی تاجر نے کہا۔ "لیکن اُسے کیسے بچاؤ گی؟ اگر تم نے اُسے بتا دیا کہ کیا ہونے والا ہے تو وہ ساری آبادی کو نہیں بتا دے گا؟ اور اگر تم اس کے پورے کنبے کو وہاں سے نکال لاؤ گی تو وہ یہ نہیں پوچھیں گے؟ تم کیا بتاؤ گی؟ تم ایک مسلمان کو نیکی کا صلہ دیتے دیتے ان تمام مسلمانوں کو بچا کر دو گی جو ہمارے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔"

"مجھے اناڑی نہ سمجھو۔" ویرا نے کہا۔ "میں صلیب کو دھوکہ نہیں دوں گی۔"

حملے کی شام ویرا تبریز کے گھر گئی اور اُسے باہر لے گئی۔ اُس کے آدمیوں کو معلوم تھا کہ رات کو وہ اُسے کہاں لے جاتی ہے۔ اُس نے انہیں بتا رکھا تھا کہ تبریز کو محبت کا دھوکہ دے کر وہ اس سے [illegible] ہے۔ وہ اُسے باہر لے گئی تو قصبے سے عیسائی اور یہودی دبے پاؤں نکلنے لگے۔ انہوں نے ویرا کی تلاش میں ایک آدمی بھیجا جو اُسے پکارتا رہا، لیکن ویرا تبریز کو دور ہی دور لے جاتی رہی۔ وہ اُسے اتنی دور لے جانا چاہتی تھی جہاں سے اُسے قصبے کا شور نہ سنائی دے۔ ویرا کی تلاش میں جو آدمی گیا تھا وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔

☆

قصبے پر نیند کا غلبہ طاری ہو چکا تھا۔ صلیبی فوج کے پیادے دبے پاؤں قریب آ گئے تھے۔ ان کی تعداد قصبے کی آبادی سے کئی گنا زیادہ تھی۔ پیادہ فوج بالکل قریب آ گئی تو عقب سے گھوڑسوار بھی آ گئے۔ مسلمان گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ فوج نے طغیانی کی طرح یلغار کر دی۔ فوجیوں نے مشعلیں جلائی تھیں۔ دو تین جھونپڑوں کو آگ لگا دی گئی تاکہ روشنی ہو جائے۔ صلیبی سپاہی دیواریں پھلانگ کر گھروں میں داخل ہوئے۔ زیادہ تر مسلمان جاگنے سے پہلے ہی مارے گئے۔ جو بروقت جاگ اُٹھے اور ہتھیار اٹھا لیے انہوں نے مقابلہ کیا۔ بعض لڑکیوں نے خودکشی کر لی۔ صلیبی گھوڑسواروں نے قصبے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ کسی کو باہر کو جاتا دیکھتے تھے تو اُسے برچھی یا تلوار کا شکار کر لیتے تھے۔

یہ تھی وہ چیخ و پکار اور شور جو چٹانوں میں بیٹھے ہوئے تبریز نے سنا تھا۔ اُس کا گھر تباہ ہو چکا تھا۔ بچہ بچہ کٹ گیا تھا۔ شاہ بالڈون نے مسلمانوں کی اس بستی سے بھی اپنی شکست کا انتقام لے لیا تھا۔

"تم آج مجھے اتنی دور کیوں لے آئی ہو؟" تبریز نے پوچھا اور کہا۔ "تم آج لوٹتی کیوں نہیں؟ گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟"

"اس لیے کہ تم میرا ساتھ نہیں دو گے۔" ویرا بہت ہوشیار لڑکی تھی۔ کہنے لگی۔ "میں تمہیں کہیں اور لے جا رہی ہوں.....۔" اُسے خاموش دیکھ کر بولی۔ "کل واپس آ جائیں گے۔"

"کہاں؟"

"کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟" دیرا نے اُسے بازوؤں میں لے کر اُس کا چہرہ اتنا قریب کر لیا کہ اس کے بکھرے ہوئے ریشمی بال تبریز کے گالوں کو چھونے لگے۔ یہ وہی بال تھے جنہیں کُف میں ڈھلا ہُوا دیکھ کر تبریز نے اپنی ذات میں عجیب سا لرزہ محسوس کیا تھا۔ اب تو دیرا کی محبت اُس کے دل میں دُور تک اُتر گئی تھی۔ اُس پر خمار سا طاری ہو گیا۔ "ہم کب تک چوروں کی طرح ملتے رہیں گے؟ میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگر تمہارے دل میں میری محبت ہے تو مجھ سے ابھی یہ نہ پوچھو کہ میں تمہیں کہاں لے جا رہی ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ ہم وہاں چلیں گے جہاں ہمارے درمیان مذہب کی دیواریں حائل نہیں ہوں گی۔ تم مرد ہو۔ مجھے دیکھو۔ کمزور سی عورت ہو کر تمہاری محبت کی خاطر کتنا بڑا خطرہ مول لے رہی ہوں۔"

کمزور دراصل تبریز تھا۔ دیرا اُس کی عقل پر غالب آ گئی تھی۔ وہ اس کوشش میں تھی کہ تبریز اپنے قصبے میں واپس نہ جائے۔ وہ جانتی تھی کہ وہاں اُسے اپنے گھر کے جلے ہوئے کھنڈر اور گھر والوں کی جلی ہوئی لاشیں ملیں گی، پھر وہ پاگل ہو جائے گا۔ ہو سکتا تھا دیرا کو کسی شک کی بنا پر قتل ہی کر دے۔ دیرا کے دماغ میں کچھ اور آ گیا تھا۔ اُس نے محبت کی خاطر اِسے طغیانی سے بچانے اور اُسے باعزت حمص لانے کے صلے میں صلیبیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لیا تھا اور اب اپنے گھر کی بربادی دیکھنے کی اذیت سے بچانا چاہتی تھی۔ اُس نے تبریز کو اٹھا لیا اور چل پڑی۔ تبریز اُس کے ساتھ یوں جا رہا تھا جیسے ہپناٹائز کر لیا گیا ہو۔

صبح طلوع ہوئی تو حمص جلے ہوئے کھنڈروں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی مسلمان زندہ نہیں رہا تھا۔ بڑی مسجد کے مینار کھڑے تھے۔ خطیب اور اس کے ساتھی مقابلے کے بغیر شہید ہو گئے تھے۔ اس وقت دیرا تبریز کو ساتھ لیے صلیبی فوج کی خیمہ گاہ تک پہنچ چکی تھی۔ تبریز کا دماغ بیدار ہو گیا۔ اُس نے دیرا سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا لینے آئی ہے۔ دیرا نے اُس کے وسوسے اپنی زبان کے کمال سے رفع کر دیئے۔ اُسے ایک طرف کھڑا کر کے اُس نے ایک کماندار سے بات کی۔ کماندار نے اُسے کوئی راستہ سمجھایا۔ دیرا تبریز کو ساتھ لیے اُدھر چلی گئی۔

وہ جہاں پہنچے وہ شاہ بالڈون کی ذاتی خیمہ گاہ تھی جس پر محل کا گمان ہوتا تھا۔ محافظوں نے بہت کچھ پوچھ کر دیرا کو بالڈون کے خیمے میں جانے دیا۔ کچھ دیر بعد تبریز کو اندر بلا یا گیا۔ بالڈون نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا — "یہ لڑکی تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔ اس نے ایسی خواہش کا اظہار کیا ہے جسے ہم رد نہیں کر سکتے۔ تمہیں کسی قسم کا شک یا ڈر نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں اپنا مذہب تبدیل نہیں کروں گا۔" تبریز نے کہا۔

"تمہیں مذہب تبدیل کرنے کو کس نے کہا ہے۔" دیرا نے کہا۔

"پھر کیا ہوگا؟" تبریز نے پوچھا۔ "میں یہاں رہ کر کیا کروں گا؟ مجھے واپس جانا ہے۔"

"تبریز!" دیرا نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر کے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور کہا — "میں نے تمہیں کیا کہا تھا۔ مجھے بھی وہیں جانا ہے جہاں تمہیں جانا ہے۔"

تبریز کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

☆

عزالدین کا ایلچی سلطان صلاح الدین ایوبی کا جواب لے کر کبھی کا عزالدین کے پاس پہنچ چکا تھا۔ سلطان ایوبی کی ہدایت کے مطابق عزالدین نے ابن لاعون سے ایک ملاقات کر لی تھی اور اُسے یقین دلا دیا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ دوستی کرے گا اور سلطان ایوبی کو دھوکہ دے گا۔ اُس نے ابن لاعون کو ایسے سبز باغ دکھائے تھے کہ وہ پوری طرح اُس کے جھانسے میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد ابن لاعون اُسے ملنے قارا حصار آیا تھا۔ قارا حصار زرخیز اور سرسبز علاقہ تھا جسے دیکھ کر ابنِ لاعون کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔

اس سے چند ہی روز بعد سلطان ایوبی اپنی فوج کے ساتھ قارا حصار کے قریب جا خیمہ زن ہُوا۔ اس کی فوج تھکی ہوئی تھی لیکن وہ آرام میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ حملے میں تاخیر ہو گئی تو ابن لاعون کو فوج کی آمد کی خبر مل جائے گی۔ اُسے توقع تھی کہ ابنِ لاعون کے ساتھ بڑا سخت مقابلہ ہوگا۔ اس خطرے کے پیش نظر اُس نے حلب کی فوج کو بھی بلا لیا تھا۔ یہ اُس معاہدے کے تحت تھا جو سلطان ایوبی نے الملک الصالح کو شکست دے کر اُس کے ساتھ کیا تھا۔

آدھی رات سے کچھ دیر بعد سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو یلغار کے لیے کوچ کا حکم دیا۔ انٹیلی جنس رپورٹوں سے معلوم ہو گیا تھا کہ آرمینیوں کی چوکیاں کہاں کہاں ہیں اور ان میں کتنی کتنی نفری ہے۔ نفری جتنی بھی تھی وہ بے خبر پڑی تھی۔ عزالدین کی طرف سے تو انہیں حملے کا خطرہ ہی نہیں تھا اور سلطان ایوبی کا وہاں اتنی خاموشی سے پہنچ جانا اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کی یلغار سہ طرفی تھی۔ ہر حملہ آور کالم کے ساتھ عزالدین کے مہیا کیے ہوئے گائیڈ تھے۔ سلطان اُس کالم کے ساتھ تھا جس نے نہرالاسود (دریائے سیاہ) کی طرف سے حملہ کیا تھا۔

یہ دریا ابنِ لاعون کے ملک کی سرحد تھا۔ اس پر کشتیوں کا پُل بنا ہُوا تھا۔ دریا کے کنارے آرمینیوں کا قلعہ مخاصمتہ الاحزان تھا۔ ابنِ لاعون اسی قلعے میں مقیم تھا۔ اُسے سر کرنے سے تمام تر علاقہ فتح ہو سکتا تھا اسی لیے سلطان ایوبی اپنی فوج کے اس کالم کے ساتھ رہا۔ اس کی قیادت سلطان ایوبی کا بھتیجا فرخ شاہ کر رہا تھا جو غیر معمولی طور پر بہادر اور حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ دوسرے دو کالموں نے چوکیوں پر حملے کر کے دشمن کی فوج کو ہلاک یا قید کر لیا اور چوکیوں کو آگ لگا دی۔ دہشت پھیلانے کے لیے بعض بستیوں کو بھی آگ لگا دی گئی۔

ابن لاعون کی آنکھ اُس وقت کھلی جب سلطان ایوبی کے جانباز کمندیں پھینک کر قلعے کی دیواروں پر چڑھ گئے تھے اور منجنیقوں سے وزنی پتھر پھینک کر قلعے کا دروازہ توڑا جا چکا تھا۔ قلعے میں فوج سوئی ہوئی تھی۔ ابنِ لاعون دوڑ کر قلعے کے ایک مینار پر گیا۔ دُور اُسے آگ کے شعلے نظر آئے۔ وہ ابھی سوچ بھی نہ پایا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور وہ کیا کرے کہ سلطان ایوبی کا ایک جانباز جیش اُس پر ٹوٹ پڑا۔

اُس کے محافظوں نے مقابلہ تو خوب کیا لیکن مارے گئے اور ابنِ لاعون کو قید کر لیا گیا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب ابن لاعون کو سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ سلطان ایوبی حکم دے چکا تھا کہ قلعے کو مسمار کر دیا جائے۔ اس کی فوج اس کام کے لیے کافی نہیں تھی۔ عزالدین بھی سلطان ایوبی کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی کے کہنے پر ابن لاعون نے ہر طرف قاصد اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ تمام فوج ہتھیار ڈال کر قلعے کے قریب آ جائے .... فوج کے آنے تک سلطان ایوبی نے عزالدین کے کہنے پر ابنِ لاعون کے ساتھ صلح کی شرائط طے کر لیں۔ ان میں ایک یہ تھی کہ ابن لاعون اپنی آدھی فوج سلطان ایوبی کے حوالے کر دے۔ دوسری یہ کہ ابنِ لاعون کی فوج کی حد مقرر کر دی گئی۔ تیسری یہ کہ ابن لاعون سالانہ جزیہ دیتا رہے ___ اور ایسی چند اور شرائط تھیں جنہوں نے ابن لاعون کو برائے نام حکمران رہنے دیا۔

جب ابن لاعون کی فوج ہتھیار ڈال کر قلعے کے قریب اکٹھی ہو گئی تو سلطان ایوبی نے اس فوج کو حکم دیا کہ قلعے کو اس طرح مسمار کر دے کہ اس کا یہاں نشان بھی نہ رہے۔ شکست خوردہ فوج نے اُسی وقت قلعہ مسمار کرنا شروع کر دیا اور سلطان ایوبی اپنی فوج کو معانہ نام کے ایک گاؤں کے قریب لے گیا۔ اُس نے حلب کی فوج واپس بھیج دی اور اپنی فوج کو آرام کی لمبی مہلت دی۔ ابنِ لاعون کی جو آدھی فوج اُس نے لے لی تھی وہ عزالدین کو دے دی، مگر سلطان ایوبی کو معلوم نہ تھا کہ اُس کی فوج کی خیمہ گاہ جس سلسلۂ کوہستان کے دامن میں ہے، اس کے اندر اور اس کی بلندیوں پر بالڈوِن کی فوج آ چکی ہے اور وہ عقاب کی طرح اس پر جھپٹنے کو پر تول رہی ہے۔ سلطان ایوبی نے اس علاقے میں دیکھ بھال کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کیونکہ اُسے کسی فوج کا خطرہ نہیں تھا۔

تقریباً تمام مؤرخوں کی تحریروں سے حیرت کا اظہار ہوتا ہے کہ سلطان ایوبی نے عزالدین کے پیغام پر کیوں اپنا اتنا بڑا پلان تبدیل کر کے ابنِ لاعون جیسے غیر اہم حکمران پر فوج کشی کی جس میں اُس نے بے شک فتح حاصل کی لیکن جو وقت اور جو فوج ضائع ہوئی اُس کی قیمت زیادہ تھی۔ ارنول نام کا مؤرخ لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی اردگرد کے خطروں کو کم کرنا چاہتا تھا۔ اُس وقت کے وقائع نگار جن میں اسد الاسدی قابلِ ذکر ہے، لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی عزالدین کا پیغام پڑھ کر جذبات کے غلبے میں آ گیا تھا۔ بہر حال جنگ کے ماہرین نے سلطان ایوبی کے اس حملے کو سراہا نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کو معلوم تھا کہ قریب ہی کہیں شاہ بالڈوِن کی فوج ہے جو سلطان ایوبی پر اُس وقت حملہ کر سکتی تھی جب وہ ایک ہی رات میں حاصل کی ہوئی فتح کے مابعد کے انتظامات میں مصروف تھا۔ مؤرخ اس پر بھی حیران ہیں کہ بالڈوِن نے اپنی فوج کو اُس وقت پہاڑی علاقے میں جنگی ترتیب میں پھیلا دیا تھا جب سلطان ایوبی کی فوج پہاڑیوں کے دامن میں خیمے گاڑ رہی تھی۔ شاہ بالڈوِن نے حملے میں تاخیر کی۔ کسی بھی مؤرخ کو معلوم نہیں کہ یہ اس کی شاہانہ حماقت تھی یا کوئی مجبوری، اگر وہ اُسی وقت حملہ کرتا تو سلطان ایوبی کی حالت وہی ہوتی جو رملہ میں ہوئی تھی، شکست اور پسپائی!

☆

سلطان ایوبی کو وہاں خیمہ زن ہونے کے بعد بھی پتہ نہ چلا کہ شاہ بالڈوِن اس کے سر پر بیٹھا دانت تیز کر رہا ہے۔ بلندیوں سے بالڈوِن کے دیکھ بھال والے آدمی سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کو دیکھتے رہتے اور بالڈوِن کو بتاتے رہتے تھے۔ یہ غالباً پہلا موقع تھا کہ سلطان ایوبی کا جاسوسی اور دیکھ بھال کا نظام ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

تبریز بھی اس فوج کے ساتھ تھا۔ ویرا نے ابھی تک اُسے بتایا نہیں تھا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ کیوں لے آئی ہے۔ وہ شاید اُسے عیسائی بنا کر جاسوس بنانا چاہتی تھی۔ اُس میں دونوں باتیں تھیں۔ صلیب کی وفاداری بھی اور تبریز کی محبت بھی۔ شاہ بالڈوِن کو تبریز کے ساتھ کوئی دلچسپی تھی یا نہیں اُسے ویرا کے ساتھ گہری دلچسپی تھی کیونکہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ ایک روز ویرا نے بالڈوِن سے کہا تھا کہ وہ اُسے اُس کے ہیڈ کوارٹر میں بھیج دے جو عکرہ میں تھا۔ بالڈوِن نے اُسے روک لیا تھا۔

یہ اُس جگہ کی باتیں ہیں جو حمص کے قریب تھی۔ ایک روز بالڈوِن کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ سلطان ایوبی کی فوج تل خالد کو جا رہی ہے۔ بالڈوِن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان ایوبی ابنِ لاعون پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ وہ اس علاقے سے واقف تھا۔ اُس نے فوراً اپنی فوج کو معانہ کی پہاڑیوں کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اُس کا پلان یہ تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو ان پہاڑیوں میں گھسیٹ کر لڑائے گا۔ اس پلان کے مطابق اُس نے پہاڑیوں کی موزوں بلندیوں اور ڈھکی چھپی جگہوں میں اپنی فوج کو پھیلا دیا۔ یہ بہت بڑے پیمانے کی گھات تھی۔

اُس نے جب حمص کے قریب کی خیمہ گاہ سے کوچ کا حکم دیا تھا تو ویرا نے اُسے کہا کہ وہ اُس کے پاس پناہ لینے آئی تھی۔ تبریز کے متعلق اُس نے بالڈوِن کو ساری کہانی سنا کر بتایا تھا کہ وہ اُسے کیوں ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہے۔ اب جبکہ بالڈوِن لڑنے کے لیے جا رہا تھا ویرا اور تبریز کا اُس کے ساتھ رہنے کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ مگر بالڈوِن نے ویرا کو نہ جانے دیا۔

"میرے ہاں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں۔" بالڈوِن نے کہا ___ "مگر تم پہلی لڑکی ہو جس نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ہے۔ تم میرے پاس ہوتی ہو تو مجھے روحانی سکون محسوس ہوتا ہے ___ تم کچھ عرصہ اور میرے ساتھ رہو۔"

ویرا اپنے بادشاہوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ بالڈوِن کی نیت کو سمجھنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ اُس نے صاف الفاظ میں اُسے کہہ دیا ___ "اگر بات روحانی سکون کی ہے تو مجھے یہ سکون اس مسلمان سے ملتا ہے جس کا سارا کنبہ قتل کرا کے میں اُسے ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہوں۔ میں بتا نہیں سکتی کہ میں نے اسے اس کے کنبے کے قتل سے بے خبر رکھنے کا جو گناہ کیا ہے اس کا کفارہ میرا ضمیر مجھ سے کس طرح ادا کرائے گا۔"

"تمہاری بھی روح ہے؟" بالڈوِن نے طنزیہ کہا ___ "تمہارا ضمیر ہے؟ راتیں مسلمان امراء کے ساتھ گزارنے والی گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی بھی سوچ سکتی ہے؟"

"آپ کے سامنے میں صرف جسم ہوں، دلکش جسم" — ویرا نے کہا۔ "اور جب میں تبریز کے پاس ہوتی ہوں تو روح ہوتی ہوں، پیار کی پیاسی روح۔"

بالڈون بادشاہ تھا۔ اُس نے بادشاہوں کی طرح حکم دیا — "تم میرے ساتھ رہو گی" — اس نے دربان کو بلا کر کہا — "اس مسلمان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دو جو ہماری خیمہ گاہ میں رہتا ہے۔"

اور جب بالڈون مصافہ کی پہاڑیوں میں پہنچا تبریز زنجیروں میں بندھا ہُوا قیدی تھا اور ویرا ایسی قیدی جسے زنجیر نہیں ڈالی گئی تھی، وہ محافظوں کے پہرے میں تھی۔ یہاں آکر بالڈون اپنی فوج کے ڈیپلائے میں مصروف ہوگیا۔ فارغ ہُوا تو اُس نے ویرا کو تڑپانا شروع کر دیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ تبریز کو اپنے سامنے بلا لیتا۔ ویرا کو سامنے کھڑا کر لیتا اور حکم دیتا کہ تبریز کو کوڑے مارے جائیں۔ کوڑے تبریز کی پیٹھ پر پڑتے تو چیخیں ویرا کی نکل جاتی تھیں۔ بالڈون ویرا سے کہتا — "تم اپنے آپ کو مجھ سے بچا نہیں سکتیں، میں تمہیں اس زبان درازی کی سزا دے رہا ہوں جو تم نے میرے ساتھ کی تھی۔"

تبریز تو جیسے گونگا اور بہرہ ہوگیا تھا۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُسے یقین نہیں آتا تھا کہ اُسے یہ سزا ویرا دلا رہی ہے۔ ویرا کی چیخوں اور آہ و زاری سے وہ سمجھ گیا کہ ویرا بھی مظلوم ہے۔ تبریز برداشت کرتا رہا مگر ایک روز ویرا کی برداشت ٹوٹ گئی۔ وہ بالڈون کے پاس چلی گئی۔ اُس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگی اور کہا کہ جب تک کہیں گے اور جس طرح کہیں گے آپ کے ساتھ رہوں گی، تبریز کو چھوڑ دیں۔

بالڈون کے حکم سے تبریز کی زنجیریں کھول دی گئیں اور اُس کی مرہم پٹی کا انتظام کر دیا گیا۔ ویرا شاہ بالڈون کی تنہائی کی رونق بن گئی۔

چند دنوں بعد بالڈون نے رات شراب اور ویرا کے حُسن سے بدمست ہو کر اُسے کہا — "اگر میں صلاح الدین ایوبی کو تبریز کی طرح زنجیروں میں باندھ کر تمہارے سامنے کھڑا کر دوں تو مان جاؤ گی کہ میں اتنا بوڑھا نہیں جتنا تم سمجھتی ہو؟"

"میں صلاح الدین ایوبی سے کہوں گی کہ میں ملکہ بالڈون ہوں" — ویرا نے کہا — "اپنی تلوار میرے قدموں میں رکھ دو۔"

"دو روز بعد میں تمہیں یہ کر کے دکھا دوں گا جو میں نے کہا ہے" — بالڈون نے کہا۔

"ممکن نظر نہیں آتا" — ویرا نے کہا۔

"تم نے دیکھا نہیں کہ صلاح الدین نے میرے قدموں میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے؟" — بالڈون نے کہا۔ "پرسوں صبح کی تاریکی میں ہم اُس پر حملہ کریں گے۔ پیشتر اس کے کہ اسے معلوم ہو کہ یہ کیا ہُوا ہے وہ میرا قیدی ہوگا۔ اُسے میری موجودگی کا علم نہیں۔"

☆

تبریز آزاد تھا۔ اس کے متعلق بالڈون نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ چلا جائے، رہے یا کیا کرے۔ وہ

شاہی مہمان بنا ہُوا تھا۔ صبح طلوع ہوئی تو ویرا تبریز کے خیمے میں گئی۔ تبریز بے تابی سے اُسے ملا اور اس پر برس پڑا۔

"زیادہ باتوں کا وقت نہیں" — ویرا نے اُسے کہا۔ "میں آج تمہارے احسان کا صلہ اور تمہاری محبت کا جواب دینا چاہتی ہوں۔ میں جو کہتی ہوں وہ کرنا۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ میں نے بہت گناہ کیے ہیں۔ تمہارا حمص تباہ ہوچکا ہے۔ وہاں نہ جانا۔ وہاں کھنڈر ہوں گے اور تمہیں وہاں اپنے گھر والوں کی ہڈیاں ملیں گی۔"

اُس نے تبریز کو اس تباہی کی اور تبریز کو بچانے کی تفصیل سنا کر کہا — "تمہیں بالڈون کی فوج سے انتقام لینا ہے۔ آج رات اس طرح پہاڑی علاقے سے نکل جاؤ کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔ صلاح الدین ایوبی کے پاس جاؤ اور اُسے بتاؤ کہ صلیبی فوج تمہارے سر پر بیٹھی ہے اور پرسوں تم پر حملہ کرے گی۔" ویرا نے اُسے بالڈون کے حملے کا سارا پلان بتا دیا اور کہا — "اب میری طرف نہ دیکھو ورنہ یہاں سے ہل نہیں سکو گے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہماری منزلیں جُدا جُدا ہیں۔ آج ہم دونوں نے اپنی اپنی منزل پالی ہے۔"

اگر ویرا اُسے حمص کی تباہی اور قتلِ عام کی کہانی نہ سناتی تو تبریز وہاں سے اتنی جلدی نہ چلتا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے ویرا سے جُدا ہُوا...... شام تاریک ہوتے ہی وہ چپکے سے نکلا اور بچتا بچاتا نکل آیا۔ سلطان ایوبی کی فوج کی خیمہ گاہ میں آیا اور کہا کہ وہ سلطان کے پاس جانا چاہتا ہے۔ اسے وہاں پہنچا دیا گیا۔ سلطان ایوبی نے اُس کی ساری داستان تحمل سے سنی اور اُس سے بالڈون کی فوج اور اُس کے پلان کے متعلق پوری اطلاع لی۔ اس نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلایا اور ضروری احکام دیئے۔

شاہ بالڈون نے تیسری رات کے آخری پہر سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ پر حملہ کیا مگر وہ صرف خیمے تھے، فوج نہیں تھی۔ اچانک فضا میں جلتے والے تیروں کے شرارے اُڑے اور خیموں پر گرے۔ خیمے جن کے اندر خشک گھاس اور اس پر آتش گیر سیال چھڑکا ہُوا تھا، مہیب شعلے بن گئے۔ بالڈون نے یہ حالت دیکھی تو اُس نے اپنے مزید دستوں کو حملے کے لیے بھیجا۔ اُن پر دائیں اور بائیں سے تیروں کی بوچھاڑیں پڑیں۔ صبح ہوگئی۔ بالڈون کی اس فوج پر جو وادیوں میں چھپی ہوئی تھی حملہ ہوگیا۔ تب بالڈون کو احساس ہُوا کہ اُس نے سلطان ایوبی کو بے خبری میں نہیں لیا بلکہ وہ خود سلطان ایوبی کی گھات میں آگیا ہے۔

بالڈون ایک بلندی پر جا کھڑا ہُوا اور اپنی فوج کا حشر دیکھنے لگا۔ عقب سے اُس پر تیر آئے مگر وہ اس کے دو محافظوں کو لگے۔ وہ بھاگ کر نیچے اُترا تو آگے سے سلطان ایوبی کے سپاہی آگئے۔ بالڈون ایک تنگ سے راستے سے نکل بھاگا۔

اکتوبر ۱۱۷۹ء (۵۷۵ ہجری) کے اس معرکے میں بالڈون قیدی ہوتے ہوتے بچا۔ سلطان ایوبی نے رملہ کی شکست کا انتقام لے لیا جس سے اس کی فوج کا حوصلہ بلند اور خود اعتمادی بحال ہوگئی — اور ویرا اور تبریز تاریخ کی تاریکیوں میں روپوش ہوگئے۔

☆

جب بیٹا مر رہا تھا

رضیع خاتون کو خادمہ نے اطلاع دی کہ اُسے اُس کی بیٹی شمس النساء ملنے آئی ہے۔ رضیع خاتون کی آنکھیں ٹھہر گئیں، پھر ان آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ماں بیٹی اُس وقت جدا ہوئی تھیں جب بیٹی کی عمر نو سال تھی۔ اب بیٹی پندرہ سال کی ہو چکی تھی۔ ماں کو دوڑ کر باہر نکل جانا اور اپنی بچھڑی ہوئی بیٹی کو سینے سے لگا لینا چاہیے تھا مگر ماں نے غصے سے پوچھا۔ "وہ کیوں آئی ہے؟"

"آپ سے ملنے آئی ہے خاتون!" ۔۔۔ خادمہ نے کہا۔ "شاید آپ کے پاس واپس آگئی ہے۔"

ماں پر خاموشی طاری ہو گئی۔ خادمہ منتظر کھڑی تھی۔ ماں نے کہا۔ "اُسے کہو واپس چلی جائے۔ اپنے غدار بھائی کے پاس جائے۔ میرے سامنے آنے کی جرأت نہ کرے۔"

"یہ تو اُس وقت بچی تھی جب آپ کا بیٹا اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا"۔ خادمہ نے کہا۔ "معصوم بچی کو کیا معلوم تھا کہ بھائی اسے کہاں لے جا رہا ہے۔"

"میں جانتی ہوں اسے بھائی نے بھیجا ہے"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "اور میں یہ بھی جانتی ہوں کیوں بھیجا ہے۔ میرا بیٹا غدار اور بے غیرت ہے ۔۔۔ میں بیٹی سے نہیں ملوں گی۔"

رضیع خاتون نور الدین زنگی مرحوم کی بیوہ تھی۔ آپ اس سلسلے کی پچھلی اقساط میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ اسلام کی عظمت کا پاسبان نور الدین زنگی فوت ہو گیا تو اس کے امراء، وزراء اور بعض فوجی حکام نے من مانی کرنے کے لیے اس کے بیٹے الملک الصالح کو سلطان بنا دیا تھا۔ الصالح کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ شمس النساء اس کی چھوٹی بہن تھی۔ عمر آٹھ نو سال تھی۔ زنگی مرحوم کی سلطنت کے تحت بعض امراء اور قلعہ داروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور وہ بغداد کی خلافت تک سے آزاد ہو گئے۔ ان سب نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی مصر میں تھا۔ زنگی مرحوم اور سلطان ایوبی کے خلاف ان امراء وغیرہ کو یہ شکایت تھی کہ ان دونوں نے عیش و عشرت ممنوع قرار دے رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے جینے کا مقصد صرف یہ بنا رکھا تھا کہ صلیبیوں کے عزائم کو تہس نہس کریں گے، فلسطین کو آزاد کرائیں گے اور سلطنتِ اسلامیہ کو وسعت دیں گے۔

باغی امراء پر صلیبیوں کے اثرات بھی تھے۔ اسی لیے وہ عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ صلیبیوں کی بھیجی ہوئی لڑکیوں اور زر و جواہرات نے ان کا ایمان خرید لیا تھا۔ نور الدین زنگی تو فوت ہو گیا تھا،

اب یہ لوگ سلطان ایوبی کو شکست دے کر اس کی حکمرانی کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ زنگی مرحوم کی آدھی فوج باغی کر لی گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو اطلاع ملی تو وہ صرف سات سو سواروں کے ساتھ دمشق میں داخل ہُوا۔ شہریوں نے اس کا استقبال کیا۔ شہر کے قاضی نے اسے شہر کی چابی دے دی مگر فوج کا جو حصّہ باغی تھا وہ لڑا۔ یہ خانہ جنگی تھی۔ نورالدین زنگی کی بیوہ سلطان ایوبی کی حامی تھی۔ وہ اپنے خاوند کے مقاصد کی تکمیل چاہتی تھی۔

ایک ہی رات میں باغی فوج کو شکست ہُوئی۔ رات ہی رات الملک الصالح، اُس کے حاشیہ بردار اُمرا اور دو تین سالار اور باغی فوج دمشق سے بھاگ کر حلب چلے گئے۔ الملک الصالح اپنی بہن شمس النساء کو بھی ساتھ لے گیا۔ جن اُمرا اور قلعہ داروں نے خود مختاری کا اعلان کیا ان میں حرّان کا قلعہ دار گمشتگین اور موصل کا امیر سیف الدین غازی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ الملک الصالح نے حلب کو اپنا دارالحکومت بنا لیا، پھر یہ شہر اس کی فوج، گمشتگین اور سیف الدین کی افواج کا مشترکہ ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ ان سب کے پاس صلیبی مشیر آ گئے۔ ان کے ساتھ شراب اور لڑکیاں بھی آئیں جو صرف خوبصورت ہی نہیں تھیں بلکہ جاسوسی اور ذہنی تخریب کاری کی ماہر تھیں۔ صلیبیوں نے انہیں برائے نام جنگی مدد بھی دی اور اپنی پراپیگنڈہ مشینری کو اس طرح استعمال کیا کہ ان کے دلوں میں سلطان ایوبی کی مخالفت پختہ ہو گئی۔

نورالدین زنگی کی بیوہ رضیع خاتون دمشق میں رہی جہاں اُس نے لڑکیوں کو فوجی ٹریننگ دینے کا انتظام کر لیا اور اُس نے جہاں ضرورت پڑی ان لڑکیوں کو استعمال کیا۔ وہ جوانی کی عمر میں تھی۔ اُس کا خاوند مر چکا تھا۔ اُس سے دو ہی بچے تھے۔ دونوں اس سے چھن گئے۔ وہ معصوم بچے تھے۔ ماں نے سینے پر سِل رکھ لی اور اپنے آپ کو یہ یقین دلا لیا کہ اس کے بچے بھی مر گئے ہیں مگر کبھی کبھی ممتا اُبھر آتی تھی اور اُس کے آنسو نکل آتے۔ سلطان ایوبی نے اپنے جاسوس حلب، حرّان اور موصل میں بھیج دیئے تھے۔ وہ بڑی خطرناک اطلاعیں بھیج رہے تھے۔ وہاں صلیبیوں کی زیرِ نگرانی زور و شور سے سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے مصر سے فوج بلا لی۔ دمشق کی فوج کا بڑا حصّہ اس کے ساتھ تھا۔ اُس نے پہلے تو تمام باغی امراء کو پیغام بھیجے کہ وہ عظمتِ اسلام کی خاطر صلیبیوں کے ہاتھوں میں نہ کھیلیں اور اُس کا ساتھ دیں تاکہ صلیبیوں کو عالمِ اسلام سے بے دخل کر کے یورپ پر چڑھائی کی جائے مگر اُن ایمان فروشوں نے سلطان ایوبی کے ایلچیوں کا مذاق اُڑایا اور جواب دیئے بغیر واپس بھیج دیا۔ گمشتگین نے جو قلعہ دار سے خود مختار حاکم بن گیا تھا، سلطان ایوبی کے دو ایلچیوں کو قید میں ڈال دیا۔

سلطان ایوبی نے پیش قدمی کی۔ نورالدین زنگی کی بیوہ دمشق سے دُور تک اُسے رخصت کرنے گھوڑے پر سوار اُس کے ساتھ گئی اور بوقتِ رخصت کہا — "اگر میرا بیٹا تمہارے تیر اور تلوار کی زد میں آ ئے تو بھول جانا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ وہ غدّار ہے۔ اُس کی لاش ملے تو دفن نہ کرنا۔ گِدھوں اور گیدڑوں کے

آگے پھینک دینا۔" ماں کی آنکھیں خشک تھیں لیکن سلطان ایوبی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رضیع خاتون اُس سے چھوٹی تھی۔ اُس نے سلطان ایوبی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما اور کہا — "اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے۔" وہ بہت دیر تک فوج کو جاتے دیکھتی رہی تھی۔

یہاں سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا طویل اور خون میں ڈوبا ہُوا دور شروع ہو گیا۔ آپ ان تمام لڑائیوں کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں جو سلطان ایوبی کو مسلمان امراء کے خلاف لڑنی پڑیں۔ صلیبیوں نے یہ پلان بنایا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی بجائے انہیں آپس میں لڑایا جائے اور ان کے اتحاد کے ساتھ ساتھ ان کی جنگی طاقت کو بھی ختم کیا جائے۔ اس دوران انہوں نے حسن بن صباح کے فدائیوں سے سلطان ایوبی پر قاتلانہ حملے بھی کرائے۔ اللہ نے ہر بار اسلام کی عظمت کے اس پاسبان کو بچا لیا۔ مسلمان تین چار سال آپس میں لڑ لڑ کر مرتے رہے۔ سلطان ایوبی کو خدائے ذوالجلال نے ہر میدان میں فتح عطا فرمائی۔ ایک لڑائی میں زنگی کی بیوہ کی بھیجی ہوئی سینکڑوں لڑکیوں نے بھی معرکہ لڑا اور معرکے کا پانسہ پلٹ دیا تھا مگر سلطان ایوبی نے سختی سے حکم دے دیا کہ آئندہ کوئی عورت میدانِ جنگ میں نہ آئے۔

آخری معرکے میں سلطان ایوبی حلب تک جا پہنچا اور حلب کا دفاعی قلعہ اعزاز لے لیا۔ الملک الصالح نے اپنی بہن شمس النساء کو اپنے ایلچیوں کے ساتھ سلطان ایوبی کے پاس صلح کے معاہدے کے لیے بھیجا اور بہن سے یہ بھی کہلوایا کہ اعزاز کا قلعہ انہیں واپس دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے بچی کو گلے لگا لیا۔ الملک الصالح کی پیش کش منظور کر لی۔ اعزاز کا قلعہ بچی کو دے دیا۔ چند ادر شرائط طے کر کے الملک الصالح کو حلب کا نیم خود مختار حکمران رہنے دیا۔ ان شرائط میں یہ بھی تھا کہ سلطان ایوبی کو جب فوج کی ضرورت پڑے گی الملک الصالح اسے فوج دے گا۔ یہ صلح کا معاہدہ تھا۔ گمشتگین کو الملک الصالح نے اپنے خلاف سازش کے جرم میں مروا دیا تھا۔ باقی امراء نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی۔

پچھلی قسط میں آپ نے پڑھا ہے کہ سلطان ایوبی نے قارا حصار کے حکمران ابن لاءون کو شکست دی۔ اس جنگ میں معاہدے کے مطابق حلب سے بھی فوج بھیجی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے ایک صلیبی بادشاہ بالڈون کو جو سلطان ایوبی پر حملہ کرنے آیا تھا، بہت ہی بُری شکست دی۔ بالڈون قید ہوتے ہوتے بچا اور اُس کی فوج کا انجام بہت ہی بُرا ہُوا۔ اب سلطان ایوبی انہی علاقوں میں کہیں خیمہ زن تھا اور صلیبی اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اُس کی اگلی پیش قدمی کس طرف ہو گی۔

☆

نومبر ۱۱۸۱ء (رجب ۵۷۷ھ) کا واقعہ ہے کہ الملک الصالح کی چھوٹی بہن شمس النساء حلب سے دمشق اپنی ماں کو ملنے آئی۔ وہ ماں سے جُدا ہوئی تو اس کی عمر آٹھ نو سال تھی۔ اب وہ پندرہ سولہ سال

کی جوان لڑکی تھی۔ الملک الصالح سترہ اٹھارہ سال کا جوان ہوگیا تھا۔ شمس النساء کے ساتھ محافظ بھی تھے۔ خادمہ نے نورالدین زنگی کی بیوہ کو بتایا کہ اُس کی بیٹی آئی ہے۔ اُس نے بیٹی سے ملنے سے انکار کر دیا۔ خادمہ بھی عورت تھی۔ اُس نے رضیع خاتون کو قائل کرنے کے لیے ممتا کا واسطہ دیا اور کہا — "وہ اتنی دُور سے اتنے عرصے بعد آئی ہے۔ اسے اندر بلا کر کہہ دیں کہ وہ چلی جائے۔"

"ممتا مر چکی ہے" — رضیع خاتون نے کہا۔

اتنے میں کمرے میں ایک نوجوان لڑکی داخل ہوئی۔ اس کے چہرے، بالوں اور کپڑوں پر گرد کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ لمبے سفر سے آئی ہے۔ رضیع خاتون نے حیران ہوکر اُسے دیکھا اور پوچھا — "تم کون ہو؟"

لڑکی خاموش کھڑی رہی۔ خادمہ ایک طرف ہٹ گئی۔ رضیع خاتون آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اُس کے بازو اپنے آپ ہی پھیلتے جا رہے تھے۔ اس کے منہ سے سرگوشی نکلی — "تم میری بچی ہو۔ شمس النساء، میری شمسی" — وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی — "تم اتنی بڑی ہوگئی ہو" — شمس النساء دروازے کے پاس خاموش کھڑی رہی۔

رضیع خاتون اپنی بیٹی سے دو تین قدم دُور رہ گئی تو رُک گئی۔ اس کے پھیلے ہوئے بازو اُس کے پہلوؤں میں گر پڑے۔ اُس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ دو تین قدم آگے جانے کی بجائے وہ دو تین قدم پیچھے ہٹ آئی۔ اُس کے دانت جو مسکرائے تھے غصّے سے پسنے لگے۔ ممتا جو اپنے آپ بیدار ہوگئی تھی اپنے آپ بُجھ گئی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" — ماں نے دبی ہوئی مگر قہر بھری آواز میں پوچھا۔

"ماں!" — شمس النساء نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور بازو پھیلا کر آگے بڑھی — "میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔ میں نے بارہ روز کی مسافت تین دنوں میں طے کی ہے۔"

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" — ماں نے بلند آواز سے پوچھا اور کہا — "دُور کھڑی رہو۔ میں صلیبیوں کے سائے میں پلی ہوئی لڑکی کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔"

"ماں! میری بات سن لو" — بیٹی نے منّت کی — "میرے اوپر جو گرد پڑی ہے اسے دیکھو۔"

"اس گرد سے مجھے مجاہدینِ اسلام کے خون کی بُو آ رہی ہے" — ماں نے کہا — "یہ اُن مجاہدین کا خون ہے جو میرے بیٹے کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ یہ خانہ جنگی کا خون ہے۔"

"ماں!" — شمس النساء دوڑ کر آگے آئی اور ماں کے قدموں میں گر پڑی۔ رو رو کر کہنے لگی — "بھائی الملک الصالح مر رہا ہے۔ شاید مر چکا ہو۔ وہ آپ کو بلا رہا ہے۔ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ اُس نے مجھے بھیجا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ ماں کو لے آؤ، میں اُس سے دودھ کی دھاریں اور گناہ بخشواؤں گا۔"

"میں اُسے دودھ کی دھاریں بخش سکتی ہوں" — ماں نے کہا — "اُسے وہ خون کون بخشے گا

جو اُس نے مسلمان کی اولاد ہو کر مسلمانوں کا بہایا ہے۔ ماں اپنے بیٹے کی غداری کا گناہ نہیں بخش سکتی۔"

"ماں! وہ آپ کا اکلوتا بیٹا ہے" — شمس النساء نے کہا — "وہ آپ کے عظیم شوہر کی نشانی ہے۔"

"اُس نے باپ کی عظمت کو صلیبیوں کے قدموں تلے پھینک دیا ہے" — ماں نے کہا۔

"وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکا ہے" — شمس النساء نے کہا — "اُن کی اب آپس میں کبھی لڑائی نہیں ہوگی۔"

"کیا تم مجھے حلفیہ بتا سکتی ہو کہ اُس کے ہاں کوئی صلیبی موجود نہیں؟" — ماں نے گرج کر پوچھا — "کیا اُس کے حرم میں کوئی صلیبی اور یہودی لڑکی نہیں؟ وہ اب اٹھارہ سال کا جوان ہو گیا۔ اُس کے نیچے اب گھوڑا بھی محسوس کرتا ہوگا کہ پیٹھ پر کوئی مرد سوار ہے۔ مجھے یقین دلا دو کہ میرے بیٹے کے دربار سے صلیب کے مکروہ سائے اٹھ گئے ہیں تو تم نے بارہ روز کی جو مسافت تین دنوں میں طے کی ہے وہ میں ڈیڑھ دن میں طے کرکے اپنے بیمار بیٹے کے پاس پہنچوں گی۔"

"وہ اب کسی لڑکی کو دیکھنے کے بھی قابل نہیں رہا ماں!" — بیٹی نے کہا — "اُس کی زندگی کے لیے دعا کرو۔"

"میں دعا نہیں کروں گی" — ماں نے کہا — "اور میں بددعا بھی نہیں دوں گی" — اُس کی آواز کو جذبات نے دبا لیا۔ وہ رقّت میں دبی ہوئی آواز میں بولی — "ماں بددعا نہیں دیا کرتی لیکن ماں کی آہ کو خدائے ذوالجلال نظر انداز بھی نہیں کیا کرتے۔ میں روزِ محشر اُن ہزاروں شہیدوں کی ماؤں، بیویوں اور بیٹیوں کے آگے شرمسار بھی نہیں ہونا چاہتی جو میرے بیٹے کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں۔ میں ان شہیدوں کی مقدس روحوں کو اپنی ممتا کے خون کا خراج دوں گی۔"

"وہ اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہا ہے ماں!" — بیٹی نے روتے اور چلّاتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی مجھے فریب نظر آتا ہے" — ماں نے کہا — "مجھے معلوم ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب کو تہ تیغ کر لیا تو اُس نے تمہیں صلاح الدین ایوبی کے پاس اعزاز کے قلعے کی بھیک مانگنے کو بھیجا تھا۔ اس عظیم سلطان نے تمہیں اپنی بچی سمجھ کر قلعہ تمہیں بخش دیا تھا۔ الصالح خود سلطان کے سامنے کیوں نہیں آیا تھا؟ اُس نے شکست کھائی تھی تو اُسے اپنے گناہوں سے شرمسار ہونا چاہیے تھا۔ اُسے خود آ کر اپنی تلوار ایوبی کے قدموں میں رکھ دینی چاہیے تھی۔ ایوبی اُس کا دشمن نہیں تھا۔ اُسے وہ ماموں جان کہا کرتا تھا۔ مگر اپنا ایمان نیلام کر دینے والوں میں اپنے گناہوں کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ وہ بزدل اور فریب کار ہو جاتے ہیں، عیّار اور مکّار ہو جاتے ہیں۔"

"پتھر دل نہ ہو ماں!" — شمس النساء نے کہا۔

"ہر وہ شہید جو اس خانہ جنگی میں شہید ہوا ہے اُس کی ماں نے دل پہ پتھر رکھا ہوا ہے" — ماں نے کہا — "وہ کسی کو بتاتے ہوئے شرمسار ہوتی ہیں کہ انہوں نے جو بیٹے اسلام کے دشمنوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجے تھے وہ آپس میں لڑ کر مارے گئے۔ اس کا ذمّہ دار کون ہے؟ .... میرا بیٹا!"

"وہ اُس وقت بہت چھوٹا تھا ماں!"

"تو میرے پاس رہتا۔" ماں نے کہا۔ "اُس کا شعور جب بیدار ہو گیا تھا تو میرے پاس آجاتا۔ حلب سلطان ایوبی کے حوالے کر دیتا..... تم چلی جاؤ۔ تم جلدی چلی جاؤ۔ اگر اسلام کی مائیں جذبات میں اُلجھ گئیں تو اللہ کی راہ میں کوئی بیٹا شہید نہیں ہوگا۔ میں مامتا کو مار چکی ہوں۔ مامتا شہید ہو چکی ہے۔"

"مائیں اپنی بیٹیوں کو یوں رخصت کیا کرتی ہیں ماں؟"

"تو میرے پاس رہو۔" ماں نے کہا۔ "مگر اس شرط پر کہ میرے سامنے بھائی کا کبھی نام نہیں لو گی۔"

"بس! یہ ممکن نہیں۔" بیٹی نے کہا۔ "جس بھائی نے مجھے پالا پوسا ہے اُس کا نام میں کیوں نہیں لوں گی؟"

"تو اُسی کے پاس چلی جاؤ۔" ماں نے کہا۔ "تم صلیبیوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہو۔ یہاں کی بیٹیوں کو دیکھو۔ اسلام کے نام پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ میں جب انہیں جنگی تربیت دیتی اور انہیں ڈانٹتی اور جھڑکتی ہوں تو ڈرتی ہوں کہ اُن میں سے کوئی مجھے یہ نہ کہہ بیٹھے کہ ذرا اپنی بیٹی کی بھی خبر لو..... کیا تم اس غلیظ حقیقت کو جھٹلا سکتی ہو کہ میرا بیٹا صلیبیوں کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتا ہے اور اُس کے حرم میں صلیبی اور یہودی لڑکیاں ہیں؟"

شمس النساء کا سر جھک گیا۔ وہ انکار نہ کر سکی۔

"اپنی ماں کے گھر کا کھانا قبول کر لو اور جاؤ۔" ماں نے کہا۔ "اگر میرا بیٹا زندہ ہوا تو اُسے کہنا کہ ماں نے تمہیں دودھ کی دھاریں بخش دی ہیں مگر شہیدوں کا خون نہیں بخشتا۔ اُسے کہنا کہ تمہارے سینے میں صلیبیوں کا تیر اُتر گیا ہوتا اور تم سلطنتِ اسلامیہ کے جھنڈے کے سائے میں گر کر جان دیتے تو تمہاری ماں اُڑ کر پہنچتی اور تمہاری لاش کو سینے سے لگا کر دمشق لاتی اور فخر سے کہتی کہ یہ ہے میرے شہید بیٹے کا مزار..... اب میں کیا کہوں؟ ماں کا فخر بیٹے نے چھین لیا ہے۔"

شمس النساء کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اُس نے سر اُٹھایا تو اُس کے رخساروں پر گرد کی جو تہہ جمی ہوئی تھی، اس میں سے آنسوؤں نے ندی کی طرح راستہ بنا لیا تھا۔ اس نے دو زانو ہو کر ماں کے کُرتے کا دامن پکڑا، چوما، آنکھوں سے لگایا اور اُٹھ کر کہا۔ "وہ میرا بھائی ہے، بچپن کا ساتھی ہے۔ شاید زندہ نہ رہے۔ میں اُس کے پاس ضرور جاؤں گی۔ طبیبوں نے کہہ دیا ہے کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ میں اُس کے کفن دفن کے بعد آپ کے قدموں میں آ بیٹھوں گی۔"

"کس لیے؟" ماں نے طنزیہ پوچھا۔

"اُس بچے کو جنم دینے کے لیے جو اللہ کی راہ میں شہید ہوگا۔" بیٹی نے کہا۔ "آپ کے بیٹے کے عوض میں آپ کو ایک بچہ دوں گی جس کی قبر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر آپ فخر سے کہہ سکیں گی کہ یہ میرے شہید بیٹے کا مزار ہے..... میں آؤں گی ماں، میں آؤں گی۔ میری شادی کا انتظام کر رکھنا۔ میں آنکھیں بند

کر کے آئی تھی، آنکھیں کھول کر جا رہی ہوں۔ مجھے اجازت دو کہ بھائی کو اپنے ہاتھوں کفن پہنا سکوں..... الوداع ماں! الوداع!"

لڑکی جو دبے پاؤں، آہستہ آہستہ چلتی اندر آئی تھی، سینہ پھیلا کر، گردن تان کر لمبے ڈگ بھرتی کمرے سے نکل گئی۔ ربیع خاتون اُسے دیکھتی رہی۔ دروازہ بند ہوا تو اُس نے بازو پھیلا دیے اور وہ دروازے تک گئی۔ اُس کے منہ سے چیخ سی نکلی — "میری بچی!" — اُس نے دروازہ ذرا سا کھولا۔ باہر سے اُسے اپنی بچی کی آواز سنائی دی جو بڑی ہی گرجدار تھی — "بن آفر! تمام سواروں کو جلدی بلاؤ، حلب کو واپسی کے لیے، فوراً!"

ذرا سی دیر بعد ماں نے ذرا سے کھلے ہوئے کواڑ میں سے دیکھا۔ اُس کی بیٹی گھوڑے پر سوار ان سواروں کے آگے چلی جا رہی تھی جو اُس کے حکم پر تیز ہو گئے۔ ربیع خاتون نے کواڑ بند کر دیا اور اُس کی ہچکی بندھ گئی۔ خادمہ اندر آئی تو ربیع خاتون نے روتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھو کی چلی گئی ہے۔"

★

یہ نومبر ۱۱۸۱ء کا واقعہ ہے جب ماں بیٹی کی ملاقات ہوئی تھی۔ دو سال پہلے کا واقعہ ہے جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ابن لاعون کو ایسی شکست دی کہ اُس کا قلعہ اُسی کی فوج کے جنگی قیدیوں سے اس طرح مسمار کروا دیا تھا کہ اس کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ اس کا ملبہ دریا میں پھینک دیا گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے صلیبی بادشاہ بالڈون کو شکست دی تھی۔ یہ دراصل ایک مسلمان جاسوس کا کارنامہ تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو بروقت اطلاع دے دی تھی کہ فوج فلاں پہاڑی مقام پر گھات میں بیٹھی ہے۔ آپ نے ان دونوں جنگوں کی تفصیلات پچھلی قسط میں پڑھی ہیں۔

یہ بالڈون کی دوسری پسپائی اور پٹائی تھی۔ اس سے پہلے وہ سلطان ایوبی کے بھائی العادل سے ایسی ہی شکست کھا چکا تھا۔ اب سلطان ایوبی نے اُسے اٹھنے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا لیکن وہاں وہ اکیلا صلیبی بادشاہ نہیں تھا۔ عالمِ اسلام میں کئی صلیبی افواج موجود تھیں۔ اُن کے حکمران دل سے ایک دوسرے کے خلاف تھے لیکن اُن کا دشمن مشترک تھا اس لیے وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ ہر ایک کے دل میں یہی تھا کہ وہ اکیلا زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قابض ہو جائے۔ اسی مقصد کے تحت بالڈون نے اکیلے العادل اور اس کے بعد سلطان ایوبی سے جنگیں لڑی تھیں۔ اُس کے پاس فوج اور وسائل کی کمی نہیں تھی۔ اُس کا اسلحہ بھی برتر تھا اور اس کے جانور بھی بہتر تھے لیکن ہار گیا۔

کچھ عرصہ تو اُسے بکھری ہوئی فوج اکٹھی کرنے میں لگ گیا۔ اس دوران اُسے اطلاع ملی کہ سلطان ایوبی ابنِ لاعون کو بھی شکست دے کر اس کی بادشاہی اور جنگی طاقت کمزور کر آیا ہے۔ ابنِ لاعون آرمینی تھا۔ آرمینی صلیبیوں کے دوست تھے۔ ان کی شکست صلیبیوں کے لیے اچھی خاصی چوٹ تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اطلاع ملی کہ ابن لاعون کی سلطنت تل خالد اور اس کے قلعے قارا حصار

پر حملے میں سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ الملک الصالح کی فوج کے دستے بھی تھے تو وہ بے چین ہو گیا۔ یہ تو اُسے اور دوسرے صلیبی حکمرانوں کو پتہ چل چکا تھا کہ سلطان ایوبی نے الملک الصالح کو شکست دے کر اپنا خود مختار امیر بنا لیا ہے مگر انہیں یہ توقع تھی کہ الصالح اس معاہدے پر عمل نہیں کرے گا۔ یہ الصالح کی خصلت تھی۔ وہ بظاہر سلطان ایوبی کے تابع ہو گیا تھا مگر اُس نے صلیبیوں کے ساتھ مراسم نہیں توڑے تھے۔ اب بالڈون کو پتہ چلا کہ الصالح نے سلطان ایوبی کو فوج دی تھی تو وہ یروشلم چلا گیا جہاں صلیبی بادشاہوں کا ہیڈ کوارٹر بن گیا تھا۔ دوسرا ہیڈ کوارٹر عکرہ تھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسلمان پھر متحد ہو رہے ہیں؟" — بالڈون نے صلیبی حکمرانوں اور جرنیلوں کی کانفرنس میں کہا — "الملک الصالح کو آپ لوگ اپنا اتحادی سمجھتے رہے اور اُس نے اپنی فوج صلاح الدین کو دے دی تھی۔"

"ابن لاعُون کی شکست ہماری شکست ہے۔" — فلپس آگسٹس نے کہا — "اگر آپ گھات میں بیٹھنے کی بجائے ابن لاعون کی مدد کو پہنچتے، صلاح الدین پر عقب سے حملہ کر دیتے تو شکست اس کی ہوتی۔"

"جس طرح آپ میں سے کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ صلاح الدین نے پیش قدمی کا رُخ بدل کر تل خالد کا رُخ کر لیا ہے اس طرح مجھے بھی معلوم نہ ہو سکا۔"

"یہ آپ کے نظام جاسوسی کی کوتاہی ہے۔" — گے آف لوزینان نے کہا — "ہم بہت دور تھے۔ دیکھ بھال اور جاسوسی کا انتظام آپ کو کرنا چاہیے تھا۔ آپ قریب تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج آپ کے قریب سے گزر گئی۔ آپ کو پتہ نہ چل سکا۔ آپ گھات میں چھپے رہے۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایک مسلمان جاسوس ہے۔" — بالڈون نے کہا — "میں اُسے بے ضرر آدمی سمجھتا رہا۔ وہ میرا قیدی تھا مگر بھاگ گیا اور سلطان ایوبی کو گھات کی خبر دے دی.... لیکن اب یہ سوچنا ہے کہ ایوبی اور الصالح کا معاہدہ اور اتحاد کس طرح توڑا جائے۔"

"کیا آپ مسلمانوں کی کمزوریوں کو بھول گئے ہیں یا انہیں نظر انداز کر رہے ہیں؟" ایک اور صلیبی بادشاہ نے کہا۔ "اُس وقت الصالح بچہ تھا جب ہم نے اُس کے مشیروں، امیروں اور سالاروں کو تحفے تحائف اور عیاشی کا سامان دے کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اب وہ جوان ہو گیا ہے۔ اسے اب ہاتھ میں لینا زیادہ آسان ہے۔ اپنا حربہ استعمال کریں اور مخصوص تحفہ اپنے ایلچی کے ہمراہ بھیج دیں۔ اگر آپ جنگی قوت سے اُسے ساتھ ملانے کی سوچ رہے ہیں تو یہ خیال ذہن سے نکال دیں۔ سلطان ایوبی کی فوج اس علاقے میں موجود ہے۔ العادل بھی اپنی فوج کے ساتھ یہیں ہے۔ الصالح کے پاس اپنی فوج کے علاوہ حران اور موصل کی فوج بھی ہے۔ اگر آپ نے حلب پر حملہ کیا تو سلطان ایوبی تمام افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اگر اُس نے ہم پر فتح حاصل نہ کی تو یہ نقصان ضرور ہو گا کہ الصالح

آپ کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا۔ ہمیں فلسطین کا دفاع کرنا ہے۔ ہم نے اپنی افواج کو مختلف جگہوں پر پھیلا دیا ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ صلاح الدین ادھر کا رُخ کرتا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔ ان حالات میں ہم آپ کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ آپ اپنے طور پر الصالح کو ہاتھ میں لے لیں۔"

☆

۱۱۸۰ء میں والیٔ موصل سیف الدین غازی مر گیا۔ اس کی جگہ عزالدین مسعود نے امارت سنبھال لی۔ اسی سال سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی شمس الدولہ توران شاہ سکندریہ میں فوت ہو گیا۔ سلطان ایوبی مصر چلا گیا۔ وہاں کے حالات پھر بگڑنے لگے تھے۔ وہ اپنی فوج اپنے بھائی العادل کی زیر کمان پیچھے چھوڑ گیا تھا۔

پھر ۱۱۸۱ء کا سال آ گیا۔ بالڈون نے اپنی فوج کی کمی پوری کر لی تھی۔ اُسے ٹریننگ بھی دے لی تھی۔ اُس نے اپنی فوج کو سلطان ایوبی کی چالوں کے مطابق جنگی مشقیں بھی کرائی تھیں۔ وہ حملے کے لیے تیار تھا لیکن الملک الصالح کو وہ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا تھا۔

الصالح اب بچہ نہیں جوان تھا۔ سلطنت کے کاروبار کو وہ سمجھنے لگا تھا۔ اُس کی کمزوری اُس کے مشیر اور سالار تھے جو در پردہ صلیبیوں کے حامی تھے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر لی تھی مگر اُس کے دماغ سے ابھی بادشاہی کا خبط نکلا نہیں تھا۔ وہ خود مختار حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ایک روز اُسے اطلاع ملی کہ صلیبی بادشاہ بالڈون کا ایلچی آیا ہے۔ اُس نے فوراً اُسے اندر لانے کی اجازت دے دی۔ یہ ایلچی ذہنی تخریب کاری کا ماہر اور انسانی نفسیات کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اُس نے الملک الصالح کو بتایا کہ وہ کچھ تحفے بھی لایا ہے۔

تحفوں میں ایک تو بیش قیمت ہیروں اور جواہرات اور سونے کے سکوں کا بکس تھا، دو تلواریں تھیں۔ پچاس اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے اور ایک لڑکی تھی۔ الصالح نے باہر جا کر گھوڑے دیکھے، ہیرے اور جواہرات دیکھے لیکن جس تحفے پر اُس کی نظریں جم کر رہ گئیں وہ لڑکی تھی۔ وہ بہت دیر لڑکی کو ہی دیکھتا رہا۔ اُس کی اٹھتی جوانی کی تمام تر کمزوریاں ایک جادو بن کر اُس کی عقل پر غالب آ گئیں۔ ایلچی نے اُس کے ہاتھ میں بالڈون کا پیغام دیا جو عربی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ اُس نے کچھ دیر تو پیغام کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ لڑکی اُس کے خوابوں سے زیادہ حسین تھی۔

ایلچی نے پیغام کھول کر اُس کے آگے رکھا۔ اُس نے پڑھا۔ بالڈون نے لکھا تھا — "عزیز الملک الصالح والیٔ حلب! میں ایلچی اور تحفوں کی بجائے اپنی فوج بھیج سکتا تھا لیکن میں آپ کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ میرے دوست اور میرے بچے ہیں۔ ہم نے آپ کی مدد اُس وقت کی ہے جب آپ بچے تھے اور صلاح الدین ایوبی آپ کی سلطنت پر قابض ہونے کے لیے آ گیا تھا۔ ہمیں افسوس ہے کہ گمشتگین اور سیف الدین نے آپ کو دوستی کے دھوکے میں رکھا

ہم بھی اس دھوکے کو نہ سمجھ سکے۔ اگر آپ اکیلے ہوتے تو آپ کی فوج کبھی شکست نہ کھاتی۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ گمشتگین کس قدر فریب کار تھا۔ آپ کو اُسے سزائے موت دینی پڑی۔ سیف الدین نے بھی آپ کو ہمیشہ دھوکے میں رکھا۔ وہ حلب پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ ہم تھے جنہوں نے اُسے ان عزائم سے باز رکھا۔۔۔۔

"آپ نے آخر صلاح الدین ایوبی سے شکست کھائی جس نے آپ کو اُس کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ آپ اتنے مجبور ہوئے کہ اُسے آپ نے ابنِ لاعون پر حملہ کرنے کے لیے فوج دے دی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ جیسا غیور جنگجو اپنی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا مگر آپ تنہا تھے۔ میں خود جنگ و جدل میں اُلجھا رہا ورنہ آپ کی مدد کو پہنچتا۔ اب میں آپ کی طرف توجہ دینے کے قابل ہو گیا ہوں۔ آپ یہ نہ بھولیں کہ صلاح الدین ایوبی نے آپ کو ایسی خود مختاری دی ہے جس کا مطلب غلامی ہے۔ وہ آپ کو آہستہ آہستہ غلام بنا رہا ہے۔ اُس نے عزالدین کی مدد کے لیے آرمینیوں کو شکست دی اور اُسے اپنے احسان کی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ تمام چھوٹے چھوٹے امراء اُس کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اب اُس کی نظر آپ کے علاوہ موصل اور حران پر ہے۔۔۔۔

"ذرا غور کریں کہ وہ مصر سے ہمارے خلاف لڑنے کے لیے فوج لایا تھا لیکن اُس نے تل خالد پر جا حملہ کیا اور آپ سے بھی فوج لے لی۔ اب وہ پھر مصر چلا گیا ہے۔ اُس کے جانے کا جو مقصد ہے وہ ہمارے جاسوس ہمیں بتا چکے ہیں۔ وہ بے بہا خزانہ لے کر گیا ہے جو وہ قاہرہ اپنے خزانے میں رکھ کر واپس آئے گا۔ اُس نے آپ کو کیا دیا ہے؟ آپ کی فوج کو اُس نے مالِ غنیمت میں کتنا حصہ دیا ہے؟ اُس نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کیوں نہیں کی؟ کیا آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ آرمینیوں کی کتنی لڑکیاں وہ اپنے ساتھ لے گیا ہے؟۔۔۔۔

"اِن سوالوں کو اپنے ذہن میں اُلٹ پلٹ کریں۔ آپ پر صلاح الدین ایوبی کے کردار اور اُس کی نیت کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔ آپ کے ساتھ ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ ہم اس خطے میں امن و امان قائم کرنے آئے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سلطان ایوبی یہاں سے ہمیں بے دخل کر کے یورپ پر حملہ کرنے اور اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی سوچ رہا ہے۔ آپ کو اور دوسرے امراء کو وہ اپنی ہتھیلی کے سکے سمجھتا ہے۔ اگر آپ نے اپنے دفاع کا انتظام نہ کیا تو آپ کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ہم یہاں یورپ کے دفاع کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اگر آپ میری بات سمجھ گئے ہیں تو مجھے جواب دیں۔ میں اپنے مشیر بھیجوں گا جو آپ کی مالی اور جنگی ضرورت کا جائزہ لے کر مجھے بتائیں گے۔ میں نے جو گھوڑے بھیجے ہیں یہ تحفہ ہے۔ میں آپ کی فوج کے لیے ایسے سینکڑوں گھوڑے بھیج سکتا ہوں۔ یورپ سے ہم نے جدید ہتھیار منگوائے ہیں۔ وہ بھی آپ کو دیئے جائیں گے۔ آپ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ نہ توڑیں، در پردہ معاہدہ توڑ دیں اور اپنے دفاع کی تیاری کریں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

الملک الصالح کے نوجوان اعصاب پر یہودیوں کی اتنی حسین اور دل کش لڑکی نے پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا۔ پیغام کے الفاظ جادو کی طرح اُس کے دل میں اترتے گئے۔ اس نے ایلچی کے آرام اور خوراک کا ایسا انتظام کرنے کا حکم دیا جیسے بالڈون خود آ گیا ہو۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو لڑکی کے حوالے کر دیا۔ اُس نے اس سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں بھی دیکھی تھیں، لیکن اس لڑکی کا جو انداز تھا اور اُس کی جو مسکراہٹ تھی اس نے اُس کے حسن میں طلسماتی اثر پیدا کر رکھا تھا۔ الصالح اندھا ہو گیا۔

رات کو لڑکی اُس کی خواب گاہ میں آئی تو اُس کے ہاتھ میں صراحی اور پیالے تھے۔ یہ بھی تحفہ تھا۔ لڑکی نے اُسے بتایا کہ یہ فرانس کی شراب ہے جو صرف بادشاہوں کے لیے تیار کی جاتی ہے۔

"آپ کے حرم میں تو کچھ بھی نہیں" لڑکی نے اُسے کہا۔ "کیا آپ ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ آپ کا حرم آباد ہو؟"

"میرے حرم کے لیے تم اکیلی کافی ہو" الملک الصالح نے مخمور آواز میں کہا۔

"میں اپنے جیسی لڑکیوں سے آپ کا حرم بھر دوں گی" لڑکی نے شراب کا پیالہ اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ صحیح ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی ایک ہی بیوی ہے اور وہ کسی کو حرم میں عورتیں رکھنے کی اجازت نہیں دیتا؟"

"ہاں!" الصالح نے جواب دیا۔ "یہ صحیح ہے۔ وہ شراب کی بھی اجازت نہیں دیتا"

"آپ کو معلوم نہیں کہ اُس کا اپنا ایک خفیہ حرم ہے جس میں غیر معمولی طور پر حسین لڑکیاں ہیں۔ اِن میں مسلمان بھی ہیں، یہودی اور عیسائی بھی ہیں"

فانوس کی رنگین اور ہلکی ہلکی روشنی اور فرانس کی شراب کے نشے میں یہ لڑکی طلسم بن کر اُس پر چھاتی چلی گئی اور ذرا سی دیر بعد وہ لڑکی کے ریشمی بالوں کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔۔۔۔ گناہ کی رات کی کوکھ سے سحر نے جنم لیا تو الصالح نے لڑکی سے کہا۔ "یہاں میری ایک بہن بھی ہے۔ تم اُس کے سامنے نہ آنا۔ وہ ابھی پسند نہیں کرتی کہ میں شادی کے بغیر کسی لڑکی کے قریب جاؤں۔ میں کسی وقت اُسے بتاؤں گا کہ تم مسلمان ہو اور میرے ساتھ شادی کرنے آئی ہو"

"اپنی بہن کو آزاد کیوں نہیں کرتے؟" لڑکی نے کہا۔ "اسے مردوں میں اٹھنے بیٹھنے دیں۔ وہ شہزادی ہے۔ آپ بادشاہ ہیں۔ صلاح الدین ایوبی آپ کی یہ حیثیت ختم کر رہا ہے۔ ہم آپ کی بہن کو الگ سلطنت دے کر سلطانہ بنا دیں گے"

الملک الصالح تصوروں میں بادشاہ بن گیا۔

☆

"کیا خبر لائے ہو؟" بالڈون نے شراب کے نشے میں بدمست لہجے میں اپنے ایلچی سے پوچھا۔

"کیا میں کبھی ناکام بھی لوٹا ہوں؟" ایلچی نے جواب دیا۔ اُس نے الملک الصالح کے محل میں

میرینا کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جو بے ہوش کرنے والی دوائی میں بھیگا ہوا تھا۔ وہ دبے پاؤں اسحاق کے پاس گئی اور بیٹھ گئی۔ اس نے رومال اسحاق کی ناک پر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد رومال ہٹایا اور باہر نکل گئی۔ اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر کہنے لگی ۔۔۔ "کل سورج نکلنے کے بعد ذرا ہوش میں آئے گا۔"

"اطمینان سے سو جاؤ۔" سربراہ نے کہا ۔۔۔ "کل ہم صلاح الدین ایوبی کے اس جاسوس کو اس کی خواہش کے مطابق گھوڑا ضرور دیں گے لیکن وہ اس گھوڑے پر قاہرہ نہیں بیروت جائے گا۔ یہ ہمارا ہمسفر ہو گا۔"

سلطان ایوبی کے ایک جاسوس کو پکڑ لینا اُن کے لیے بہت بڑی کامیابی تھی۔ وہ شراب پینے اور خوشیاں منانے لگے۔ میرینا اچھل کود رہی تھی مگر باربرا جیسے اس جشن سے لاتعلق تھی۔ اسی لیے وہ اپنے خیمے میں چلی گئی تھی۔ بہت دیر بعد سب ایک ایک کر کے اپنے اپنے خیمے میں چلے گئے۔ باربرا بھی جا چکی تھی۔ اُس ٹولے کا سربراہ میرینا کو اپنے ساتھ وہاں سے دُور لے گیا۔ باربرا خیمے میں تنہا لیٹی اداسیوں اور ناکامیوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اُس کے دل میں انتقام کی آگ سلگنے لگی تھی۔ باہر کے جشنِ شراب نوشی کا شور اُس آگ کو بھڑکا رہا تھا۔ جب شور ختم ہوا تو وہ اور زیادہ بے چین ہو گئی۔ اُس نے خیمے کا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ اُسے اپنا سربراہ اور میرینا ٹیلے کی طرف جاتے نظر آئے ۔۔۔ مدت میں وہ کچھ دُور تک نظر آئے اور غائب ہو گئے۔

باربرا کے کانوں میں میرینا کے یہ الفاظ گونج رہے تھے ۔۔۔ "صرف میں اس کے سینے سے راز نکال سکتی ہوں۔" باربرا کے دماغ میں یہ سوچ آئی کہ وہ میرینا کو ناکام کر سکتی ہے۔ اس کا یہ طریقہ ہو سکتا تھا کہ وہ اسحاق ترک کو بتا دے کہ ہم سب صلیبی جاسوس ہیں تاکہ وہ اپنا اصل روپ چھپا لے۔ اُس نے یہ بھی سوچا کہ وہ اسحاق کو وہاں سے بھگا دے۔ یہ سب انتقامی سوچیں تھیں۔ وہ سب کے سو جانے کا انتظار کرتی رہی۔ اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اُس کے خیمے کا پردہ اٹھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ کون ہے۔ اُسے سرگوشی سنائی دی ۔۔۔ "باربرا!"

"چلے جاؤ مارٹن۔" باربرا نے غم و غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ۔۔۔ "چلے جاؤ یہاں سے۔"

مارٹن جانے کی بجائے خیمے کے اندر چلا گیا اور باربرا کے پاس جا بیٹھا۔ بولا ۔۔۔ "تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہمارا یہ لیڈر میرینا کے ساتھ دل سے محبت کرتا ہے؟ اور کیا وہ تمہیں دل سے چاہتا رہا ہے؟ یہ سب بدمعاشی ہے باربرا۔ تم دل پر بوجھ ڈال کر اپنے فرائض سے لاپرواہ ہو گئی ہو۔ اگر سچی محبت کی خواہشمند ہو تو وہ میرے دل میں ہے۔ میں نے تمہیں کب دھوکا دیا ہے؟"

"تم سراپا دھوکا ہو۔" باربرا نے جل کر کہا ۔۔۔ "ہم سب دھوکہ ہیں۔ میں اپنے فرائض سے لاپرواہ نہیں ہوئی، میرا دل تو دنیا سے ہی اچاٹ ہو گیا ہے۔ ہم سب کو بچپن سے فریب کاری کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کو فریب دے کر انہیں صلیب کے مقابلے میں بیکار کر دیں مگر ہم ایک دوسرے کو بھی فریب دیتے ہیں۔ ہم صلیب گلے میں لٹکا کر بدکاری کرتے تھے ایک دوسرے کو دھوکے دیتے ہیں۔ مسلمان ہم سے زیادہ عقل مند ہیں کہ وہ جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے اپنی لڑکیوں کو

استعمال نہیں کرتے۔ ہمارے لیڈر نے پہلے مجھے محبت کا جھانسہ دیا۔ میرینا چونکہ زیادہ ہوشیار ہے اس لیے اُس نے لیڈر پر قبضہ کر لیا۔ تم نے مجھ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا سارا گروہ بیکار واپس جا رہا ہے۔ اگر تمہارے ساتھ ہم دو لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم مرد اپنا کام خوش اسلوبی سے کرتے۔ عورت کا وجود مردوں کے درمیان دشمنی پیدا کرتا ہے۔"

"اسی لیے ہم مسلمانوں کے درمیان اپنی تربیت یافتہ عورتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔" مارٹن نے کہا۔ "اُن کے درمیان دشمنی پیدا کرنا ہی ہمارا مقصد ہے۔ ہم یہ اس لیے کرتے ہیں کہ اسلام کو زوال آئے اور صلیب کی حکمرانی قائم ہو۔" اُس نے جھنجھلا کر باربرا کو اپنی طرف گھسیٹ کر کہا۔ "اتنی پیاری رات کو ایسی خشک باتوں سے بے مزہ نہ کرو باربرا۔ آؤ باہر چلیں۔ دیکھو چاندنی کتنی حسین ہے۔"

"میرا دل ٹوٹ چکا ہے۔" باربرا نے کہا ۔۔۔ "میں ناکام ہو چکی ہوں۔ میرے دل میں نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ تم جاؤ۔"

"ایک روز تم میرے قدموں میں آ بیٹھو گی اور کہو گی، مارٹن! مجھے بچاؤ۔ دیکھو یہ لوگ مجھے کُتوں کے حوالے کر رہے ہیں۔ اس وقت میں تمہاری مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"میں اب بھی کُتوں کے حوالے ہوں۔" باربرا نے حقارت سے کہا۔ "میں تم سے کبھی مدد نہیں مانگوں گی۔ یہاں سے چلے جاؤ۔"

مارٹن غصّے سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ وہ خیمے کا پردہ ہٹا کر اُسے دیکھتی رہی اور انتظار کرتی رہی کہ مارٹن سو جائے۔ اُسے معلوم تھا کہ سربراہ اور میرینا بہت دیر سے آئیں گے ۔۔۔ کچھ دیر بعد وہ خیمے سے نکلی، وہ اُٹھی نہیں، پاؤں پر بیٹھے بیٹھے ایک طرف کو سرکتی گئی۔ آگے ذرا گہرائی تھی۔ اس میں اُتر گئی۔ وہاں سے جُھک کر چلتی چشمے کے پیچھے گئی اور دُور کا چکر کاٹ کر اُس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں اسحاق ترک بے ہوش پڑا تھا۔ باربرا کو معلوم نہیں تھا کہ اُسے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور پاؤں پر سرکتی خیمے کے اندر چلی گئی۔ دیا جل رہا تھا۔ اُس نے اسحاق کو ہلایا مگر وہ نہ جاگا۔ اُس کے سر کو پکڑ کر جھنجھوڑا، اُسے بلایا۔ اسحاق ترک پر کچھ اثر نہ ہوا۔

"اٹھو بدبخت!" اُس نے اسحاق کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا۔ "تم دھوکے میں آ گئے ہو۔ ہم سب جاسوس ہیں۔ تم قاہرہ نہیں پہنچ سکو گے، بیروت میں قید خانے کے تہہ خانے میں اذیت ناک موت مرو گے۔"

اسحاق بے ہوش پڑا رہا جیسے مر گیا ہو۔ باربرا کو خیمے کے باہر ہلکی ہلکی ہنسی کی آوازیں سنائی دینے لگیں مگر وہ گھبرائی نہیں۔ وہ تربیت یافتہ تھی۔ آوازیں قریب آ گئیں تو بھی وہ اسحاق کے پاس بیٹھی رہی۔ آوازیں خیمے تک پہنچ گئیں۔ ان میں ایک آواز میرینا کی تھی۔ وہ سربراہ کے ساتھ اپنے قیدی کو دیکھنے آئی تھی۔

"ہم سب مسلمان ہیں۔" باربرا نے اسحاق سے مخاطب ہو کر بلند آواز سے کہا ۔۔۔ "ہم تمہیں ایسا گھوڑا دیں گے جو تمہیں دو دنوں میں قاہرہ پہنچا دے گا۔"

"بار برا!" اُسے اپنے سربراہ کی آواز سنائی دی۔ اُس نے گھوم کے دیکھا۔ خیمے میں سربراہ اور میرینا کھڑے تھے۔ سربراہ نے کہا۔ "تم اپنا فرض ابھی ادا نہیں کر سکو گی۔ اسے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔"

"یہ میرا شکار ہے بار برا!" میرینا نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔ "یہ صرف مجھے معلوم ہے کہ اس کے سینے سے میں کیسے راز نکال سکتی ہوں۔"

سربراہ اور میرینا ہنس پڑے۔ باربرا اس طنزیہ ہنسی کو سمجھ گئی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی۔ اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔"

"جاؤ سو جاؤ۔" سربراہ نے اسے کہا۔

وہ اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ سربراہ نے اسحاق کی نبض پر ہاتھ رکھا پھر میرینا کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ اسحاق ترک سلطان ایوبی کے لیے بڑی ہی اہم اطلاع لیے گہری بے ہوشی میں پڑا رہا۔

☆

"علی بن سفیان!" قاہرہ میں سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان سے کہا۔ "اُدھر سے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں آئی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ کوئی اچھل نہیں۔ میں تسلیم نہیں کر سکتا۔"

"اور میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہاں کوئی تبدیلی یا اچھل ہو تو ہم تک اطلاع نہ پہنچے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "وہاں ہمارے جو آدمی ہیں وہ معمولی سوجھ بوجھ والے نہیں۔ اسحاق ترک کو آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ زمین کا سینہ چیر کر راز اور خبریں لانے والا آدمی ہے۔ باقی بھی اُسی جیسے ہوشیار اور عقل والے ہیں۔"

"صلیبی اُن واقعات سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے جو اُس طرف رونما ہوئے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "بالڈون اپنے فرنگی لشکر کے ساتھ حلب اور موصل کے اردگرد موجود ہے۔"

"مگر الملک الصالح مر گیا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "اب حلب کا حکمران عزالدین ہے۔ وہ صلیبیوں کے ہاتھ آنے والا نہیں۔"

"علی!" سلطان ایوبی نے قدرے حیرت سے کہا۔ "تم بھی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو رہے ہو؟ تم شاید اس خیال سے عزالدین کو پکا مسلمان سمجھتے ہو کہ میں اُسے اپنا دوست سمجھتا ہوں اور میں نے اُس کی مدد کے لیے اپنا منصوبہ بدل کر تل خالد پر حملہ کیا اور آرمینیوں سے ہتھیار ڈلوائے تھے مگر میں اپنے مسلمان حکمرانوں اور امراء پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ عزالدین ہمارا اتحادی ہو سکتا ہے، اُس کے امراء وزراء میں صلیبیوں کے بہی خواہ موجود ہیں۔ علی! تم نے دیکھا نہیں کہ مومن قسم کے حکمران بھی اپنے وزیروں اور مشیروں کے خوشامدانہ مشوروں کے جال میں آ کر مومن رہتے ہوئے بھی وطن اور قوم کو غلط فیصلوں سے تباہی کی کھائیوں میں پھینک دیتے ہیں؟ میں مشیروں کے خلاف نہیں۔ یہ قرآن کا حکم ہے جو رسولِ اکرم صلعم کو خدا نے دیا تھا

کہ فیصلے سے پہلے مشورہ کر لیا کرو، مگر حکمران میں اتنی عقل ہونی چاہیے کہ مشورہ دینے والوں کی نیت اور کردار کو سمجھے۔ خوشامد حکمرانی کے نشے کو اور تیز کرتی ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ حکمران خوشامد کی سریلی لوریاں سنتے میٹھی نیند سو جاتا ہے۔ بوڑھے ہوتے ذہن والا حکمران کتنا ہی غازی اور زاہد کیوں نہ ہو، قوم اور وطن کو لے ڈوبتا ہے۔ یہی خطرہ مجھے عزالدین کی طرف نظر آتا ہے۔"

"میں اس توقع پر بات کر رہا ہوں کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "آپ تک یہ اطلاع پہنچ چکی ہے کہ محترمہ رضیع خاتون نے یہ شادی صرف اس لیے قبول کی ہے کہ حلب اور موصل کی امارتیں اور اُن کی فوجیں ہماری اتحادی رہیں۔ اس خاتون کو شادی کی اور کیا ضرورت ہو سکتی تھی؟"

"اس کے باوجود مجھے شک ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اور میرے شک کی وجہ یہ ہے کہ عزالدین صلیبیوں کے خطرے کی براہ راست زد میں ہے۔ وہ اپنے تحفظ کے لیے بھی صلیبیوں کا درپردہ اتحادی بن سکتا ہے۔ مجھے وہاں کی اطلاع جلدی ملنی چاہیے۔ تم میری آنکھیں اور کان ہو علی! میں نے اندھیرے میں کبھی پیشقدمی نہیں کی۔"

"کچھ دن اور انتظار کر لیا جائے۔" علی بن سفیان نے مشورہ دیا۔

"میں زیادہ دیر انتظار نہیں کروں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم جانتے ہو میں نے فوج کو تیاری کا حکم دے رکھا ہے۔ یہ تمہارے سامنے کی بات ہے کہ میں دن رات فوج کو جنگی مشقیں کرا رہا ہوں۔ راز کی یہ بات بھی سن لو کہ میں حلب اور موصل کی طرف نہیں جاؤں گا۔ میرا ہدف اب بیروت ہو گا۔ میں اب دفاعی جنگ نہیں لڑوں گا۔ حلب وغیرہ کے علاقوں میں اپنی فوج لے جانے کا مطلب یہ ہو گا کہ میں ان علاقوں کے دفاع کے لیے جا رہا ہوں۔ اب میرا انداز جارحانہ ہو گا۔ بیروت فرنگیوں کا دل ہے۔ ٹانگوں اور بازوؤں پر وار کرنے کی بجائے کیوں نہ ہم دشمن کے دل پر ایک ہی وار کر کے ختم کر دیں۔ اب میں قوم اور فوج کو جارحیت کی تربیت دے رہا ہوں۔ اپنے علاقوں میں لڑتے رہنے سے ہم بیت المقدس تک کبھی نہیں پہنچ سکتے..... معلوم کرو علی! معلوم کرو۔ وہاں سے ابھی تک کوئی اطلاع کیوں نہیں آئی۔ مجھے دو راز درکار ہیں۔ ایک یہ کہ بیروت میں فرنگی فوج کی سرگرمیاں کیا ہیں اور حلب میں عزالدین کی نیت کیا ہے۔ کیا ہم ایک اور خانہ جنگی کی طرف تو نہیں بڑھ رہے؟"

"بیروت میں اسحاق ترک ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "وہ خود نہ آیا تو کسی اور کو بھیج دے گا:

علی بن سفیان نے کہا۔ "میں یہاں سے کسی کو روانہ کر دیتا ہوں۔"

"میں زیادہ دن انتظار نہیں کر سکتا علی!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہاں سے کسی کو روانہ کرو گے۔ وہ جائے گا۔ وہاں کے حالات معلوم کرے گا اور واپس آئے گا۔ اس میں کم از کم تین مہینے لگ جائیں گے۔ میں چند دنوں تک فوج کو کوچ کا حکم دے دوں گا۔"

"تو پھر آپ اندھیرے میں پیش قدمی کریں گے؟" علی نے پوچھا۔

"چھاپہ ماروں کو ہراول سے بہت آگے اور پھیلا کر رکھوں گا"۔ ایوبی نے کہا۔ "میں اللہ کے حکم سے اللہ کی سرزمین کی آبرو کی خاطر جا رہا ہوں۔ میں اپنی سلامتی کے لیے مصر میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتا"۔

یہ اپریل ۱۱۸۲ء کے دن تھے جب سلطان ایوبی اور علی بن سفیان اپنے اُن جاسوسوں میں سے کسی کا انتظار بے تابی سے کر رہے تھے جو انہوں نے صلیبیوں کے مقبوضہ مسلمان علاقوں اور حلب وغیرہ میں بھیج رکھے تھے۔ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ اس سے دو ماہ قبل نورالدین زنگی مرحوم کا بیٹا الملک الصالح جو والیٔ حلب بن کر سلطان ایوبی کے خلاف ہو گیا تھا، مر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور اُس کا اتحادی رہنے کے معاہدے کے باوجود وہ درپردہ صلیبیوں کا حواری رہا تھا۔ اُس کی موت صلیبیوں اور سلطان ایوبی کے لیے بہت اہم واقعہ تھا۔ الملک الصالح نے مرنے سے پہلے عزالدین مسعود کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی اہم تھا اور سب سے زیادہ اہم واقعہ یہ ہُوا تھا کہ عزالدین کی خواہش کے مطابق نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ (الملک الصالح کی ماں) رضیع خاتون نے اُس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ رضیع خاتون شادی کی خاطر شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے اُس تک عزالدین کا پیغام لے کر اُسے کہا تھا کہ یہ شادی دمشق اور حلب کی ہوگی، اس سے آئندہ خانہ جنگی کا خطرہ ختم ہو جائے گا اور صلیبیوں کے خلاف محاذ مضبوط کیا جا سکے گا۔ رضیع خاتون یہ کہہ کر رضامند ہو گئی تھی کہ میری ذاتی خواہشیں مر چکی ہیں۔ میں عظمتِ اسلام کی خاطر ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔

اُس نے قربانی دے دی اور عزالدین کے ساتھ شادی کر لی۔ حلب اور موصل کی امارتوں پر بڑی مدت سے صلیبیوں کے اثرات کام کر رہے تھے جس کے نتیجے میں یہ امارتیں سلطان ایوبی کے خلاف متحد ہو گئیں اور تین سال مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوتی رہی تھی۔ آپ اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں۔ اب رضیع خاتون نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تو صلیبیوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ رضیع خاتون صلیبیوں کے سب سے بڑے دشمن زنگی کی بیوہ ہے اس لیے وہ حلب اور موصل اور دیگر مسلمان علاقوں سے صلیب کے اثرات ختم کر دے گی۔ اِدھر مصر میں سلطان ایوبی کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ صلیبی جنگی کارروائی کریں گے۔ سلطان نے یہ بھی سوچا تھا کہ عرب سے اس کی غیر حاضری سے صلیبی فائدہ اٹھائیں گے۔

سلطان ایوبی نے حالات کا اور آنے والے حالات کا بھی جائزہ لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ پیشتر اس کے کہ صلیبی پیشقدمی کر کے حلب اور موصل کا محاصرہ کر لیں، وہ مصر سے برق رفتار پیشقدمی کرے اور بیروت کو محاصرے میں لے لے۔ یہ بڑا ہی نازک اور خطرناک فیصلہ تھا۔ بیروت کو محاصرے میں لینے کے لیے اُسے فوج دشمن کے علاقے میں سے گزار کر لے جانی تھی۔ راستے میں ہی تصادم کا خطرہ تھا۔ بہرحال سلطان ایوبی نے تمام خطروں کا جائزہ لے لیا تھا اور ہر قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے جاسوسوں کی اطلاعات کے بغیر کم ہی کبھی پیشقدمی کی تھی لیکن اب حالات کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اُسے سب سے زیادہ ضرورت اس اطلاع کی تھی کہ عزالدین کی نیت کیا ہے اور کیا رضیع خاتون کا وہاں کوئی اثر پڑ رہا ہے یا نہیں۔

علی بن سفیان کے بھیجے ہوئے جاسوس اناڑی نہیں تھے۔ راز حاصل کرنے اور تا دیر چھپانے کے لیے وہ جان کی بازی لگا دیا کرتے تھے۔ انہیں یہ سبق ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ آدھی جنگ جاسوس جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی جیت لیا کرتے ہیں، اور یہ بھی کہ صرف ایک جاسوس کی کوتاہی یا غلط اطلاع اپنی پوری فوج کو مروا سکتی ہے اور یہ بھی کہ صرف ایک جاسوس دشمن کی فوج سے ہتھیار ڈلوا سکتا ہے۔ علی بن سفیان کو اسحاق ترک پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ یہ بھروسہ بجا تھا۔ اسحاق بڑے ہی اہم راز لے کر قاہرہ کے لیے روانہ ہُوا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کو خبردار کرنے آ رہا تھا کہ بالڈون کا فرنگی لشکر بیروت کے اردگرد دُور دُور تک پھیل گیا ہے اور عزالدین صلیبیوں کی طرف جُھک رہا ہے، اس لیے سلطان کہیں بیروت کی طرف فوج نہ لے جائے اور اگر اُدھر کو ہی پیشقدمی کا ارادہ ہو تو اسحاق سلطان کو فرنگیوں کی فوج کے پھیلاؤ اور پوزیشنوں کا نقشہ بتانے آ رہا تھا۔ مگر وہ راستے میں ہی صلیبی جاسوسوں کے گروہ کے جال میں پھنس گیا۔

☆

"آخر وہ اطلاع کیا ہے جو تم سلطان صلاح الدین ایوبی تک لے جا رہے ہو؟"۔ صلیبی جاسوسوں کے اس گروہ کے سربراہ نے اسحاق ترک سے پوچھا اور کہا۔ "ہم بھی مسلمان ہیں۔ سلطان کے وفادار اور شیدائی ہیں۔ تمہارے لیے گھوڑا تیار کھڑا ہے۔ کھانے پینے کا سامان گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے"۔

"اللہ ہمارے سلطان کو ایسے وفاداروں اور شیدائیوں سے محفوظ رکھے"۔ اسحاق نے کہا۔ "میں نے اس لڑکی کو کہا تھا کہ آدھی رات کے کچھ دیر بعد مجھے جگا دینا۔ میں فوراً روانہ ہونا چاہتا تھا مگر تم نے مجھے جگایا نہیں۔ آدھا دن گزر گیا ہے۔ وقت الگ ضائع ہُوا اور اب میں روانہ ہُوا تو گھوڑا اتنا سفر طے نہیں کر سکے گا جتنا رات کو کر سکتا"۔

"تم بہت تھکے ہوئے تھے"۔ میرینا نے پیار سے کہا۔ "تم ایسی گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ تمہیں جگانا ظلم سمجھا۔ گھوڑا اتنا اچھا ہے کہ جو وقت ضائع ہُوا ہے گھوڑا اسے پورا کر دے گا"۔

اسحاق ترک کو ابھی یہ احساس نہیں ہُوا تھا کہ جسے وہ تھکن کے بعد کی گہری نیند سمجھ رہا ہے وہ کسی دوائی کے اثر کی بے ہوشی ہے۔ اتنا زیادہ وقت سونے کے بعد بھی اُس کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ یہ دوائی کا اثر تھا جسے وہ تھکن کا اثر سمجھ رہا تھا۔ وہ سفر کے قابل نہیں تھا لیکن فوراً روانہ ہونے کے لیے بے قرار تھا۔

اُس کی آنکھ اُس وقت کُھلی تھی جب سورج سر پر آیا ہُوا تھا۔ جاسوسوں کا سربراہ اور میرینا اُس کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی اُس کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ اُس کی آنکھ کھلی تو اُس کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے ایسی باتیں کیں جن سے اسحاق ترک کو اُن پر ذرا سا شبہ بھی نہ ہُوا۔ وہ انہیں مسلمان سمجھتا رہا لیکن وہ اُن کے اس سوال کا جواب دینے سے گریز کر رہا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کے لیے کیا اطلاع لے کے جا رہا ہے۔ سربراہ باہر نکل گیا۔ یہ اشارہ تھا کہ میرینا اسے اپنے جادو سے رام کرے۔ اس دلکش لڑکی نے اُس کے جذبات کو مشتعل کر دینے والے انداز سے کہا کہ وہ اُسے دل و جان سے چاہنے لگی ہے اور بھی بہت کچھ کہا۔

"تاہر و چل کر عشق و محبت کے لیے وقت نکال سکوں گا۔" اسحاق نے کہا۔ "اگر تم مجھے دل و جان سے چاہتی ہو تو مجھے فرض ادا کرنے میں مدد دو۔" وہ اُٹھ کھڑا ہُوا اور خیمے سے نکل گیا۔ کہنے لگا "مجھے فوراً گھوڑا دو۔"

"کچھ کھا پی لو۔" میرینا نے اُسے بازو سے پکڑ کر خیمے میں واپس لے جاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں بھوکا پیاسا تو نہیں جانے دوں گی۔" وہ اسحاق سے بغلگیر ہوگئی مگر اسحاق کو فرض نے پتھر بنا دیا تھا۔ میرینا نے اُسے بٹھا دیا اور خیمے کے دروازے میں جاکر بلند آواز سے کہا۔ "کھانا فوراً لاؤ۔ وقت نہیں ہے۔"

کھانا باربرا لے کر آئی اور اسحاق کے آگے رکھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ میرینا اسحاق کے پاس بیٹھی تھی اور باربرا اُدھر جا کھڑی ہوئی جدھر میرینا کی پیٹھ تھی۔ اسحاق نے کھانا کھاتے ہوئے باربرا کی طرف دیکھا۔ باربرا نے ہاتھ میں چھوٹی سی صلیب چھپا رکھی تھی۔ اُس نے یہ صلیب اسحاق کو دکھائی، اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ میرینا کی طرف اشارہ کیا پھر باہر کو اشارہ کرکے انگلی ہلائی اور انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھی۔ وہ خیمے سے نکل گئی۔ یہ اشارے اتنے واضح تھے کہ اسحاق صاف سمجھ گیا کہ سب صلیبی ہیں اور انہیں کچھ نہیں بتانا۔ وہ چونک اٹھا لیکن استاد تھا۔ اپنے ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔ شک پختہ ہوگیا۔ اُسے اس سوال کا جواب مل گیا کہ یہ لوگ اس پر اصرار کیوں کر رہے ہیں کہ وہ سلطان ایوبی کے لیے کیا اطلاع لے کے جا رہا ہے۔ تب اُسے یہ خیال بھی آیا کہ اسے نیند پر اسنا تا بو تھا کہ ایسی بیہوشی کی نیند کبھی بھی نہیں سویا تھا۔ اُسے جاگتے ہی ناک میں عجیب سی بُو بھی محسوس ہوئی تھی۔ وہ جان گیا کہ اُسے سوتے میں بے ہوش کر دیا گیا تھا، مگر اُسے اس سوال کا کوئی جواب نہ سوجھا کہ دوسری لڑکی اُسے یہ اشارے کیوں کر گئی ہے۔ کیا وہ کوئی مسلمان لڑکی ہے جو اُن کے جال میں پھنسی ہوئی ہے؟

میرینا اُسے اپنی بڑی ہی پیاری باتوں اور مسحور کر دینے والی مسکراہٹوں اور اداؤں سے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی اور اسحاق کا دماغ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور ان لوگوں سے کس طرح رہائی حاصل کرے۔ اُس نے میرینا سے پوچھا کہ اس قافلے میں کتنے آدمی ہیں۔ میرینا نے بتا دیا۔ کچھ اور باتیں پوچھیں اور کہا۔ "چلو، مجھے گھوڑا دو۔" وہ باہر نکل گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ باہر کتنے آدمی ہیں اور اس کے نکل بھاگنے کے امکانات کیا ہیں۔ باہر اُس نے کوئی گھوڑا نہ دیکھا جو اُسے بتایا گیا تھا کہ اُس کے لیے تیار کھڑا ہے۔ میرینا اُس کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

"گھوڑا کہاں ہے؟" اسحاق نے پوچھا۔

"میں جاکر دیکھتی ہوں۔" وہ چلی گئی۔

☆

"تم ٹھیک کہتے تھے۔" میرینا نے اپنے سربراہ کو جاکر بتایا۔ "یہ شخص پتھر ہے۔ وہ گھوڑے کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ ہم جو پوچھتے ہیں اس کا نام نہیں لینے دیتا۔"

"اسے کوئی شک تو نہیں ہُوا؟"

"ابھی نہیں۔" میرینا نے جواب دیا۔ "لیکن وہ بتائے گا کچھ بھی نہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ناکام ہوگئی ہو۔"

انہیں معلوم نہیں تھا کہ باربرا نے ان سے انتقام لیا ہے اور اُس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ میرینا کوئی جادوگرنی نہیں جو ناممکن کام بھی کر دکھائے گی۔ وہ تو یہ بھی سوچ رہی تھی کہ سلطان ایوبی کے اس جاسوس کو وہاں سے بھاگ جانے میں مدد دے لیکن یہ ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

اسحاق پھر خیمے سے نکل گیا۔ اس نے میرینا اور اس کے سربراہ کو دیکھ لیا۔ وہ دُور کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ وہ اُن کی طرف دوڑا گیا اور پوچھا کہ گھوڑا کہاں ہے۔

"کہیں بھی نہیں ہے۔" سربراہ نے بالکل ہی بدلے ہُوئے لہجے میں کہا۔ "تم کہیں بھی نہیں جا سکو گے۔"

اسحاق نے اپنی کمر پہ ہاتھ رکھا۔ وہاں نہ تلوار تھی نہ خنجر۔ اُس نے ان لوگوں کی اصلیت جان لینے کے باوجود کہا۔ "میں حیران ہوں کہ تم مسلمان ہوتے ہوئے میرے راستے میں آ رہے ہو۔"

"اگر ہم سے عزت کرانا چاہتے ہو تو بتا دو کہ اپنے سلطان کے لیے کیا پیغام لے کر جا رہے ہو۔" سربراہ نے پوچھا۔

"صرف اتنا سا پیغام ہے کہ ہمارے ایک امیر عزالدین نے نورالدین زنگی کی بیوہ کے ساتھ شادی کرلی ہے۔" اسحاق نے کہا۔

"یہ خبر پرانی ہوگئی ہے۔" سربراہ نے کہا۔ "تمہارا سلطان دو ماہ گزرے یہ خبر سُن چکا ہے، اور وہ اپنی فوج کو شام میں لڑانے کے لیے تیار کر رہا ہے۔ صحیح بات بتاؤ۔"

"کیا تم صحیح بات بتا دیا کرتے ہو؟" اسحاق ترک نے پوچھا۔

"تمہیں صحیح بات بتانی ہوگی۔" سربراہ نے کہا۔ "اور تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ تم نہتے ہو۔ نہتے نہ بھی ہوتے تو اتنے آدمیوں سے لڑ نہ سکتے.... سنو دوست! میں تمہارے زندہ رہنے اور شہزادوں کی طرح زندہ رہنے کی ایک صورت پیدا کر سکتا ہوں۔ میری تجویز منظور کرلو۔ ہمارے ساتھ چلو۔ ہمارے لیے یہی کام کرو جو صلاح الدین ایوبی کے لیے کر رہے ہو اور زر و جواہرات میں کھیلو۔" اس نے میرینا کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "اس قسم کی لڑکیاں تمہاری خدمت کے لیے حاضر رہا کریں گی۔ کیوں صحراؤں میں مارے مارے پھر رہے ہو۔"

"میں صلیب کے لیے کام کروں؟"

"نہیں کروگے تو ہمارے کسی قید خانے کے تہہ خانے میں بند رہوگے۔" سربراہ نے کہا۔ "وہ ایسا جہنم ہوگا کہ نہ مروگے نہ زندہ رہوگے۔ تم اس سزا کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تصور بھی ہولناک ہے۔ سوچ لو اور ہمارے ساتھ چلو۔ تم واپس تو جا نہیں سکوگے۔"

"تم پھر یہ اعتماد کس طرح کرو گے؟" اسحاق ترک نے کہا۔ "میں تمہارے گروہ میں شامل ہو جاؤں تو تم مجھے میرے ہی علاقے میں بھیجو گے۔ تم کس طرح یقین کرو گے کہ میں اپنے ہی علاقے میں نہیں رہ جاؤں گا اور تمہیں دھوکا نہیں دوں گا؟"

"ہمارے پاس اس کا انتظام ہے۔" صلیبی سربراہ نے کہا۔ "تم اپنے علاقے کی بات کرتے ہو۔ ہم تمہیں تمہارے گھر کے تہہ خانے سے بھی نکال لائیں گے۔ تمہارا خیال کیا ہے کہ تمہارے ملک میں ہمارے جتنے جاسوس ہیں ان میں تمہارے ملک کا کوئی باشندہ نہیں؟ دس جاسوسوں کے ایک گروہ میں صرف دو آدمی ہمارے اور دس تمہارے اپنے بھائی ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ہمیں دھوکہ دینے کی جرأت نہیں کرتا۔ وہ جانتے ہیں کہ ایسی جرأت کرنے والے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم صرف اُسے قتل نہیں کرتے۔ سب سے پہلے اس کے بیوی بچوں کو ایک ایک کر کے قتل کرتے اور ہر لاش اُس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور جو ہمارے وفادار رہتے ہیں اُن کے لیے یہ دنیا بہشت بنی رہتی ہے۔ ان میں سے جو پکڑا جاتا ہے اُس کے گھر والوں کے گھر جا کر وہاں ہم نقدی کے انبار لگا دیتے ہیں۔"

"مجھے سوچنے دو۔" اسحاق نے کہا۔ "یہاں سے کب روانگی ہو گی؟"

"آج ہی۔" سربراہ نے کہا۔ "آدھی رات کے بعد۔ تم سوچ لو۔ یہ بھی سوچ لینا کہ انکار کے بعد تم آزاد نہیں ہو سکو گے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"اور تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ کیا لانے کے بارے ہو؟" سربراہ نے کہا۔

"بتا دوں گا۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "میرا ذہن بہت حد تک آمادہ ہو گیا ہے۔"

"جاؤ۔ ابھی آرام کرو۔" سربراہ نے کہا۔

اسحاق ترک خیمے کی طرف چل پڑا۔

☆

دو ماہ پہلے کا ذکر ہے کہ عزالدین نے نورالدین زنگی کی بیوہ رضیع خاتون کے ساتھ شادی کر لی تو رضیع خاتون کو اس شادی کی صرف یہ خوشی تھی کہ وہ عزالدین کو اپنے زیرِ اثر رکھے گی اور حلب کی افواج سلطان ایوبی کی افواج کی اتحادی بن جائیں گی۔ خانہ جنگی میں مسلمانوں کی فوجوں کی بڑی ہی کار آمد نفری ماری گئی تھی۔ اتنی زیادہ جنگی قوت ضائع ہوئی جو صلیبیوں کو سرزمینِ عرب سے نکال سکتی تھی اور فلسطین کو آزاد کرایا جا سکتا تھا۔ رضیع خاتون کو توقع تھی کہ عزالدین اُسے اپنا مشیر بنائے گا مگر شادی کے پہلے روز جب رضیع خاتون نے اُس کے ساتھ اس قسم کی باتیں کیں تو اس نے دیکھا عزالدین کوئی دلچسپی نہیں لے رہا۔ اس کے انداز میں اکتاہٹ تھی۔ وہ اس کمرے میں سویا بھی نہیں، محل کے کسی اور کمرے میں چلا گیا۔

رضیع خاتون نے اُس کا یہ رویہ اس لیے برداشت کر لیا کہ اُس نے مارت کو ابھی ابھی ہاتھ میں

لیا ہے اس لیے مصروف بھی ہو گا اور اُس کا ذہن امارت کے جھمیلوں میں اُلجھا ہوا ہو گا۔ وہ خود امارت کے مسئلوں میں، خصوصاً فوج کے معاملات میں دلچسپی لینا اور کام کرنا چاہتی تھی۔ نورالدین زنگی کی زندگی میں اُس نے بہت کام کیے تھے۔ اُس نے دمشق کی جوان لڑکیوں کو جنگی تربیت دے رکھی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں مجاہدہ تھی، اس لیے وہ سلطان ایوبی کی مریدہ تھی۔

صبح ہوئی تو وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ ٹہلتی ٹہلتی محل کے اندر اندر کچھ دُور چلی گئی۔ بہت بڑا محل تھا۔ اُسے دُور ایک باغیچہ نظر آیا۔ اس میں پانچ چھ جوان لڑکیاں ہنس کھیل رہی تھیں۔ وہ ابھی اُن سے دُور تھی۔ ایک ادھیڑ عمر عورت جس کا چہرہ کرخت سا تھا دوڑی آئی اور رضیع خاتون سے کہنے لگی۔ "آپ اپنے کمرے میں چلی جائیں۔"

"کیوں؟"

"محترم امیر کا یہی حکم ہے۔" عورت نے بتایا۔ "آئیے، میں آپ کو وہ جگہ بتاؤں جہاں آپ گھوم پھر سکتی ہیں۔ انہوں نے سختی سے حکم دیا ہے کہ آپ کو ادھر نہ آنے دیا جائے۔"

"اگر میں یہ حکم نہ مانوں تو کیا ہو گا؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔

"مجھے گستاخی کا موقع نہ دیں۔" عورت نے التجا کے لہجے میں کہا۔ "مجھے آقا کا حکم ماننا ہے اور منوانا بھی ہے۔"

ایک اور ادھیڑ عمر عورت آگئی۔ وہ رضیع خاتون کے پاس رُک گئی۔ اُس نے رضیع خاتون کو ساتھ لیا اور اُس کے کمرے میں لے آئی۔ کہنے لگی۔ "میں آپ کی خادمہ ہوں اور مجھے ہر وقت آپ کے پاس رہنے کا حکم ملا ہے اور یہ حکم مجھے بھی ملا ہے کہ آپ کو ایک خاص حد سے زیادہ باہر نہ جانے دیا جائے۔" رضیع خاتون تڑپا اٹھی۔ اس کی خادمہ نے کہا۔ "آپ گھبرائیں نہیں۔ میں جانتی ہوں آپ کیا کیا خواب دیکھ کر یہاں آئی ہیں۔ آپ کا ہر خواب خواب ہی رہے گا۔ مجھے اپنا ہمدرد اور ہمراز سمجھیں۔ اس محل پر صلیبیوں کے گھناؤنے سائے پڑے ہوئے ہیں۔ آپ کا بیٹا ان کے ہاتھ میں کھلونا بنا رہا، اب نیا امیر بھی جو آپ کا خاوند ہے صلیبیوں کا حاشیہ بردار بنے گا۔ یہاں کے بہت سے وزیر اور مشیر صلیبیوں کے زر خرید ہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی کے متعلق محل کے لوگوں کی کیا رائے ہے؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔ "کیا اُس کا یہاں کچھ اثر نہیں؟"

"اتنا نہیں جتنا صلیبیوں کا ہے۔" خادمہ نے رازداری سے کہا۔ "محل میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس موجود ہیں۔ میں خود اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ آپ کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اسی لیے آپ کو بتا دیا ہے کہ میں کیا ہوں۔ میں ابھی آپ کو ساری باتیں نہیں بتاؤں گی۔ آپ عزالدین سے شکایت کریں کہ آپ کو اُس نے اس کمرے کا قیدی کیوں بنا لیا ہے۔"

"وہ تو میں کروں گی۔"

"آپ پر اس کی نیت واضح ہو جائے گی" خادمہ نے کہا۔ "بعد کے حالات تصدیق کر دیں گے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ عزالدین نے آپ کے ساتھ صرف اس لیے شادی کی ہے کہ وہ آپ کو اپنا قیدی بنالے۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ آپ کا تعلق ہمیشہ کے لیے توڑنا چاہتا تھا اور وہ آپ کو دمشق سے نکالنا چاہتا تھا۔ دمشق کے لوگ سلطان ایوبی کے حامی اس لیے ہیں کہ آپ وہاں موجود تھیں۔ اب یہ لوگ دمشق کے لوگوں کو سلطان کے خلاف اکسائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان ایک بار پھر خانہ جنگی میں کٹنے لگیں گے اور صلیبی اطمینان سے ہمارے علاقوں پر چھا جائیں گے۔"

"کیا یہ اطلاع سلطان صلاح الدین ایوبی تک پہنچائی جا سکتی ہے؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔

"یہ انتظام کیا جا چکا ہے" خادمہ نے جواب دیا۔ "ہمارے گروہ کے کماندار نے ایک بڑے ہی دانشمند اور دلیر آدمی کو بلا بھیجا ہے۔ اس کا نام اسحاق داویشگی ہے۔ وہ ترک ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ آپ کے بیٹے کی وفات کے بعد وہ صلیبیوں کے علاقوں میں یہ دیکھنے کے لیے نکل گیا تھا کہ صلیبیوں کے عزائم کیا ہیں۔ وہ آجائے گا۔"

"مجھے مل سکے گا؟"

"ضرور ملواؤں گی" خادمہ نے جواب دیا۔ "مجھے اپنے کماندار نے کہا تھا کہ یہ باتیں آپ کو بتا دوں۔"

☆

داستان ایمان فروشوں کی

پنجم

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

پاکستان کے نوجوان کے نام

چار روز قیام کیا تھا اور بڑی لمبی مسافت طے کر کے ابھی ابھی واپس آیا تھا۔ اُس نے کہا "مسلمانوں پر فوج کشی کر کے آپ اتنی جانیں ضائع کرتے اور اتنے زیادہ گھوڑے مرواتے ہیں۔ مسلمانوں کے حکمرانوں سے صرف ایک لڑکی ہتھیار ڈلوا سکتی ہے۔"

"صرف لڑکی نہیں" بالڈون نے کہا۔ "مسلمان کو اگر لڑکی کا صرف تصور دے دو تو وہ اپنے نیک و بد کو بھول کر اسی تصور کا ہو جاتا ہے..... کہو، تم کیا کر کے آئے ہو؟"

"اُس نے تحریری جواب نہیں دیا" ایلچی نے کہا۔ "کہتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار ہر طرف گھومتے پھرتے رہتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ پیغام پکڑا جائے۔ اُس نے آپ کی ہر بات مان لی ہے۔ وہ صلاح الدین ایوبی کا حامی نہیں، البتہ گھبرایا ہوا تھا اور اپنے آپ کو ایوبی کے مقابلے میں تنہا سمجھتا تھا۔ آپ کے پیغام نے اُسے بہت حوصلہ دیا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ آپ اپنے مشیر بھیج دیں لیکن عربی تاجروں کے لباس میں ہوں اور یہاں ہر کسی کو یہی بتائیں کہ وہ شاہی سطح پر تجارت کی بات چیت کرنے آئے ہیں۔"

"وہ کسی شک میں تو نہیں؟" بالڈون نے پوچھا۔

"آپ نے اُسے یہودیوں کا جو تحفہ بھیجا ہے اُس نے کسی شک کی گنجائش نہیں رہنے دی۔" ایلچی نے جواب دیا۔ "میں نے وہاں چار روز قیام کیا ہے۔ اس دوران میں اُس کے سالاروں سے ملتا رہا ہوں اور اُس کے دوسرے حاکموں سے بھی ملا ہوں۔ ان میں بہت سے ایسے ملے ہیں جو ایوبی کے حق میں ہیں۔ میں نے ان میں سے دو کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور انہیں وعدے دیئے ہیں۔ چوری چھپے انہیں تحفے بھی دیئے ہیں۔ وہاں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بھی موجود ہیں۔ اس لیے کسی بات کو مخفی رکھنا ممکن نہیں۔ تاہم الملک الصالح کو اپنے ہاتھ میں سمجھیئے۔ میں نے لڑکی کو ان دو جرنیلوں سے متعارف کرا دیا ہے جنہیں میں نے ہاتھ میں لیا ہے۔ وہ اپنا کام کرتی رہے گی۔ آپ اپنے آدمی جلدی روانہ کر دیں۔"

یہ ایلچی صرف ایلچی نہیں تھا۔ بتایا جا چکا ہے کہ انسانی نفسیات سے کھیلنے والا استاد تھا۔ اُس نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی اپنے افسروں کو اور اپنی قوم کو نصیحت اور وعظ کرتا رہتا ہے کہ بادشاہی کے خواب، دولت اور عورت ایسی بدعتیں ہیں جو انسان کے ایمان کو ختم کر دیتی ہیں۔ اُسے معلوم نہیں کہ جب یہ تینوں بدعتیں کسی عالم فاضل کے سامنے آجائیں تو اُس کے بھی ایمان کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں۔ یہ انسانی کمزوریاں ہیں۔ اُن کے سامنے وعظ بیکار ہو جاتے ہیں۔"

بالڈون نے اُسی وقت تین مشیر تیار کر لیے۔

☆

تجارتی سامان سے لدے ہوئے بہت سے اونٹوں کا ایک قافلہ حلب میں الصالح کے محل

سے ذرا ہی دور رُکا۔ اس کے ساتھ کئی ایک آدمی تھے۔ ان میں سے تین آدمی جو عربی لباس میں تھے محل کی طرف چل پڑے۔ دربانوں نے انہیں روک لیا۔ تاجر الملک الصالح سے ملنا چاہتے تھے۔ کہتے تھے کہ وہ ہیرے اور کچھ اور بیش قیمت سامان لائے ہیں جو بادشاہ خریدتے ہیں، اور وہ حلب کے ساتھ تجارت کرنے کی بات چیت کریں گے۔ محافظوں کے کماندار ابن خطیب نے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ان کی باتوں میں دلچسپی لے کر انہیں بے تکلفی سے بولنے کا موقع دیا۔ وہ ان کی آنکھوں کا سبز اور نیلا رنگ اور چہرے کی رنگت کو غور سے دیکھتا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ تجارت کی بات چیت براہ راست بادشاہ کے ساتھ کبھی بھی نہیں ہوئی۔ وہ انہیں الگ لے گیا۔

"آپ اپنا اصل مقصد بتائیں" ابن خطیب نے پوچھا۔

"ہم اپنا مقصد بتا چکے ہیں"

"یروشلم سے آئے ہو یا عکرہ سے؟" ابن خطیب نے پوچھا۔

"ہم تاجر ہیں" ایک نے جواب دیا۔ "ہم ہر ملک میں جاتے ہیں۔ یروشلم اور عکرہ بھی جاتے ہیں۔ تم کس شک میں ہو؟"

"شک میں نہیں" ابن خطیب نے کہا۔ "مجھے یقین ہے۔ میں آپ تینوں کو جانتا ہوں۔ آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں آپ کا آدمی ہوں۔ میرا نام ابن خطیب ہے لیکن میرا نام کچھ اور ہے۔ ہرمن اچھی طرح جانتا ہے۔"

ہرمن صلیبیوں کے جاسوسی اور سراغرسانی کے نظام کا سربراہ اور اس فن کا ماہر تھا۔ ابن خطیب نے کوئی خفیہ لفظ بولا جو صلیبیوں کے جاسوس ایک دوسرے کی شناخت کے لیے بولا کرتے تھے۔ تاجر جو دراصل بالڈون کے بھیجے ہوئے مشیر تھے مسکرائے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ الملک الصالح کے ہاں صلیبی جاسوس موجود ہیں۔ ابن خطیب نے انہیں یقین دلا دیا کہ وہ انہی کا جاسوس ہے۔

"آپ اسی مقصد کے لیے آئے ہیں؟" ابن خطیب نے پوچھا۔ "مجھ سے نہ چھپائیں ورنہ آپ کو اندر نہیں جانے دیا جائے گا۔"

"ہاں!" ایک صلیبی نے کہا۔ "اسی مقصد کے لیے..... اور ہمیں یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس محل میں موجود ہیں؟"

"موجود ہیں لیکن اُن پر ہماری نظر ہے" ابن خطیب نے کہا۔ "اُن سے ہم آپ کو چھپائے رکھیں گے لیکن مجھے آپ کے مقصد سے پوری واقفیت ہونی چاہیے۔"

ان تینوں نے اپنے خفیہ الفاظ اور طریقوں سے یقین کر لیا کہ ابن خطیب انہی کا آدمی ہے۔ انہوں نے اُسے اپنا مقصد بتا دیا۔ ابن خطیب نے اندر جا کر الملک الصالح کو اطلاع دی کہ تین تاجر شرف ملاقات چاہتے ہیں۔

"تم محافظ دستے کے نئے کمانڈر ہو؟" الملک الصالح نے پوچھا۔

"جی حضور!" اُس نے جواب دیا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

اُس نے کسی گاؤں کا نام لیا تو الملک الصالح نے کہا۔ "ہم ہر وقت ہر کسی سے نہیں مل سکتے۔ آئندہ خیال رکھنا۔ ان تینوں کو اندر بھیج دو۔"

اُس نے باہر جا کر تینوں کو اندر جانے کو کہا اور آنکھ مار کر ہدایت کی کہ بہت سنبھل کر بات کریں۔

☆

رات عشا کی نماز کے بعد ابنِ خطیب جامع مسجد کے امام کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ دو اور آدمی بھی تھے۔

"اب اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہی کہ الملک الصالح ایک بار پھر صلیبیوں کے جال میں آ رہا ہے"۔ ابنِ خطیب نے کہا۔ "میں نے آپ کو پہلے ایلچی اور تحفوں کی اطلاع دی تھی۔ وہ صلیبیوں کی طرف سے آئے تھے اور ساتھ ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ آج پتہ چل گیا ہے کہ وہ ایلچی بالڈوین کی طرف سے آیا تھا۔ آج تین تاجر الملک الصالح سے تجارت کی بات چیت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں میں نے دو سال بیت المقدس میں صلیبیوں کے درمیان رہ کر جاسوسی کی ہے۔ ان تینوں کے چہرے اور زبان کا لہجہ بتاتا تھا کہ انہوں نے جو عربی لباس پہن رکھا ہے یہ بہروپ ہے۔ میں نے اُن کا جاسوس بن کر اُن کا اصل روپ دیکھ لیا ہے۔ بیت المقدس کی جاسوسی نے آج مجھے بہت فائدہ دیا ہے۔ میں اُن کے خفیہ (کوڈ) الفاظ جانتا ہوں اور خفیہ اشارے بھی۔ محترم علی بن سفیان کی تربیت کی برکت آج دیکھی ہے۔"

ابنِ خطیب سلطان ایوبی کا جاسوس تھا جو تھوڑا ہی عرصہ گزرا حلب میں آیا اور الملک الصالح کے ایک ایسے نائب سالار کی کوشش سے محافظ دستے کا کمانڈر بنا دیا گیا جو سلطان ایوبی کا حامی تھا۔ ابنِ خطیب علی بن سفیان کا خصوصی طور پر ذہین اور بے خوف جاسوس تھا۔ وہ دو سال بیت المقدس میں صلیبی بادشاہوں اور جرنیلوں کے ہیڈ کوارٹر میں رہا اور اس نے کامیاب جاسوسی کی تھی۔ جامع مسجد کا امام ان تمام جاسوسوں کا کمانڈر تھا جو سلطان ایوبی نے حلب میں بھیج رکھے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد جسے کوئی رپورٹ دینی ہوتی وہ مسجد میں جا کر امام کو دیتا تھا۔ امام اپنے طور پر تصدیق کر کے رپورٹ سلطان ایوبی تک پہنچا دیتا تھا۔ ابنِ خطیب بڑی ہی قیمتی رپورٹ لایا تھا۔

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر عورت آ گئی۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ برقع نما کپڑے میں مستور تھی۔ اندر آ کر اُس نے چہرہ بے نقاب کیا۔ اسے دیکھ کر سب ہنس پڑے۔ وہ الملک الصالح کی خادمہ تھی۔ یہ اُس کی خواب گاہ کی دیکھ بھال کرتی اور اُس کی درپردہ زندگی کی رازدان تھی۔ وہ اُسی روز امام کو رپورٹ دے چکی تھی کہ صلیبیوں کی طرف الملک الصالح کے پاس ایک لڑکی آئی ہے جو شکل و صورت، جسم، رنگ

اور ناز و ادا اور زبان کی چاشنی کے لحاظ سے سراپا ایسا جادو ہے جس سے کوئی زاہد اور پرہیزگار بھی نہیں بچ سکتا۔ وہ امام کو بتا چکی تھی کہ الصالح کا باقاعدہ حرم نہیں لیکن اُس کی راتیں عورت کے بغیر نہیں گزرتیں۔ عورت اس کی کمزوری بن گئی ہے۔

"... مگر اس لڑکی نے جو مجھے یہودی معلوم ہوتی ہے، الصالح کو اپنا غلام بلکہ قیدی بنا لیا ہے" خادمہ نے کہا۔ "وہ اتنا پاگل ہو گیا ہے کہ مجھ سے باچھیں کھلا کر پوچھتا ہے 'یہ لڑکی تمہیں پسند ہے؟ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں؟' میں نے ایک بار اسے کہا کہ اپنی بہن سے پوچھ لیں۔ اُس نے مجھے سختی سے کہا کہ اس کی بہن کے ساتھ ذکر نہ کروں۔" خادمہ بھی جاسوس تھی۔ اُس نے تفصیل سے بتایا کہ الملک الصالح پوری طرح اس لڑکی کے جال میں آ گیا ہے۔ اب کوئی اور لڑکی اس کی خواب گاہ میں داخل نہیں ہو سکتی۔

"اب سوچنا یہ ہے کہ اسی وقت سلطان ایوبی کو اطلاع دے دی جائے یا دیکھ لیا جائے کہ صلیبی کیا کرتے یا الصالح سے کیا کرواتے ہیں؟" امام نے کہا۔ "میری رائے یہ ہے کہ الصالح کوئی ٹھوس کارروائی کرے جو معاہدے کے خلاف ہو تو سلطان کو اطلاع دی جائے۔"

"سلطان مصر چلے گئے ہیں" ایک اور نے کہا جو بوڑھا تھا اور دانشمند معلوم ہوتا تھا۔ "ادھر العادل ہیں۔ وہ سلطان سے حکم منگوائے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اتنے عرصے میں یہاں کے حالات ایسے ہو سکتے ہیں جو شاید قابو سے نکل جائیں۔ کیوں نہ کوئی ایسی کارروائی سوچی جائے جو اس سلسلے کو یہیں پر ختم کر دے؟"

"میں آپ کو ایک مشورہ دیتی ہوں" خادمہ نے کہا۔ "الصالح کی توجہ صرف لڑکی پر ہے۔ وہ بھلا بُرا سوچنے کے بھی قابل نہیں رہا۔ یہ لڑکی دن کے وقت بھی اُسے شراب میں مدہوش رکھتی ہے۔ بدبخت پہلے بھی پیتا تھا لیکن صرف رات کو پیتا تھا اور اتنی زیادہ اُس نے کبھی نہیں پی تھی۔ نشے کی حالت میں وہ اپنی بہن کے سامنے نہیں ہوتا تھا۔ اُسے دن کو ملتا تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ جب سے یہ لڑکی آئی ہے، بہن بھائی کی ملاقات نہیں ہوئی۔ بہن میں باپ کی شرافت ہے۔ وہ مجھ سے پوچھتی ہے تو میں کہہ دیتی ہوں کہ سلطنت کے کام ایسے ہیں کہ الصالح کو فرصت نہیں...... میرا مشورہ یہ ہے کہ لڑکی کو غائب کر دیا جائے تو الصالح کے ہوش ٹھکانے نہیں رہیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ صلیبیوں سے کوئی بات کرے یا نہ کرے۔"

اس کارروائی پر بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ ابنِ خطیب نے کہا کہ وہ تاجروں کو بھی غائب کر سکتا ہے۔ یہ فیصلہ ہُوا کہ موقعہ دیکھ کر پہلے لڑکی کو غائب کیا جائے مگر یہ کام آسان نہیں تھا بلکہ ناممکن تھا۔ تاہم انہوں نے اسی کارروائی کا فیصلہ کر لیا۔

☆

یہ نومبر ۱۱۷۱ء کے دن تھے۔ اونٹوں کا قافلہ باہر رُکا رہا۔ لوگ خرید و فروخت کرتے رہے۔ تینوں صلیبی مشیر عربی تاجروں کے بھیس میں الصالح سے ملتے ملاتے رہے۔ وہ اپنی شرائط خفیہ طور پر طے کر رہے تھے۔ ۱۱/۱۶ نومبر (۱۰/ رجب ۵۶۷ھ) کی رات الصالح نے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا جس کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی، لیکن در پردہ اس ضیافت کی تقریب یہ تھی کہ صلیبی مشیروں کے ساتھ الصالح نے خفیہ معاہدہ کر لیا تھا جس کا علم صرف دو سالاروں کو تھا۔ رات کی ضیافت میں سینکڑوں مہمان تھے۔ ان میں صلیبی مشیر بھی تھے جو ابھی تک عربی تاجروں کے لباس میں تھے۔ اُن کے "اونٹ" کے شتربان بھی اس میں مدعو تھے لیکن وہ شتربانوں کی حیثیت سے ضیافت میں نہیں آئے تھے۔ ان میں دراصل شتربان کوئی بھی نہیں تھا۔ ان میں بعض جاسوس تھے اور باقی صلیبی فوج کے افسر۔ ضیافت میں یہودی لڑکی بھی تھی اور الصالح کی بہن بھی مگر اسے انتظامات کی دیکھ بھال سونپی گئی تھی۔

اُس رات محافظ دستے کی پابندیاں بھی کم ہو گئی تھیں۔ مہمانوں کا ریلا چلا آ رہا تھا۔ کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کم از کم الصالح کوئی خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ شراب کا دَور چل رہا تھا۔ سالم بکرے روسٹ کیے گئے تھے۔ وسیع میدان میں قناتیں اور شامیانے لگائے گئے تھے۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی ضیافت کا رنگ نکھرتا آ رہا تھا۔ ہر طرف مہمانوں کی چہل پہل تھی۔

یہودی لڑکی اِدھر اُدھر بھٹکتی پھر رہی تھی۔ وہ کسی سے مل کر آ رہی تھی کہ اسے خادمہ نے روک لیا اور کسی سالار کا نام لے کر کہا کہ وہ کسی ضروری بات کے لیے بلا رہا ہے۔ لڑکی کو معلوم تھا کہ وہ اُس کا اپنا آدمی ہے۔ وہ اُدھر چلی گئی۔ پھر واپس نہیں آئی۔ الصالح کو ابھی پتہ نہیں چلا تھا کہ لڑکی غائب ہو گئی ہے۔ ابن خطیب اُس رات ڈیوٹی پر نہیں تھا۔ اُس نے تین تاجروں میں سے ایک کے ساتھ بات کرنے کا موقع پیدا کر لیا اور کہا۔۔۔ "آپ تینوں یہاں سے نکلیں ورنہ مارے جائیں گے۔ بہت بڑا خطرہ ہے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی اطلاع ملی ہے کہ مہمانوں کے بھیس میں یہاں موجود ہیں"۔۔۔ اُس نے اسے ایک جگہ بتا کر کہا کہ تینوں وہاں آ جائیں۔ آگے انہیں لے جا کر چھپانے کا انتظام کر لیا گیا ہے۔

"اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہی ہے"۔ صلیبی نے کہا۔ "ہمارا کام ہو چکا ہے"۔

"پھر جلدی نکلیں"۔ ابن خطیب نے کہا۔۔۔ "ورنہ صبح تک آپ کی لاشیں یہاں سے نکلیں گی"۔

اس صلیبی نے یہ بات اپنے ساتھیوں کے کانوں میں جا ڈالی اور وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اس طرح نکلے کہ کسی کو شک نہ ہو۔ اگر وہ محل کے اندر ہوتے تو نکلتے دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ میدان تھا۔ اندھیرے راستے سے گئے۔ آگے ابن خطیب زین گھوڑوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ خود بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ ضیافت میں رقص و سرود اور مہمانوں کا اتنا شور تھا کہ کسی کو چار گھوڑوں کے قدموں کی آواز نہ سنائی دی اور الصالح کو علم ہی نہ ہو سکا کہ اُس کے خصوصی مہمان ترمنی خطرے سے بھاگ کر حقیقی

خطرے میں چلے گئے ہیں۔

☆

آبادی سے دُور ایک جھونپڑا نما مکان تھا۔ تینوں صلیبی اس میں بیٹھے تھے۔ ابن خطیب خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ ان کی جانیں بچ گئی ہیں۔ انہوں نے اپنے شتربانوں کے متعلق فکر کا اظہار کیا۔ ابن خطیب نے انہیں تسلی دی کہ سب کو نکال لیا جائے گا۔ اُس نے ان سے پوچھا کہ وہ اسے بتا کر جائیں کہ کیا معاملہ طے ہوا ہے تاکہ وہ اس کے مطابق چوکنا رہے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ الصالح کو در پردہ جنگی سامان اور گھوڑے دیں گے۔ اس کی فوج کو ٹریننگ دیں گے۔ جاسوس دیں گے اور جب وہ سلطان ایوبی کے خلاف لڑے گا تو صلیبی فوج سلطان ایوبی پر عقب سے حملہ کرے گی۔ فی الحال الصالح سلطان ایوبی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دے گا لیکن اُس وقت توڑے گا جب صلیبی اُسے اشارہ دیں گے۔

"اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے؟" ایک صلیبی نے پوچھا۔

"ہاں!" ابن خطیب نے کہا۔۔۔ "آپ کی روانگی کا وقت آ گیا ہے۔ میرے ساتھ آؤ"۔

ابن خطیب نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہ دوسرا دروازہ تھا۔ اُس نے تینوں سے کہا کہ چلو۔ وہ کمرہ تاریک تھا۔ تینوں اس کمرے میں گئے تو پیچھے سے ایک کی گردن کے گرد ایک بازو لپٹ گیا اور ایک ایک خنجر ہر ایک کے دل میں اُتر گیا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک گہرا گڑھا پہلے ہی کھود لیا گیا تھا۔ تینوں کو اس میں پھینک دیا گیا۔

اسی کمرے کے ایک کونے میں یہودی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جو اندھیرے میں کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ اسے بھی ضیافت سے خادمہ کے ذریعے بلا کر کامیابی سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ کمرے میں ابن خطیب کے علاوہ پانچ آدمی تھے۔ انہوں نے لڑکی کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور منہ سے کپڑا نکال دیا۔ لڑکی اپنے صلیبیوں کا حشر دیکھ چکی تھی۔ اس نے کہا کہ مجھے دوسرے کمرے میں لے چلو۔ اسے وہاں لے گئے۔ وہاں ایک دیا جل رہا تھا۔

"کیا تم نے مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکی کبھی دیکھی ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"کیا تم نے ہم سے زیادہ ایمان والے کبھی دیکھے ہیں؟" ابن خطیب نے کہا۔۔۔ "ہم تمہیں اتنی مہلت نہیں دیں گے کہ تم الصالح کی طرح ہمارے ایمان بھی خرید سکو"۔

"میں اپنی جان کی بخشش مانگ رہی ہوں"۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "مجھے تم لوگ پسند نہیں کرتے تو بتاؤ کتنا سونا مانگتے ہو۔ صبح تمہارے قدموں میں رکھ دوں گی، پھر میں یہاں سے یروشلم چلی جاؤں گی"۔

ابن خطیب نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اُس نے دو ساتھیوں کے چہروں پر عجیب

سے تاثرات دیکھے۔ ابن خطیب نے بڑی تیزی سے خنجر نکالا اور لڑکی کے دل میں اتار دیا۔ وہ گری تو اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا دوسرے کمرے میں لے گیا اور گڑھے میں پھینک دیا۔ سب نے مل کر گڑھا مٹی سے بھر دیا۔

امام کو رات کو ہی اطلاع دے دی گئی کہ کام مکمل کر دیا گیا ہے۔ ادھر الصالح تینوں صلیبیوں اور لڑکی کے متعلق کہہ رہا تھا کہ بہت دیر سے نظر نہیں آئے.... آدھی رات کے کچھ دیر بعد جب آخری مہمان بھی رخصت ہو گیا تو وہ اپنے ہمرازوں سے یہی پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ وہ کہیں بھی نہ ملے۔ وہ لڑکی کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ اُس نے خادمہ کی جان کھا لی۔ باقی رات نہ خود سویا، نہ اُس نے اپنے ذاتی ملازموں کو سونے دیا۔ خادمہ نے امام سے کہا تھا کہ لڑکی کے بغیر وہ ہوش کھو بیٹھے گا۔ اس کی رائے صحیح ثابت ہوئی۔ وہ تو پاگل ہوا جا رہا تھا۔

☆

صبح اُس کی حالت پاگلوں سے بھی بدتر تھی۔ اُس نے اپنے دو ہمراز سالاروں کو اپنے سامنے کھڑا کر رکھا تھا۔ انہوں نے ابن خطیب کو بلا لیا اور پوچھا کہ اُس نے ایک لڑکی اور عربی تاجروں کو باہر جاتے تو نہیں دیکھا؟

"میں نے انہیں دیکھا تھا" ابن خطیب نے کہا۔ "میں اپنے دستے کے ساتھ باہر مستعد کھڑا تھا۔ آدھی رات سے پہلے تینوں تاجر باہر آئے۔ اُن کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ چلے گئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ مجھے دوڑتے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ میں نے انہیں واپس آتے نہیں دیکھا۔"

وہ سالار بھی جو سلطان ایوبی کا حامی تھا آ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ صلیبی اور لڑکی کہاں ہیں۔ اُس نے الصالح کو صلیبیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ اس نے کہا۔ "وہ اتنی خوبصورت لڑکی کو آپ کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ انہوں نے آپ کو دھوکہ دے کر آپ سے کوئی بڑا ہی نازک راز حاصل کر لیا ہے۔ یہ شاید آپ کو بھی معلوم نہیں کہ وہ راز کیا ہوگا۔"

الصالح پر خاموشی طاری ہو گئی۔ اُسے غالباً یہ احساس ہو گیا تھا کہ لڑکی اسے دن کے وقت بھی شراب میں بے ہوش رکھتی رہی ہے۔ اس حالت میں معلوم نہیں وہ اس سے کیا کچھ کہلواتی رہی ہے۔ اُسے شدید صدمہ ہوا۔ وہ رات بھر سویا بھی نہیں تھا۔ بہت دنوں سے وہ دن رات شراب پیتا رہا تھا۔ اُس کے اثرات کے علاوہ غصہ اور پچھتاوا بھی تھا۔ اُس نے غصے سے حکم دیا۔ "وہ جو اُن کے ساتھ قافلہ آیا تھا ان سب کو قید میں ڈال کر مار ڈالو۔ اُن کے اونٹوں اور سامان کو سرکاری ملکیت میں لے لو۔"

اُسی شام الصالح کو پیٹ میں درد کی ٹیس اٹھی۔ طبیب نے دوائی دی لیکن مرض بڑھتا گیا

اور رات کو درد پیٹ سے ناف تک پھیل گیا۔ ۱۰ رجب ۵۷۷ھ یعنی اگلے روز اُس کی حالت طبیبوں کے بس سے باہر ہو گئی۔ طبیب ہر لمحہ اُس کے پاس موجود رہنے لگے مگر افاقہ ہونے کی بجائے مرض بڑھتا گیا۔ رات بھی ایسے ہی گزری۔ دوسرے دن اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ طبیبوں نے اُسے نہ بتایا، سالاروں وغیرہ کو بتا دیا کہ الصالح کا جانبر ہونا مشکل ہے۔ جامع مسجد کے امام کو بلا لیا گیا۔ اس نے سرہانے بیٹھ کر قرآن خوانی شروع کر دی۔ رات کو الصالح نے آنکھ کھولی۔ امام کو دیکھا اور دبی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر قرآن برحق ہے تو اس کی برکت سے مجھے صحت یاب کرو۔"

"میں یہ کہنے سے نہیں ڈروں گا کہ آپ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں۔" امام نے کہا۔ "قرآن کی برکت اُن کے لیے ہے جو اس کے ہر فرمان پر عمل کرتے ہیں..... خدا سے گناہوں کی بخشش مانگیں۔ اپنی ماں سے گناہوں کی معافی مانگیں۔"

اُس وقت اس کی بہن شمس النساء پاس کھڑی رو رہی تھی۔ الصالح کے منہ سے نکلا۔ "ماں... میری ماں کو بلاؤ۔ اسے کہو تمہارا گناہگار بیٹا مر رہا ہے۔ اگر دودھ کی دھاریں اور گناہ بخش دو۔"

امام نے شمس النساء کی طرف دیکھا۔ اُس نے بھائی کے ماتھے پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہا۔ "میں ابھی دمشق کے لیے روانہ ہو جاتی ہوں۔ ماں کو لے کر آؤں گی۔" وہ تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے محافظوں کے ساتھ دمشق کے راستے پر جا رہی تھی۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے۔ "۱۲ رجب کے روز الصالح کی حالت اتنی بگڑی کہ قلعے کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ الصالح نے ذرا ہوش میں آکر عزالدین کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ عزالدین سیف الدین کے مرنے کے بعد موصل کا والی بنا تھا۔ وہ موصل میں تھا۔ اب اُسے حلب کا والی بھی بنا دیا۔ الصالح نے تمام امراء اور سالاروں کو بلا کر کہا کہ وہ حلف اٹھائیں کہ عزالدین کو اپنا والی تسلیم کرتے ہیں اور اس کے وفادار رہیں گے۔ سب نے حلف اٹھایا۔ ۲۵ رجب ۵۷۷ھ الملک الصالح غشی کے عالم میں فوت ہو گیا۔ موصل کو قاصد دوڑایا گیا کہ عزالدین کو کہہ کر بلا لائے کہ اسے حلب کا والی مقرر کیا گیا ہے۔"

☆

جس وقت شمس النساء دمشق میں اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھی ماں سے کہہ رہی تھی کہ اُس کا اکلوتا بیٹا مر رہا ہے اور دودھ کی دھاریں بخشوانے کے لیے اسے بلا رہا ہے اور ماں نے کہا تھا کہ میں دودھ کی دھاریں بخش دوں گی اس کے گناہ اللہ بخشے گا، اُس وقت الصالح فوت ہو چکا تھا۔ شمس النساء حلب واپس گئی تو اس کے اکلوتے بھائی کا جنازہ قلعے سے نکل رہا تھا۔

عزالدین کو قاصد نے الصالح کی موت کا پیغام دیا تو وہ اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ راستہ چھوٹا کرنے کے لیے وہ کسی اور راستے سے جا رہا تھا۔ راستے میں اُس کا گزر سلطان ایوبی کے بھائی العادل کی فوج

کی خیمہ گاہ سے ہُوا۔ وہ العادل سے ملنے رک گیا۔ العادل کو معلوم نہیں تھا کہ الصالح مرگیا ہے۔
عزالدین نے اُسے یہ خبر سنائی اور یہ بھی کہ اسے حلب کا والی مقرر کیا گیا ہے۔
العادل نے اسے کہا۔۔۔ "تم آئندہ خانہ جنگی کو روک سکتے ہو اور حلب کو دمشق سے ملا سکتے ہو۔ غدار مرگیا ہے۔ تم تو ایمان فروش نہیں"
عزالدین گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ وقت بعد اُس نے العادل سے کہا۔۔۔ "ہاں! میں حلب اور دمشق کو ایسے رشتے میں جکڑ سکتا ہوں جو کبھی نہیں ٹوٹے گا، لیکن۔۔۔۔ لیکن اسے مضبوط بنانے کے لیے تم ایک کام بلکہ میری خواہش پوری کر سکتے ہو۔۔۔۔ میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ عظیم عورت مان جائے تو۔۔۔۔"
"میں آج ہی دمشق چلا جاؤں گا" العادل نے کہا۔ "مجھے اُمید ہے وہ مان جائے گی"
العادل دمشق گیا۔ رضیع خاتون کو یہ خبر سنائی کہ اُس کا بیٹا مرگیا ہے۔
"اللہ اُس کے گناہ معاف کرے" ماں نے کہا۔
کچھ دیر بعد العادل نے کہا کہ الصالح عزالدین کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے اور عزالدین نے اُس کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی ہے۔ رضیع خاتون نے انکار کر دیا۔
"یہ شادی آپ کی اور عزالدین کی نہیں ہوگی" العادل نے کہا۔۔۔ "یہ دمشق اور حلب کی شادی ہوگی۔ اس سے آئندہ خانہ جنگی رک جائے گی اور صلیبیوں کے خلاف محاذ مستحکم ہو سکے گا"
"عظمتِ اسلام کے لئے میں ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوں" رضیع خاتون نے کہا "میری ذاتی خواہشیں مرچکی ہیں"
۵ شوال (۱۱ فروری ۱۱۸۲ء) عزالدین اور رضیع خاتون کی شادی ہوگئی۔

☆

سانپ اور صلیبی لڑکی

سانپ ڈیڑھ بالشت لمبا ہوگا مگر اس نے اسحاق داودشکی کے اتنے قوی ہیکل گھوڑے کو اوندھا کر دیا۔ منزل ابھی بہت دُور تھی۔ صحرائے سینا ابھی آدھا باقی تھا۔ اسحاق داودشکی ترکی کا رہنے والا تھا۔ جسمانی لحاظ سے وہ تنومند تھا، خوبرو تھا، چہرے کی رنگت میں کشش تھی۔ اُس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسلمان ہے یا صلیبی۔ وہ جتنا تنومند اور خوبرو تھا اُس سے کہیں زیادہ دماغی لحاظ سے چست اور چالاک تھا۔ وہ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہُوا تھا جب اُس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اُس نے فوجی ملازمت کو ذریعہ معاش نہیں سمجھا تھا۔ وہ مردِ مومن کی صحیح تصویر تھا۔ صلیب کے پجاریوں کے عزائم سے آگاہ ہو کر اسلام کی پاسبانی کے لیے دمشق آیا اور فوج میں شامل ہو گیا تھا۔ جب سلطان ایوبی کو مصر کی امارت سونپی گئی تو اسحاق کو مصر بھیج دیا گیا تھا۔ وہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو ترک کہلاتا تھا۔

ترکی کے بے شمار باشندے سلطان ایوبی کی فوج میں تھے۔ سلطان ایوبی کو اُن پر بھروسہ اور اعتماد تھا۔ اس نے جب کمانڈو فورس بنائی تو اس کے لیے زیادہ تر نفری ترکوں کی تیار کی۔ اسی فورس میں سے جاسوس بھی منتخب کیے گئے تھے۔ ان میں اسحاق ترک بھی تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین اور دلیر چھاپہ مار تھا۔ اسے کمانڈر بنا دیا گیا تھا۔ پھر اُسے صلیبیوں کے علاقوں میں جاسوسی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ فرض کا شیدائی تھا۔ جان کی بازی لگا کر زمین کی تہوں سے بھی راز نکال لیا کرتا تھا، مگر اب صحرائے سینا میں ذرا جتنے سانپ نے اُسے بڑے ہی کڑے امتحان میں ڈال دیا۔ وہ اُن مسلمان علاقوں میں تھا جن پر صلیبیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ وہاں سے حلب چلا گیا اور اب وہ ایک نہایت اہم اطلاع لے کر قاہرہ جا رہا تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی قاہرہ میں تھا۔ اسحاق ترک کو بہت جلدی پہنچنا تھا۔ راستے میں وہ کم سے کم آرام کر رہا تھا۔

وہ سرسبز علاقوں سے نکل گیا تھا۔ آگے ریت کا وہ سمندر تھا جس سے کوئی بھٹکا ہُوا مسافر کبھی زندہ نکل کر نہیں گیا۔ صحرا انسان اور حیوان کا دشمن ہے۔ اسحاق ترک ریگزار کا بھیدی تھا..... سرسبز علاقے سے اُس نے پانی گھوڑے کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ اُسے راستے کا بھی علم تھا جہاں ایک

وہ جگہ پانی مل جاتا تھا۔ اس صحرا میں اس نے لڑائیاں بھی لڑی تھیں حلب سے آتے ہوئے جب وہ اس میں داخل ہوا تھا تو اُسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ صلیبیوں اور صحراؤں سے وہ کبھی نہیں ڈرا تھا۔ اسی جنگ و جدل اور مسافت کو وہ زندگی سمجھتا تھا۔ یہ اس کا عقیدہ تھا کہ خدا کی خوشنودی اسی جہاد میں ہے۔

وہ صحرائی ٹیلوں میں گھوڑے کو ذرا آرام دینے کے لیے رُک گیا۔ دوپہر کا سورج کچھ آگے نکل گیا تھا۔ اسحاق ترک ایک ٹیلے کے سائے میں لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ گھوڑا بڑی زور سے ہنہنایا۔ اسحاق کی آنکھ کھُل گئی۔ گھوڑا تھوڑی سی جگہ میں چکر میں دوڑ رہا تھا لیکن زیادہ نہ دوڑ سکا۔ رُک گیا اور اس کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اسحاق ترک نے دیکھا کہ جہاں وہ سویا تھا اس سے چار پانچ قدم دُور ڈیڑھ بالشت لمبا سانپ جس کا رنگ سیاہ اور اس پر سفید اور گول دھبے تھے تڑپ رہا تھا۔ دُم کی طرف سے اُس کا آدھا جسم کچلا ہُوا تھا۔ گھوڑا وہیں کھڑا تھا۔ اسحاق سمجھ گیا کہ سانپ کاٹنے سے پہلے یا بعد گھوڑے کے پاؤں کے نیچے آیا ہے۔ وہ اب چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اسحاق ترک نے اُس کا سر اپنے پاؤں تلے مسل ڈالا۔

گھوڑے کے زندہ رہنے کی امید ختم ہو گئی تھی۔ صحرا کا بچھو اور یہ سانپ اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ جسے ڈس لیں اسے پانی پینے کی مہلت نہیں ملتی۔ صحراؤں کے مسافر جلا دینے والے سورج سے اور لوٹ کر قتل کر دینے والے ڈاکوؤں سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا اس سانپ اور بچھو سے ڈرتے ہیں۔ یہ سانپ میدانی اور پہاڑی علاقوں کے سانپوں کی طرح آگے کو نہیں رینگتا بلکہ پہلو کی طرف عجیب سی چال سے رینگتا ہے۔ اسحاق نے اپنے گھوڑے کو مایوسی سے دیکھا۔ گھوڑا بڑی زور سے کانپا۔ اُس کا منہ کھُل گیا تھا۔ گھوڑے کی ٹانگیں دوہری ہُوئیں پھر اُس کا پیٹ زمین سے لگا اور وہ ایک پہلو پر گر پڑا۔ اسحاق ترک اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اعلیٰ نسل کا جنگی گھوڑا تھا جو لق و دق صحرا بھوک اور پیاس کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ یہ تو ایک نقصان تھا کہ ایسا اعلیٰ گھوڑا ضائع ہو گیا تھا، مگر اُس وقت نقصان یہ ہُوا کہ اسحاق ترک کو پیدل قاہرہ تک پہنچنا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے یہ راز جو وہ سینے میں لے کے جا رہا تھا فوراً سلطان ایوبی تک نہ پہنچایا تو بہت بڑے جنگی نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

اُس نے گھوڑے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کی نظر گھوڑے کے ایک پاؤں پر پڑی۔ کھُر کے ذرا اوپر خون کے چند قطرے جمے ہُوئے تھے۔ یہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ گھوڑا مر چکا تھا۔ اسحاق نے گھوڑے کی زین سے کھجوروں کا تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ کھولا اور چل پڑا۔ اس نے مرے ہوئے سانپ کو دیکھا اور نفرت سے کہا ۔۔۔ "سانپ اور صلیبی کی فطرت ایک ہی ہے۔"

☆

وہ رتیلے ٹیلوں کے علاقے سے نکل گیا۔ سورج اُفق سے کچھ دُور رہ گیا تھا۔ اس کا قہر عروج پر تھا۔ وہ اپریل ۱۱۸۲ء کے دن تھے جو دنیا کے لیے بہار کے دن تھے مگر صحراؤں میں کبھی بہار نہیں آتی۔ اسحاق ترک کے سامنے اُفق تک پھیلا ہُوا ریت کا سمندر تھا جس میں چھوٹی چھوٹی خشک جھاڑیاں تھیں۔ ریت اس طرح جھلس رہی تھی جیسے ایک آدھ میل آگے پانی ہی پانی ہو اور اس میں سے شفاف بھاپ اُٹھ رہی ہو۔ اسحاق ابھی تازہ دم تھا۔ وہ کھجوروں کے تھیلے، مشکیزے، تلوار اور خنجر کا بوجھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اُس کی چال میں جان تھی اور قاہرہ جلدی پہنچنے کے عزم میں ابھی کوئی لغزش پیدا نہیں ہُوا تھا۔ وہ چلتا گیا اور سورج غروب ہو گیا۔

وہ ذرا سی دیر کے لیے رُکا۔ چند ایک کھجوریں کھائیں، پانی پیا اور چند منٹ لیٹ کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ بڑی ہی قیمتی اطلاع سلطان ایوبی کے لیے لے جا رہا ہے۔ اسے کچھ کھانے اور پینے کی جیسے ضرورت ہی نہیں تھی۔ اُس کی روح سیر تھی۔ فرض کے شیدائی جب فرض ادا کر لیں تو اُن کی روحیں مسرور ہو جاتی ہیں۔ اسحاق ترک بھی روحانی مسرت سے سرشار تھا۔ وہ اٹھا۔ ستاروں کو دیکھا۔ سمت کا تعین کیا اور چل پڑا۔ صحرا کی رات اتنی خنک ہوتی ہے جتنا دن گرم اور جھلسا دینے والا ہوتا ہے۔ رات کو چلنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ وہ چلتا گیا۔ اس نے چلتے چلتے بہت کچھ سوچا۔ یہ بھی سوچا کہ وہ اتنی لمبی مسافت اتنے کم عرصے میں طے نہیں کر سکے گا۔ اس کا یہی ایک علاج تھا کہ کوئی اکیلا دکیلا گھوڑ سوار یا شتر سوار مل گیا تو اس سے گھوڑا یا اونٹ چھین لے گا اور اگر کوئی قافلہ رکا ہُوا نظر آ گیا تو گھوڑا یا اونٹ چوری کر لے گا۔ اسی توقع پہ چلتا گیا۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔ اُس کے پاؤں تلے سے ریگزار پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اور اُسے تھکن کا احساس بھی ہونے لگا تھا لیکن اُسے ٹریننگ ایسی ملی تھی کہ تھکن، نیند، بھوک اور پیاس کو کئی روز تک برداشت کر سکتا تھا۔ تھکن کے پہلے احساس کو اس نے ایک جنگی ترانے کے حوالے کر دیا۔ وہ بلند آواز سے ترانہ گانے لگا ۔۔۔۔ رات کے آخری پہر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑا سا پانی پیا اور وہیں سو گیا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہُوا تھا جب اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے بھوک کے احساس کو دبا لیا۔ پانی بھی نہ پیا۔ منزل ابھی بہت دُور تھی۔ کھجوریں اور پانی بچانے کی ضرورت شدید تھی۔ وہ اٹھا اور چل پڑا۔

اُسے صحرا کا ایک اور خطرہ دُور سے ہی نظر آنے لگا۔ یہ ریت کی گول گول ٹیکریاں تھیں جو دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ان کی بلندی بھی ایک جیسی ہوتی ہے۔ ان میں کوئی اجنبی داخل ہو جائے تو باہر نکل نہیں سکتا۔ یہ بھول بھلیاں بنی ہوتی ہیں۔ بعض مسافر ایک ہی ٹیکری کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ سفر طے کر رہے ہیں۔ صحراؤں کے بھیدی بھی ان سے ڈرتے ہیں۔ اسحاق ترک کو پہلا احساس یہ ہُوا کہ یہ ٹیکریاں اس کے راستے میں نہیں آنی چاہئیں تھیں۔ اس سوال نے اُسے پریشان کر دیا۔ کیا وہ اُس راستے سے بھٹک گیا ہے جس سے وہ واقف تھا؟ وہ اب اِدھر اُدھر کہیں نہیں

جاسکتا تھا اسے انہی میں سے گزرنا تھا۔ وہ بڑھتا گیا اور ٹیکریوں میں داخل ہوگیا۔ اس وقت تک سورج اوپر آچکا تھا اور صحرا تپنے لگا تھا۔ وہ ٹیکریوں میں گھومتا، موڑ مڑتا گیا۔ ریت اس کے پاؤں جکڑنے کی کوشش کررہی تھی۔ وہاں کی ریتلی زمین بتا رہی تھی کہ اسحاق سے پہلے یہاں سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرا۔ اسحاق چلتا گیا۔ سورج سر پر آگیا تو بھی وہ ریت کی انہی ڈھیروں میں گھومتا مڑتا جارہا تھا۔ وہ ایک اور موڑ مڑا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ اُس نے زمین پر اپنے ہی پاؤں کے نشان دیکھے جو ایک اور ٹیکری کے گرد مڑ گئے تھے۔ تب اُسے احساس ہُوا کہ وہ صحرا کے بے حد خطرناک دھوکے میں آگیا ہے۔ وہ سامنے والی ٹیکری پر چڑھ گیا۔ ہر سُو نگاہ دوڑائی۔ اسے یوں نظر آیا جیسے ساری دنیا ریت کے گول گول اونچے اونچے ڈھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سورج کی آگ اور ریت کی گرمی نے اُس کے جسم کی نمی چُوسنی شروع کردی تھی۔ ریت نے اُس کے پاؤں جکڑ جکڑ کر من من وزنی کردیے تھے۔ اس نے پانی پیا اور سمت کا اندازہ کرکے نیچے اترا۔ اب اُسے دماغ حاضر رکھنا تھا۔ ہر موڑ ذہن میں محفوظ رکھنا تھا۔ وہ ٹریننگ کے مطابق چل پڑا۔ اب وہ جن دو ڈھیری نما ٹیکریوں کے درمیان سے گزرتا انہیں ذہن میں نقش کرلیتا۔ آگے چلتا، پیچھے دیکھتا مگر صحرا کے ظالم اثرات اس کے دماغ کو ماؤف کرنے لگے تھے۔ اس میں برداشت کی قوت اوسط درجہ انسانوں سے زیادہ تھی ورنہ وہ کبھی نہ اٹھنے کے لیے گر پڑتا۔

سورج افق سے تھوڑا ہی اوپر رہ گیا تھا جب وہ صحرا کے اس دھوکے سے نکل گیا مگر اُس کی ٹانگوں میں جسم کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ یہ فرض کی لگن تھی جو اسے چلائے جارہی تھی۔ اُس نے آگے دیکھا تو اُسے ایک قطار میں کئی گھوڑے اُس کا راستہ کاٹ کر جاتے نظر آئے۔ گھوڑوں پر سوار بھی تھے۔ اُس نے سواروں کو پکارا، پھر اور زیادہ اونچی آواز سے پکارا۔ کسی بھی سوار نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ گھوڑے دائرے میں چلنے لگے۔ اسحاق ترک رُک گیا۔ اُس نے آنکھیں بند کرکے سر کو زور زور سے جھٹکے دیے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ گھوڑے نہیں واہمہ ہے اور یہ سراب ہے جو صحرا کا ایک اور خطرناک دھوکہ ہوتا ہے۔ اُس کا ذہن صاف ہُوا تو گھوڑے غائب ہوگئے۔ جلتی ریت اور اس کی بھاپ نما چمک دُور تک دیکھنے نہیں دیتی تھی۔ وہ اب قدم گھسیٹ رہا تھا۔

☆

اُسے دن اور رات کا بھی احساس نہ رہا۔ ایک جگہ اُس کا پاؤں پھسلا تو وہ گر پڑا اور لڑھکتا ہوا دُور نیچے چلا گیا۔ اس سے وہ ذرا سا بیدار ہُوا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ نادانستہ مٹی کی ایک ٹیکری پر چڑھ گیا تھا اور وہاں سے گرا تو نیچے آپڑا تھا۔ اُس نے پانی کی شدید ضرورت محسوس کی۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور ہونٹ خشک لکڑی کی طرح اکڑ گئے تھے مگر اس کے پاس نہ پانی کا مشکیزہ تھا نہ کھجوروں کا تھیلا۔ اس نے اٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دونوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ وہ مایوسی اور بے بسی کے عالم میں چلا۔ اِدھر اُدھر

دیکھا، اُسے ہر سُو سفید سفید اور شفاف شفاف سے شعلے نظر آئے جو اُس سے کچھ دُور دُور گول دائرے کی شکل میں اسے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ اب لاشعوری طور پر یا نیم غشی کی کیفیت میں چل رہا تھا۔

وہ رُک گیا۔ اُسے دو آدمی اور ایک عورت کھڑی نظر آئی۔ تینوں اُسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے عقب میں، تھوڑی دُور، کھجور کے درخت بھی اُسے دکھائی دیے۔ اُن کے قریب ٹیلے تھے۔ اسحاق ترک اسے بھی واہمہ اور سراب سمجھا۔ اُس پر جو مایوسی طاری ہوگئی تھی اس میں اضافہ ہوگیا جس سے اُس کے جسم میں اگر کچھ سکت رہ گئی تھی وہ بھی نہ رہی۔ اس نے ان آدمیوں اور عورت کو آواز دینے کو بیکار سمجھا۔ سراب اور واہمے بولا نہیں کرتے۔ مسافروں کو اپنی طرف گھسیٹتے اور پیچھے ہٹتے جاتے ہیں حتیٰ کہ انسان ہار کر گر پڑتا ہے اور ریت اُس کا گوشت پوست چُوس کر اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیتی ہے۔ اسحاق ترک میں اتنی سی زندگی رہ گئی تھی کہ اُس نے ان آدمیوں اور عورت کو واہمہ سمجھا مگر اُس نے چلنے کے لیے قدم اٹھایا تو اُس کی ٹانگیں دوہری ہوگئیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے صحرا، سراب اور واہمہ گُپ تاریکی میں چھُپ گئے۔

اُسے باتیں سنائی دیں۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آرہا تھا۔ باتیں صاف ہونے لگیں۔ وہ ریت پر گرا تھا۔ ریت آگ پر رکھی ہوئی لوہے کی چادر کی طرح تپ رہی تھی لیکن ہوش میں آتے وہ خنکی محسوس کررہا تھا۔

"وہیں مرنے دیا ہوتا"۔۔۔ اُسے ایک مردانہ آواز سنائی دی ۔۔۔ "اٹھاؤ اور اسے باہر پھینک دو۔ کوئی بھولا بھٹکا مسافر ہے"۔

"یہ کوئی عام مسافر نہیں لگتا"۔ ایک اور مردانہ آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"ذرا اسے ہوش میں آنے دو"۔۔۔ یہ آواز کسی عورت کی تھی "مجھے شک ہے۔ یہ بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا، 'قاہرہ کتنی دُور ہے؟ سلطان۔۔۔ سلطان صلاح الدین ایوبی! ہوشیار ہو کر قاہرہ سے نکلا۔ بڑی قیمتی خبر لایا ہوں'۔۔۔ شک رفع کرلینا چاہیے"۔

اسحاق ترک اسے بھی واہمہ یا خواب سمجھنے لگا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ آوازیں انہی دو آدمیوں اور عورت کی ہیں جنہیں اُس نے صحرا میں اپنے سامنے کھڑے دیکھا تھا۔ انہیں اس نے واہمہ سمجھا تھا لیکن یہ انسان حقیقی تھے۔ واہمہ نہیں تھے۔

"تم اس کے پاس بیٹھو"۔۔۔ ایک آدمی نے کہا ۔۔۔ "اگر ہوش میں آگیا تو اسے پانی پلا دینا اور کھانے کے لیے بھی کچھ دے دینا، پھر ہمیں بتانا کہ یہ کون ہے"۔۔۔ آدمی باہر نکل گئے۔

اسحاق نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اس کے کانوں میں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز پڑی۔ وہ یکلخت بیدار ہوگیا اور اُٹھ بیٹھا۔ اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا ۔۔۔ "یہ گھوڑا مجھے دے دو"۔

"لو، تھوڑا سا پانی پی لو"۔۔۔ ایک نسوانی آواز نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کے ہونٹوں کی طرف

ایک پیالہ بڑھ رہا تھا۔ عورت نے کہا ۔۔۔ "تھوڑا پینا، ایک ہی بار سارا نہ پی لینا، مر جاؤ گے۔"

اُسے پانی کی ہی ضرورت تھی۔ اُس نے یہ دیکھنے سے پہلے کہ پانی پلانے والی کون ہے، پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہونٹوں سے لگا کر دو تین گھونٹ پیئے۔ پیالہ ہونٹوں سے الگ کر کے بولا ۔۔۔ "میں جانتا ہوں اس حالت میں زیادہ پانی نہیں پینا چاہیئے۔"

اُس نے عورت کو دیکھا۔ وہ جوان لڑکی تھی۔ اس کا لباس اسی علاقے کا صحرائی خانہ بدوشوں کی طرح تھا لیکن اس کے نقش و نگار اور رنگ روپ سے دھوکہ ہوتا تھا کہ وہ خانہ بدوش لڑکی نہیں۔ اس کے سر پر لپٹے ہوئے رومال میں سے جو بال نظر آ رہے تھے وہ بھی خانہ بدوش لڑکیوں جیسے نہیں تھے لیکن اس علاقے میں کوئی امیر کبیر لڑکی تو نہیں آ سکتی تھی، خانہ بدوش ہی ہو سکتی تھی۔

"تم کسی قافلے کے ساتھ ہو؟" ۔۔۔ اسحاق نے لڑکی سے پوچھا۔

"یہ تاجروں کا قافلہ ہے" ۔۔۔ لڑکی نے جواب دیا اور پوچھا ۔۔۔ "تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

اسحاق ترک نے جواب دینے کی بجائے پانی کا پیالہ منہ سے لگا لیا۔ پانی کی نمی نے اُس میں سوچنے کی قوت کچھ بحال کر دی تھی۔ اُسے یاد آ گیا کہ وہ سلطان ایوبیؒ کا جاسوس ہے۔ ورنہ سے اپنا آپ کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہیئے۔

"میں بھی تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ تھا" ۔۔۔ اس نے سوچ کر جواب دیا ۔۔۔ "یہاں سے بہت دُور ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ جو کچھ تھا لے گئے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی لے گئے۔ میں وہاں سے بھاگا اور بھٹک گیا۔"

"میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں" ۔۔۔ لڑکی نے کہا اور باہر نکل گئی۔

وہ خیمے میں تھا جس میں دیا جل رہا تھا۔ اُس نے خیمے سے ذرا جھانک کر باہر دیکھا۔ چاندنی رات تھی۔ اُسے باہر تین چار آدمی اِدھر اُدھر پھرتے دکھائی دیئے۔ اسے لڑکی کی ہنسی سنائی دی۔ پھر اُس نے لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ لڑکی نے اُس کے آگے کھانا رکھا جو وہ کھانے لگا۔

"تم اب قاہرہ جا رہے ہو؟" ۔۔۔ لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں" ۔۔۔ اسحاق ترک نے جھوٹ بولا ۔۔۔ "سکندریہ جا رہا ہوں۔"

"سلطان صلاح الدین ایوبیؒ تو قاہرہ میں ہے" ۔۔۔ لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ "سکندریہ جا کر کیا کرو گے؟"

"میرا سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" ۔۔۔ اسحاق نے حیرت سے کہا۔

"ہمارا تو ہے" ۔۔۔ لڑکی نے کہا ۔۔۔ "وہ ہمارا سلطان ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہم اُس کے حکم پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔"

"لیکن مجھ سے تم نے یہ کیوں کہا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ قاہرہ میں ہے؟" ۔۔۔ اسحاق ترک نے پوچھا۔

"سنو" ۔۔۔ لڑکی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا ۔۔۔ "تمہیں گھوڑا چاہیئے۔ تم سلطان کے پاس جا رہے ہو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں گھوڑا دیں گے۔ تم بہت جلدی سلطان تک پہنچ جاؤ گے۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"یہ مت پوچھو" ۔۔۔ لڑکی نے کہا ۔۔۔ "تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو، ہمیں اپنا فرض ادا کرنے دو۔ ہم تمہیں گھوڑا دے کر سمجھیں گے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

لڑکی کا انداز ایسا تھا کہ اسحاق ترک پسیج گیا۔ اس نے کہا ۔۔۔ "ہاں مجھے بہت جلدی سلطان کے پاس پہنچنا ہے۔"

"کوئی بہت ضروری خبر ہے؟"

"مجھ سے ایسی باتیں نہ پوچھو" ۔۔۔ اسحاق نے جواب دیا ۔۔۔ "تمہیں ان کے ساتھ دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے۔"

"میں تمہارے لیے گھوڑے کا انتظام کرتی ہوں" ۔۔۔ لڑکی نے اٹھتے ہوئے کہا ۔۔۔ "آرام کر لو۔ رات ابھی شروع ہوئی ہے۔ آخری پہر روانہ ہونا۔"

لڑکی خیمے سے نکل گئی۔ اسحاق ترک کی جسمانی حالت ایسی تھی کہ وہ فوراً سو گیا۔

☆

"کون کہتا تھا اسے وہیں پڑا رہنے دینے؟" ۔۔۔ لڑکی نے خیمے سے باہر جا کر اپنے آدمیوں سے کہا ۔۔۔ "مجھے استاد مانتے ہو؟ یہ ایوبی کا جاسوس ہے۔ کہتا ہے مجھے ایک گھوڑا دے دو، سلطان کے پاس جلدی پہنچنا ہے۔ وہ جب بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا تو میں نے کان لگا کر سنا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کا نام لے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ بڑی قیمتی خبر لایا ہوں" ۔۔۔ لڑکی نے اسحاق ترک کے ساتھ جو باتیں کیں اور جو اُس سے کہلوائی تھیں سب کو سنا دیں۔

یہ تاجروں کا قافلہ نہیں تھا۔ یہ سب صلیبی جاسوس اور تخریب کار تھے جو مصر میں کچھ عرصہ اپنی زمین دوز کارروائیاں کر کے واپس اپنے یا کسی اور مسلمان علاقے کو جا رہے تھے۔ اُن کے ساتھ ان کے محافظ بھی تھے۔ ان دس بارہ آدمیوں کے ساتھ دو جوان لڑکیاں تھیں۔ ان کا استعمال اور رول وہی تھا جو آپ اس سلسلے کی پہلی کہانیوں میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ دونوں خوبصورت اور تربیت یافتہ تھیں۔ یہ گروہ تاجروں کے بھیس میں جا رہا تھا۔ ان کے پاس اونٹ بھی تھے اور گھوڑے بھی۔ سفر کے دوران یہاں پانی اور سایہ دیکھ کر رک گئے تھے۔ شام سے کچھ دیر پہلے انہوں نے دُور سے اسحاق ترک کو آتے دیکھا۔ دو صلیبی اور ایک لڑکی اس کی طرف چل پڑے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس آدمی کو اپنے کیمپ سے دُور رکھیں۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ آدمی بہت بُری حالت میں چلا آرہا ہے اور یہ زیادہ دیر چل نہیں سکے گا۔

اسحاق ترک نے انہیں دیکھا تو اسے سراب اور واہمہ سمجھا۔ پھر وہ گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ یہ دونوں صلیبی اور لڑکی اُس تک پہنچے۔ سب سے پہلے لڑکی نے کہا تھا کہ یہ کوئی عام قسم کا مسافر نہیں۔ دونوں آدمیوں نے رائے دی کہ یہ کوئی اناڑی مسافر ہے ورنہ اس حال کو نہ پہنچتا۔ تاہم اسحاق کی شکل و صورت اور جسم سے شک ہوتا تھا کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ کچھ ازراہِ مذاق اور کچھ شک کی بنا پر وہ اسے اپنے کیمپ میں اٹھا لے گئے اور ایک خیمے میں لٹا دیا۔ اس کے منہ میں پانی اور شہد ٹپکاتے رہے۔ اس دوران اسحاق ترک بڑبڑاتا رہا۔ اس پر غشی طاری تھی۔ غشی اور نیند میں ذہن لاشعور بیدار ہوتا ہے۔ جاسوسوں کو یہ خاص طور پر بتایا جاتا تھا کہ وہ دشمن کے علاقے میں بے ہوش ہونے سے بچیں۔ بیہوشی میں انسان کی زبان سے بعض اوقات سینے کے راز نکل آتے ہیں۔ اسحاق کو صحرا نے بے بس اور بے ہوش کر دیا تھا ورنہ اُس میں حیران کن قوتِ برداشت اور قوتِ مدافعت تھی۔ اگر بے ہوشی میں اس کی زبان بند رہتی تو اس کا اصل روپ بے نقاب نہ ہوتا۔

اسحاق ہوش میں آیا تو اس قدر ذہین اور چالاک ہوتے ہوئے بھی ایک لڑکی کے جال میں آ گیا۔ یہ لڑکی کی استادی تھی۔ وہ بھی تربیت یافتہ تھی اور وہ حسین لڑکی تھی۔ اُس کی زبان پر یقین کرتے ہوئے وہ اُسے مسلمان سمجھ بیٹھا۔ لڑکی نے باہر جا کر اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اس کا شک صحیح نکلا ہے اور یہ خوبرو شخص سلطان ایوبی کا جاسوس ہے۔

"موٹا شکار ہے"۔ اس گروہ کے سربراہ نے کہا۔ "اب اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کیا راز اپنے ساتھ لے جا رہا ہے اور یہ راز کہاں سے لایا ہے"۔

"اگر اُس نے یہ بتا دیا کہ وہ راز کہاں سے لایا ہے تو اس سے یہ بھی پوچھیں گے کہ وہاں اس کے ساتھی کون کون ہے"۔ ایک آدمی نے کہا۔

"لیکن اس پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ ہم کون ہیں"۔ سربراہ نے کہا۔ "میں صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ موت قبول کر لیتے ہیں کوئی راز نہیں دیتے۔ خاصی استادی سے بات کرنی ہوگی"۔

"میں ان مسلمانوں کو زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں"۔ لڑکی نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا۔ "راز تو راز، یہ اپنے خنجر سے اپنا دل نکال کر میرے قدموں میں رکھ دے گا"۔

"تم اُن مسلمانوں کو جانتی ہو جن پر حکمرانی اور دولت کا نشہ سوار ہوتا ہے"۔ ایک اور صلیبی نے کہا۔ "تمہارا پالا کبھی کسی غریب مسلمان اور سپاہی سے نہیں پڑا۔ وہ مسلمان دولت اور رتبے کے شیدائی ہوتے ہیں جنہیں تم گمراہ کر لیتی ہو۔ جن مسلمانوں کے پاس دولت کی بجائے ایمان ہے کبھی اُن کے قریب جا کر دیکھنا"۔

اُن کے پاس ایک اور صلیبی لڑکی بیٹھی تھی جس نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ سربراہ نے اُس کی طرف دیکھا اور قدرے طنزیہ لہجے میں اُسے کہا۔ "کیا تم اس مسلمان کے سینے سے راز نکال سکتی ہو باربرا؟"

لڑکی نے اُسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھا۔ سربراہ نے کہا۔ "تم نے قاہرہ میں ہمیں بہت خراب کیا تھا۔ میرینا کی استادی دیکھو اور اس سے کچھ سیکھو۔ میں تمہیں اور کوئی موقع نہیں دوں گا۔ ذرا میرینا کی عقل پر غور کرو۔ ہم سب اس آدمی کو بھٹکا ہوا کوئی مسافر اور بیکار آدمی سمجھتے تھے لیکن اس نے اسے پہچان لیا کہ یہ موٹا شکار ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں اسی لیے مصر سے نکال کرلے جا رہا ہوں کہ تم صلیب کو فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچاتی ہو"۔

"تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا"۔ ایک اور صلیبی نے کہا۔ "تمہیں اس پیشے سے محروم کر دیا جائے گا جس میں تمہیں شہزادیوں کی طرح رکھا جاتا ہے۔ اس سے نکال دیا گیا تو کسی کی داشتہ بن کر رہنے یا عصمت فروشی کے سوا تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا"۔

"اونہہ!" دوسری لڑکی جس کا نام میرینا تھا نفرت سے بولی۔ "یہ تو ہے ہی اسی قابل"۔

باربرا نے میرینا کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ غصے سے لال ہو گیا لیکن خاموش رہی۔ وہ بھی میرینا کی طرح خوبصورت تھی لیکن جب سے مصر گئی تھی، اُس کی استادی ماند پڑ گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا سربراہ بھی مصر میں تھا اور زمین دوز کارروائیاں کر رہا تھا۔ یہ لوگ کسی جگہ آپس میں ملا کرتے تھے۔ سربراہ رتبے والا افسر تھا اور خوبرو بھی تھا۔ وہ باربرا کو پسند کرتا تھا اور اُس نے باربرا کے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ بھی کر رکھا تھا۔ سربراہ جس جاسوس کی سفارش کر دے اُسے ترقی اور انعام دلا دیا کرتا تھا۔ باربرا بہت خوش تھی مگر میرینا نے سربراہ پر اپنا جادو چلا لیا۔ اس لڑکی نے اپنی فنکاری سے سربراہ کو باربرا کے خلاف بدظن کر دیا اور اس کے ساتھ محبت کا کھیل کھیلنے لگی۔ باربرا بجھ کے رہ گئی۔ جاسوسی اور تخریب کاری سے اس کی طبیعت اُچاٹ ہو گئی۔ ایسے موقعے بھی آئے کہ وہ شک میں پکڑی جانے لگی تھی لیکن بچ گئی۔

اُسے سلطان ایوبی کے فوج کے کسی بڑے اہم حاکم کے ساتھ لگایا گیا تھا لیکن وہ مطلوبہ کام نہ کر سکی۔ سربراہ کو معلوم ہو گیا کہ اُس کے دل میں میرینا کے خلاف رقابت پیدا ہو گئی ہے۔ اُس نے بہتر سمجھا کہ پورے گروہ کو واپس لے جائے اور اس کی جگہ نیا گروہ بھیجا جائے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ باربرا میرینا سے جلنے لگی تھی۔ سربراہ اس کا دشمن بن گیا تھا۔ میرینا اُس کے ساتھ طنز اور نفرت سے بات کرتی تھی۔ اُسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ اب میرینا نے اُسے کہا کہ یہ تو ہے ہی اسی قابل تو اُس کے اندر انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔

"اس آدمی کے سینے سے صرف میں راز نکال سکتی ہوں"۔ میرینا نے کہا۔ "یہ باربرا کے بس کا روگ نہیں"۔

باربرا غصے سے اٹھی اور اپنے خیمے میں چلی گئی۔

☆

"یہ آدمی رات کو کہیں بھاگ کے نہیں جا سکتا"۔ سربراہ نے کہا۔ "ابھی اس کے پاس بھاگنے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ پھر بھی احتیاط لازمی ہے۔ اسے بے ہوش کر دینا چاہیے"۔

تھوڑی دیر بعد میرینا اُس خیمے میں داخل ہوئی جس میں اسحاق ترک سویا ہوا تھا۔ دیا جل رہا تھا۔

تو گریز نہ کیا جائے۔"

"سنو شمسی!" عامر بن عثمان نے کہا۔ "اب میں ملازم کی حیثیت سے نہیں مجاہد کی حیثیت سے بات کروں گا۔ راز کی بات یہ ہے کہ حلب کے حاکموں اور بعض سالاروں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر عزالدین مخلص بھی ہو، سچے دل سے سلطان صلاح الدین ایوبی کا دوست بھی ہو پھر بھی وہ حلب کی فوج کو مصر کی فوج کا اتحادی نہیں بنا سکے گا۔ اس کے حاکموں، مشیروں اور وزیروں کے ایمان کو صلیبیوں نے خرید رکھا ہے.... انہوں نے تمہارے بھائی کی وفات کے فوراً بعد عزالدین کو اس طرح پریشان کرنا شروع کر دیا ہے کہ کسی نہ کسی مد میں خرچ کرنے کے لیے اس سے رقم مانگتے رہتے ہیں۔ سرکاری خزانہ تیزی سے خالی ہو رہا ہے۔ رقم اور سونا خورد برد ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک سازش ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ خزانہ خالی کر کے عزالدین کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ صلیبیوں سے امداد لینے پر مجبور ہو جائے۔ اس سے اپنے حاکم وغیرہ جتنی رقم مانگتے ہیں وہ دے دیتا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ عزالدین کمزور حکمران ہے۔" شمس النساء نے کہا۔

"اس کی کمزوری یہ ہے کہ وہ حکمرانی کی گدی کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔" عامر بن عثمان نے جواب دیا۔ "میں نے اس کی جو باتیں سنی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمرانی قائم رکھنے کے لیے صلیبیوں کے ساتھ ساز باز کرے گا.... میں اب اس کی اور اس کے مشیروں کی باتیں غور سے سنا کروں گا اور تمہیں بتاتا رہوں گا۔"

"یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ یہاں صلیبیوں کے جاسوس موجود اور سرگرم ہیں۔" شمس النساء نے کہا۔ "اور یہاں ہمارے جاسوس بھی کام کر رہے ہیں۔ کسی روز اُن سے تمہاری ملاقات کراؤں گی۔" شمس النساء نے مسکرا کر پوچھا۔ "تمہاری سوڈانی پری کس حال میں ہے؟ اب بھی ملتی ہے؟"

"ملتی ہے۔" عامر بن عثمان نے جواب دیا۔ "گھسیٹتی ہے۔ پرسوں ملی تو رو بھی پڑی تھی۔ کہتی ہے، ایک بار میرے کمرے میں آ جاؤ۔ شمسی! میں اس لڑکی سے ڈرتا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ اس کے حُسن میں جادو ہے۔ اس کے طلسم میں آیا ہوا انسان نکل نہیں سکتا۔ میں اس سے اس لیے نہیں ڈرتا کہ وہ بہت حسین ہے، مجھ پر مرتی ہے اور میں اُس کے جال میں پھنس جاؤں گا۔ ڈر یہ ہے کہ وہ والئی حلب عزالدین کے حرم کا ہیرا ہے۔ اس کا نام الونشی ہے لیکن محل کے اندرونی حلقوں کے افراد اسے سوڈانی پری کہتے ہیں۔ اگر عزالدین یا اُس کے کسی امیر وزیر کو پتہ چل گیا کہ یہ لڑکی مجھے چاہتی ہے تو لڑکی سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ سزا مجھے ملے گی۔ مجھے تہہ خانے میں باندھ کر ایسی اذیتیں دی جائیں گی کہ تم سنو تو مر جاؤ۔ مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ میں نے اُسے مایوس کیے رکھا تو وہ مجھ پر دست درازی یا بدتمیزی کا الزام عائد کر کے مجھے قید میں ڈلوا دے گی۔"

"اُسے ابھی تک یہ تو معلوم نہیں ہوا کہ تم مجھے چاہتے ہو اور ہماری ملاقاتیں ہوتی ہیں؟" شمس النساء نے پوچھا۔

"جس روز اُسے پتہ چل گیا وہ ہم دونوں کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔" عامر بن عثمان نے جواب دیا۔

"نہیں شاید بخش دیا جائے، مجھے کوئی نہیں بخشے گا۔"

الونشی دراصل صلیبیوں کا بھیجا ہوا تحفہ تھا۔ حلب میں یہ لڑکی آئی تو الملک الصالح بیمار پڑ گیا اور مر گیا۔ عزالدین نے آ کر حلب کی حکومت سنبھالی تو حکام نے الونشی اس کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے ساتھ عزالدین نے رضیع خاتون کے ساتھ شادی کر لی۔ یہ اُس دَور کے حکمرانوں کا دستور تھا کہ بیویاں الگ رکھتے تھے اور حرم میں بغیر شادی کے لڑکیاں الگ رکھتے تھے۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمان امراء وزراء کی اس نیابوکن عادت کو اور زیادہ پختہ کرنے کے لیے انہیں اپنی لڑکیاں تحفے کے طور پر پیش کرنی شروع کر دی تھیں۔ پھر ان لڑکیوں میں انہوں نے جاسوسی کے فن کی تربیت یافتہ لڑکیاں بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔ انہیں رقابت اور فتنہ فساد پیدا کرنے کی بھی تربیت دی گئی تھی۔

الونشی ایسی ہی تربیت یافتہ لڑکی تھی۔ وہ عزالدین کے محل کی ضیافتوں میں شراب پلاتی تھی، پیتی بھی تھی۔ اُس نے حلب کے دو ایسے حاکموں کو اپنے حسن اور فریب کے جال میں پھانس لیا تھا جو حلب کی قسمت بنا بھی سکتے بگاڑ بھی سکتے تھے۔ وہ عزالدین کے تو اعصاب پر غالب آ گئی تھی۔ وہ سراپا بدی تھی اور مجسم دعوتِ گناہ۔ عامر بن عثمان عزالدین کے قریب رہتا تھا کیونکہ وہ خصوصی محافظ دستے کا کماندار تھا۔ اُس نے عزالدین کی حفاظت کے لیے محافظ دستے کے علاوہ درپردہ انتظامات بھی کر رکھے تھے۔ اس کی نظریں عقاب کی طرح تیز اور دُور بیں تھیں.... الونشی نے اُسے دیکھا تو یہ خوبرو جوان اُسے بہت اچھا لگا۔ اُس نے عامر پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے لیکن عامر اُس کے ہاتھ نہ آیا۔ عامر کو معلوم تھا کہ حرم کے اس ہیرے کے ساتھ صرف بات کرتے بھی پکڑا گیا تو انجام ہولناک ہوگا۔ الونشی دوسرے تیسرے روز عامر بن عثمان سے ملتی اور والہانہ محبت کا اظہار کرتی تھی۔ عامر اُسے ٹال دیا کرتا تھا۔

"میں اس محل کا ملازم ہوں۔" عامر نے ایک روز اسے کہا تھا۔ "اگر تمہارے دل میں میری سچی محبت ہے تو مجھ پر رحم کرو اور مجھ سے دُور رہو۔"

"تمہاری طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔" الونشی نے اُسے کہا۔ "ایک بار میرے کمرے میں آ جاؤ۔"

اسی دوران عامر اور شمس النساء کی چوری چھپے ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔

☆

"قاضی بہاؤالدین شداد جو اُس دَور کا عینی شاہد ہے، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے "....عزالدین نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ موصل اور شام کی امارتوں کو اپنے ماتحت متحد نہیں رکھ سکے گا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی سے بہت ڈرتا تھا۔ اس کے ماتحت جو امیر اور وزیر تھے وہ عزالدین سے اتنی زیادہ رقموں کا مطالبہ کرنے لگے جو وہ نہیں دے سکتا تھا کیونکہ خزانے میں اتنی سکت نہیں تھی اور وسائل بھی محدود تھے۔"

.. اپنی یادداشتوں میں آگے چل کر قاضی بہاؤالدین شداد نے لکھا ہے کہ عزالدین کو یہ خطرہ تھا کہ سلطان

ایوبی کو حلب کے ساتھ دل چسپی ہے اس لیے وہ حلب پر ضرور قبضہ کرے گا۔ عزالدین سلطان ایوبی کے خلاف آمنے سامنے کی جنگ لڑنے سے گریز کرتا تھا۔ اُس نے اپنے ایک بڑے ہی قابل اور دلیر سالار مظفرالدین گکبوری سے مشورہ کیا جو سات تہوں میں چھپا ہُوا ایک راز تھا۔ موصل کا والی عزالدین کا بھائی عمادالدین تھا جو کھلم کھلا سلطان ایوبی کے خلاف تھا۔ حلب اور موصل میں یہ انقلاب آیا کہ عزالدین نے موصل کی حکمرانی سنبھال لی اور عمادالدین حلب اگر دامیٰ حلب بن گیا۔ امارتوں یا سلطنتوں کا یہ تبادلہ دونوں کے باشندوں کے لیے ایک معمہ تھا۔

متعدد مؤرخین نے اس تبادلے پر اظہار خیال کیا ہے۔ ہر ایک نے مختلف رائے دی ہے۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی تحریروں سے کچھ بھید بے نقاب ہوتے ہیں۔ عزالدین جب موصل کے قلعے میں گیا تو رضیع خاتون اور اس کی بیٹی شمس النساء اس کے ساتھ تھیں۔ اس کا ذاتی محافظ دستہ بھی ساتھ تھا جس کا کماندار عامر بن عثمان تھا۔ یہ بہت ہی بڑا قافلہ تھا۔ کئی اونٹوں پر پالکیاں تھیں جن کے پردے گرے ہوئے تھے۔ رضیع خاتون اور شمس النساء کا اونٹ سب سے آگے تھا۔ رضیع خاتون کی خادمہ بھی ساتھ تھی۔ رات کو راستے میں ایک جگہ قیام بھی کرنا تھا۔

عزالدین کو موصل پہنچنے کی جلدی تھی اس لیے اس نے قافلے کا سربراہ مقرر کیا اور خود قیام کیے بغیر اپنے چند ایک محافظوں اور دو تین مشیروں کے ساتھ سفر جاری رکھا۔ عامر بن عثمان کو قافلے کے ساتھ رہنے دیا گیا۔ سورج غروب ہوتے ہی خیمے نصب کر دیے گئے۔ رضیع خاتون کا خیمہ اُن خیموں سے بہت دور نصب کیا گیا جن میں رات حرم کی لڑکیوں کو رہنا تھا۔ عزالدین نے خاص طور پر حکم دیا تھا کہ رضیع خاتون اور شمس النساء کو حرم کے خیموں سے دُور رکھا جائے۔ قیام کی جگہ سرسبز اور چٹانی تھی۔ چٹانوں پر بھی سبزہ تھا۔ ہری بھری جھاڑیوں کی بہتات تھی۔

رات کو عامر بن عثمان مشعلوں کی روشنی میں حفاظتی انتظامات دیکھتا پھر رہا تھا۔ اُن دنوں وہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کہیں بھی لڑائی نہیں ہو رہی تھی۔ سلطان ایوبی مصر میں تھا اور صلیبی کہیں دُور بیٹھے سلطان ایوبی کی اگلی چال کے انتظار میں تیاریاں کر رہے تھے۔ پھر بھی عامر کا یہ فرض تھا کہ خیمہ گاہ اور جانوروں کے ارد گرد گشت کا انتظام کرتا۔ وہ حرم کے خیموں سے ذرا دُور گھوم کر گزر رہا تھا۔ اس وقت وہ اکیلا تھا۔ خیموں سے کچھ اور دُور گیا تو اُسے اپنے سامنے ایک سایہ کھڑا نظر آیا۔ اُس نے قریب جا کر گھوڑا روک لیا۔

"میں نے تمہیں اندھیرے میں اتنی دُور سے پہچان لیا ہے، تم قریب آ کر بھی مجھے نہیں پہچانتے؟"

یہ انوشی کی آواز تھی۔ عامر بن عثمان نے آواز پہچان کر کہا۔ "مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے۔ اتنی وسیع خیمہ گاہ اور اتنے سارے جانوروں کی حفاظت کا انتظام میرے ذمے ہے۔ مجھے مت روکو۔"

انوشی اس کے گھوڑے کے آگے آ کر لگام پکڑ چکی تھی۔ بولی۔ "گھوڑے سے اُتر آؤ عامر! جن کا تمہیں ڈر تھا وہ موصل چلے گئے ہیں۔ اُتر آؤ۔"

عامر گھوڑے سے اُترا۔ انوشی نے اسے بازو سے پکڑا اور ذرا پرے چٹان کی اوٹ میں بٹھا لیا۔ عامر نے سدھائے ہوئے جانور کی طرح کوئی مزاحمت نہ کی۔

"عامر!" انوشی نے جذباتی سے لہجے میں کہا۔ "تم مجھے بدکار اور شیطان کی لڑکی سمجھ کر مجھ سے بھاگتے پھر رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میری اصلیت سے اچھی طرح واقف ہو۔ تم اپنے آپ کو زاہد اور پارسا سمجھتے ہو۔ تمہیں جوانی اور اپنے دلکش جسم پر بھی ناز ہے۔ تم نے ابھی اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کسی بھی روز تمہارا جسم خون میں ڈوبی ہوئی لاش بن جائے گا۔ یہ جنگ و جدل کا دور ہے۔ ایک وہ ہیں جو میدانِ جنگ میں کٹتے اور مرتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو قلعے اور محل کے اندر ہی خفیہ طریقے سے قتل کر دیے جاتے ہیں۔ تمہارا انجام ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ اپنے مردانہ حسن اور جسم کی دلکشی کو دائمی نہ سمجھو۔"

"کیا تم مجھے قتل کی دھمکی دے رہی ہو؟"

"نہیں!" انوشی نے جواب دیا۔ "میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ تمہیں اگر یہ خیال ہے کہ میں تمہاری خوبصورتی اور تمہارے جسم پر مرتی ہوں تو یہ خیال دل سے نکال دو۔ میں جسمانی تعیش کا مجسم ذریعہ ہوں، مگر میں جسمانی لذت سے بیزار ہوں۔ انسان کتنا ہی پتھر کیوں نہ بن جائے، دل کو بھی پتھر ہی کیوں نہ سمجھ لے، دل پتھر نہیں بن سکتا۔ روح مرجھا جاتی ہے مرتی نہیں۔ دل اور روح کو وہ محبت زندہ رکھتی ہے جس کا تعلق جسم کے ساتھ نہیں ہوتا۔ مجھے اور زیادہ غور سے دیکھو۔ میرا حسن اور اس کا طلسم دیکھو۔ میں گناہ کرتی ہوں اور دوسروں کو گناہوں کی ترغیب دیتی ہوں۔ مجھے لوگ شہزادی نہیں پری کہتے ہیں۔ تمہارے بادشاہ اور امراء میرے قدموں میں ایمان اور اپنا سر رکھ دیتے ہیں مگر میں ایک ایسی تشنگی سے دوچار رہی جسے میں کبھی نہ سمجھ سکی۔ تمہیں دیکھا تو تم مجھے اچھے لگے۔ میں پہلی بار جب تمہارے قریب آئی تھی تو میری نیت صاف نہیں تھی۔ تم نے جب مجھے ٹال دیا اور اس کے بعد بڑے اچھے لفظوں میں دھتکار دیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ تشنگی کیا ہے جو مجھے پریشان کیے ہوئے تھی۔ میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگی۔ یہ تمہاری صورت کا نہیں سیرت کا اثر تھا اور یہ اثر ایسا تھا جس نے میرے دل میں ان سب کے خلاف نفرت پیدا کی، جو مجھے عیاشی کا کھلونا سمجھتے ہیں اور جو اپنا ایمان اور اپنا قومی وقار میرے ہاتھ سے لیے ہوئے شراب کے پیالے میں ڈبو دیتے ہیں۔"

وہ جذبات سے معمور آواز سے بول رہی تھی اور عامر بن عثمان اس ذہنی کیفیت میں سُن رہا تھا کہ دل میں یہ ڈر تھا کہ کسی نے دیکھ لیا تو وہ مارا جائے گا۔ یہ خدشہ بھی تھا کہ شمس النساء اُس کی تلاش میں اِدھر آ نکلی تو اُس کی محبت کا خون ہو جائے گا۔ وہ صرف سُن رہا تھا۔ اتنی حسین لڑکی کی ایسی جذباتی باتیں اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کر رہی تھیں۔

"کیا تم ڈرتے ہو یا تمہارا دل مردہ ہو گیا ہے؟" انوشی نے اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر کہا۔ "اگر میرا دل مردہ نہیں ہوا تو میں مان ہی نہیں سکتی کہ تمہارا دل مر گیا ہے۔" اس نے کان عامر کے سینے کے ساتھ لگا دیا۔ اُس کے معطر اور ریشم جیسے بکھرے بکھرے بال عامر کے جواں سال گال سے چھُونے لگے۔ وہ آخر جوان تھا۔ اس کی ذات میں ہلچل سی بپا ہوئی۔ اُسے انوشی کی ہنسی کا ترنم سنائی دیا۔ ہنس کر بولی۔ "دل زندہ ہے۔ دھڑک رہا ہے۔۔۔۔ میں تم

سے کیا مانگتی ہو؟ کچھ بھی نہیں۔ تم مجھ سے مانگو۔ ہیرے، جواہرات، سونے کے سکّے۔ کہو کیا چاہیے؟"

"مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے سوڈانی پری!"

"مجھے الوشی کہو!" لڑکی نے کہا۔ "سوڈانی پری کہنے والے محبت سے عاری ہیں۔ گناہگار ہیں۔ تم ان سب سے بلند ہو، پاک ہو۔ مجھ سے خزانے لے لو۔ ان کے عوض مجھے محبت دے دو۔" اُس نے اپنا گال عامر کے گال کے ساتھ لگا دیا۔ عامر تڑپ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی حالت اب اُس پرندے کی سی تھی جسے پنجرے میں بند کر لیا گیا ہو۔ وہ تڑپنے اور پھڑکنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں کسی اور کی محبت ہے؟" الوشی نے کہا۔ "میرے طلسم میں کبھی کوئی یوں تڑپا نہیں۔ مجھے کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔" اُس نے دانت پیس کر کہا۔ "تمہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ ایک گناہگار لڑکی تم سے پاک محبت کی بھیک مانگتی ہے اور ہو سکتا ہے وہ گناہوں سے توبہ کر کے تمہارے قدموں میں سجدہ ریز ہو جائے۔ بدبخت انسان! یہ بھی سوچ لو کہ تم اس لڑکی کو دھتکار رہے ہو جس نے حکومتوں کے تختے اُلٹ دیے ہیں اور جو بھائی کے ہاتھوں بھائی کا خون بہا دیتی ہے۔ تم میرے سامنے ایک کیڑے سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔"

"پھر مجھے مسل ڈالو۔" عامر نے کہا۔ "میں تمہارے قابل نہیں۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تم سے کچھ نہیں مانگتی عامر!" الوشی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "صرف یہ کرو کہ میرے پاس بیٹھے رہا کرو۔ مجھے پناہ میں لے لیا کرو۔"

عامر اس سے ہٹ کر اپنے گھوڑے کے پاس گیا۔ الوشی وہیں کھڑی رہی۔ عامر گھوڑے پر سوار ہوا اور کچھ کہے بغیر چلا گیا۔

☆

عامر بن عثمان کا گھوڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ عامر کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کی ناک میں الوشی کے بالوں کی خوشبو ترو تازہ تھی۔ وہ گالوں پر الوشی کے بالوں کے لمس کا گداز محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس حسین جال سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا، اور وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اگر الوشی ایک بار پھر ایسی ہی تاریکی اور تنہائی میں اُسے ملی تو اُس کی قسمیں ٹوٹ جائیں گی، پھر وہ کہیں کا نہیں رہے گا۔ اُس نے اپنے خیالوں کا رُخ شمس النسا کی طرف پھیر دیا تب اُسے یاد آیا کہ شام خیمے نصب کرتے وہ ذرا سی دیر شمس النسا کے پاس رُکا تھا اور انہوں نے ملنے کا وقت اور جگہ طے کی تھی۔ اُسے یاد آ گیا کہ وہ اُسی جگہ کی طرف جا رہا تھا، راستے میں الوشی نے روک لیا۔ اُس نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ اسے اندھیرے میں الوشی نظر نہ آئی۔ وہ ایک ٹیکری سے مڑ کر اُس جگہ پہنچا جہاں شمس النسا کو آنا تھا۔ عامر نے جس طرح الوشی کا سایہ دیکھا تھا اسی طرح اُسے شمس النسا کا سایہ نظر آیا جو گھوڑے کی طرف بڑھا۔ وہ گھوڑے سے اُترا۔

"کہاں رہے؟" شمس النسا نے اس سے پوچھا۔ "بہت دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔"

"میرے کام سے تم آگاہ ہو۔" عامر نے جھوٹ بولا۔ "اِدھر ہی آ رہا تھا کہ ایک جگہ کام سے رُکنا پڑا اور اتنی دیر ہو گئی۔"

"اپنے آدمیوں کا بھی خیال رکھنا۔" شمس النسا نے کہا۔ "وہ سب بہت ہوشیار ہیں۔ کسی کو اُن پر شک نہیں ہوگا۔"

شمس النسا اُن "اپنے آدمیوں" کا ذکر کر رہی تھی جو حلب کے اندر سلطان ایوبی اور ضیع خاتون کے لیے جاسوسی اور مخبری کرتے تھے۔ ان میں جو محل کے اندر ملازم تھے وہ اسی حیثیت سے ساتھ جا رہے تھے اور جو شہر میں کوئی کام کاج کرتے تھے انہیں عارضی مزدوروں کے بہروپ میں راستے میں خیمے لگانے اور اکھاڑنے اور دیگر کاموں کے لیے ساتھ لے لیا گیا تھا۔ ان کے متعلق یہ طے کیا گیا تھا کہ موصل شہر میں مختلف کاموں پر لگا دیا جائے گا۔ ضیع خاتون کی خادمہ نے یہ تمام آدمی شمس النسا اور عامر بن عثمان کو دکھا دیے تھے۔

"آؤ، کچھ دیر بیٹھ جائیں۔" شمس النسا نے اپنا بازو عامر کی کمر کے گرد لپیٹ کر کہا۔

عامر نے اپنا بازو شمس النسا کی کمر کے گرد لپیٹا۔ شمس النسا اس کے ساتھ لگ گئی۔ ایک قدم اٹھایا اور رک گئی۔ اُس نے ناک عامر کے سینے سے لگا کر سونگھا اور اس سے الگ ہٹ کر بولی۔ "تم کہاں تھے؟ کس کے پاس تھے؟"

"میں جانوروں کو دیکھ کر آ رہا ہوں۔" عامر نے جواب دیا۔

"جانور عطر کب سے لگانے لگے ہیں؟" شمس النسا نے دبے دبے غصّے سے کہا۔ "تم نے کبھی عطر نہیں لگایا۔" عامر چپ رہا۔ شمس النسا نے کہا۔ "تمہیں وہ خوبصورت ڈائن مل گئی ہوگی۔ تم اس کے جال میں آ گئے ہو۔"

"ابھی نہیں آیا شمسی!" عامر نے کہا۔ "وہ مجھے راستے میں مل گئی تھی۔ میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا۔ تمہیں کسی وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ میں اتنا کچا آدمی نہیں ہوں۔ تم نے میرے سینے سے جو خوشبو سونگھی ہے یہ اُسی کی ہے لیکن تم میرے سینے کے اندر دیکھنے اور سونگھنے کی کوشش کرو۔" عامر کے لہجے میں گھبراہٹ کا ہلکا ہلکا لرزہ تھا۔ کہنے لگا۔ "میں بہت پریشان ہوں شمسی! میں کوئی امیر یا حاکم یا سالار نہیں، ادنیٰ ملازم ہوں۔ الوشی مجھے آسانی سے انتقام کا نشانہ بنا سکتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے آج اُس نے تمہیں کچھ زیادہ ہی پریشان کیا ہے۔" شمس النسا نے کہا۔

"بہت زیادہ۔" عامر بن عثمان نے جواب دیا۔ "آج اُس نے اپنا دل کھول کر میرے آگے رکھ دیا ہے۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ گناہگار اور بدکار ہے۔ اس نے مجھ پر واضح کر دیا ہے کہ وہ یہاں بدکاری پھیلانے اور بھائی کو بھائی سے لڑانے آئی ہے۔ اس نے مجھ سے پاک محبت کی التجا کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے عوض جتنی دولت مانگو دوں گی۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کے بازوؤں سے رہائی حاصل کی ہے۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ شمسی، میں کیا کروں۔ وہ دنیا کی ساری دولت میرے قدموں میں رکھ دے تو بھی میں تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتا۔"

"پھر اُسے دھوکہ دو۔" شمس النسا نے کہا۔ "اُسے وہی محبت دو جو وہ مانگتی ہے۔ اس کے عوض اس سے وہ راز لو جو ہم مانگتے ہیں۔ اس نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اُسے کس مقصد کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔ تم تجربہ کار اور

دانشمند ہو۔ یہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اُسے صاف کہہ دو کہ تمہیں اندر کے رازوں کی ضرورت ہے یا اسے بتائے بغیر اُس سے راز اگلواتے رہو۔"

"میں یہ سوچ چکا ہوں۔" عامر نے کہا۔ "مگر ڈرتا ہوں کہ تم ایک نہ ایک دن میرے خلاف غلط فہمی میں مبتلا ہو جاؤ گی۔"

"میں تمہیں اور اپنی محبت کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔" شمس النسا نے کہا۔ "ماں ہر روز مجھے جو باتیں بتاتی ہے وہ میری روح میں اُتر گئی ہیں۔ میری محبت مر نہیں سکتی، میں اسے اس عظیم مقصد پر قربان کر سکتی ہوں جو مجھے ماں نے دیا ہے۔ اپنے اللہ اور اپنے حلف کو یاد رکھو گے تو کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوگی۔" اس نے پوچھا۔ "کیا اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ تم مجھے ملتے ہو؟"

"اُس نے ذکر نہیں کیا۔" عامر نے جواب دیا۔ "اُسے یقیناً معلوم نہیں۔"

"کام کی ایک بات سُن لو۔" شمس النسا نے کہا۔ "حلب سے روانگی سے کچھ دیر پہلے قاہرہ سے ایک آدمی یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ عزالدین کی نیت کیا ہے اور صلیبیوں کے منصوبے کیا ہیں۔ اُسے کوئی ٹھوس جواب نہیں دیا جا سکا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بہت جلدی قاہرہ سے فوج کے ساتھ روانہ ہونے کو تیار بیٹھے ہیں۔ اس آدمی نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی اس وجہ سے جلدی کوچ کرنا چاہتے ہیں کہ صلیبی فوج نے موصل، حلب اور دمشق کی طرف پیش قدمی کر دی تو قاہرہ سے فوج کو بروقت یہاں پہنچانا ممکن نہیں ہوگا۔ خطرہ یہ ہے کہ سلطان اپنی فوج لے آئیں اور صلیبیوں کی چال کچھ اور ہو تو سلطان کی فوج نقصان اٹھا سکتی ہے۔ ہمیں بہت جلد اپنے مسلمان امراء اور صلیبیوں کے عزائم معلوم کرنے ہیں۔"

"میں نے سنا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس آسمان سے تارے بھی توڑ لاتے ہیں۔" عامر بن عثمان نے کہا۔ "کیا صلیبی علاقوں میں اس کا کوئی آدمی نہیں؟"

"ماں نے مجھے بتایا ہے کہ اسحاق ترک ایک بڑا ہی قابل اور ہوشیار آدمی ہے۔" شمس النسا نے جواب دیا۔ "وہ بیروت گیا ہوا ہے۔ صحیح خبر تو وہی لائے گا لیکن اس کی طرف سے کوئی اطلاع قاہرہ نہیں پہنچی..... دیکھو عامر! فوجوں کی نقل و حرکت ہوتی ہے تو یہ راز بے نقاب ہو جاتے ہیں مگر یہاں کوئی ایسی ہلچل نظر نہیں آتی۔ جو راز ہے وہ عزالدین اور عمادالدین کے سینے میں ہے۔ یہ اندرونی حلقوں سے مل سکتا ہے اور تمہیں یہ راز انوشی دے سکتی ہے۔"

"مگر وہ جو قیمت مانگتی ہے وہ میں نہیں دے سکوں گا۔" عامر نے کہا۔

"تمہیں یہ قیمت دینی پڑے گی۔" شمس النسا نے کہا۔ "میں یہ قیمت دینے کو تیار ہوں۔ میں اپنے بھائی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ مذہب اور اُمتِ رسول صلعم کی عظمت کے لیے ہماری آپس کی محبت اور دلوں کی خواہشیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ ہمیں ان شہیدوں کا قرض ادا کرنا ہے جو اسلام کے نام پر اپنی دلہنوں کو نوجوانی میں بیوہ کر گئے ہیں..... عامر! کچھ نہ سوچو۔ قربان ہو جاؤ۔"

✡

اُس وقت اسحاق ترک بیروت میں تھا۔ بیروت صلیبی حکمران بالڈون کے فرنگی لشکر کی بہت بڑی چھاؤنی بنا ہوا تھا۔ اس سلسلے کی پچھلی اقساط میں سنایا جا چکا ہے کہ بالڈون کو ایک شکست سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے دی تھی اور تھوڑے ہی عرصے بعد اُس نے سلطان ایوبی کی فوج کو گھات میں لینے کی کوشش کی تو خود سلطان ایوبی کی گھات میں آ گیا تھا۔ وہ گرفتار ہوتے ہوتے بچا اور دونوں بار اُس کی فوج تتر بتر ہو کر پسپا ہوئی۔ وہ تو جیسے راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ ان دونوں پسپائیوں کا انتقام لینے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اس نے الملک الصالح کو اپنا اتحادی بنا لیا تھا، مگر اس کا یہ اتحادی مر گیا۔ اب وہ عزالدین اور عمادالدین کو سلطان ایوبی کے خلاف اپنے محاذ میں شامل کر رہا تھا۔ اُس نے قاہرہ میں جاسوس بھیج رکھے تھے جو سلطان ایوبی کے ارادوں کا پتہ چلا رہے تھے۔

اسحاق ترک بیروت پہنچ چکا تھا اور بالڈون کی ہائی کمانڈ تک پہنچنے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ وہاں جس سے ملتا اپنے آپ کو کسی مسلمان علاقے سے بھاگا ہوا عیسائی بتاتا۔ اس طرح اس نے بہت سے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ وہ چونکہ ترکی کا باشندہ تھا، اس لیے سفید فام تھا۔ خوبرو اور تنومند بھی تھا۔ گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیر اندازی اور تیغ زنی میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اُس کے بازو لمبے اور ان میں طاقت تھی۔ دماغ بھی تیز اور باریک بیں تھا۔ دوسروں کا دل موہنے کے لیے، بھڑکانے کے لیے اور ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لینے کے لیے وہ مناسب ڈھونگ رچانے کے فن کا ماہر تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ میری اصل قوت میرا ایمان اور میرا کردار ہے۔

اُن دنوں بیروت میں سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہاں کے لوگوں کو فوج میں بھرتی کرنے کے لیے فوجی میلے ہو رہے تھے جن میں فوجی کرتب دکھاتے اور تیغ زنی وغیرہ کے مقابلے کرتے تھے۔ ایک روز اسحاق ترک ایسے ہی ایک مقابلے کا تماشہ دیکھنے جا پہنچا۔ یہ صلیبیوں کا ایک پرانا کھیل تھا۔ دو گھوڑ سوار ہاتھوں میں لمبی برچھیاں تانے ایک دوسرے کی طرف گھوڑے سرپٹ دوڑاتے اور ایک دوسرے کو برچھی سے گھوڑے سے گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر کوئی پہلی بار نہ گرے تو ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف گھوڑے دوڑاتے اور ایک دوسرے کو برچھی سے گرانے کے لیے وار کرتے تھے۔ سوار زرہ بکتر پہنے ہوتے تھے۔

یہ مقابلہ ہوتا رہا۔ سوار گرتے رہے۔ دوسروں کو مقابلے کے لیے للکارتے رہے۔ ایک سوار نے کئی سواروں کو گرا لیا۔ اُس نے کسی اور کو للکارا تو کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ اسحاق ترک صحرائی لباس میں تھا۔ وہ میدان میں آ گیا۔ مقابلہ کرنے والے سوار فوجی تھے اور زرہ پوش۔ اسحاق کو عام لباس میں میدان میں اترتے دیکھ کر تماشائیوں نے قہقہہ لگایا۔ وہاں صلیبی جرنیل اور دیگر کمانڈر وغیرہ بھی تھے۔ وہ بھی خوب ہنسے۔ جس گھوڑ سوار نے سب کو للکارا تھا وہ گھوڑے پر سوار میدان میں گھوڑے کو اِدھر اُدھر بھگا رہا تھا۔ وہ صلیبی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔ اُس نے ازراہِ مذاق گھوڑے کا رُخ اسحاق کی طرف کیا اور قریب آ کر برچھی اسحاق کو ماری۔ اسحاق وار بچا گیا۔ تماشائیوں نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ پھر شور اٹھا۔ "پاگل، پاگل۔ یہ کوئی پاگل ہے۔ اسے جان سے مار ڈالو۔"

گھوڑ سوار کمانڈر نے گھوڑا پیچھے کو موڑا۔ اس کے ساتھی کمانڈروں میں سے کسی نے اسے کہا۔ "اب کے اسے

برچھیوں میں اڑس کر ساتھ لے جاؤ۔ زندہ نہ رہے۔" کسی اور نے چلا کر کہا — "یہ تمہاری توہین ہے۔ ایک پاگل دیہاتی نے تمہیں للکارا ہے۔"

گھوڑ سوار نے ایڑ لگائی۔ اسحاق نہتا تھا۔ گھوڑے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے چغہ اتار پھینکا اور برچھی کا وار بچانے کے لیے تیار ہو گیا۔ گھوڑ سوار ذرا سا جھکا، برچھی ہاتھ میں تولی۔ قریب آ کر اس نے اسحاق پر وار کیا۔ اسحاق کچھ دور تک گھوڑے کے ساتھ اس طرح دوڑتا گیا جیسے برچھی اس کے جسم میں اتر گئی ہو اور وہ اُس کے ساتھ گھسیٹا جا رہا ہو۔ تماشائیوں نے داد و تحسین کا شور بپا کر دیا لیکن یہ دیکھ کر سب پر سناٹا طاری ہو گیا کہ اسحاق ترک دوڑتے دوڑتے سوار کے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ برچھی کو اس نے پکڑ رکھا تھا۔ سوار نے بھی برچھی کو پکڑ رکھا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو گھمایا۔ گھوڑا ایک چکر میں دوڑنے لگا۔ اسحاق اس سے برچھی چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

اُس نے برچھی چھین لی اور دوڑتے گھوڑے سے کود کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے برچھی لہرا کر للکارا۔ "مجھے ایک گھوڑا دے دو۔ کوئی بھی میرے مقابلے میں آ جائے۔ زرہ بکتر کے بغیر مقابلہ کروں گا۔"

گھوڑ سوار کمانڈر گھوڑے سے اتر کر اسحاق کے پاس آیا۔ اُس نے بازو پھیلا رکھے تھے۔ اسحاق نے برچھی زمین میں گاڑ دی۔ صلیبی سوار نے اُسے گلے لگا لیا۔ اسحاق نے کہا کہ مقابلہ کروں گا، مجھے گھوڑا دے دو.... اسے ایک گھوڑا اور ایک برچھی دے دی گئی۔ وہ اسی کمانڈر کے مقابلے میں آیا۔ تماشائی دم بخود تھے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ بدقسمت دیہاتی زرہ بکتر کے بغیر برچھی سے بہت بُری موت مرے گا۔ دونوں گھوڑے دُور آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اشارے پر گھوڑے دوڑے۔ کمانڈر نے برچھی اسحاق کے پیٹ کے سیدھ میں رکھی ہوئی تھی۔ اسحاق نے اپنے جسم کو ذرا سا موڑ کر کمانڈر کا وار خطا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی برچھی کمانڈر کے پیٹ میں لگی۔ کمانڈر گھوڑے کی دوسری طرف گر پڑا۔ اس نے غلطی یہ کی کہ اس طرف والا پاؤں رکاب سے نکالنا بھول گیا۔ گھوڑا اسے گھسیٹنے لگا۔

اس مقابلے میں کسی تماشائی کو کسی سوار کی مدد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوار مر بھی جایا کرتے تھے۔ کمانڈر کو گھوڑا گھسیٹ رہا تھا۔ اسحاق نے گھوم کر دیکھا تو اُس نے اپنے گھوڑے کو گھمایا، ایڑ لگائی اور کمانڈر کے گھوڑے کے پہلو میں آ کر اپنے گھوڑے سے کود کر اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ لگام کھینچی اور گھوڑے کو روک لیا۔ کمانڈر نے چونکہ زرہ بکتر پہن رکھی تھی اس لیے اس کا جسم زمین کی رگڑ سے محفوظ رہا ورنہ اس کی کھال اُتر جاتی۔

کمانڈر نے اُسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اسحاق ترک نے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے علاقے سے بھاگا ہوا عیسائی ہے۔ وہ اپنے آپ کو عام قسم کا عیسائی تو کہہ نہیں سکتا تھا۔ ایسی گھوڑ سواری اور ایسی نیزہ بازی کا ماہر کوئی فوجی ہو سکتا تھا یا کوئی اونچے خاندان کا فرد۔ اس نے کمانڈر کو بتایا کہ مسلمان اسے زبردستی فوج میں بھرتی کرنا چاہتے تھے اس لیے وہ وہاں سے بھاگ آیا۔

کمانڈر اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔

یہ کمانڈر بالڈون کی فوج کا نائٹ تھا۔ نائٹ صلیبی فوج کا بہت بڑا اعزاز اور رتبہ ہوتا تھا جو اُس کمانڈر کو دیا جاتا تھا جو ذاتی طور پر نڈر اور ماہر جنگجو ہو اور اجتماعی طور پر بہت بڑے دستے کو جنگی اہمیت سے لڑا سکے۔ اس اعزاز کے لیے جو اوصاف دیکھے جاتے تھے وہ کسی کسی میں پائے جاتے تھے۔ یہ اعزاز جسے ملتا اُسے سر سے پاؤں تک زرہ بکتر ملا کرتی تھی۔ صلیبیوں کے نائٹ جنگی قابلیت اور بے خوفی کی بدولت آج تک مشہور ہیں۔ اُن کا اتنا رتبہ ہوتا تھا کہ اُن کے مشوروں سے بادشاہ اپنے فیصلے حل کیا کرتے تھے۔

اسحاق ترک نے زرہ بکتر کے بغیر اس نائٹ کو پچھاڑ دیا اور اُسے گھوڑے کے پاؤں تلے آنے سے بچا بھی لیا تو نائٹ اس کی قدر و قیمت سمجھ گیا۔ اُسے اپنے گھر لے جا کر نائٹ نے اُسے شراب پیش کی۔ مسلمان جاسوسوں کے لیے یہ ایک مشکل پیدا ہو جایا کرتی تھی کہ دشمن کے علاقے میں وہ عیسائیت کا بہروپ دھار لیتے اور اونچے حلقوں میں بھی پہنچ جایا کرتے تھے مگر وہاں شراب پانی کی طرح پی پلائی جاتی تھی۔ مسلمان شراب پینے سے گریز کرتے تھے۔ بہانے تراشتے تھے۔ بعض جاسوس شراب کے سلسلے میں شک میں پکڑے بھی گئے تھے۔ علماء ایسا فتویٰ دینے سے ہچکچاتے تھے کہ ان حالات میں شراب جائز ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے یہ ہدایت جاری کی تھی کہ شراب پینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ مذہب میں حرام ہونے کے علاوہ یہ خطرہ تھا کہ شراب نوشی عادت بن جاتی ہے، دوسرے یہ کہ جس نے شراب کبھی نہ پی ہو وہ ہوش کھو کر اپنی اصلیت بے نقاب کر سکتا ہے۔ البتہ سلطان ایوبی نے کہا تھا کہ دشمن کے ملک میں شراب سے گریز کی کوشش کرو۔ اگر فرض کا تقاضا یہی ہو کہ شراب پی لو تو اتنی پی لی جائے جو بدمست نہ کرے۔

یہی مشکل اسحاق ترک کے سامنے آ گئی۔ وہ ایمان کا پکا تھا۔ اس نے پینے سے انکار کر دیا اور کہا "میری قوت آپ نے دیکھ لی ہے۔ اس کا راز صرف یہ ہے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ میرے استاد نے مجھے کہا تھا کہ تمہارے جسم میں شراب چلی گئی تو تمہارے نیچے جو گھوڑا ہو گا وہ محسوس کرے گا کہ اس کی پیٹھ پر ایک کمزور انسان بیٹھا ہے۔ پھر گھوڑا بھی حکم نہیں مانے گا۔" اسحاق نے گردن سے لٹکتے دھاگے کو کھینچا۔ اُس کے کُرتے کے اندر سے چھوٹی سی صلیب باہر آئی۔ اسحاق نے کہا — "میں نے اپنی طاقت کو اس صلیب کے تحفظ کے لیے صرف کرنے کے لیے صلیب ہاتھ میں رکھ کر قسم کھائی تھی کہ شراب نہیں پیوں گا، بدکاری نہیں کروں گا.... میری قسم نہ توڑیں۔"

"تم کہاں رہتے ہو؟" نائٹ نے پوچھا۔ "گھر والے تمہارے ساتھ آئے ہیں؟"

"نہیں" اسحاق نے جواب دیا۔ "میں گھر والوں سے یہ کہہ کر بھاگا تھا کہ اپنے کسی علاقے میں کوئی تسلی بخش ٹھکانہ بن گیا تو انہیں یہاں لے آؤں گا۔"

"تمہارا ٹھکانہ بن گیا ہے۔" نائٹ نے کہا — "میں تمہیں اپنی باقاعدہ فوج میں نہیں لے رہا۔ تم میرے ذاتی محافظ ہو گے۔ ہر کمانڈر کے ساتھ دو چار محافظ ہوتے ہیں لیکن میں تم جیسے اوصاف کے آدمیوں کا قدر دان ہوں۔ میری پسند کا صرف ایک محافظ میرے پاس ہے۔ تم دوسرے ہو گے۔ تمہاری رہائش کا انتظام کر دیا جائے گا۔"

وہ زمانہ جنگجوؤں کا تھا۔ اسحاق جیسے طاقتور اور دلیر آدمیوں کی خوب قدر ہوتی تھی۔ نائٹ نے اُس کی

رہائش کا انتظام کردیا۔ اس کے لیے عربی گھوڑے اور دیگر سامان کا بندوبست کیا اور اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ اسحاق ترک کو خدا نے دماغی صلاحیتیں بڑی فیاضی سے عطا کی تھیں۔ انہیں بروئے کار لاتے ہوئے وہ دو دن میں اس صلیبی نائٹ کا معتمد بن گیا۔

"میری صرف ایک خواہش ہے۔" اس نے نائٹ سے کہا۔ "جس طرح مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہمارے قبضے میں آگیا ہے، اُن کے خانہ کعبہ پر بھی ہمارا قبضہ ہو جائے۔ اسلام تھوڑے سے عرصے میں ہمیشہ کے لیے مر جائے گا۔ اگر ساری دنیا پر نہیں تو دنیائے عرب پر صلیب کی مقدس حکمرانی ہو جانی چاہیئے۔"

"تم خواب دیکھ رہے ہو میرے دوست!" نائٹ نے کہا۔ "مسلمانوں کو اتنی جلدی شکست دینا آسان نہیں۔ اگر ہم نے مسلمانوں کے کعبے کی طرف پیش قدمی کی تو ساری دنیا کے مسلمان اکٹھے ہو جائیں گے۔ انہیں چھوڑو، ہم ابھی تک اکیلے صلاح الدین ایوبی کو شکست نہیں دے سکے۔"

"آپ لوگ اپنے ہی پیدا کیے ہوئے وہموں کا شکار ہو گئے ہیں۔" اسحاق ترک نے کہا۔ "مسلمانوں میں اتحاد نہیں رہا۔ صلاح الدین ایوبی اپنے مسلمان دشمنوں میں اکیلا رہ گیا ہے۔ کیا حلب اور موصل کے نئے حکمران، عزالدین اور عمادالدین آپ کے حمایتی نہیں؟ وہ آپ کی مدد کے محتاج اور منتظر ہیں۔ آپ کے جاسوسوں نے مسلمانوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ میں آپ کو وہاں کی صحیح تصویر بتاتا ہوں۔" اس نے الفاظ میں ایسی تصویر پیش کی جس سے نائٹ کی باچھیں کھل گئیں۔ اسحاق نے ایسے مشورے دیئے جو کوئی جرنیل ہی دے سکتا تھا۔ نائٹ کی آنکھیں کھل گئیں۔

"تم مجھے حیران کر دینے کی حد تک ذہین ہو۔" نائٹ نے کہا۔ "ہم کچھ ایسے ہی منصوبے بنا رہے ہیں جو تمہاری خواہشوں اور عزائم کے مطابق ہیں۔"

"میرے اس مشورے کو ذرا اہمیت دیں کہ صلاح الدین ایوبی کی طرح چھاپہ مار جیش تیار کریں۔" اسحاق نے کہا۔ "ایک جیش میرے حوالے کر دیں۔ میں مسلمان علاقوں اور ان کی نازک رگوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مجھے دور دراز تک وہ جگہیں معلوم ہیں جہاں وہ رسد وغیرہ کے ذخیرے رکھتے ہیں۔ اِدھر جنگ ہوئی تو اُدھر ان کا کوئی ذخیرہ نہیں رہنے دوں گا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" نائٹ نے کہا۔ "ہم تمہیں موقع دیں گے۔"

☆

"میں نے تمہیں شمس النسا کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا۔" انوشی عامر بن عثمان سے کہہ رہی تھی۔ وہ موصل میں تھے۔ عامر نے اُسے محبت کا جھانسہ دے دیا تھا۔ انوشی آدھی رات کے بعد اس کے کمرے میں آگئی تھی۔ کہنے لگی۔ "شمس النسا مجھ سے زیادہ خوبصورت تو نہیں؟"

"اُس کا نام نہ لو۔" عامر نے اکتاہٹ سے کہا۔ "وہ شہزادی ہے۔ مجھے اپنا نوکر سمجھتی ہے اور حکم چلاتی ہے۔ میں کبھی اس کے پاس کھڑا ہوتا بھی ہوں تو یہ حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ تم سے بھی میں اسی لیے ڈرتا رہتا تھا تمہیں بھی میں شہزادی سمجھتا رہا لیکن تم نے میرا ڈر دور کر دیا ہے۔ پھر بھی کبھی کبھی ڈر آہی جاتا ہے کہ تم مجھے کسی دھوکے میں مبتلا کر رہی ہو۔ یہ نہ بھی ہو تو اپنا یہ انجام مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ بڑوں نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو مجھے تہ خانے میں بند کر دیں گے۔"

"اگر تمہیں کسی نے تہہ خانے میں بند کیا تو میرے اشارے پر موصل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔" انوشی نے کہا اور اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ پیار سے بولی۔ "تمہارا یہ ڈر بجا ہے کہ میں تمہیں کوئی دھوکہ دے رہی ہوں۔ میرا وجود ایک دلکش دھوکہ ہے لیکن تم مجھے انسان کے روپ میں دیکھو۔ مجھے اپنی عبادت کرنے دو۔"

انوشی پر بے خودی سی طاری ہو گئی۔ عامر بن عثمان کی انگلیاں اس کے بالوں میں رینگ رہی تھیں۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ انوشی کے لہجے اور انداز میں خمار آگیا تھا۔ عامر بن عثمان کے لیے یہ بڑا ہی سخت امتحان تھا۔ وہ جوان تھا، تنومند تھا اور وہ غیر شادی شدہ تھا۔ کئی بار اس کے جذبات اپنے قابو سے نکل چلے تھے۔ اُس نے دل ہی دل میں دھیان خدا کی طرف کر دیا اور خدا سے التجائیں کرنے لگا کہ اس کی ذاتِ باری اسے جبر اور ہمت و استقلال عطا فرمائے۔

رات تھوڑی سی رہ گئی تھی جب انوشی اس کے کمرے سے نکلی۔ پھر ایسی تین چار راتیں آئیں۔ انوشی اُس کے وجود میں جذب ہو چکی تھی۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ عامر حیوان نہیں انسان ہے مگر عامر کی ذات میں جو زلزلے بپا ہو رہے تھے ان سے انوشی واقف نہیں تھی۔

"مجھے ان مسلمان حکمرانوں سے نفرت ہو گئی ہے۔" ایک رات عامر نے انوشی سے کہا۔ "میں نے صلیبی حکمران نہیں دیکھے۔ تمہارے حکمران ان سے تو اچھے ہوں گے۔" اُس نے رازداری سے پوچھا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ صلیبی آکر ان علاقوں پر قبضہ کر لیں؟"

انوشی بہت ہی چالاک لڑکی تھی۔ بچپن سے استادوں کے ہاتھوں میں کھیلی تھی۔ اُس کا حسن قلعوں کی دیواریں توڑ دیتا تھا۔ جابر حکمرانوں کو وہ اپنا غلام بنا لیا کرتی تھی، مگر وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں اور فطری تقاضوں اور مطالبوں سے آزاد نہیں تھی۔ کوئی بھی انسان خواہ وہ اوصاف اور عادات کے لحاظ سے درندہ ہی کیوں نہ بن جائے اس فطرت کی زنجیروں سے آزاد نہیں ہو سکتا جو خدا نے بنائی ہے۔ انوشی اپنی تشنگی عامر بن عثمان کو بتا چکی تھی۔ یہ اُس کی دُکھتی رگ تھی جو اُس نے عامر کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ سچے پیار کی تشنگی اور عامر کے وجود نے اس کا ڈنک مار دیا تھا۔ وہ شراب کے نشے کو جانتی تھی محبت کے خمار سے واقف نہیں تھی۔ یہ خمار جب طاری ہوا اور عامر نے صلیبی حکمرانوں کے حق میں بات کر دی تو انوشی کی تمام تر تربیت بیکار ہو گئی۔ اس نے عامر کے ساتھ ایسی باتیں شروع کر دیں جو جاسوس اور تخریب کار نہیں کیا کرتے۔

عامر کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس نے پیچ پیچ کر سوال پوچھنے شروع کر دیئے۔ اگر اس وقت انوشی کو اس کے صلیبی استاد یا عزالدین اور اس کے وہ دو اعلیٰ حاکم دیکھتے جو اُسے گوہرِ نایاب سمجھتے تھے تو یقین نہ کرتے کہ یہ وہ لڑکی ہے جسے وہ سوڈانی پری کہا کرتے ہیں۔ وہ معصوم سی بچی بنی ہوئی تھی اور اسے ذرہ بھر احساس نہیں تھا کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی بجائے صلیب کو دیمک کی طرح کھا رہی ہے۔ عامر بن عثمان اس کی فطرت کے تقاضے پہلے

کر رہا تھا۔

انوشی جب اُس رات عامر کے کمرے سے نکلی تو رات کا آخری پہر تھا۔ وہ بڑے اہم راز عامر کے سینے میں ڈال گئی تھی۔

☆

بہت دن گزر گئے تھے۔ بیروت میں اسحاق ترک اپنے صلیبی نائٹ کا ذاتی محافظ ہی نہیں اس کا ہمراز دوست اور قابلِ اعتماد ساتھی بن چکا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ بالڈوین کے فرنگی لشکر کے ایک بڑے حصے کا یہ کمانڈر صلیب کا اتنا خیر خواہ نہیں جتنا اپنی اس خواہش اور عزم کا غلام ہے کہ وہ اگلی جنگ میں بڑھ چڑھ کر کامیابی حاصل کرے اور شاہ بالڈوین سے عرب کا کوئی ٹکڑا انعام کے طور پر حاصل کرے۔ اس کے دماغ پر خود مختار حکمرانی سوار تھی اور اس کی سوچیں اسی خواہش کے تابع تھیں۔ اسحاق ترک اپنے استاد علی بن سفیان کی تربیت کے مطابق اس کی نفسیات سے کھیلنے لگا جس طرح انوشی جیسی خطرناک لڑکی فطرتِ انسانی کی کمزوریوں اور تقاضوں کے سامنے بے بس ہو گئی تھی اسی طرح صلیبیوں کا یہ نائٹ اپنے نظریئے سے ہٹ کر اور اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کر رہا تھا کہ جس اجنبی کو اس نے اپنا دوست بنا لیا ہے وہ صرف اس کی نہیں، اس کے بادشاہ اور اس کی صلیب کی شکست کا پیامبر ہے۔

ایک روز نائٹ اسحاق ترک کو بیروت سے دُور لے گیا۔ اسحاق کو پتہ چلا کہ نائٹ کا دستہ رات کو بڑی جلدی میں کُوچ کر گیا ہے۔ نائٹ اس دستے کو مختلف جگہوں پر تقسیم کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ اسحاق محافظ کے طور پر اس کے ساتھ تھا۔ دستے تک پہنچے تو دیکھا کہ خیمے نہیں لگائے گئے تھے۔ اس میں گھوڑ سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ نائٹ نے اپنے ماتحت کمانڈروں کو بلا کر مختلف جگہیں بتائیں اور حکم دیا کہ ان جگہوں پر وہ خیمے گاڑلیں اور تیاری کی حالت میں رہیں۔ اسحاق پاس کھڑا یہ احکام سُن رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے تمہیں ایک مہینے تک تیاری کی حالت میں رہنا پڑے۔" نائٹ نے اپنے چھوٹے کمانڈروں سے کہا — "لیکن اُکتا نہ جانا۔ ہمیں کل قاہرہ سے آئے ہوئے ایک جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے بیروت کو محاصرے میں لے کر اس شہر پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہمیں توقع تھی کہ وہ اب بھی دمشق کی طرف سے آئے گا اور سب سے پہلے اپنے مسلمان امراء کو جن میں حلب، موصل اور حران کے امراء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، اپنے ساتھ ملائے گا، اُس کے بعد وہ ہمیں للکارے گا، مگر اب یہ قابلِ اعتماد اطلاع ملی ہے کہ وہ سب سے پہلے ہمارے دل پر وار کرے گا اور اس کے بعد اپنے ان امراء سے جنہیں ہم نے اپنا درپردہ دوست بنا رکھا ہے، نپٹے گا۔ اگر ہمیں یہ اطلاع نہ ملتی تو ہم بیروت کے اندر اس کے محاصرے میں آ جاتے۔ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہیں یہ معلوم نہیں کہ صلاح الدین ایوبی محاصرے کا ماہر ہے۔ اس کے محاصرے میں آئی ہوئی فوج کے پاس صرف یہ چال رہ جاتی ہے کہ ہتھیار ڈال دے۔ صلیب کی برکت سے ہمیں پہلے ہی اشارہ مل گیا ہے۔"

اسحاق سُن رہا تھا۔ اُس نے اپنے کپڑوں کے اندر پسینے کی نمی محسوس کی۔ اسے یہ سُن کر غصہ آنے لگا کہ صلاح الدین ایوبی کے اندرونی حلقے میں بھی صلیبیوں کے جاسوس موجود ہیں جنہوں نے اتنی خطرناک اطلاع یہاں پہنچا دی ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ مسلمان ایمان فروشی پر فوراً اتر آتے ہیں۔ سلطان ایوبی کے ہمراز حلقے میں کوئی صلیبی تو نہیں جا سکتا۔ اب یہ ذمہ داری اسحاق ترک بڑی شدت سے محسوس کرنے لگا کہ وہ قاہرہ پہنچے اور علی بن سفیان کو بتائے کہ اگر سلطان نے واقعی بیروت پر فوج کشی کا فیصلہ کر لیا ہے تو سیدھا بیروت نہ جائے۔

"اس اطلاع سے ہم یہ فائدہ اٹھا رہے ہیں کہ جس طرح ہمارا دستہ اس علاقے میں گھات کی صورت میں بھیجا گیا ہے، اسی طرح چند اور دستے جن میں گھوڑ سوار زیادہ ہیں بیروت کے اردگرد اور دُور دُور بھیج دیئے گئے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کا استقبال وہ دستے کریں گے جو بیروت میں تیار ہوں گے۔ وہ اس کی فوج کو یہ تاثر دے کر اُلجھائیں گے کہ اس نے بیروت کو اچانک آ دبوچا ہے۔ وہ جب محاصرے کو تنگ کر رہا ہوگا ہم عقب سے اس پر حملہ کر دیں گے۔ پھر وہ بیروت کے اندر والی ہماری فوج اور ہمارے باہر والے دستوں میں آ کر ہمیشہ کے لیے پس جائے گا۔"

"جناب!" ایک پرانی عمر کے کمانڈر نے کہا — "یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کس طرف سے آئے گا؟"

"ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا۔" نائٹ نے جواب دیا۔ "ممکن یہ نظر آتا ہے کہ وہ ہمارے علاقوں میں سے گزر کر آنے کا خطرہ مول لے گا۔ شاہ بالڈوین نے ہدایت جاری کی ہے کہ راستے میں اُس کے ساتھ جھڑپ نہ کی جائے۔ اُسے دُور اندر تک، اور بیروت تک آنے دیا جائے۔ یہاں ہم اُس کی فوج کو رسد سے محروم کر کے ماریں گے۔"

"اور آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ بیروت سمندر پر واقع ہے۔" اسی کمانڈر نے کہا۔ "وہ اپنی بحری قوت بھی استعمال کر سکتا ہے۔"

"وہ بحری قوت استعمال کرے گا۔" نائٹ نے کہا۔ "اس کی بہت سی فوج بحری جہازوں سے آ رہی ہے۔ ہم نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے۔ ہم سمندر میں اس کا مقابلہ نہیں کریں گے۔ اُس کی فوج کو اُترنے کا موقع دیں گے۔ اس طرح ہم اُس کے جہازوں کو تباہ کرنے یا انہیں بھاگنے کا موقع دینے کی بجائے جہازوں پر قبضہ کریں گے.... میرے دوستو! تم جانتے ہو کہ فوج کو راز کی ایسی باتیں نہیں بتائی جاتیں کیونکہ جس طرح ہمارے جاسوس مسلمان علاقوں میں موجود ہیں اسی طرح ہمارے علاقوں میں مسلمان جاسوس سرگرم ہیں۔ سپاہیوں کے منہ سے نکلی ہوئی بات صلاح الدین ایوبی کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے، مگر بعض حالات میں اپنے کمانڈروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ آنے والے حالات کیسے ہوں گے اور ان کا پس منظر کیا ہے۔ یہ احتیاط کریں کہ سپاہیوں کو پتہ نہ چلنے پائے کہ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے متعلق کوئی اطلاع ملی ہے ورنہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے گا۔"

"کیا آپ کو مسلمان امراء کی نیت کا علم ہے؟" ایک اور کمانڈر نے پوچھا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر حملہ

کردیں۔"

"ان کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔" نائٹ نے کہا۔ "حلب کا والی عزالدین موصل میں آگیا ہے اور موصل کا امیر عمادالدین حلب چلا گیا ہے۔ یہ تبادلہ ہماری کارستانی سے ہوا ہے۔ وہاں کے حالات ہمارے قبضے میں ہیں۔ البتہ یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ ان میں سے کوئی مسلمان حکمران صلاح الدین ایوبی پر حملہ کردے یا اُسے رسد دینے سے انکار کردے۔ بہرحال یہ یقین ہے کہ اپنے مسلمان امراء کی طرف سے صلاح الدین ایوبی کو تعاون نہیں ملے گا۔"

☆

رات کو اسحاق ترک نے نائٹ کے ساتھ سلطان ایوبی کے متوقع حملے اور بیروت کے محاصرے پر تبادلۂ خیال اور خوشی کا اظہار کیا کہ اُسے اپنی خواہش کی تکمیل کا موقع مل جائے گا۔ اُس نے کچھ اور ضروری باتیں معلوم کرلیں۔ اس کے سامنے اب یہ مسئلہ تھا کہ وہاں سے نکلے اور قاہرہ پہنچے۔ وہ آسانی سے فرار ہو سکتا تھا لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ غائب ہو جانے سے نائٹ کو شک ہو جائے گا کہ یہ جاسوس تھا جو سب کچھ دیکھ کر چلا ہے لہٰذا وہ اپنی سکیم میں ردوبدل کرلیں گے۔ وہ نائٹ کو بتا کر جانے کی سوچنے لگا۔ اُسے ایک بہانہ مل گیا جو یہ تھا کہ وہ اپنے گھر کے تمام افراد کو مسلمان علاقے میں چھوڑ آیا ہے، اب چونکہ اس کا ٹھکانہ بن گیا ہے اس لیے وہ انہیں وہاں سے نکالنا چاہتا ہے ورنہ مسلمان انہیں پریشان کریں گے۔

یہ بہانہ پیش کرکے اس نے نائٹ سے کہا۔ "ایک آدھ مہینے بعد ہم جنگ میں اُلجھ جائیں گے پھر نہ جانے کب فرصت ملے۔ انہیں ابھی لے آؤں تو بہتر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں جنگ میں مارا جاؤں۔ مرنے سے پہلے انہیں یہاں لانا چاہتا ہوں تاکہ میرے بعد میری بہنیں مسلمانوں کے ہاتھوں خراب نہ ہوتی پھریں۔"

بہانہ معقول تھا۔ نائٹ نے اُسے جو گھوڑا دے رکھا تھا وہی اس کے پاس رہنے دیا اور کہا۔ "ابھی روانہ ہو جاؤ اور جس قدر جلدی آسکو واپس آجاؤ۔"

اسحاق ترک اس صلیبی نائٹ سے زیادہ جلدی میں تھا۔ اُسے بہت جلدی قاہرہ پہنچنا تھا لیکن اس سے پہلے حلب اور موصل جانا ضروری تھا کیونکہ اُس کے کانوں میں وہاں کے حکمرانوں اور امراء کے متعلق کچھ باتیں پڑی تھیں۔ اسے یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ سلطان ایوبی جب ان علاقوں میں فوج لائے گا تو موصل کے حکمرانوں اور سالاروں کا رویہ کیا ہوگا۔ اسے معلوم تھا کہ حلب میں اُس کے ساتھی جاسوس کون کون ہیں اور وہ کہاں مل سکتے ہیں مگر نائٹ کی زبان سے اس نے سنا تھا کہ عزالدین موصل اور عمادالدین حلب چلا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ رضیع خاتون بھی موصل میں ہوگی، اور اگر وہ موصل میں ہے تو اُس کی خادمہ بھی ساتھ ہوگی۔ محل کے اندر کی دنیا سے رابطہ اِس خادمہ کے ذریعے ہو سکتا تھا۔ بہرحال اُسے وہاں کے حالات کا اور حالات کی خبر دینے والے خفیہ ساتھیوں کا کچھ پتہ نہ تھا سوائے دو کے جو موصل میں تھے۔

وہ اُسی رات روانہ ہو گیا۔ گھوڑا اچھا تھا۔ اسحاق ماہر سوار تھا۔ مہینوں کی مسافت دنوں میں طے

کرنے کا اُسے تجربہ تھا۔ وہ فاصلہ طے کرتا اور خدا سے یہی دعائیں مانگتا جا رہا تھا کہ اُس کے قاہرہ پہنچنے سے پہلے سلطان ایوبی کوچ نہ کر چکا ہو۔ گھوڑا دوڑ سے تھک گیا تو اسحاق نے اسے روکا نہیں۔ گھوڑا اپنی سہولت کی چال آہستہ آہستہ چلتا گیا۔ اسحاق نے آگے جھک کر پیٹ زین کے ساتھ لگا لیا اور چلتے گھوڑے پر سو گیا۔ سحر کی تاریکی میں اُس کی آنکھ کھلی۔ اس نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کی راہنمائی کرنے والا ستارہ چمک رہا تھا۔ گھوڑا صحیح سمت جا رہا تھا۔ صبح کی روشنی میں ایک جگہ گھوڑے کو پانی پلایا اور کچھ کھلا کر اُس نے خود بھی ذرا آرام کیا، گھوڑے کو بھی آرام دیا اور چل پڑا۔

یہ دن بھی گزر گیا۔ رات آئی اور گزر گئی۔ صلیبی نائٹ کے دیئے ہوئے عربی گھوڑے نے اسحاق کا خوب ساتھ دیا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر تھی جب اُسے موصل کے میناروں کے کلس نظر آنے لگے۔ اسحاق ترک اس شہر سے اچھی طرح واقف تھا اور اسے اپنے دو ساتھی جاسوسوں کے ٹھکانوں کا بھی علم تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اسے کچھ بتا سکیں گے یا حلب کا راستہ دکھا دیں گے۔

☆

عزالدین کو اطمینان ہو گیا کہ رضیع خاتون اُس کی زوجیت میں خوش ہے اور اب وہ اُس کے کاموں کے متعلق کوئی بات نہیں کرتی، نہ کچھ پوچھتی ہے۔ رضیع خاتون نے اُس سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ اُس نے عمادالدین کے ساتھ امارتوں کا تبادلہ کیوں کر لیا ہے۔ رضیع خاتون نے جس مقصد کے لیے عزالدین کے ساتھ شادی کی تھی وہ تو پورا نہ ہو سکا، تاہم وہ اس پہلو کو دیکھ کر مطمئن ہو گئی کہ وہ اس پُراسرار دنیا کے اندر آگئی ہے اور سلطان ایوبی نے یہاں جاسوسی کا جو جال بچھا رکھا ہے اسے وہ مزید مضبوط اور کارآمد بنا رہی ہے۔ شمس النساء کو اُس نے تربیت دے لی تھی اور اُس کی یہ بیٹی لڑکپن کے کھلنڈرے جذبات سے نکل کر مجاہدہ بن گئی تھی۔ اس لڑکی نے عزالدین کے ذاتی محافظ عامر بن عثمان کو مخبر اور جاسوس بنا دیا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ قربانی دی تھی کہ اُسے ایسی چالاک لڑکی کے حوالے کر دیا تھا جو عامر کو اس سے ہمیشہ کے لیے چھین سکتی تھی۔

عامر بن عثمان نے الوشی کے سینے سے جتنے راز نکالے تھے وہ شمس النساء کے ذریعے رضیع خاتون تک پہنچا دیئے تھے۔ یہ نہایت اہم راز تھے جو قاہرہ تک پہنچانے تھے۔ حلب سے سلطان ایوبی کے جو جاسوس آئے تھے۔ اُن کے کمانڈر سے پوچھا گیا تھا کہ قاہرہ جانے والا کوئی آدمی تیار کرو۔ اس نے کہا تھا کہ اسحاق ترک بیروت سے آجائے گا۔ وہاں کی جب تک خبر نہیں ملے گی قاہرہ کے لیے اطلاع نامکمل رہے گی۔ علی بن سفیان سے سلطان ایوبی بار بار کہہ رہا تھا کہ صلیبیوں کے آئندہ اقدام کے متعلق معلومات حاصل کرو۔

الوشی نے عامر بن عثمان کو جو باتیں بتائی تھیں وہ غلط نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ عزالدین اور اُس کے خصوصی مشیروں پر اتنی غالب آئی ہوئی تھی کہ وہ اس لڑکی کی موجودگی میں انتہائی نازک باتیں کرتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی، انہیں وہ قابلِ نفرت انسان سمجھتی تھی۔ وہ تو اپنا فرض ادا کر رہی تھی۔ اسے ابھی یہ معلوم

نہیں ہُوا تھا کہ جس عامر کو وہ دل و جان سے چاہتی ہے وہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ عامر کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنی دلچسپی کی خاطر ایسی باتیں پوچھ رہا ہو۔

عزالدین نے رضیع خاتون کی سیر کے لیے بگھی وقف کر رکھی تھی۔ ایک شام رضیع خاتون شمس النساء کے ساتھ باہر نکل گئی۔ شہر کے قریب ہی سبزہ زار تھا جس میں ایک چشمہ بھی تھا۔ یہ جگہ اتنی خوبصورت تھی کہ صرف شاہی خاندان کے لیے وقف کر دی گئی تھی۔ رضیع خاتون کے ساتھ اس کی خادمہ بھی تھی اور محافظ کے طور پر عامر بن عثمان بھی ساتھ تھا۔ عزالدین کو عامر پر بھروسہ تھا اور اُس نے عامر کو حکم دے رکھا تھا کہ رضیع خاتون جب بھی سیر کے لیے باہر جائے تو عامر ساتھ ہو۔ اس جگہ پہنچ کر بگھی کو دُور کھڑا کر دیا گیا۔ رضیع خاتون اور شمس النساء چشمے کی طرف چلی گئیں۔ عامر بن عثمان بھی ساتھ رہا۔ یہ صرف سیر نہیں تھی بلکہ سیر کے بہانے عامر سے معلوم کرنا تھا کہ اُسے اور کیا کچھ معلوم ہُوا ہے۔

اس وقت اسحاق ترک موصل میں اپنے ایک ساتھی کے پاس پہنچ چکا تھا اور یہ ساتھی اُسے بتا رہا تھا کہ رضیع خاتون بھی ان کے گروہ میں شامل ہو گئی ہے بلکہ سرپرستی کر رہی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں تو ان کا ایک اور ساتھی آگیا۔ اُس نے اسحاق کو بتایا کہ رضیع خاتون کی خادمہ اس وقت چشمے پر گئی ہے۔ بہتر ہے اسحاق اسے وہاں ملے۔ اسحاق نے اپنے ان ساتھیوں کو بتایا تھا کہ وہ بہت جلدی میں ہے اور کام کی کوئی بات معلوم ہو سکے تو وہ رات رُکنے کی بجائے فوراً قاہرہ کو روانہ ہو جائے۔ اسی لیے اُسے بتایا گیا تھا کہ خادمہ چشمے پر ملے گی۔ اس آدمی نے رضیع خاتون کی سواری اُدھر جاتے دیکھی تھی۔ اسحاق کو یہ تو بتا ہی دیا گیا تھا کہ رضیع خاتون بھی اُن کے ساتھ ہے۔ لہٰذا یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ اس کے ساتھ بھی ملاقات ہو جائے۔

عامر بن عثمان چشمے کے کنارے رضیع خاتون اور شمس النساء کو بتا رہا تھا کہ الرشی کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق یہ یقین ہو گیا ہے کہ صلیبیوں کے خلاف جنگ کی صورت میں عزالدین سلطان ایوبی کو دوستی کے دھوکے میں رکھے گا۔ اگر سلطان رسد مانگے گا تو رسد بروقت پوری نہیں بھیجے گا۔ اگر سلطان نے فوج مانگی تو یہ بہانہ پیش کیا جائے گا کہ اس کے تعلقات عمادالدین کے ساتھ اچھے نہیں رہے اور عمادالدین موصل پر حملے کے لیے آرمینیوں کے ساتھ سازباز کر رہا ہے۔ اس لیے فوج قلعے میں موجود رہنی چاہیے۔ عامر نے بتایا کہ عمادالدین کا رویہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ ان حالات سے سلطان ایوبی کا باخبر ہونا ضروری تھا کیونکہ وہ ان دونوں کو اپنا اتحادی سمجھتا تھا۔

خادمہ اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اُسے کسی کے گانے کی آواز سنائی دی ـــ "ریگزاروں کے راہی راہوں سے بھٹکیں، ستاروں کو دیکھیں"۔ سیرگاہ کے قریب سے کوئی گاتا ہُوا گزر رہا تھا۔ خادمہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ یہ جاسوسوں کے اس گروہ کے خفیہ الفاظ تھے جو وہ ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے ترنم میں اس طرح استعمال کیا کرتے تھے جیسے کوئی مسافر اپنا دل بہلانے کے لیے گنگناتا جا رہا ہو۔ خادمہ پودوں کی اوٹ میں آگے چلی گئی۔ اس نے اسحاق ترک کو پہچان لیا۔ اُسے روکا۔ اسحاق نے اسے کہا کہ وقت نہیں ہے۔ خادمہ نے کہا کہ اسی طرح ٹہلتے رہو، اور وہ رضیع خاتون کے پاس گئی۔

☆

سورج غروب ہو چکا تھا۔ سیرگاہ پر تاریکی چھا رہی تھی۔ اسحاق ترک ایک ایسی جگہ رضیع خاتون، شمس النساء اور عامر بن عثمان کے پاس بیٹھا تھا جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ رضیع خاتون اُسے حلب اور موصل کے تمام اسرار اور دھوکے بتا چکی تھی۔ اُس نے اسحاق سے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی سے کہنا میں نے نورالدین زنگی کا مقام عزالدین کو دیا تھا۔ میں نے اس امید پر اپنے دل پر پتھر رکھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ عزالدین کو زنگی مرحوم کا صحیح جانشین بنا دوں گی اور یہ زنگی کی طرح تمہارا دایاں بازو بنے گا مگر شادی کے بعد راز کھلا کہ میں نے مجبوری کی ایک بھیانک غلطی کی ہے۔ مجھے قید کر لیا گیا ہے۔ اب دمشق کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔ بیروت کے علاقے میں تمہارا جس طرح استقبال ہوگا وہ تم اسحاق سے سُن لو گے۔ تم ہی فیصلہ کر سکتے ہو کہ ان حالات میں جبکہ بیروت کو محاصرے میں لینے کا تمہارا منصوبہ پہلے ہی بیروت پہنچ گیا ہے، تم بیروت ہی جاؤ گے یا اپنا منصوبہ بدل دو گے۔ اس سوال کا جواب علی بن سفیان دے سکتا ہے کہ یہ راز بیروت کس نے پہنچایا۔ ہماری قوم میں ایمان کا نیلام عام ہو گیا ہے۔ عرب کے امرا کی عیاشیوں کا یہی عالم رہا تو وہ قبلۂ اوّل کی طرح خانۂ کعبہ کو بھی بیچ کھائیں گے۔ عیاشی اور حکمرانی ملکوں کو ٹکڑوں میں کاٹتی اور قوموں کا نام و نشان مٹا دیتی ہیں ..... عزالدین اور عمادالدین پر بھی بھروسہ نہ کرنا۔ تمہیں مدد نہیں، مدد کا دھوکہ دیں گے۔ بیروت کی بجائے حلب اور موصل کو محاصرے میں لے کر ان ایمان فروش حکمرانوں سے ہتھیار ڈلوا لو اور یہ اہم علاقے اپنی عملداری میں لے لو تو یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ پر ایک نظر ڈالو۔ ہمارے بادشاہوں نے ہمیشہ ملکوں کے سودے کیے ہیں اور ان سودوں پر اسلام کے سپاہی نے لکیر پھیر دی اور قوم کی لاج رکھی ہے۔ دشمن کو صرف سپاہی دیکھتا ہے اور دشمن کے ہاتھوں صرف سپاہی کٹتا اور مرتا ہے اس لیے وطن اور قوم کی قدر و قیمت صرف سپاہی جانتا ہے .....

"جب یہ عیاش حکمران دشمن کی بھیجی ہوئی شراب، حسین لڑکیوں اور دولت کے نشے میں بدمست پڑے ہوتے ہیں اُس وقت اللہ کے سپاہی ریگزاروں، کوہستانوں اور سمندروں میں کٹ رہے ہوتے ہیں۔ صلاح الدین بھائی! تمہاری عمر بھی صحراؤں میں لڑتے گزر رہی ہے۔ میرا پہلا خاوند بھی ساری عمر دین کے دشمنوں سے لڑتا رہا۔ مگر جب تم ایمان فروش حکمرانوں کے خلاف اٹھتے ہو تو وہ تمہیں اپنی قوم کا قاتل اور غدار کہتے ہیں۔ ان فتووں کی پروانہ کرو۔ یہ سب صلیبیوں اور یہودیوں کے فتوے ہیں جو ہمارے اپنے بھائی تمہارے خلاف داغ رہے ہیں۔ آؤ، طوفان کی طرح آؤ۔ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہارے لیے زمین ہموار کر رہی ہوں۔ یہاں کا بچہ بچہ تمہارے ساتھ ہوگا ..... باقی خبریں اسحاق سے سُن لینا۔"

اسحاق ترک کو تمام تر معلومات دے دی گئیں۔ وہ اٹھا اور پودوں کو روندتا ہُوا باہر نکل گیا۔ اس نے کچھ ایسا محسوس کیا جیسے اُس نے کسی کے قدموں کی ہلکی سی آہٹ سُنی ہو۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے یہ شک بھی ہُوا جیسے اُسے کچھ دُور ایک سایہ سا جاتا اور پودوں میں غائب ہوتا نظر آیا ہو۔ اُس نے زیادہ توجہ نہ دی۔ اس کے ذہن پر یہ مسئلہ سوار تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے وہ قاہرہ پہنچے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان ایوبی فوج کے ساتھ کوچ کر چکا ہو۔ اسے اس کامیابی کی بہت خوشی تھی کہ اُسے ہر جگہ سے نہایت کارآمد معلومات مل گئی

تھیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ بہت جلدی میں کھانا کھایا اور روانہ ہو گیا۔ اُسے اپنا سفر اس وجہ سے لمبا کرنا پڑا کہ حلب میں اپنے کمانڈر سے ملنا ضروری تھا۔

حلب پہنچا، کمانڈر سے ملا۔ اس نے اسحاق کو تازہ دم نہایت اچھی نسل کا گھوڑا دیا۔ پانی کے چھوٹے مشکیزے اور کھانے کی چیزوں سے تھیلا بھر کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا۔ اسحاق قاہرہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

☆

اُس رات کا ذکر ہے جس رات اسحاق سیرگاہ میں رضیع خاتون سے ملا تھا کہ الوشی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے عزالدین اور اس کے قریبی ہمرازوں کی محفل میں نہ گئی۔ عزالدین اس کی مزاج پرسی کے لیے گیا تو الوشی کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ بات کرتی تو زبان ہکلاتی تھی۔ عزالدین نے اپنے طبیب کو بلایا۔ طبیب نے دوا دی جو الوشی نے یہ کہہ کر رکھ لی کہ کھائے گی۔ اُس نے کہا کہ وہ آرام کرنا چاہتی ہے، یہ شب بیداری اور زیادہ شراب پی لینے کے اثرات ہیں۔ عزالدین اور طبیب چلے گئے۔ الوشی دروازہ اندر سے بند کر کے لیٹنے کی بجائے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ بہت بے چین تھی۔ اس نے کئی بار کھڑکی کا پردہ اٹھا کر باہر دیکھا اور کمرے میں کبھی ٹہلتی، کبھی رکتی اور پھر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھتی۔

اس نے اپنے زیورات والا خوشنما بکس کھولا۔ اس میں سے ایک انگوٹھی نکالی۔ اس کے نگینے والی جگہ ڈبیا کی شکل کی تھی۔ خوشنما اور وزنی انگوٹھی تھی۔ اس نے اس پر جڑی ہوئی چھوٹی سی ڈبیا کو جو انگوٹھی کا حصہ تھی، کھولا۔ اس میں سفید سفوف بھرا ہوا تھا۔ اس نے سفوف کو ذرا سی دیر دیکھا اور ڈبیا بند کر کے انگوٹھی اپنی انگلی میں ڈال لی۔ اس سے اُسے کچھ سکون محسوس ہوا جیسے اس نے اپنی بے چینی اور اداسی کا ذریعہ پیدا کر لیا ہو۔

رات آدھی گزر گئی تھی۔ اس کی ذاتی خادمہ اس کے کمرے کے قریب ایک کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ الوشی نے اُسے کہہ دیا تھا کہ آج رات اُسے اس کی ضرورت نہیں۔ آدھی رات کے بعد وہ خادمہ کے کمرے میں گئی اور اسے جگا کر کہا کہ عامر بن عثمان کو بلا لاؤ۔ اس کی خادمہ اس کی اور عامر کی ملاقاتوں کی رازدان تھی۔ وہ گئی اور عامر بن عثمان کو بلا لائی۔ الوشی نے خادمہ سے کہا کہ وہ کمرے کے باہر بیٹھی رہے۔

"عامر!" الوشی ایسے لہجے میں بولی جس سے عامر واقف نہیں تھا — "آج شام وہ کون تھا جو سیرگاہ میں تم سب کے ساتھ بیٹھا تھا؟"

"کوئی بھی نہیں!" عامر نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا — "میرے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ میں زنانوں کی سواری کے ساتھ محافظ بن کے جاتا ہوں اور ان سے دُور رہتا ہوں۔"

"عامر!" الوشی نے بالکل ہی بدلے ہوئے لہجے میں کہا — "مجھ سے زمین کی تہوں کے راز پوچھ لو۔ میں نے تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے مگر تم نے مجھے کوئی سیدھی سادی صحرائی لڑکی سمجھ لیا۔ تم، رضیع خاتون، شمس النساء اور ان کی خادمہ اکٹھے بیٹھے تھے اور ایک اجنبی تمہارے درمیان بیٹھا تھا۔ راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ثبوت چاہتے ہو؟ میں نقاب اوڑھ کر اور مستور ہو کر وہاں گئی تھی۔ تم سب سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ پھر وہ اجنبی وہاں سے اٹھا اور چلا گیا۔ میں وہاں سے آ گئی۔"

اسحاق تُرک جب ان لوگوں سے اٹھ کر جا رہا تھا تو اس نے کسی کے قدموں کی دبی دبی آہٹ سُنی تھی اور کچھ دُور ایک سایہ سا بھی دیکھا تھا۔ یہ الوشی تھی جو چوری چھپے رضیع خاتون، شمس النساء اور عامر بن عثمان کے پیچھے گئی تھی۔

عامر بن عثمان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس نے کوئی بے معنی سی بات کی۔ الوشی استاد تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کے شکوک بے بنیاد نہیں۔ اس نے کہا — "اگر شمس النساء اکیلی ہوتی تو میں سمجھتی کہ اس شہزادی نے تمہیں پھنسا رکھا ہے مگر یہ معاملہ کچھ اور ہے ... مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے یہ راز کی باتیں کیوں پوچھتے رہے ہو؟"

"ویسے ہی!" عامر نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا — "ان باتوں کے ساتھ میری کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میں صرف اس سے لطف اٹھاتا تھا کہ ہم ان بادشاہوں کو کیا سمجھتے ہیں اور یہ اندر سے کیا ہیں!"

"عامر!" الوشی نے قہر بھری آواز میں کہا — "تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ میرے اشارے پر اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بج سکتی ہے۔ مجھے میرے پیارے جذبات نے دھوکہ دیا اور میں تمہاری محبت کے نشے میں اپنے فرائض فراموش کر بیٹھی اور تم اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ پھر بھی میرے دل میں تمہاری محبت ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ تم میرے کمرے میں زندہ اور سلامت ہو۔ میں اگر چاہتی تو اس وقت تم قید خانے کی اُس کوٹھڑی میں بے ہوش پڑے ہوتے جہاں اذیتوں کے بعد غداروں اور جاسوسوں کو ڈال دیا جاتا ہے۔ میں نے تمہیں اس جہنم سے بچا لیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم نے میرے سینے سے راز نکال کر اس اجنبی کو دیئے ہیں اور وہ قاہرہ چلا گیا ہے۔ میرا خلوص اور میری محبت دیکھو کہ میں نے اس آدمی کو نکل جانے کی مہلت دی۔ میں اُسے اُسی وقت پکڑوا سکتی تھی مگر تب تک محبت نے میرا ذہن چھین لیا ہے" — اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "میں جو استاد تھی، دھوکے کا شکار ہو گئی ہوں۔ تم جیت گئے ہو۔ سچ کہو عامر، سچ کہہ دو۔"

"ہاں الوشی!" عامر نے کہا — "تم نے اپنا فرض ادا کیا ہے، میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ تم مجھے تہ خانے میں بند کرا دو۔"

الوشی کے آنسو بہہ نکلے تھے لیکن اُس نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "بس اتنی سی بات پوچھنی تھی جو تم نے بتا دی ہے۔ تمہیں کوئی قید میں نہیں ڈال سکتا۔ اب میں بھی اس خوشنما پنجرے سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ تم شراب نہیں پیتے۔ میں تمہیں بادشاہوں کا شربت پلاؤں گی۔"

وہ اٹھی اور اُس میز کے پاس جا کھڑی ہوئی جس پر صراحی رکھی تھی۔ اس کی پیٹھ عامر کی طرف تھی۔ الوشی نے دو پیالے پکڑ سامنے رکھے۔ ناخن سے انگوٹھی کے ساتھ جڑی ہوئی ڈبیہ کھولی۔ اس میں جو سفوف تھا وہ کچھ ایک پیالے میں اور باقی دوسرے پیالے میں ڈال دیا۔ عامر نہ دیکھ سکا۔ الوشی نے دونوں پیالوں میں صراحی سے مشروب ڈالا۔ ایک پیالہ عامر کو دے دیا، ایک اپنے ہاتھ میں رکھا۔

فہرست

تعارف
۷

سانپ اور صلیبی لڑکی
۹

سُنت' سارہ اور صلیب
۵۱

چلے قافلے حجاز کے
۸۳

دوسرا درویش
۱۱۳

نہ میں تمہاری' نہ مصر تمہارا
۱۳۵

ایوبی نے قسم کھائی تھی
۱۶۳

فصل صلیبی جس نے کاٹی تھی
۱۸۹

ایوبی مسجدِ اقصیٰ کی دہلیز پر
۲۱۷

آنسو جو مسجدِ اقصیٰ میں گرے
۲۴۷

پھر شمع بجھ گئی
۲۷۱

تعارف

"داستان ایمان فروشوں کی" کا آخری حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریح اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہلچل بپا کر دیتی ہیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور فلمکاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سُود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کُشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشوونما کے لیے "حکایت" میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم چار حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں، آخری حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ

کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی۔ مگر ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اُس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغرسانوں تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں "داستان ایمان فروشوں کی" کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

یکم مارچ ۱۹۷۹ء

سانپ اور صلیبی لڑکی

خادمہ نے رضیع خاتون کو محل کی اندرونی دنیا کے اسرار بتا کر اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ وہ اُن خوابوں سے بیدار ہو گئی جو دیکھ کر اُس نے والیٔ حلب عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ رضیع خاتون عظیم عورت تھی۔ اسلام کی تاریخ ساز مجاہدہ تھی۔ اپنے مرحوم خاوند نورالدین زنگی اور پاسبانِ اسلام صلاح الدین ایوبی کی طرح رضیع خاتون بھی جیسے صلیبیوں کے خلاف لڑنے اور سلطنتِ اسلامیہ کے اتحاد اور وسعت کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ اگر خادمہ نے اُسے جو راز بتایا وہ حقیقت تھا تو اس عظیم مجاہدہ کی کند ٹوٹ چکی تھی اور اُس کی تلوار کند کر کے اسے قیدی بنا لیا گیا تھا۔ اس کی نوجوان بیٹی شمس النساء اسی محل میں تھی جس کے ساتھ ابھی اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

یہاں ہم آپ کو یاد دلائیں کہ شمس النساء کی عمر اپنے باپ نورالدین زنگی کی وفات کے وقت آٹھ نو سال تھی۔ اُس کا بڑا (اور واحد) بھائی الملک الصالح گیارہ سال کا تھا جسے زنگی کی وفات کے بعد مفاد پرست امراء اور فوجی حکام نے سلطان بنا دیا تھا۔ اسے وہ کٹھ پتلی بنانا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی اس تباہ کن صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے مصر سے آیا۔ یہ ایک قسم کی فوج کشی تھی۔ زنگی کی بیوہ رضیع خاتون کی کوششوں سے دمشق پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہو گیا۔ الملک الصالح اپنی فوج کی بہت سی نفری کے ساتھ بھاگ کر حلب چلا گیا۔ اپنی بہن شمس النساء کو بھی ساتھ لے گیا۔ اُن کی ماں دمشق میں رہی اور صلیبیوں کے خلاف جہاد میں مصروف۔ شمس النساء پندرہ سولہ برس کی ہوئی تو اُس کا بھائی بیمار ہو کر نزع کے عالم کو جا پہنچا۔ اُس نے ماں سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ شمس النساء دمشق اپنی ماں کے پاس گئی اور کہا کہ اُس کا اکلوتا بھائی اُسے ملنا چاہتا ہے۔ رضیع خاتون نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اُس کے لیے وہ اُسی روز مر گیا تھا جس روز وہ سلطان بنا اور اُس نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ شمس النساء واپس چلی گئی ——— اس کا بھائی الملک الصالح مر چکا تھا۔

اب شمس النساء کی ماں رضیع خاتون اسی محل میں جہاں اس کا بیٹا مرا تھا اپنے بیٹے کے جانشین عزالدین کی بیوی بن کر آئی۔ اُسے اپنی بیٹی جو اسی محل میں ہی ہو سکتی تھی، ملنے نہ آئی۔ رضیع خاتون نے خادمہ سے پوچھا کہ اس کی بیٹی کہاں ہے اور کیا وہ اسے مل سکتی ہے؟

"وہ یہیں ہے" خادمہ نے جواب دیا۔ "یہ آپ اپنے آقا سے پوچھ لیں کہ آپ شمس النساء سے

مل سکتی ہیں یا نہیں۔ مگر اس پر بھی پابندی ہوئی تو میں چوری چھپے ملاقات کرادوں گی۔"

"تم نے اپنے گروہ کے جس کمانڈر کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ میری ملاقات ہو سکتی ہے؟"۔۔۔ رضیع خاتون نے پوچھا۔

"کچھ دن گزر جانے دیں۔" خادمہ نے جواب دیا۔ "یہ پتہ چل جائے کہ آپ پر کیا کیا پابندی عائد ہوتی ہے۔ آنے والے حالات کے مطابق ہر ایک مشکل کا حل نکل آئے گا۔ آپ کی شادی اچانک ہوئی، اور اتنی جلدی ہوئی کہ ہم سب کو بعد میں خبر ہوئی ورنہ آپ کو پہلے ہی خبردار کر دیا جاتا کہ شادی کی اس پیش کش کو قبول نہ کریں۔"

"اور میں یہ کس طرح یقین کروں کہ تم میری ہمدرد ہو اور میرے ہی خلاف جاسوسی نہیں کر رہی؟"۔۔۔ رضیع خاتون نے پوچھا۔

خادمہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ رضیع خاتون کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔۔۔ "اگر میں کوئی امیر کبیر عورت ہوتی، کسی محل کی شہزادی ہوتی، کسی شہزادے کی بیوی ہوتی اور میری حیثیت آپ جتنی ہوتی تو آپ مجھ سے ایسا سوال کبھی نہ پوچھتیں۔ آپ ہر جھوٹ کو سچ مان کر دھوکے کا شکار ہو جاتیں، میری حیثیت ایسی ہے کہ میرا سچ بھی جھوٹ لگتا ہے۔ کیا آپ کو ابھی تجربہ نہیں ہوا کہ صداقت اور جذبہ صرف غریبوں کے دلوں میں رہ گیا ہے؟ آپ کو آنے والے حالات بتائیں گے کہ آپ کو کس پر اعتبار کرنا چاہیے۔ ایک غریب خادمہ پر یا حلب کے بادشاہ پر جو آپ کا خاوند ہے۔ آپ مجھ پر اعتبار کرنے کا خطرہ مول لے لیں، اور دُعا کریں اللہ آپ کی اور ہماری مدد کرے۔"

خادمہ کمرے سے نکل گئی۔ رضیع خاتون اُلجھے اُلجھے خیالوں میں بھٹکتی رہ گئی۔ وہ کمرہ جس کی سجاوٹ اور جس کا سامان شاہانہ تھا اُسے جہنم کی طرح نظر آنے لگا۔

☆

دو تین روز رضیع خاتون کو عزالدین نظر نہ آیا۔ اُسے کمرے میں کھانا وغیرہ پہنچایا جاتا رہا۔ خادمائیں اُس کی حاضری میں کھڑی رہیں۔ اس کے آرام اور دیگر ضروریات کا خیال اس طرح رکھا جاتا جیسے وہ کوئی ملکہ ہو مگر یہ شہنشاہی اُسے ذہنی اذیت دے رہی تھی۔ وہ ایک سلطان کی بیوہ تھی۔ اس کی زندگی میں بھی اُس نے اپنے آپ کو کبھی ملکہ یا شہزادی نہیں سمجھا تھا۔ اُس کی صرف یہ خواہش تھی کہ مردوں کے دوش بدوش میدانِ جنگ میں جائے، صحراؤں میں لڑے اور اُسے شہیدوں میں سے اٹھایا جائے۔

ایک روز عزالدین اس کے کمرے میں آگیا اور مصروفیت کی بنا پر اتنے دن نہ آسکنے کی معذرت کی۔

"میں نے آپ کی غیر حاضری کی شکایت تو نہیں کی۔" رضیع خاتون نے کہا۔۔۔ "میں دلہن بن کے نہیں آئی۔ میرے دل میں ایسی بھی کوئی خواہش نہیں کہ آپ ہر وقت میرے ساتھ رہیں یا ہر رات میرے ساتھ گزاریں۔ میری آدھی سے زیادہ ازدواجی زندگی تنہائی میں گزری ہے۔ نورالدین زنگی مرحوم محاذ پر

رہتے تھے اور میں اُن کے نہیں اُن کی لاش کے انتظار میں رہتی تھی۔ محاذ پر نہ ہوں تو سلطنت کے کاموں اور فوج کی تربیت میں مصروف رہتے تھے، لیکن وہاں میں بھی مصروف رہتی تھی۔ سلطنت کے بعض کاموں کی نگرانی اور شہیدوں کے گھروں کی دیکھ بھال میرے سپرد تھی۔ میں جوان لڑکیوں کو زخمیوں کی مرہم پٹی، تیغ زنی، تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی تربیت دیتی تھی۔ وہاں میں ایک کمرے میں قید نہیں تھی جس طرح یہاں بند کر دی گئی ہوں۔ یہ قید مجھے پسند نہیں۔"

"میں یہ نہیں کہتا کہ نورالدین زنگی مرحوم نے سلطنت کے کئی کام اپنی بیوی کے سپرد کیے تھے یا نہیں کیا تھا۔" عزالدین نے کہا۔۔۔ "لیکن میں کسی سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ حلب کی قسمت بنانے اور بگاڑنے میں ایک عورت کا ہاتھ ہے۔ تم میری بیوی ہو۔ میں تم پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا جس کا تعلق ازدواجی زندگی سے نہیں۔"

چونکہ رضیع خاتون کو عزالدین کی نیت کا پتہ خادمہ سے چل چکا تھا اس لیے اس نے اپنے اس دوسرے خاوند کی ایسی باتوں سے اپنے آپ کو اس خود فریبی میں مبتلا نہ کیا کہ وہ پیار کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ ایک ہی بار، آج ہی، اُس کی نیت کو بے نقاب کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھی۔ وہ کم عمر لڑکی نہیں پختہ کار عورت تھی۔

"مگر جس طرح مجھے اس کمرے میں قید کر دیا گیا ہے یہ مجھے پسند نہیں۔" رضیع خاتون نے کہا۔ "میں آپ کے حرم کی کوئی زرخرید لڑکی نہیں۔"

"رضیع خاتون!" عزالدین نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہا۔۔۔ "تمہیں وہ ازدواجی زندگی ذہن سے اتارنی ہوگی جو تم نے زنگی مرحوم کے ساتھ گزاری ہے۔ انہوں نے تمہیں جو آزادی دے رکھی تھی، وہ مجھے پسند نہیں اور یہ کسی بھی خاوند کو پسند نہیں آسکتی۔۔۔۔ کیا تم باہر گھومنا پھرنا چاہتی ہو؟ چار گھوڑوں کی بگھی موجود ہے۔ جب چاہو باہر جا سکتی ہو۔"

"جسے محل کے اندر گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں اُسے باہر جانے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔۔۔ "کیا واقعی آپ نے حکم دیا ہے کہ میں محل کے اندر کہیں نہیں جا سکتی؟"

"میں نے یہ حکم تمہاری سلامتی کے لیے دیا ہے۔" عزالدین نے جواب دیا۔۔۔ "تم جانتی ہو کہ حلب اور دمشق میں کیسی خونریز خانہ جنگی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی نے تمہارے بیٹے کو شکست دے کر اُسے اطاعت کا معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا مگر یہاں کے لوگوں کے دلوں سے وہ دشمنی نکلی نہیں۔ محل کے اندر ایسے افراد موجود ہیں جو تمہیں اور سلطان ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ سلطان ایوبی کی فوج کے ہاتھوں اُن کے گھر تباہ ہوئے اور اُن کے جوان بیٹے مارے گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تم سلطان ایوبی کی حامی ہو اور دمشق پر تم نے قبضہ کرایا تھا۔ اِن میں سے کوئی بھی تمہیں قتل یا اغوا کر سکتا ہے۔"

"وہ آپ کو بھی قتل کر سکتے ہیں کیونکہ آپ صلاح الدین ایوبی کے دوست اور اتحادی ہیں۔"۔۔۔ رضیع

خاتون نے کہا۔ "تو کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ اس قسم کے افراد کو جو اتحادِ اسلامی کے خلاف ہیں پکڑا جائے؟ کیا آپ کے پاس ایسے جاسوس اور مخبر نہیں ہیں جو تخریبی عناصر کا سراغ لگا کر انہیں پکڑوا سکیں؟"

"میں تمام انتظامات کر رہا ہوں۔" عزالدین نے ایسے لہجے میں کہا جو اکھڑا اکھڑا سا تھا جیسے اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ "میں تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔"

"کیا یہ خطرہ محل کے اندر ہے؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔ "آپ نے مجھے چار گھوڑوں کی بگھی پر جہاں میں جاہوں باہر گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی ہے۔ کیا باہر مجھے کوئی قتل یا اغوا نہیں کر سکے گا؟" عزالدین کچھ جواب دینے ہی لگا تھا۔ رضیع خاتون نے اسے بولنے نہ دیا اور کہا۔ "میں نے آپ کے ساتھ شادی صرف اس لیے کی ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم اپنا جو مقصد اُدھورا چھوڑ کر فوت ہو گئے ہیں، وہ آپ، سلطان صلاح الدین اور میں مل کر پورا کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اگر ابھی تک آپ کے زیرِ سایہ ایسے عناصر پرورش پا رہے ہیں جو ایک اور خانہ جنگی کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں تو ان کا خاتمہ کیا جائے اور قوم میں اتحاد پیدا کر کے صلیبیوں کو اس سرزمین سے بے دخل کیا جائے۔"

"کیا تمہیں یہ شک ہے کہ میں سلطان ایوبی کا اتحادی نہیں؟"

"کیا آپ مجھے یقین دلا سکتے ہیں کہ اس محل پر صلیبیوں کے وہ اثرات جو میرے بیٹے نے پیدا کیے تھے ختم ہو گئے ہیں؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔ "کیا آپ کے تمام امراء اور سالار بغداد کی خلافت کے وفادار ہیں؟"

"تم یہاں سفیر بن کے آئی ہو یا میری بیوی؟" عزالدین نے قدرے طنز سے کہا۔

"میں جو ارادے لے کے آئی ہوں وہ بتا چکی ہوں۔" رضیع خاتون نے کہا۔ "میں اپنے بطن سے آپ کے بچے پیدا کرنے اور صرف بیوی بن کے اس کمرے میں بند رہنے کے لیے نہیں آئی۔ میں محل میں گھوم پھر کر یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ حلب صلیب کے سائے سے محفوظ ہے۔ اگر نہیں تو اس عظیم شہر کو محفوظ کرنا ہے۔ میں اپنے اس ارادے سے باز نہیں آ سکوں گی۔"

"میں تمہیں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ میرے کسی کام میں دخل نہ دینا۔" عزالدین نے کہا۔ "تم میری بیوی ہو اور یہی تمہاری حیثیت رہے گی۔ اگر تم آزاد ہونے کی کوشش کرو گی تو میں نے تمہیں بگھی پر باہر جانے کی جو اجازت دی ہے، وہ روک لوں گا۔"

"اگر میں یہ شرط قبول نہ کروں تو؟"

"تو اس کمرے میں قید رہو گی۔" عزالدین نے جواب دیا۔ "تم مجھ سے طلاق نہیں لے سکتی اور میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔" عزالدین باہر نکل گیا۔

☆

"آپ نے غلطی کی ہے۔" خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا۔ خادمہ پچھلے دروازے کے ساتھ کان لگائے

عزالدین اور رضیع خاتون کی باتیں سن رہی تھی۔ عزالدین نکل گیا تو خادمہ پچھلے دروازے سے اندر آگئی۔ اس نے کہا۔ "اگر آپ ضد کریں گی تو یہ شخص آپ کو فی الواقع ایسی قید میں ڈال دے گا جو ہو گی آزادی مگر قید سے بدتر ہو گی۔ اب آپ نے آقا کی نیت جان لی ہے۔ اب ان کے ساتھ اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔ ان کے سامنے خوش رہیں۔ بظاہر بے حس ہو جائیں۔ آپ جو ارادے لے کے آئی ہیں وہ ہم پورے کریں گے۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ آقا نے آپ کو بگھی پر باہر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ ہم آپ کو اپنے کمانڈر سے ملائیں گے اور اگر اسحاق ترک آ گیا تو اس کی بھی ملاقات آپ سے کرائیں گے۔"

دروازہ آہستہ سے کھلا۔ دونوں نے دیکھا۔ رضیع خاتون کی بیٹی شمس النساء تھی۔ وہ دروازے میں رُکی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی مگر آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ مسکراہٹ آنسوؤں میں بہہ گئی۔ ماں نے آگے بڑھ کر بیٹی کو گلے لگا لیا اور دونوں کی ہچکیاں سنائی دینے لگیں۔ خادمہ باہر نکل گئی۔ کچھ دیر دونوں الملک الصالح کو یاد کر کے روتی رہیں۔

"تم اتنے دن کہاں رہی؟" رضیع خاتون نے پوچھا۔

"چچا (عزالدین) نے آپ سے ملنے سے منع کر دیا تھا۔"

"وجہ پوچھی تھی اُن سے؟"

"انہوں نے گول گول اور مبہم سی وجہ بتائی تھی۔" شمس النساء نے جواب دیا۔ "ابھی ابھی انہوں نے کہا ہے کہ اپنی ماں کے پاس جاتی رہا کرو۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ میں بہت مصروف ہوتا ہوں، تم اپنی ماں کے ساتھ زیادہ وقت گزارا کرو۔"

"انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اپنی ماں پر نظر رکھا کرو اور مجھے بتایا کرو کہ اس کے پاس کون آتا ہے اور کیا باتیں ہوتی ہیں؟"

"ہاں۔" شمس النساء نے معصومیت سے جواب دیا۔ "انہوں نے کچھ ایسی باتیں کی تو تھیں جو میں سمجھ نہیں سکی۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ اچھا بتایا کروں گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تمہاری ماں ضدی، وہمی اور جھگڑالو معلوم ہوتی ہے، اُسے یہ بتایا کرو کہ میں بہت مصروف اور پریشان رہتا ہوں۔"

"سنو بیٹی!" رضیع خاتون نے کہا۔ "اب یہ معصومیت اور بھولپن ترک کر دو۔ تم جوان ہو گئی ہو۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔ مجاہدوں کی بیٹیوں کے ہاتھوں پر لہو کی مہندی لگا کرتی ہے۔ زندہ قوموں کی بیٹیوں کی ڈولی کم ہی اٹھا کرتی ہے۔ اُن کی لاشیں میدانِ جنگ سے اٹھائی جاتی ہیں۔ تمہاری بدنصیبی یہ ہے کہ تم اپنے بھائی اور اس کے مشیروں کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہو۔ یہ سب غدار ہیں۔ تمہارا بھائی بھی غدار تھا۔ تم نے اپنے بھائی کی فوج کو اپنے باپ کی فوج اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑتے دیکھا ہے۔ تمہارا بھائی، جسے میں اپنا بیٹا کہنے سے شرمندگی محسوس کرتی ہوں، صلیبیوں کا دوست تھا۔ ان صلیبیوں کا دوست جو تمہارے مذہب کے دشمن ہیں۔ تمہارا باپ ساری عمر اُن کے خلاف لڑتا رہا ہے۔"

"بھائی الصالح کہا کرتا تھا کہ صلیبی بڑے اچھے لوگ ہیں" شمس النسار نے کہا۔ "وہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں کیا کرتا تھا۔"

ماں نے شمس النسار کو بتایا کہ صلیبیوں کے عزائم کیا ہیں اور یہ بھی کہ ان کی دوستی میں بھی دشمنی ہے۔ رضیع خاتون بولتی جارہی تھی اور شمس النسار کی آنکھیں کھلتی جارہی تھیں۔ ماں کا ایک ایک لفظ بیٹی کے دل میں اترتا جارہا تھا۔ اس میں ماں کا سحر بھی شامل تھا جس سے بیٹی مسحور ہوتی جارہی تھی۔

"مسلمان کا کوئی دوست نہیں" رضیع خاتون نے کہا۔ "دنیا کی ہر وہ قوم جو رسولؐ خدا کا کلمہ نہیں پڑھتی مسلمانوں کی دشمن ہے اور ان کی دشمنی کی سب سے زیادہ خطرناک صورت ان کی دوستی ہے۔ صلیبیوں نے حلب موصل اور حران کے امراء سے دوستی کر کے ہماری قوم کو دو دھڑوں میں کاٹ دیا۔ تمہارا بھائی اُن کے ہاتھوں کھیلتا رہا۔ خدا اور اس کے رسول صلعم کا حکم یہ ہے کہ اُمت کا دھڑوں میں تقسیم ہونا گناہ ہے کیونکہ یہ تقسیم دھڑوں کو آپس میں لڑاتی ہے۔ قرآن کا حکم بالکل واضح ہے کہ کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہو، مگر کفار نے عیاشی کا سامان مہیا کر کے اس دیوار میں شگاف ڈال دیئے تھے۔ شیطان کی باتوں میں جادو کا اثر ہوتا ہے، عورت، شراب، زر و جواہرات اور بادشاہی کے خواب انسان کو گہری نیند سلائے رکھتے ہیں۔ شیطان کا یہ کام صلیبیوں نے کیا۔"

"میں نے یہ سب اپنی آنکھوں اس محل میں دیکھا ہے" شمس النسار نے کہا۔ "میں اُس وقت چھوٹی تھی، کچھ سمجھ نہیں سکی۔ مجھے جب بھائی الصالح نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس اعزاز کا قلعہ مانگنے کے لیے بھیجا تھا تو میں ہنستی کھیلتی یہاں کے سالاروں کے ساتھ سلطان کے پاس گئی تھی۔ مجھے کسی نے نہیں بتایا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ خانہ جنگی تھی جو صلیبیوں کی کارستانی تھی۔ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا ماں! مجھے بتاؤ، مجھے بتاؤ۔"

"ہاں بیٹی!... غور سے سنو" رضیع خاتون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "اس محل میں ابھی تک شیطان کی حکمرانی ہے۔ عزالدین نے میرے ساتھ شادی کر کے مجھے اپنی بیوی نہیں اپنا قیدی بنا لیا ہے۔ میں نے یہ شادی صرف اس لیے قبول کی تھی کہ خانہ جنگی کے امکانات کو ختم کر کے قوم میں اتحاد پیدا ہو اور صلیبیوں کے خلاف محاذ آرائی کی جاسکے مگر میں نے زندگی میں پہلی بار دھوکہ کھایا ہے اور یہ کوئی معمولی سا دھوکہ نہیں۔ میں اسی صورت حال میں اپنے عزم کی تکمیل کروں گی۔ اس کے لیے مجھے تمہارے ساتھ اور تعاون کی ضرورت ہوگی۔"

"مجھے بتائیں" شمس النسار نے کہا۔ "آپ پہلی بار دھوکے میں آئی ہیں اور میں پہلی بار اصل صورت حال سے آگاہ ہوئی ہوں۔ یہ بتا دیں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"جاسوسی" رضیع خاتون نے کہا اور اسے تفصیل سے ہدایات دینے لگی۔

شمس النسار جب اس کمرے سے نکلی اُس کی ذات اور اُس کے خیالات میں انقلاب آچکا تھا۔ وہ جس

کمرے میں داخل ہوئی تھی تو بے پروا اور کھلنڈری سی لڑکی تھی۔ جب کمرے سے نکلی تو اللہ کی راہ میں قربان ہونے والی مجاہدہ تھی۔

☆

"آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میری ماں جھگڑالو اور وہمی ہے؟" شمس النساء نے عزالدین سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ اُن کی زندگی کیسی گزری ہے۔ وہ آپ کو بھی میرے باپ نورالدین زنگی مرحوم جیسا نامور جنگجو اور مجاہدِ اسلام بنانا چاہتی ہیں۔"

"وہ میرے کاموں میں دخل دینا چاہتی ہے" عزالدین نے کہا۔ "اُسے یہ وہم ہے کہ میں صلیبیوں کا دوست ہوں۔"

"میں نے انہیں روک دیا ہے" شمس النساء نے کہا۔ "ان کا یہ وہم بھی دُور کر دیا ہے کہ آپ صلیبیوں کے دوست ہیں۔ انہیں غلط نہ سمجھیں۔ ان پر غیر ضروری پابندیاں عائد نہ کریں۔"

"میں نے کوئی پابندی عائد نہیں کی" عزالدین نے کہا۔ "بگھی ہر وقت موجود ہے۔ اپنی ماں کو جب چاہو سیر کرانے لے جایا کرو۔"

ان کے درمیان اسی موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ عزالدین نے شمس النسار کی باتوں کو سچ مان لیا۔ یہ باتیں عزالدین کے دفتر میں ہو رہی تھیں۔ شمس النسار وہاں سے نکلی تو باہر عامر بن عثمان کھڑا تھا۔ اُس کی عمر ابھی تیس برس نہیں ہوئی تھی۔ وجیہہ اور بڑا ہی پُرکشش جوان تھا۔ تیر اندازی اور تیغ زنی میں اس کا مقابلہ کوئی کم ہی کر سکتا تھا۔ دماغ کا بھی تیز تھا۔ وہ الملک الصالح کے خصوصی محافظ دستے کا کماندار تھا۔ اسی عمر میں اسے جسمانی اور ذہنی چستی کی بدولت اتنا بڑا عہدہ اور اتنی نازک ذمہ داری دے دی گئی تھی۔ اس کی رہائش محل کے اندر ہی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے سے وہ شمس النسار میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ شمس النسار کو پہلے ہی وہ اچھا لگتا تھا۔ اس لڑکی میں کھلنڈرا پن سا تھا۔ اُسے باپ کی عظمت اور عزم سے کسی نے کبھی آگاہ نہیں کیا تھا۔ اُسے محل میں بے ضرر فرد سمجھا جاتا تھا۔ اس کا بھائی مر گیا تو عزالدین نے بھی اُسے بھولی بھالی اور کھلنڈری لڑکی سمجھ کر آزادی دیئے رکھی۔ اسی لیے وہ عامر بن عثمان سے ملتی ملاتی رہی۔

اب وہ جوان ہو گئی تھی۔ عمر سولہ برس تھی۔ اُس دور میں لڑکیاں قد کاٹھ کے لحاظ سے عمر سے زیادہ جوان لگتیں اور بعض اسی عمر میں ایک دو بچوں کی مائیں بن جایا کرتی تھیں۔ شمس النسار تو حکمران خاندان کی شہزادی تھی۔ اپنے قدرتی حُسن سے کچھ زیادہ ہی حسین لگتی تھی۔ عامر بن عثمان میں اُس کی جو دلچسپی تھی اس کا رنگ بدل چکا تھا۔ کبھی وہ اُسے چھیڑ کر بھاگ جایا کرتی تھی مگر اب اُسے دیکھ کر شرما جاتی اور اُسے چوری چھپے ملا کرتی تھی۔ یہ پاک محبت تھی جس کی شدت نے انہیں روح کی گہرائیوں تک ایک دوسرے کا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے شادی کے عہد و پیمان کر رکھے تھے۔ مشکل یہ تھی کہ عامر بن عثمان شمس النسار کے خاندان کا ادنیٰ ملازم تھا۔ وہ اس لڑکی کے رشتے کی توقع رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی اُس نے گھر والوں کا طے کیا ہوا رشتہ قبول کرنے

سے انکار کر دیا تھا۔

شمس النساء عزالدین کے دفتر سے نکلی تو عامر باہر کھڑا تھا۔ شمس النساء اسے دیکھ کر مسکرائی اور اشارہ کر کے چلی گئی۔ عامر اس اشارے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے سر ہلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ ضرور آؤں گا۔

☆

جگہ پودوں اور درختوں میں ڈھکی چھپی تھی۔ اوپر رات کی تاریکی نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ عامر بن عثمان اور شمس النساء محل کی رونق اور ہما ہمی سے بے نیاز اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے پُر شباب جذبات پر والہانہ محبت کا نشہ طاری تھا۔

"میں آج اپنی ماں سے ملی ہوں" شمس النساء نے بتایا۔ "اور اب اُنہی کے ساتھ رہا کروں گی"

"تمہاری ماں بھی شاہی خاندان کی خاتون ہیں" عامر نے کہا۔ "وہ تمہیں کسی شہزادے کے ساتھ ہی بیاہنا پسند کریں گی"

"نہیں" شمس النساء نے کہا۔ "وہ شاہی خاندان کی ضرور ہیں لیکن اُس خیمے میں رہنا پسند کرتی ہیں جو محاذ کے بالکل قریب ہو۔ وہ مجھے بھی سپاہی بنانا چاہتی ہیں"

"کیا یہ اُمید رکھی جاسکتی ہے کہ تم ان سے میرے متعلق بات کرو اور وہ مان جائیں" عامر نے پوچھا۔

"اگر میں نے اُن کی وہ اُمیدیں پوری کر دیں جو انہوں نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہیں تو میں اُن سے اپنی ہر خواہش منوا سکتی ہوں" شمس النساء نے جواب دیا۔ "تمہیں بھی اُن کی امید پوری کرنی ہوگی"

"انہوں نے میرا نام لیا تھا؟"

"نہیں" شمس النساء نے جواب دیا۔ "انہوں نے مجھے اپنا مقصد بنا لیا ہے جس کی تکمیل کے لیے انہیں میرے تعاون کی ضرورت ہے اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں یہ مقصد اور اپنے فرائض بتاؤں میں تم سے حلف لینا چاہتی ہوں کہ تم مدد کرو یا نہ کرو، اس مقصد کو اور میری سرگرمیوں کو راز میں رکھو گے"

"اور اگر میں حلف نہ دوں تو؟" عامر نے ہنستے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

شمس النساء پرے ہٹ گئی۔ عامر پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔ شمس النساء نے کہا۔ "میں نے پہلے بھی وعدہ کیا ہے اور آج بھی قسم کھو گے کھا کر اپنا وعدہ دہراؤں گی کہ میری شادی ہوگی تو تمہارے ساتھ ہوگی لیکن اس سے پہلے ہمیں وہ کام کرنا ہوگا جو ماں نے مجھے بتایا ہے"

عامر بن عثمان کو حیرت اس پر ہوئی کہ شمس النساء کو اُس نے ایسی سنجیدگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ چونکا اور بولا۔ "کیا تمہارے دل میں میری اتنی سی محبت رہ گئی ہے کہ تم مجھ سے حلف لینا ضروری سمجھتی ہو؟"

"کام کچھ ایسا ہی ہے کہ حلف ضروری ہے" شمس النساء نے جواب دیا۔ "میں تو اپنی ماں کا حکم مانتے ہوئے جان بھی دے دوں گی۔ تم شاید ساتھ نہ دے سکو"

"میں تمہاری محبت کی خاطر جان دے دوں گا"

"نہیں" شمس النساء نے کہا۔ "محبت کی خاطر نہیں، اسلام کی عظمت کی خاطر۔ اس اسلام کی خاطر نہیں جو اس محل کے اندر ہم دیکھ رہے ہیں۔ میں اُس اسلام کی بات کر رہی ہوں جس کی خاطر میرے مرحوم والد نے لڑتے عمر گزاری ہے اور جس کی خاطر صلاح الدین ایوبی لڑ رہا ہے"

"میں قرآن کے نام پر حلف دیتا ہوں کہ مجھے جو فرض سونپا جائے گا جان کی بازی لگا کر پورا کروں گا" عامر بن عثمان نے شمس النساء کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "اگر میں نے اس حلف کی خلاف ورزی کی تو مجھے جان سے مار دیا جائے اور میری لاش کتوں اور گیدڑوں کے آگے پھینک دی جائے..... اب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"جاسوسی" شمس النساء نے کہا۔ "سلطان صلاح الدین ایوبی مصر میں ہیں۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے میرے بھائی الملک الصالح کے ساتھ جو دوستی اور آئندہ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا تھا وہ اس کی وفات کے بعد بھی قائم ہے۔ مگر تم زیادہ اچھی طرح جانتے ہو کہ معاہدے کے باوجود حلب کی امارت صلیبیوں کے اثرات سے پاک نہیں رہی۔ عزالدین کو سلطان صلاح الدین ایوبی اپنا دوست سمجھتا ہے لیکن میری ماں کسی اور خطرے کا اظہار کر رہی ہے"

"آقا اور تمہاری والدہ کی شادی کے بعد کوئی خطرہ نہیں رہنا چاہیے" عامر نے کہا۔

"اصل خطرہ شادی سے ہی شروع ہوا ہے" شمس النساء نے کہا۔ "یہ شادی دراصل قید ہے جس میں میری ماں کو ڈال دیا گیا ہے۔ عزالدین نے یہ شادی اس مقصد کے لیے کی ہے کہ دمشق والوں کو کوئی صحیح راہ دکھانے والا نہ رہے..... ہمیں اس محل کے ڈھکے چھپے بھید معلوم کر کے قاہرہ تک پہنچانے ہیں۔ یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ صلیبیوں کی نیت اور ارادے کیا ہیں۔ کیا وہ ایک بار پھر ہماری افواج کو خانہ جنگی میں مروانا چاہتے ہیں یا وہ کوئی اور جنگی اقدام کریں گے۔ تم ایسی جگہ پر ہو جہاں تمہیں بہت کچھ نظر آسکتا ہے۔ تم عزالدین کے خصوصی محافظ دستے کے کماندار ہو"

"میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں" عامر بن عثمان نے کہا۔ "تم نے ٹھیک کہا ہے کہ میں ایسی جگہ پر ہوں جہاں مجھے بہت کچھ نظر آتا ہے۔ شمسی! میں جو دیکھتا رہا ہوں اور جو دیکھ رہا ہوں اس پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میں مرد مجاہد سے ملازم بن گیا تھا۔ جب سپاہی مجاہد سے ملازم بن جاتا ہے تو یہی کچھ ہوتا ہے جو اس محل میں ہو رہا ہے۔ سپاہی کو اپنی ملازمت سے غرض ہوتی ہے۔ وہ دشمن کا خون بہانے کی بجائے خوشامدی بن جاتا ہے تاکہ اوپر والے اس پر خوش رہیں۔ انعام واکرام ملتا رہے اور ترقی ملے۔ خون اور خوشامد میں اتنا ہی فرق ہے جتنا فتح اور شکست میں۔ مجھے کسی نے کبھی نہیں بتایا کہ سپاہی کا فرض صرف باہر کے حملے کو روکنا نہیں بلکہ اندر کے خطروں کے خلاف لڑنا بھی ہے۔ سپاہی کا فرض یہ بھی ہے کہ اگر ملک اور قوم کو اپنے ہی حکمران کی طرف سے خطرہ ہو تو اس کا سینہ تیروں سے چھلنی کر کے اسے قلعے سے باہر پھینک دے..... تم نے مجھے فرض یاد دلا دیا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کسی کو قتل کرنا ہے یا صرف اندر کے راز ہی معلوم کرنے ہیں"

"دونوں کام کرنے ہیں!" شمس النساء نے جواب دیا۔ "راز معلوم کرنے کے لیے کسی غدار کو قتل کرنا پڑے

ایک کشتی آگئی جس میں دو گھوڑے اور دو قاصد تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ ساحل پر کس جگہ اتریں، اور وہاں سے کس سمت جائیں۔ انہیں بتا دیا گیا کہ وہ سلطان ایوبی کو کیا خبر دیں گے۔

☆

یہ بادبانی کشتی تھی۔ ہوا کا رخ موافق تھا۔ بیروت سے دُور جنوب کی طرف ساحل سے جا لگی۔ وہاں چٹانیں تھیں۔ قاصدوں نے گھوڑے اتارے، اُن پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ کشتی وہیں چٹانوں میں چھپا دی گئی۔

قاصد رات کو پہنچے مگر سلطان ایوبی فرنگیوں کے پھندے میں آ چکا تھا۔ اُس نے بیروت کو محاصرے میں لے لیا تھا۔ خشکی کی تمام اطراف اُس نے فوج کو پھیلا دیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے محفوظہ کے ایک دستے کو جوابی حملے کے لیے استعمال کیا مگر فرنگیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ اگلے روز محاصرے کے ایک اور حصّے پر ایسا حملہ ہوا۔ سلطان ایوبی نے اس کے خلاف بھی محفوظہ کو بھیجا۔ تب سلطان نے محسوس کیا کہ وہ محفوظہ کو استعمال کیے بغیر جنگ جیت لیا کرتا تھا مگر یہاں اُس کے محفوظہ کی آدھی قوت ابتدا میں ہی لڑائی میں جھونکی گئی تھی۔ وہ محاصرے کو کمزور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُسے کچھ شک ہونے لگا۔

اُس کا دیکھ بھال (ریکی) اور چھاپہ ماروں کا انتظام نہایت اچھا تھا۔ اُسے اطلاعیں ملنے لگیں کہ عقب میں بہت دشمن موجود ہے۔ ایک چھاپہ مار جیش میں سے صرف ایک سپاہی خون میں ڈوبا ہوا بچ کر آیا۔ وہ صرف یہ بتا کر شہید ہو گیا کہ اُس کا پورا جیش فرنگیوں کے پورے دستے کے گھیرے میں آ گیا تھا۔ کوئی بھی زندہ نہیں رہا، اور یہ کہ ہمارا محاصرہ فرنگیوں کی بہت بڑی فوج کے محاصرے میں ہے۔

اُس کے فوراً بعد سمندری قاصد پہنچ گئے۔ انہوں نے سمندر کی خبر سنائی اور حسام الدین کے لیے حکم مانگا۔

"صلیبیوں کو میں نے اس طرح تیاری کی حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا" سلطان ایوبی نے اپنی ہائی کمان کے سالاروں وغیرہ سے کہا۔ "صاف پتہ چل رہا ہے کہ انہیں قبل از وقت پتہ چل گیا ہے کہ ہم بیروت کے محاصرے کے لیے آ رہے ہیں۔ ہم خود محاصرے میں آ گئے ہیں۔ اپنے مستقر سے اتنی دُور آ کر میں ہاری ہوئی جنگ نہیں لڑ سکتا۔" اُس نے حسام الدین کے قاصدوں سے کہا۔ "حسام الدین سے کہو کہ بیڑہ واپس لے جائے اور اس میں جو فوج ہے وہ سکندریہ اُتر کر دمشق روانہ ہو جائے۔"

قاصد چلے گئے تو سلطان ایوبی نے موصل کی طرف پسپائی کی ہدایت دینی شروع کر دی، لیکن پسپائی آسان نہیں تھی۔ اس کے لیے بھی چھاپہ ماروں کو استعمال کیا گیا۔ راتوں کو دستے آہستہ آہستہ سمیٹے اور نکالے گئے۔ کچھ جھڑپیں ہوئیں لیکن چھاپہ ماروں اور حفاظتی دستے (رئیر گارڈ) نے جان اور خون کی قربانیاں دے کر فوج کو وہاں سے نکال لیا۔ فرنگیوں نے تعاقب نہ کیا۔

موصل کے راستے میں سلطان ایوبی کو موصل سے آیا ہوا ایک جاسوس ملا جس نے اُسے اسحاق ترک کی واپسی اور موصل کے والی عزالدین کے عزائم کے متعلق پوری اطلاع دی۔ سلطان غصّے سے لال ہو گیا۔ اُس نے حکم

دے دیا کہ موصل کو محاصرے میں لے لیا جائے۔

قاضی بہاؤالدین شدّاد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے — "سلطان صلاح الدین ایوبی بروز جمعرات گیارہ رجب ۵۷۸ ہجری (۱۰ نومبر ۱۱۸۲ء) موصل کے قریب پہنچا۔ میں اُس وقت موصل میں تھا۔ عزالدین نے مجھے کہا کہ میں خلیفہ کی مدد حاصل کرنے جاؤں۔ میں دجلہ کے ساتھ ساتھ اتنی تیز رفتاری سے گیا کہ دو دن [illegible] گھنٹوں میں بغداد پہنچ گیا۔ خلیفہ نے مجھے کہا کہ وہ شیخ العلماء سے کہیں گے کہ موصل والوں اور سلطان ایوبی کے درمیان صلح صفائی کرا دیں۔ موصل کے والی نے آذربائیجان کے حکمران کو مدد کے لیے کہہ دیا تھا مگر اس حکمران نے جو شرائط پیش کیں، اُن سے بہتر یہ تھا کہ عزالدین سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دے۔"

صلح صفائی کی بات چیت ہونے لگی۔ ۱۶ شعبان ۵۷۸ ہجری (۱۵ دسمبر ۱۱۸۲ء) کے روز سلطان ایوبی نے موصل کا محاصرہ اٹھا لیا اور نصیبیہ کے مقام پر فوج کو لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔

"بیروت کا محاصرہ صلیبیوں نے نہیں میرے ایمان فروش بھائیوں نے ناکام کیا ہے۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا — "میں آپس کے خون خرابے سے بچنا چاہتا تھا مگر یہ ممکن نظر نہیں آتا۔"

☆

سُنّت، سارہ اور صلیب

بیروت کے محاصرے کی ناکامی سلطان صلاح الدین ایوبی کی دوسری شکست تھی۔ اس ناکامی میں اُس نے کھویا کچھ بھی نہیں تھا مگر پایا بھی کچھ نہیں تھا اس لیے وہ اسے اپنی شکست سمجھتا تھا۔ اگر سلطان ایوبی کی نہیں تو یہ اُس کی انٹیلی جنس کی شکست ضرور تھی۔ بیروت والوں کو قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ سلطان ایوبی بیروت کو محاصرے میں لینے آ رہا ہے۔ صلیبیوں کو یہ خبر قاہرہ سے ہی ملی ہو گی، حالانکہ سلطان نے اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں کے سوا کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا تھا کہ اُس کا ہدف کیا ہے۔

"آپ اسے شکست نہ کہیں"۔ ایک سالار نے سلطان ایوبی کو مایوسی کے عالم میں دیکھ کر کہا۔ "بیروت وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔ وہیں رہے گا۔ ہم اس شہر پر ایک اور حملہ کریں گے"۔

"اتنا بڑا شکار میرے ہاتھ سے نکل گیا"۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ "میں اسے محاصرے میں لینے اور اس پر قابض ہونے آیا تھا لیکن میں خود محاصرے میں آگیا اور مجھے محاصرہ اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ یہ شکست نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ شکست ہے۔ میرے مشیروں اور سالاروں میں بھی ایمان فروش موجود ہیں"۔

خیمے میں سناٹا طاری ہو گیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی نعیبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ بہت دن گزر گئے تھے۔ اُس کی فوج بہت تھکی ہوئی تھی۔ بہت سی نفری زخمی بھی تھی۔ اُس نے قاہرہ سے بیروت تک بہت تیز پیش قدمی کرائی تھی۔ ہفتوں کا فاصلہ دنوں میں طے کیا تھا۔ فاصلہ طے کرنے کے فوراً بعد فوج کو صلیبیوں کے محاصرے سے نکلنے کے لیے خونریز لڑائی لڑنی پڑی، پھر تیز رفتار پسپائی ہوئی۔ سلطان ایوبی نے فوج کو مکمل آرام دینے کے لیے نعیبہ کے مقام پر پڑاؤ کیا.... آرام فوج کے لیے تھا سلطان ایوبی کی تو نیند بھی اُڑ گئی تھی۔ دن کو وہ بے چینی سے خیمے میں ٹہلتا یا باہر نکل کر اِدھر اُدھر گھومتا رہتا تھا۔ اپنے سالاروں کے ساتھ بھی کم ہی بولتا تھا۔ اسی کیفیت میں اسے ایک سالار نے کہا کہ اسے شکست نہ کہیں سلطان ایوبی کا جواب سُن کر سالار خاموش ہو گیا۔ سلطان ایوبی اپنے خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ وہاں ایک سالار اور بھی تھا۔ بہت دیر تک دونوں سالار خاموش رہے۔ سلطان ایوبی کے مزاج میں جیسے غصہ تھا ہی نہیں، پھر بھی سالار اس کے ساتھ بات کرتے ڈرتے تھے۔

"تم دونوں کیا سوچ رہے ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ آپ اسی طرح مایوسی اور غصے کی حالت میں رہے تو آپ کے فیصلے مزید نقصان

کا باعث بنیں گے۔" ایک سالار نے کہا۔ "میں نے آپ کو اس حالت میں رملہ کی شکست کے وقت بھی نہیں دیکھا تھا۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کریں اور اس جذباتی کیفیت سے نکلنے کی کوشش کریں۔"

"اور میں سوچ رہا ہوں کہ کفار ہماری جڑوں میں اُتر گئے ہیں۔" دوسرے سالار نے کہا۔ "ہم اس وقت اپنی سرزمین پر کھڑے ہیں۔ ہماری جنگ صلیبیوں سے ہے اور ہمارا مقصد فلسطین کی آزادی ہے مگر مسلمان امراء میں سے کوئی ایک بھی امیر ہمارے پاس نہیں آیا۔ عزالدین اور عمادالدین کہاں ہیں؟ کیا انہوں نے ہمارے ساتھ معاہدہ نہیں کیا تھا کہ ضرورت کے وقت ہمیں اپنی فوج دیں گے؟ ان کا یہ سرد رویّہ بتاتا ہے کہ وہ ابھی تک صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ تو کیا ہم آپس میں لڑتے رہیں گے؟"

سلطان ایوبی خیمے میں ٹہل رہا تھا، رُک گیا۔ آسمان کی طرف دیکھ کر اُس نے آہ بھری اور کہا۔ "میرے رسولؐ کی اُمت کا زوال شروع ہو گیا ہے۔ جب غیر مذہب کے اثرات قبول کیے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جو ہم دیکھ اور بھگت رہے ہیں۔ صلیبی اور یہودی مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے کے لیے انسانی فطرت کی سب سے بڑی کمزوری کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کمزوری لالچ ہے۔ انسانوں پر حکومت کرنے کا لالچ، بادشاہ اور شہزادہ بننے کا لالچ اور یہ لالچ کہ میں روئی جیسے ملائم قالینوں پر چلوں اور لوگ ننگے پاؤں گرم ریت پر چلیں۔ اُن کے پاؤں جلیں تو میرے آگے سجدے کریں۔ جب یہ لالچ دل میں اتر جاتا ہے تو دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔ عقل پر ایسا پردہ پڑتا ہے کہ قومی غیرت اور خودداری بے معنی سے جذبے بن جاتے ہیں۔ جب کوئی انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ غداری کو قابلِ فخر اقدام سمجھتا ہے۔ صلیبیوں نے ہمارے بیشتر امراء کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے۔ انہوں نے اپنی تہذیب کی بے حیائی مسلمانوں میں بھی پھیلا دی ہے۔ جب تہذیب بدل جاتی ہے تو مذہب ایک کمزور سا خول بن کے رہ جاتا ہے جو اُتار کر پھینکا بھی جا سکتا ہے اور قوم کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے اوپر چڑھایا بھی جا سکتا ہے۔"

دونوں سالار خاموشی سے سُن رہے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی ٹھہری آواز میں بول رہا تھا۔ وہ چپ ہو گیا، پھر گہرا سانس لے کر بولا۔ "تم محسوس نہیں کر رہے کہ یہ بھی میری شکست ہے کہ میں جو عمل کے میدان کا مرد ہوں خیمے میں کھڑا عورتوں کی طرح باتیں کر رہا ہوں۔ ہمیں اس وقت بیت المقدس میں ہونا چاہیے تھا۔ میری پیشانی مسجدِ اقصیٰ میں سجدے کرنے کو تڑپ رہی ہے۔ مجھے اُن شہیدوں کے خون کا خراج ادا کرنا ہے جو فلسطین کی آبرو اور آزادی پر قربان ہو گئے ہیں۔" سلطان ایوبی کی آواز میں یکلخت تھرا گیا۔ اُس نے ٹہلتے ٹہلتے رُک کر سالاروں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔ "کیا تم اُن بچوں کا سامنا کر سکتے ہو جنہیں میرے حکم اور میرے عزم نے یتیم کیا ہے؟ کیا تم اُن عورتوں کے سامنے جا کر اپنا سر اونچا کر سکتے ہو جن کے خاوند نعرے لگاتے ہمارے ساتھ آئے اور اُن کے لہولہان جسم گھوڑوں کے سُموں سے قیمہ ہو گئے؟ تم اُن خوبرو اور جوان چھاپہ ماروں کو کیسے بھول سکتے ہو جو ہم سے بہت دُور دشمن کے علاقوں میں دُور اندر جا کر شہید ہو گئے؟... میں اُن میں سے کسی کی ماں کے سامنے جانے سے ڈرتا ہوں۔ ڈرتا اس لیے ہوں کہ اُس نے یہ کہہ دیا کہ میرا بیٹا واپس کرو

یا مجھے قبلۂ اول لے چلو جہاں میں اپنے بیٹے کی شہادت پر شکرانے کے نفل پڑھوں تو میں اس ماں کو کیا جواب دوں گا؟"

"شہیدوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا محترم سلطان!" یہ چھاپہ مار دستوں کے سالار صارم مصری کی آواز تھی جو سلطان ایوبی کے خیمے کے دروازے میں آن کھڑا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کی ادھر پیٹھ تھی۔ "کسی شہید کی ماں اپنے بیٹے کے خون کا حساب نہیں مانگے گی۔ رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والی ماؤں کا دودھ آبِ زمزم جیسا پاک اور مقدس ہے۔ اُس دودھ کے پلے ہوئے بیٹے آپ کے حکم سے نہیں اللہ کے حکم سے لڑا کرتے ہیں۔ آپ اُن کے خون کا خراج اپنے ذمے نہ لیں۔ غداروں کے خون کی بات کریں۔ ہماری تلواریں غداروں کے خون کی پیاسی ہیں۔"

"تم نے میرے حوصلے میں جان ڈال دی ہے صارم!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میرے یہ دونوں رفیق بھی مجھے یہی کہہ رہے تھے کہ مایوس اور جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"ضرورت ہے بھی کیا!" صارم مصری نے کہا۔ "شکست ہے، رسوائی نہیں۔ ہم اسے فتح میں بدل سکتے ہیں اور بدل کر دکھائیں گے۔"

"اگر بات میدانِ جنگ کی ہوتی تو میں ایک بازو کٹوا کر بھی مایوس اور پریشان نہ ہوتا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مشکل یہ پیدا ہو گئی ہے کہ دشمن زمین کے نیچے چلا گیا ہے۔ صلیبی اور یہودی ہماری قوم میں ایسے زہریلے اثرات چھوڑ رہے ہیں جو پُرکشش اور طلسماتی ہیں۔ قوم اور فوج کے متعلق مجھے اطمینان ہے۔ سپاہی اور عام آدمی ان اثرات کو قبول نہیں کرتا۔ انہیں وہ چند ایک افراد قبول کرتے ہیں اور کر چکے ہیں جن کا اثر قوم پر ہے۔ یہ امراء اور حاکموں کا طبقہ ہے۔ ان میں بعض مذہبی پیشوا بھی شامل ہیں اور ان میں چند ایک سالار بھی ہیں جو ریاستوں کے حکمران بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایمان فروشوں کا گروہ ہے جو سیدھے سادے لوگوں کو مذہب کا دھوکہ دے کر اُن میں مذہب کا جنون پیدا کرتے اور انہیں مسلمان بھائیوں کے خلاف اکساتے بھڑکاتے اور اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ مسلمان امراء اور اسی سطح کے طبقے کو اپنے زیرِ اثر لیتے ہیں، پھر یہ طبقہ لوگوں کو مذہب اور محبت کا دھوکہ دیتا اور انہیں بھوکا اور بے بس رکھتا ہے تاکہ لوگ یہ نہ دیکھ سکیں کہ یہ طبقہ در پردہ کیا کر رہا ہے۔"

"مگر ہم عالم نہیں۔" ایک سالار نے کہا۔ "ہم خطیب اور مسجدوں کے امام نہیں کہ تلواریں پھینک کر لوگوں کو وعظ اور خطبے سناتے پھریں۔ ہمیں یہ مسئلہ تلوار سے حل کرنا ہو گا۔ ان پتھروں کو گھوڑوں کے سُموں تلے روندنا ہو گا۔"

"یہ لوگ قرآن کے منکر ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "قرآن کا حکم بڑا واضح ہے کہ کفار کو دوست مت سمجھو۔ ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ تم نہیں جانتے کہ اُن کے دل ہمارے خلاف کدورتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔"

"یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں۔" صارم مصری نے کہا۔ "قرآن کا اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

"یہ صورتِ حال بہت نقصان دہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن بھی ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے اور کفار کے اشاروں پر بھی ناچ رہے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "قوم نے ہمیشہ ایسے ہی سربراہوں کے ہاتھوں دھوکہ کھایا ہے جن کے ہاتھ میں قرآن اور دل میں صلیب ہے۔ یہ لوگ اذان کی آواز پر خاموش ہو جاتے ہیں مگر ان کے

دلوں میں گرجوں کے گھنٹے بجتے ہیں۔ تو تم ان کا اصلی روپ نہیں دیکھ سکتی اور ان کے دل کی آواز نہیں سُن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایک خانہ جنگی میں ایک دوسرے کا خون بہا چکے ہیں اور دوسری خانہ جنگی کی تلوار ہماری گردن پر لٹک رہی ہے۔"

"ہم اس طوفان کو روک سکیں گے۔" ایک سالار نے کہا۔ "لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ ہم اب کوئی معاہدہ اور کوئی صلح نامہ نہ کریں۔ ہمیں اپنے بھائیوں کا خون بہانا پڑے گا اور ہمیں ان کے ہاتھوں مرنا بھی ہوگا۔"

سلطان ایوبی کے چہرے پر اداسی کا سایہ آگیا۔ اس کی آنکھیں جیسے افق پر کسی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ پتہ چل رہا تھا کہ اس کی نظریں آنے والی صدیوں کا سینہ چاک کر رہی ہیں۔ خیمے میں ایک بار پھر گہرا سکوت طاری ہوگیا۔ تینوں سالار اپنے سلطان کے اس تاثر سے جو اُس پر کبھی کبھی طاری ہُوا کرتا تھا اچھی طرح واقف تھے۔

"میرے عزیز رفیقو!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے نظر آرہا ہے کہ میرے رسولؐ کی اُمّت آپس میں لڑ لڑ کر ختم ہو جائے گی۔ صلیبی اور یہودی اسے خانہ جنگی میں اُلجھائے رکھیں گے۔ حکمرانی کا لالچ بھائی کو بھائی کا دشمن بنائے رکھے گا۔ فلسطین خون سے لال ہوتا رہے گا۔ مسلمان حکمران سلطنتوں میں بٹ کر عیش و عشرت میں پڑے رہیں گے۔ ہمارا قبلۂ اوّل اُمّتِ رسول اللہ کو پکارتا رہے گا اور اس پکار کو کوئی مسلمان نہیں سنے گا۔ اگر کوئی فلسطین کی سرزمین کو آزاد کرانے اُٹھے گا تو وہ کوئی ہم جیسا دیوانہ ہوگا۔ ایسے دیوانوں کو خود اپنے مسلمان حکمران دھوکے دیں گے اور در پردہ دوست بنے رہیں گے۔ تم نے کہا ہے کہ ہم اس طوفان کو روک سکیں گے، مگر ہمارے مرنے کے بعد یہ طوفان پھر اُٹھے گا۔"

"پھر ایک اور صلاح الدین ایوبی پیدا ہوگا۔" سالار صارم مصری نے کہا۔ "ایک اور نورالدین زنگی پیدا ہوگا۔ مسلمان مائیں مجاہدین کو جنم دیتی رہیں گی۔"

"اور یہ مجاہدین عیاش حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونے بنے رہیں گے۔" سلطان ایوبی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور وہ وقت بھی آجائے گا جب فوج بھی عیاش سپاہیوں کا گروہ بن جائے گی اور اس کے سالار کفار کے ہاتھوں میں کھیلیں گے۔" سلطان ایوبی اس انداز سے خاموش ہوگیا جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ اُس نے تینوں سالاروں کی طرف باری باری دیکھا اور کہا۔ "مگر ہم یہ باتیں کب تک کرتے رہیں گے؟ ہم چاروں ایک دوسرے کو خطبے سنا رہے ہیں۔ اللہ کے سپاہی خطیب نہیں ہُوا کرتے۔ ہمیں عمل کرنا ہے۔ ہم میدانِ عمل کے مرد ہیں۔ صارم! تم نے میری پہلی ہدایت کے مطابق اپنے چھاپہ مار دستوں کو میری بتائی ہوئی جگہوں پہ پھیلا رکھا ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ہماری یہ خیمہ گاہ کس خطرے میں ہے۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں سلطانِ مُحترم!" سالار صارم مصری نے جواب دیا۔ "ہم بیروت کا محاصرہ اٹھا کر اس طرف آئے تھے تو ہماری توقع کے خلاف صلیبیوں نے ہمارے تعاقب میں فوج نہیں بھیجی تھی، لیکن ہم اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے کہ صلیبی ہمیں بخش دیں گے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کُھلا حملہ نہیں کریں گے۔ وہ ہم پر ہمارے انداز کے شب خون ماریں گے، بلکہ اُن کے چھاپوں اور شب خونوں کا سلسلہ شروع ہو گیا

ہے۔ خیمہ گاہ سے بہت دُور دُور سے فرنگیوں اور ہمارے گشتی دستوں کی چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کی خبریں آنے لگی ہیں۔ میں نے چھاپہ مار دستوں کو دُور دُور تک پھیلا رکھا ہے۔ مجھے شک ہے کہ ان کا اڈہ کہیں باہر نہیں بلکہ موصل میں ہے اور والیٔ موصل عزالدین انہیں پناہ اور مدد دے رہا ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اگر موصل میں ہی صلیبیوں کا خفیہ اڈہ ہُوا تو میں اس کا بندوبست کرلوں گا۔" اُس نے دوسرے دو سالاروں سے کہا۔ "ہمیں مسلمان امراء کے اُن قلعوں پر قبضہ کرنا ہوگا جو موصل اور حلب کے درمیان ہیں۔ میں ان دونوں شہروں کو ایک دوسرے سے کاٹ دینا چاہتا ہوں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ان کے لشکروں کو بھی راستہ نہیں ملے گا۔ میں نے بہت کوشش کی ہے کہ میری تلوار کسی مسلمان کے خلاف نیام سے نہ نکلے لیکن میں ناکام رہا۔ میں اِن حکمرانوں اور امراء کو ختم کروں گا جو صلیبیوں کے دوست ہیں۔ میں خود قوم کی آڑ میں نہیں بیٹھوں گا نہ قوم کا خون بہنے دوں گا۔ میں اُن امراء کو گھٹنوں بٹھاؤں گا جو قوم کو گمراہ کر رہے ہیں۔"

سلطان ایوبی نے نقشہ نکالا اور اپنے سالاروں کو دکھانے لگا۔

☆

بیروت میں بالڈون کے محل میں اُس نے اپنے سالاروں اور تین چار صلیبی حکمرانوں کو مدعو کر رکھا تھا۔ بہت بڑی ضیافت کا اہتمام تھا۔ بے شمار صلیبی مہمانوں میں دو مسلمان بھی شراب کے پیالے اٹھائے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ شراب پیش کرنے والی لڑکیاں ایسے باریک ریشمی لباس میں ملبوس تھیں کہ عریاں لگتی تھیں۔ جوں جوں شراب اثر دکھاتی جارہی تھی لڑکیوں کے ساتھ مہمانوں کی دست درازی بڑھتی جارہی تھی اور لڑکیاں پہلے سے زیادہ بے حیا ہوتی جارہی تھیں۔ ان دو مسلمان مہمانوں کی طرف دوسرے مہمانوں کی نسبت زیادہ توجہ دی جارہی تھی۔ دو لڑکیاں ان کے اردگرد اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی تھیں۔ یہ دونوں مہمان لباس اور شکل و صورت سے کسی شاہی خاندان کے افراد معلوم ہوتے تھے۔

ایک صلیبی آیا۔ دونوں سے کہا کہ انہیں شاہ بالڈون نے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ دونوں شراب کے پیالے رکھ کر چلے گئے۔ وہ جس غلام گردش سے گزر کر بالڈون کے کمرے میں گئے اس میں ایک آدمی ہاتھ میں برچھی اٹھائے فوجی انداز سے ٹہل رہا تھا۔ اس کا لباس خاص قسم کا تھا۔ اُس کے پہلو میں جو تلوار لٹک رہی تھی، اس کی نیام پالش سے چمک رہی تھی۔ اُس کے سر پہ فولاد کی چمکدار خود تھی۔ محل میں اس لباس میں کئی ایک آدمی سینے تانے اور گردنیں اکڑائے ٹہل رہے تھے۔ یہ محل کے خصوصی ملازم تھے جو سالاروں کے کمروں کے سامنے موجود رہتے اور ضیافتوں میں برآمدوں اور غلام گردشوں میں ٹہلتے رہتے تھے۔ فانوسوں کی روشنی میں اُن کا لباس اور اُن کی چال اچھی لگتی تھی۔ یہ دراصل نمائش کے لیے رکھے گئے تھے اور یہ تربیت یافتہ لڑاکے بھی تھے۔

یہ آدمی جس نے دو مسلمانوں کو بالڈون کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا، گورے رنگ کا تھا۔ وہ رُک کر انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ دونوں بالڈون کے کمرے میں داخل ہوگئے اور دروازہ بند ہوگیا۔ اس دروازے کے

سامنے اسی آدمی جیسے لباس میں دو آدمی پہرے پر کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے اُسے کہا — "ہیلو جیکب، اِدھر کیوں گھومتے پھر رہے ہو؟ اُدھر جاؤ جہاں پریاں ناچ رہی ہیں۔ ہم تو یہاں سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔"

جیکب نے اُن کے مذاق کا جواب دے کر کہا — "یہ دو آدمی جو اندر گئے ہیں مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ کون ہیں یہ؟"

"تمہیں ان سے کیا دلچسپی ہے؟"

"تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ ان سے مجھے کیا دلچسپی ہے؟" جیکب نے کہا — "کیا تم جانتے نہیں کہ مسلمانوں کے خلاف کتنی نفرت پائی جاتی ہے؟ یہ دونوں کسی جنونی صلیبی یہودی کے ہاتھوں قتل ہو سکتے ہیں۔ اِن کی حفاظت کی ذمہ داری ہمیں دے دی گئی ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ مسلمان ہیں یا مسلمان علاقے کے عیسائی۔"

"یہ مسلمان علاقے کے مسلمان ہیں۔" اُسے جواب ملا۔ "یقین سے نہیں کہا جا سکتا، جہاں تک ہم جانتے ہیں یہ موصل سے آئے ہیں۔ غالباً عزالدین کے ایلچی ہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی کے خلاف مدد مانگنے آئے ہوں گے۔" جیکب نے کہا — "اِن ایلچیوں کو کون بتائے کہ صلاح الدین ایوبی ختم ہو چکا ہے۔ رملہ سے شکست کھا کر بھاگا تو بیروت کو محاصرے میں لینے آ گیا۔ اُس کے بحری بیڑے کو آگے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ ہماری فوج نے ایوبی کی فوج کا تعاقب نہیں کیا، ورنہ آج ایوبی قید خانے میں ہوتا۔"

"تم اپنا کام کرو دوست!" ایک پہرے دار نے طنزیہ کہا — "سلطان صلاح الدین ایوبی قید ہو گیا تو اُس کی سلطنت تمہیں نہیں ملے گی۔ اگر شاہ بالڈون مارا گیا تو بیروت کی بادشاہی تمہارے نام نہیں لکھی جائے گی۔"

جیکب وہاں سے ہٹ آیا لیکن گھوم گھوم کر بند دروازے کو دیکھتا رہا جس کے پیچھے یہ دونوں مسلمان گم ہو گئے تھے۔

☆

وہ دو تو عزالدین والیٔ موصل کے ہی ایلچی تھے۔ اس سلسلے کی پچھلی قسط میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی جب بیروت کا محاصرہ اُٹھا کر موصل کی طرف گیا تھا تو عزالدین نے قاضی بہاؤالدین شداد کو خلیفہ کی طرف بغداد کو اس عرضداشت کے ساتھ دوڑا دیا تھا کہ سلطان ایوبی کے ساتھ اس کی صلح کرا دیں۔ دوسرے لفظوں میں اُس نے یہ درخواست کی تھی کہ اُسے سلطان ایوبی سے بچایا جائے۔ خلیفہ نے یہ کام شیخ العلماء کے سپرد کر دیا اور سلطان ایوبی نے عزالدین کو بخش دیا۔ عزالدین نے بظاہر سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن اُس نے درپردہ دو ایلچیوں کو صلیبی حکمران بالڈون کے پاس بھیج دیا تھا۔ یہ دو ایلچی اب بالڈون کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

"والیٔ موصل نے کہا ہے کہ آپ نے صلاح الدین ایوبی کا تعاقب نہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔" ایک ایلچی نے بالڈون کو بتایا — "آپ نے اُس کی فوج کو آرام کرنے کا موقعہ دے دیا ہے۔ والیٔ موصل نے کہا ہے کہ میں تحریری پیغام نہیں دے سکتا کیونکہ راستے میں پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ دمشق کی طرف پیشقدمی کریں اور اس شہر کو محاصرے میں لے کر اس پر قبضہ کر لیں۔ آپ کی فوج ایسے راستے سے اور اتنی تیزی سے دمشق پہنچے کہ صلاح الدین ایوبی دمشق بروقت نہ پہنچ سکے۔ میں آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی جب آپ کے حملے کی اطلاع پر یہاں سے روانہ ہوگا تو موصل اور حلب کی فوجیں آمنے سامنے آکر لڑنے کی بجائے اس کی فوج پر شبخون مارتی رہیں گی۔ اس سے اُس کی پیشقدمی بہت سست ہو جائے گی اور آپ دمشق پر آسانی سے قبضہ کر لیں گے۔ ہمارے علاقوں میں جو چھوٹے موٹے امراء ہیں، میں ان سب کو اپنے ساتھ ملا لوں گا۔ آپ ان کے قلعے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں آپ کی فوج کو موصل کے اندر قیام کی اجازت نہیں دے سکتا، کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ میرا اور آپ کا اتحاد ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی کو یہ تاثر دے رہا ہوں کہ میں اُس کا دوست ہوں۔"

ایلچی جب یہ پیغام دے رہے تھے اُس وقت بالڈون کے ساتھ اس کے دو جرنیل تھے جو تبھی کے ایلچی بھی فوجی مشیر تھے۔ جنگی امور کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ بالڈون ان کے ساتھ اس مسئلے پر بحث اور بات چیت کرتا رہا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ مسلمان اُس کے جال میں آ گئے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اپنی شرطیں منوانی شروع کر دیں۔

"عزالدین کو شاید پوری طرح احساس نہیں کہ صلاح الدین ایوبی کو بے خبری میں نہیں دبوچا جا سکتا۔" بالڈون نے کہا — "ہم دمشق کو محاصرے میں لیں گے تو وہ برق رفتار پیشقدمی کر کے ہم پر عقب سے حملہ کر دے گا۔ یہ ممکن نہیں سمجھتا کہ ہم دمشق کی طرف پیشقدمی کریں تو صلاح الدین ایوبی کو قبل از وقت خبر نہ ہو۔ وہ عقاب اور گدھ کی طرح بہت دُور سے شکار کو دیکھ لیتا اور ایسا جھپٹا مارتا ہے کہ پسپائی بھی محال ہو جاتی ہے۔ ہم ابھی کھلی جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہم اس کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ فوری طور پر ہم نے یہ بندوبست کر دیا ہے کہ چھاپہ مار دستے بھیج دیئے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کی فوج کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ ان دستوں کے لیے ہمیں مستقل اڈے کی ضرورت ہے۔ یہ آپ مہیا کر دیں گے تو ہم صلاح الدین ایوبی کی فوج کو صرف چھاپہ مار دستوں سے ہی بے حال کر سکتے ہیں۔ وہ نہ لڑنے کے قابل رہے گا نہ بھاگ سکے گا۔ آپ ہمارے دستوں کو پناہ، مدد اور خوراک وغیرہ مہیا کرتے رہیں۔ ہم اسلحہ اور سامان بھیجتے رہیں گے۔ آپ حلب کے والی عمادالدین سے بھی کہ دیں کہ ہم پر بھروسہ رکھے اور ہمارے چھاپہ مار دستوں کو بوقت ضرورت پناہ اور مدد دیتا رہے۔ دوسرے امراء اور قلعہ دار بھی آپ کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ ان کا خیال رکھیں کہ ان میں سے کوئی صلاح الدین ایوبی کے پاس جا کر اس کا اتحادی نہ بن جائے۔"

اتحاد کی شرائط طے کر لی گئیں۔ عزالدین نے ان ایلچیوں کو پورا اختیار دے رکھا تھا کہ وہ شرائط طے کر آئیں اور وہ جو مراعات صلیبیوں کو دینا مناسب سمجھیں دے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایمان ایک صلیبی حکمران

کے ہاں صرف اس لیے گروی رکھ دیا کہ اُن کی حکمرانی محفوظ رہے۔ انہوں نے اپنا کام کر لیا تو ضیافت میں شریک ہونے کے لیے چلے گئے۔ انہیں دراصل شراب اور شراب پلانے والی لڑکیوں کے ساتھ ہی دلچسپی تھی۔

"اِن مسلمانوں پر زیادہ اعتماد نہ کریں۔" ایک جرنیل نے بالڈون سے کہا۔ "انہوں نے ضرورت محسوس کی تو آپ کو بتائے بغیر صلاح الدین ایوبی کے پاؤں میں جا بیٹھیں گے۔"

"مجھے اپنے چھاپہ ماروں کے لیے ایک اڈہ چاہیے۔" بالڈون نے کہا۔ "موصل میرا اڈہ بن گیا تو میں آہستہ آہستہ پوری فوج وہاں لے جاؤں گا اور عزالدین کو وہاں سے بے دخل کر دوں گا۔ ہم سب کا منصوبہ یہ ہونا چاہیے کہ ان مسلمانوں کو ہم متحد نہ ہونے دیں بلکہ انہیں آپس میں لڑاتے رہیں اور آہستہ آہستہ ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں۔ ہم سب نے دیکھ لیا ہے کہ مسلمان کو عیش و عشرت اور حکمرانی کا لالچ دے دو تو وہ اپنی خودداری اور اپنا مذہب تمہارے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔ عزالدین، عمادالدین اور دوسرے چھوٹے موٹے مسلمان امراء صرف اس لیے صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہیں کہ وہ سب خود مختار حکمران بنے رہنا چاہتے ہیں اور عیش و عشرت کی خاطر پُرسکون زندگی کی خواہش رکھتے ہیں، مگر صلاح الدین ایوبی عیش و عشرت اور حکمرانی کا قائل نہیں۔ وہ ان سب کو ایک محاذ پر متحد کر کے فلسطین سے ہمیں بے دخل کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے ہے لیکن جنہیں وہ متحد کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہ جنگ و جدل سے ڈرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ عزالدین اور اُس کا ٹولہ ہمارے ہاتھ سے نکلے گا نہیں۔ اگر کسی نے نکلنے کی کوشش کی تو اُسے ہم حشیشین کے ہاتھوں قتل کرا دیں گے۔"

بالڈون نے اپنے جرنیلوں کو چند ایک ہدایات دے کر کہا۔ "عزالدین کے ان دو ایلچیوں کی اتنی زیادہ خاطر تواضع کرو کہ ان کی عقل بالکل ہی ماری جائے اور انہیں یاد ہی نہ رہے کہ ان کا مذہب کیا ہے۔" اس نے جس ہدایت پر سختی سے عمل کرنے کو کہا وہ یہ تھی کہ اس کمرے میں ان ایلچیوں کے ساتھ جو باتیں ہوئی ہیں وہ کمرے سے باہر نہ جائیں۔" بالڈون نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بیروت میں موجود ہیں۔"

دونوں ایلچی شراب اور لڑکیوں کے نشے سے بدمست ہوئے جا رہے تھے۔ مہمان اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے شراب پی رہے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جیکب اِن دو ایلچیوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اُن میں سے ایک اسے الگ مل گیا۔ جیکب نے فوجی انداز سے اُسے سلام کیا اور پوچھا۔ "آپ غالباً موصل کے مہمان ہیں؟ ہم موصل والوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

"ہم موصل کے حکمران عزالدین کے ایلچی ہیں۔" ایلچی نے شراب کے نشے میں بدمست ہوتے ہوئے کہا۔ "ہم یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ بیروت کے صلیبیوں کے دل میں موصل کے مسلمانوں کی کتنی محبت ہے۔" ایلچی کی جس طرح زبان لڑکھڑا رہی تھی اسی طرح اُس کی ٹانگیں بھی لڑکھڑا گئیں۔ وہ اتنی زیادہ پی چکا تھا کہ پاؤں پر کھڑا بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس نے جیکب کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔ "شراب کا یہی کمال ہے کہ انسان کے دل سے مذہب نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ محبت آ جاتی ہے۔ مجھے صلیب سے محبت ہے اور مجھے تمہاری اس برچھی سے محبت ہے۔ جس روز یہ برچھی صلاح الدین ایوبی کے سینے میں اُتر جائے گی اُس روز میں سالارِ اعظم بن جاؤں گا۔"

جیکب وہاں زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ اس کی ڈیوٹی گھومنے پھرنے کی تھی۔ وہ ایلچی کو جھومتا لڑکھڑاتا چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ ایلچی کو دو آدمی تھام کر لے جا رہے تھے۔ وہ ہوش میں نہیں رہا تھا۔

☆

آدھی رات کے قریب جیکب کی ڈیوٹی ختم ہو گئی۔ ناچ گانا جاری تھا۔ جیکب اور اُس کے ساتھیوں کی جگہ دوسرے آدمی آ گئے۔ جیکب اپنے کمرے میں گیا۔ وردی اُتاری اور اپنے کپڑے پہن لیے۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اُسے سو جانا چاہیے تھا لیکن وہ باہر نکل گیا۔ اُس کا رُخ کسی اور طرف تھا لیکن وہ اُس طرف چلا گیا جہاں لڑکیاں رہتی تھیں۔ یہ ایک عمارت تھی جس کا ایک حصہ اتنا خوبصورت تھا جیسے وہاں شہزادیاں رہتی ہوں۔ یہ اُن لڑکیوں کی رہائش گاہ تھی جو جاسوسی کے لیے اور کردار کی تخریب کاری کے لیے مسلمانوں کے علاقوں میں امراء اور سالاروں اور حکمرانوں کو صلیب کے جال میں پھانسنے کے لیے بھیجی جاتی تھیں۔ انہیں اُن علاقوں میں جو صلیبیوں کے قبضے میں آ گئے تھے، مسلمان جاسوسوں کو پھانسنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اسی عمارت کے دوسرے حصے میں ناچنے اور گانے والی لڑکیاں رہتی تھیں۔ ان کی قدر و قیمت جاسوس لڑکیوں جتنی نہیں تھی جو جسمانی حُسن کے لحاظ سے جاسوس لڑکیوں سے کم نہیں تھیں۔ اُن کا کام صرف یہ تھا کہ محل میں ضیافتوں پر ناچا کرتی تھیں۔ باہر کے مہمان آئیں تو ناچ گانا ضرور ہوتا تھا۔ اُس رات موصل کے مسلمان ایلچیوں کے اعزاز میں جو ضیافت دی گئی تھی اس میں ناچ گانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اُن میں سارہ نہیں تھی۔ سارہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ اُس کے خدوخال اور اُس کے بالوں اور آنکھوں کا رنگ یورپ کی لڑکیوں جیسا نہیں تھا۔ وہ بیروت کی ہی رہنے والی ہو سکتی تھی، مصر کی بھی اور وہ یونان کی بھی ہو سکتی تھی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہاں کی رہنے والی ہے۔

جیکب کسی اور طرف جا رہا تھا۔ اُسے یاد آ گیا کہ ناچنے گانے والیوں میں اُسے سارہ نظر نہیں آئی تھی۔ اس کی غیر حاضری کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ بیمار ہے یا اس پیشے سے تنگ آ کر بھاگ گئی ہے۔ جیکب کو معلوم تھا کہ سارہ اس پیشے سے خوش نہیں ہے کیونکہ وہ خود نہیں آئی لائی گئی ہے۔ جیکب بھی اسی محل کے قریب رہتا تھا اور اس کی ڈیوٹی محل میں ہی ہوتی تھی۔ ایسی ہی ایک ضیافت کے دوران سارہ اتفاق سے جیکب سے ملی تھی۔ سارہ کو سب مغرور لڑکی کہا کرتے تھے کیونکہ وہ کسی کے ساتھ بولتی نہیں تھی۔ جیکب میں نہ جانے اُسے کیا نظر آیا کہ اُسے وہ پسند کرنے لگی۔ جیکب کو بھی یہ لڑکی اچھی لگنے لگی۔

ایک رات سارہ محل سے فارغ ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اسے جیکب مل گیا۔ سارہ نے اسے کہا۔ "میں اکیلی جا رہی ہوں۔ میرے ساتھ کمرے تک نہیں چلو گے؟"

"اکیلے جاتے ڈر آتا ہے؟" جیکب نے کہا۔ "یہاں سے تمہیں کوئی اغوا کر کے نہیں لے جا سکتا۔"

"اب میں اغوا نہیں ہو سکتی۔" سارہ کی مسکراہٹ بجھ گئی۔ کہنے لگی۔ "اب تو اپنے آپ کو خود ہی اغوا کروں گی.... میرے ساتھ چلو۔ اکیلے جاتے ڈر تو نہیں آتا، تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے۔"

"سونگھ لو۔" الونشی نے کہا۔ "یہ شراب نہیں شربت ہے۔ یہ میری محبت کا جام ہے۔ پی لو۔" اس نے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ عامر نے بھی پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ دونوں نے پیالے خالی کر دیئے۔ الونشی نے اس کے ہاتھ سے پیالہ لیا اور دونوں پیالے پرے پھینک کر بازو عامر کے گلے میں ڈال دیئے۔ اپنے رخسار اس کے گالوں سے رگڑتی ہوئی بولی۔ "اب ہم آزاد ہیں۔"

الونشی اچک کر عامر سے الگ ہو گئی اور بولی۔ "تم بھی غنودگی محسوس کر رہے ہو؟"

"ہاں!" عامر نے جواب دیا۔ "میں گہری نیند سے اٹھ کر آیا ہوں۔ نیند پریشان کر رہی ہے۔"

"اب ہم دونوں اتنی گہری نیند سوئیں گے کہ ہمیں کوئی جگا نہیں سکے گا۔" الونشی نے ایسی آواز میں کہا جس میں غنودگی کا نمایاں اثر تھا۔ کہنے لگی۔ "میں تم سے زیادہ تھکی ہوئی ہوں۔ گناہوں نے تھکا دیا ہے۔" اس کا سر ڈولنے لگا۔ اُس نے سنبھل کر کہا۔ "زیادہ باتوں کا وقت نہیں عامر! تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ اب ہم اگلے جہان میں اکٹھے اٹھائے جائیں گے۔ میں اپنا فرض ادا کر چکی ہوں، تم اپنا فرض ادا کر چکے ہو۔ میں نے اس شربت میں وہ زہر ملایا تھا جو مجھ جیسی لڑکیوں کو دے کر پردیس بھیجا جاتا ہے۔ یہ ضرورت کے وقت کے لیے دیا جاتا ہے۔ اس سے کوئی تکلیف اور تلخی محسوس نہیں ہوتی۔ بڑی میٹھی غنودگی میں انسان ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہے۔ میں اس لیے زندہ نہیں رہنا چاہتی کہ زندہ رہی تو تمہیں سزا دلا دوں گی۔ تمہیں اس لیے زندہ نہیں رہنے دیا کہ کوئی اور لڑکی یہ نہ کہے کہ عامر کو اُس سے محبت ہے۔"

عامر بن عثمان لیٹ گیا تھا جیسے وہ الونشی کی باتیں سُن ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ الونشی کا سر ڈول رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے تک گئی۔ خادمہ دروازے کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ اُسے اندر بلا کر کہا۔ "ہم دونوں نے زہر پی لیا ہے۔ سب کو بتا دینا کہ ہم نے خود زہر پیا ہے۔ کسی اور نے نہیں پلایا۔ کوئی صلیبی ملے تو اُسے بتا دینا کہ سوڈان کی پری اپنا فرض ادا کر کے مری ہے۔"

اُس کی آواز دب گئی۔ وہ گرتی گرتی عامر تک پہنچی۔ خادمہ دوڑتی باہر نکلی۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں کئی لوگ آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ عامر بن عثمان پلنگ پر چت پڑا ہے اور الونشی اس کے ساتھ لگی اس طرح لیٹی ہوئی ہے کہ اس کا سر عامر کے سینے پر اور اس کا ایک ہاتھ عامر کے سر پر تھا جس کی انگلیاں بالوں میں اُلجھی ہوئی تھیں۔ دونوں مرے ہوئے تھے۔

☆

اُس وقت اسحاق ترک موصل سے جا چکا تھا۔ الونشی نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اجنبی سلطان ایوبی کا جاسوس ہو سکتا ہے اُس کا تعاقب نہ کیا، نہ گرفتار کرانے کی سوچی۔ اُس نے زندگی کی یہ چند ہی ساعتیں روحانی سکون پایا تھا جو اُس نے عامر کے ساتھ پیار کے دھوکے میں گزاری تھیں۔ اس نے اس پیار کا صلہ یہ دیا کہ اسحاق کو جانے دیا۔

اسحاق ترک قاہرہ سے ابھی کئی دنوں کی مسافت جتنا دُور تھا کہ اس کے گھوڑے کو سانپ نے ڈس لیا۔ اس

حادثے کی تفصیلات اس کہانی کی پچھلی قسط میں سنائی جا چکی ہیں۔ مندرجہ بالا واقعات اس حادثے سے پہلے کے ہیں جو یہ واضح کرنے کے لیے سنانا ضروری تھے کہ اسحاق ترک کتنی اہم اطلاعات لے کر قاہرہ جا رہا تھا۔ اسلام کی عزت اور بے عزتی کا دارومدار اس پر تھا کہ یہ اکیلا مجاہد اتنے وسیع اور ایسے ظالم صحرا سے گزر کر قاہرہ بروقت پہنچتا ہے یا نہیں، مگر اُس کے گھوڑے کو سانپ نے ڈس کر مار دیا اور یہ سوار صحرا کے مظالم سے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو وہ صلیبیوں کے خیمے میں پڑا تھا جہاں دو صلیبی لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک کا نام میرینا اور دوسری کا باربرا تھا۔ یہ تفصیلات پچھلی قسط میں پڑھ لیں تا کہ وہ واقعات ایک بار پھر آپ کے ذہن میں تازہ ہو جائیں۔

اسحاق ترک بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا جس سے صلیبیوں کی اس ٹولی پر ظاہر ہو گیا کہ یہ مسلمان جاسوس ہے اور کوئی اہم خبر لے کر قاہرہ جا رہا ہے۔ دونوں لڑکیوں، میرینا اور باربرا کی آپس میں رقابت تھی۔ دونوں اپنے کمانڈر کو چاہتی تھیں اور کمانڈر باربرا کو محبت کا دھوکہ دے کر میرینا کے ساتھ گہری دوستی لگائے ہوئے تھا۔ باربرا نے انتقام لینے کے لیے اسحاق کو چوری چھپے بتا دیا کہ وہ صلیبی جاسوسوں کے جال میں آ گیا ہے۔ اسحاق اس جال میں ایسی بُری طرح آیا کہ اُس نے اعتراف کر لیا کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور حلب سے آیا ہے۔ صلیبیوں کے سربراہ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا خبر لے جا رہا ہے؟ اسحاق نے بتایا کہ خبر صرف اتنی سی ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ رضیع خاتون نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ صلیبی سربراہ نے کہا کہ یہ خبر پرانی ہو گئی ہے اور اب سلطان ایوبی شام کی طرف پیشقدمی کرنے والا ہے۔

اس صلیبی نے اسحاق ترک سے کہا کہ وہ صلیبیوں کے لیے جاسوسی کرے اور یہ بھی بتائے کہ وہ کیا راز لے کے جا رہا تھا اور بیروت میں جو مسلمان جاسوس ہیں وہ کون کون ہیں اور کہاں کہاں ہیں اور اگر وہ نہیں بتائے گا تو اُسے صلیبی علاقے میں جا کر کسی قید خانے کے تہہ خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ اسحاق نے یہ سوچ کر ہتھیار ڈال دیئے کہ وہ ان کی حراست سے فرار کی کوشش کرے گا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ صلیبیوں کے لیے جاسوسی کرے گا۔ اس سے یہ بھی پوچھا جا رہا تھا کہ وہ کیا راز لے کے جا رہا ہے۔ اس نے چند ایک باتیں گھڑ لیں جو زیادہ تر شام کے مسلمان امراء سے تعلق رکھتی تھیں۔ بیروت کے متعلق اس نے بے خبری کا اظہار کر دیا اور یہ بھی کہا کہ اُسے بیروت کے راستے کا بھی علم نہیں۔

جیسا کہ پچھلی قسط میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ صلیبی جاسوسوں اور تخریب کاروں کی پارٹی تھی۔ اس کے ساتھ ان کے محافظ بھی تھے اور دو لڑکیاں۔ اس پارٹی کی نفری آٹھ نو تھی۔ یہ قاہرہ سے بیروت کو واپس جا رہے تھے۔ ان کے سربراہ نے اسحاق کو بتایا تھا کہ وہ رات کو روانہ ہو رہے ہیں۔ اسحاق نے جب یہ سنا کہ وہ بیروت جا رہے ہیں تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ وہاں اُس کی ملاقات اپنے نائٹ سے بھی ہو سکتی تھی لیکن یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا، اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ اُسے سلطان ایوبی کو بالڈون کی فوج کا ڈیپلائے بتانا تھا اور اُسے خبردار کرنا تھا کہ وہ بیروت کا محاصرہ ترک کر دے۔ اس کے بعد اسحاق جان دینے کے لیے تیار تھا مگر وہ قیدی بن چکا تھا اور نہتہ تھا۔ رات کو اس قافلے نے وہاں سے کوچ کیا۔ اسحاق کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر ایک اونٹ پر سوار کر دیا

گیا تھا۔ اس اونٹ پر سامان بھی لدا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کا یہ جاسوس بیروت سے قاہرہ کو روانہ ہوا تھا مگر قاہرہ پہنچے بغیر بیروت کو واپس جا رہا تھا۔ مسافت بڑی ہی لمبی تھی۔ اسحاق ترک اس اُمید پر جا رہا تھا کہ فرار کی کوئی صورت پیدا کر لے گا۔

☆

"میں اب ایک دن بھی انتظار نہیں کر سکتا" صلاح الدین ایوبی اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا۔ "فوج تیاری کی حالت میں ہے۔ اس حالت میں فوج کو زیادہ عرصہ رکھنا مناسب نہیں ہوتا۔ سپاہیوں کے اعصاب تھک جاتے ہیں۔ یہ کیفیت جنگ کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں صلیبیوں کو تیاری کی حالت میں دبوچ لینا چاہتا ہوں۔ ہم جب بھی اپنے علاقوں میں لڑے ہیں اور اسی پر خوش ہوئے کہ ہم نے دشمن کو پسپا کر دیا ہے۔ دشمن ہماری ہی زمین پر حملہ آور ہوا اور پسپا ہو کر ہماری ہی زمین پر رہا۔ اب میرا ہر قدم جارحانہ ہوگا۔ فرنگی فوج بیروت میں ہے۔ مجھے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اگر بالڈون نے کوئی نقل و حرکت کی ہوتی تو اطلاع آ جاتی۔ میرا قیاس یہ ہے کہ وہ اور دوسرے صلیبی ہمارے مسلمان امراء کو اپنا حامی اور ہمارا دشمن بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ وہ ایک بار پھر ہمیں خانہ جنگی میں اُلجھائیں گے۔ وہ زمین دوز کارروائیوں میں لگے رہیں، ہم بیروت کو محاصرے میں لیں گے اور اللہ کی خوشنودی حاصل رہی تو یہ عظیم شہر ہمارے قبضے میں آ جائے گا۔"

سالاروں کے اس اجلاس میں سلطان ایوبی کی بحریہ کا امیر البحر بھی موجود تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے اس کا نام حسام الدین لولو لکھا ہے۔ یہ بحری جنگ کا ماہر اور غیر معمولی طور پر قابل امیر البحر مانا جاتا تھا۔ بیروت چونکہ بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع تھا اس لیے سلطان ایوبی محاصرہ مکمل کرنے کے لیے سمندر کی طرف سے بھی فوج بھیجنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"ہمیں دمشق کو بحری جہازوں سے جانا اور ساحل پر اُترنا ہے وہ سکندریہ پہنچ چکے ہیں۔ حسام الدین کو ہدایات دی جا چکی ہیں" سلطان ایوبی نے کہا۔ "سمندر سے جانے والے دستے جلدی منزل پر پہنچ جائیں گے، اس لیے یہ کچھ دن بعد روانہ ہوں گے تاکہ خشکی والے دستے پہنچ جائیں۔ سمندری دستے ساحل پر اتریں گے۔ تیز رفتار قاصد ہمیں اُترنے کی اطلاع دیں گے۔ شہر پر ان کی یلغار طوفانی ہوگی۔ اگر فرنگیوں نے ہتھیار نہ ڈالے تو آپ سب کو اجازت ہوگی کہ شہر کو تباہ و برباد کر دیں۔ عورت، بچے، بوڑھے اور مریض پر ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ انہیں پناہ میں لیا جائے گا۔ فوجیوں کو ہلاک نہیں قید کیا جائے گا۔ کسی صورت میں لوٹ مار نہیں ہوگی۔ آپ سب کو اجازت ہوگی کہ ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کو موقع پر قتل کر دیں، خواہ وہ کتنے ہی اونچے عہدے کے عسکری کیوں نہ ہوں۔ خشکی کی طرف سے جانے والے دستوں کی پیش قدمی امن کے انداز سے نہیں جنگی رفتار سے ہوگی۔ پڑاؤ بغیر خیموں کے ہوں گے۔ کوئی سامان کھولا نہیں جائے گا۔ سب کو پانی محدود مقدار میں ملے گا۔ کھانا پکایا نہیں جائے گا۔ کھجوروں وغیرہ کا ذخیرہ ساتھ جا رہا ہے۔ جانوروں کو پوری خوراک دی جائے گی۔"

سلطان نے چادر جتنے چوڑے کپڑے پر قاہرہ سے بیروت تک کا نقشہ تیار کرا رکھا تھا جو اس نے دیوار کے ساتھ لٹکایا اور پیش قدمی کے راستے پر انگلی چلاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہوگا ہماری پیش قدمی کا راستہ۔" اجلاس کی خاموشی اور زیادہ گہری ہوگئی۔ سلطان ایوبی نے سب کے چہروں کو دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "خاموش کیوں ہو؟ کہتے کیوں نہیں کہ ہم دشمن کے علاقوں میں سے گزر کر جا رہے ہیں...... میرے دوستو! ہم احتیاط کے اصولوں پر جنگ لڑتے رہے ہیں۔ پیش قدمی سے پہلے ہم پہلوؤں کی حفاظت اور پسپائی کا راستہ دیکھتے رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صلیبی فلسطین پر قابض ہیں اور وہ دمشق اور بغداد پر قابض ہو کر مکہ اور مدینہ منورہ کی طرف بڑھنے کے منصوبے بنائے ہوئے ہیں۔ زیاد کا بیٹا طارق سمندر سے ڈر کر مصر کے ساحل پر بیٹھا رہتا تو یورپ تک اسلام کا پرچم کبھی نہ پہنچتا۔ قاسم کا بیٹا محمد اس قدر خطرناک اور اس قدر لمبی مسافت طے کر کے ہندوستان پہنچا تھا جس سے تاریخ کے ورق بھی پھڑپھڑا اُٹھے تھے۔ صلیبی بہت دُور سے ہماری سرزمین میں آئے تھے۔ اگر آپ اسلام کی سربلندی چاہتے ہیں تو ہمیں آگ میں سے گزرنا ہوگا۔ اگر صرف حکومت کرنی ہے تو آؤ مصر اور شام کو ٹکڑوں میں بانٹ لیں اور بادشاہ بن کے بیٹھ جائیں۔ پھر اپنی اپنی بادشاہی کو قائم رکھنے کے لیے صلیبیوں اور یہودیوں سے مدد لیتے رہیں گے اور اپنا دین و ایمان ان کے پاس گروی رکھ دیں گے۔"

"محترم سلطان!" ایک سالار نے اُٹھ کر کہا۔ "ہم احکام اور ہدایات کے منتظر ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اس سے خوفزدہ نہیں کہ ہم دشمن کے علاقوں سے گزریں گے۔ ہمیں یہ بتایئے کہ ان علاقوں سے گزرتے ہماری ترتیب کیا ہوگی؟ کیا ہر دستہ اپنی حفاظت خود کرے گا؟"

"نہیں" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں انہی ہدایات کی طرف آ رہا تھا۔ ہر دستہ اپنی پیش قدمی جاری رکھے گا۔ دائیں بائیں، آگے اور پیچھے جو کچھ ہوتا ہے اس کی طرف آپ دھیان نہیں دیں گے۔ رسد ساتھ جا رہی ہے۔ اسے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ دشمن اسے تباہ نہ کر سکے۔ ساری فوج کی حفاظت چھاپہ مار جیش کریں گے۔ چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری یہاں موجود ہیں۔ انہیں بہت پہلے ہدایات دے دی گئی تھیں۔ انہوں نے چھاپہ ماروں کو تربیت اور مشق دے لی ہے۔ باقی سب اپنی نظریں بیروت پر رکھیں گے۔"

سلطان ایوبی نے ہر قسم کی ہدایات دے کر کہا۔ "فوج آج رات کے پہلے پہر کوچ کرے گی اور سب سے ضروری احتیاط یہ کرنی ہے کہ اس کمرے سے باہر کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہماری منزل کیا ہے۔ سپاہیوں اور کمانداروں تک کے کان میں نہ پڑے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

سلطان ایوبی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بیروت میں اس کے استقبال کا انتظام کر دیا گیا ہے اور وہ فرنگیوں کو بے خبری میں شاید نہ دبوچ سکے۔

رات کو جب فوج کوچ کر رہی تھی، سلطان ایوبی اپنی ہائی کمان کے سالاروں کے ساتھ راستے میں کھڑا ہر دستے کی سلامی لے رہا اور دعائیں دے رہا تھا۔ اس کے پاس اس کے ایک بیٹے کا بزرگ اتالیق بھی

کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی اساتذہ اور علماء کی بہت قدر کیا کرتا تھا۔ محمد فرید ابو حدید کی تحریر کے مطابق جب فوج کا آخری دستہ بھی چلا گیا تو سلطان ایوبی بھی روانہ ہونے لگا، اس کے بیٹے کے اتالیق نے عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یوں ہے۔

"آج نجد کے پھول عرار کی خوشبو سے لطف اُٹھالو۔ شام کے بعد یہ پھول نہیں ملا کرتا۔"

یہ مصری وقائع نگار لکھتا ہے کہ اُس وقت تک سلطان ایوبی کا مزاج ہشاش بشاش تھا مگر یہ شعر سُن کر اُس پر اداسی طاری ہو گئی۔ اس نے بوقتِ رخصت اس شعر کو بدشگونی سمجھا۔ وہ فوج کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ راستے میں اُس نے اپنے سالاروں سے کہا۔ "اس بزرگ سے مجھے توقع تھی کہ الوداع کے وقت دعائیں دے گے۔ انہوں نے ایسا شعر سنا دیا ہے جس نے میرے دل پر بوجھ ڈال دیا ہے" ۔۔۔ اور ہُوا بھی یہی کہ اس روانگی کے بعد سلطان ایوبی مصر آ ہی نہ سکا۔ اس کی باقی عمر سرزمینِ عرب پر جنگ و جدل میں ہی گزر گئی۔ مصر والوں کو عرار کا یہ پھول پھر کبھی نظر نہ آیا۔

مصر سے سلطان کی روانگی مئی ۱۱۷۴ء میں ہوئی تھی۔

☆

صحرا کا وہ خطہ بڑا ہی ہولناک تھا جہاں صلیبی جاسوسوں اور تخریب کاروں کا قافلہ داخل ہو گیا تھا۔ اسحاق ترک اُن کا قیدی تھا لیکن اب اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں تھے۔ دو دن اور دو راتیں اُس کے ہاتھ کھانے کے وقت کے سوا ہر وقت بندھے رہتے تھے۔ اُس نے اس پارٹی کے سربراہ سے کہا تھا کہ وہ بھاگ نہیں سکتا۔ بھاگ کر جائے گا کہاں۔ پا پیادہ تو وہ کہیں جا نہیں سکتا۔ بڑی مشکل سے دو کوس چلے گا اور صحرا اُسے اسی طرح بے ہوش کر کے ختم کر دے گا جس طرح وہ بے ہوش ہو کر پکڑا گیا تھا۔ سربراہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے ہاتھ کھول دیئے تھے اور اُن سے کہا تھا کہ اس پر نظر رکھیں۔ اسحاق ترک نے اُن پر اعتماد جما لیا۔ اُس نے سلطان ایوبی اور دوسرے مسلمان حکمرانوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے صلیبی سربراہ کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ ان کا جاسوس بن جائے گا مگر اس سے جب یہ پوچھتے تھے کہ وہ کیا راز لے کر جا رہا تھا تو وہ صحیح جواب نہیں دیتا تھا۔

دو صلیبی لڑکیوں کی رقابت بدستور چل رہی تھی۔ میرینا اپنے سربراہ کی منظورِ نظر تھی اور باربرا کو سربراہ نے اس حد تک دھتکار دیا تھا کہ اُس کے ساتھ جو بھی بات کرتا طنزیہ انداز سے کرتا تھا۔ باربرا بجھ کے رہ گئی تھی۔ میرینا اس کوشش میں تھی کہ وہ اسحاق ترک کے سینے سے وہ راز نکال لے جو وہ قاہرہ سے لے کے جا رہا تھا۔ اس دلکش لڑکی نے راتوں کو اسحاق کے پاس بیٹھ کر اُس کے جذبات کو مشتعل کرنے کا ہر داؤ آزما لیا لیکن اسحاق پتھر کا بُت بنا رہا۔ باربرا کی خواہش یہ تھی کہ اسحاق میرینا کو کچھ بھی نہ بتائے۔ پارٹی کے سربراہ کے بعد کا رتبہ مارٹن نام کے ایک آدمی کا تھا۔ یہ آدمی باربرا کو چاہتا تھا مگر باربرا نے اُسے بُری طرح دھتکار دیا تھا۔ وہ اس لڑکی کو دھمکیاں بھی دے چکا تھا کہ اُس نے قاہرہ میں جو غلطیاں کی ہیں اُن کی سزا دلائے گا۔ یہی دھمکی اُسے

سربراہ کو بھی دے چکا تھا۔ وہ مایوس تو تھی ہی، اب خوفزدہ بھی رہنے لگی تھی۔

باربرا کا خون اُس وقت کھولتا تھا جب میرینا اُس کے ساتھ طنزیہ بات کرتی تھی۔ ایک روز اس نے باربرا سے کہا۔ "باربرا! تم اس کام کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری کھوپڑی میں دماغ ہے ہی نہیں۔ تم کسی قحبہ خانے میں ناچنے اور گاہکوں کا دل پرچانے والی عورت ہو۔ میرا کمال دیکھو۔ صحرا میں بھی ایک مسلمان جاسوس پکڑ لیا ہے۔ یہ میرا شکار ہے۔ تم اس کے قریب نہ جانا۔ بیروت میں اس کا مجھے انعام ملے گا۔"

باربرا جل اٹھی۔ اُس رات اُس کا دماغ جیسے جواب دے گیا۔ مارٹن تو اُس کے پیچھے پڑا ہی رہتا تھا۔ اُس رات وہ خود مارٹن کے پاس گئی اور اُسے کہا کہ وہ میرینا سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ اُس نے اس خوف کا اظہار بھی کیا کہ مارٹن اسے سزا دلائے گی کیونکہ قاہرہ میں اُس سے اپنی زمین دوز سرگرمیوں میں کوتاہی ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بے بس اور تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ مارٹن سے مدد، ہمدردی اور پناہ مانگ رہی تھی۔ مارٹن تو اس کا شیدائی تھا۔ اُس نے باربرا سے مدد کا معاوضہ یہ مانگا کہ اُسی کی ہو جائے۔ باربرا کون سی شریف لڑکی تھی۔ وہ مان گئی گناہوں میں پلی ہوئی اور گناہوں کی تربیت یافتہ لڑکی کے لیے یہ معاوضہ جو مارٹن نے مانگا تھا کوئی زیادہ نہیں تھا۔۔۔ مارٹن نے فوراً ایک ترکیب سوچ لی اور باربرا کو بتا دی۔ اس پر عمل درآمد کے لیے اگلی رات مقرر کی گئی۔

اگلی رات جہاں قیام کیا گیا وہ صحرا کا بڑا ہی ہولناک خطہ تھا۔ دُور دُور تک عجیب و غریب شکلوں کے ٹیلے کھڑے تھے۔ بعض ستونوں اور میناروں جیسے تھے۔ بعض ٹیڑھی ٹیڑھی دیواروں کی طرح اور کچھ جانوروں کی شکلوں کے بھی تھے۔ یہ ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ پانی اور سبزے کا وہاں نام و نشان نہ تھا۔ رات کو یہ ٹیلے یوں نظر آتے تھے جیسے دیو کھڑے ہوں۔ اس خطے میں قافلہ شام کا اندھیرا پھیل جانے کے بعد رکا۔ مارٹن نے اندھیرے سے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنا گھوڑا اپنے خیمے کے ساتھ باندھا اور زین اُتار کر اس کے قریب رکھ دی۔

اسحاق کے لیے الگ خیمہ تھا جو مارٹن نے اپنے قریب نصب کرایا تھا۔ اسحاق کے متعلق اب سربراہ بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ رات گھوڑوں اور اونٹوں کے اردگرد محافظ سوتے تھے۔ ایسا امکان نہیں تھا کہ اسحاق گھوڑا کھول لے گا، کسی کو پتہ چلے بغیر زین کس لے گا اور بھاگ نکلے گا۔۔۔ قافلے والے تھکے ہوئے تھے۔ سب سو گئے اسحاق بھی سو گیا۔ آدھی رات کو کسی کے آہستہ آہستہ ہلانے پر وہ جاگ اٹھا اور سرگوشی سنائی دی۔۔۔ "اٹھو، ساتھ والے خیمے کے پاس گھوڑا کھڑا ہے۔ زین پاس پڑی ہے۔ دیر نہ کرو، بھاگو۔"

"کون ہو تم؟"

"باربرا!" لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ "مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ مجھے تم سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ یہ میں ہی تھی جس نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم سب صلیبی جاسوس ہیں اور تمہیں غلط بتایا جا رہا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ وقت ضائع نہ کرنا۔ سب سوئے ہوئے ہیں۔ جلدی اٹھو۔ گھوڑے والے خیمے سے بائیں طرف ہو جانا، آگے راستہ صاف ہے۔ میں اپنے خیمے میں جاتی ہوں۔"

باربرا اپنے خیمے میں چلی گئی۔ وہاں کمان پڑی تھی۔ اُس نے کمان اور تیروں کی ترکش اٹھائی اور خیمے

سے باہر نکل کر اس راستے کے قریب بیٹھ گئی جو اس نے اسحاق کو فرار کے لیے بتایا تھا۔ اسحاق نے بڑی تیزی سے گھوڑے پر زین ڈال کر کس لی۔ گھوڑا کھولا اور دبے پاؤں چل پڑا۔ ریت پر گھوڑے کے قدموں کی آہٹ نہیں تھی۔ سب سوئے ہوئے تھے۔ خیمے سے ذرا دُور جا کر وہ گھوڑے پر سوار ہُوا۔ کچھ اور آگے جا کر اُس نے ایڑ لگائی۔ صحرا کی خاموش اور خنک رات میں کمان کی "ٹِنگ" سنائی دی اور ایک تیر اسحاق کی پیٹھ میں اُتر گیا۔ فوراً بعد دوسرا تیر آیا اور یہ بھی اُس کی پیٹھ میں لگا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی کا شور سنائی دیا — "بھاگ گیا۔ بھاگ گیا۔ اٹھو۔ جاگو۔"

سب جاگ اُٹھے۔ مشعلیں جلائی گئیں۔ باربرا شور بپا کیے ہوئے تھی کہ قیدی بھاگ گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کمان تھی۔ بہت جلدی گھوڑے دوڑا دیئے گئے۔ انہیں زیادہ دُور نہ جانا پڑا۔ اسحاق کو دو تیروں نے گھوڑے سے گرا دیا تھا اور گھوڑا کچھ دور کھڑا تھا۔ تیر قریب سے چلائے گئے تھے اس لیے جسم میں گہرے اُتر گئے تھے۔ اسحاق ابھی ہوش میں تھا۔ اُسے اٹھا کر لے آئے۔ سربراہ نے اُس سے پوچھا کہ اُسے بھاگنے میں کسی نے مدد دی تھی؟ اس نے جواب دیا — "نہیں۔ میں نے گھوڑا اور زین دیکھی، سب سو گئے تھے، میں بھاگ اٹھا۔" اُس کے فوراً بعد وہ غشی میں چلا گیا اور غشی ہی میں شہید ہو گیا۔

"میں نے اُسے گھوڑے پر سوار ہوتے اور بھاگتے دیکھا تھا۔" باربرا نے کہا — "اتفاق سے کمان اور ترکش میرے خیمے میں تھی۔ میں نے اٹھائی اور اس کے پیچھے دوڑی۔ پہلے بعد دیگرے دو تیر چلائے۔ دونوں اُسے لگ گئے ورنہ یہ نکل گیا تھا۔"

"آج ہی یہ اتفاق کیوں ہُوا کہ کمان اور ترکش تمہارے خیمے میں تھی؟" میریلا نے باربرا سے پوچھا۔

"اور مارٹن! یہ گھوڑا تمہارا تھا۔" سربراہ نے کہا — "یہ کہاں تھا اور زین کہاں تھی؟"

"یہ گھوڑا قیدی کے خیمے کے قریب بندھا تھا۔" ایک محافظ نے کہا۔

"تم میرے اس کارنامے پر مٹی ڈالنا چاہتے ہو؟" باربرا نے غصے سے کہا — "یہ کوئی اہم راز فاش ہونے جا رہا تھا۔ میں نے اُسے صرف بھاگنے سے نہیں روکا بلکہ ایک راز فاش ہونے سے روکا ہے۔"

یہ دراصل مارٹن کا تیار کیا ہُوا ڈرامہ تھا کہ اسحاق کو بھاگنے کی سہولت دو اور باربرا گھات میں بیٹھ کر اُس پر تیر چلائے تاکہ یہ کارنامہ باربرا کے کھاتے میں لکھا جائے، مگر اُن کا سربراہ تجربہ کار جاسوس اور سراغرساں تھا۔ اس نے مارٹن اور باربرا کو گہری نظروں سے دیکھا اور کہا — "مارٹن! میں اس پیشے میں تم سے بہت عرصہ پہلے آیا تھا۔ بیروت پہنچنے تک تم اور باربرا کوئی بہتر جواب سوچ لو۔"

یہ ان لوگوں کی ذاتی رقابت اور دوستی دشمنی کی سیاست تھی جس کا شکار سلطان ایوبی کا ایک بڑا ہی قیمتی جاسوس ہو گیا۔

☆

سلطان ایوبی کی پیشقدمی بہت تیز تھی۔ اُس کی فوج آدھی سے زیادہ مسافت طے کر کے اس خطے

میں داخل ہو گئی تھی جس پر صلیبیوں کا سایہ چھایا ہُوا تھا۔ اُس علاقے میں فوجیوں کا حلیہ ایک جیسا تھا۔ گرد کی تہوں میں کسی کا چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ ہر کسی کا سینہ تنا تھا جب مزاج ایک کی طرح چپ رہا تھا۔ سب نے منہ سر کپڑوں میں لپیٹ رکھے تھے۔ کوئی بھی اجازت کے بغیر پانی نہیں پی سکتا تھا۔ دستے ترتیب میں چل رہے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے سواروں نے پیادوں کو باری باری گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار کرانا شروع کر دیا۔ فضا میں بج رہی تھی — اور ایک گونج دُور دُور تک سنائی دے رہی تھی — "لا الٰہ الا اللہ۔ لا الٰہ الا اللہ" — کبھی چند سپاہی مل کر کوئی ترانہ گاتے تھے اور فوج جنون اور وجد کی کیفیت میں چلی جا رہی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی فوج کے درمیان جا رہا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو بھی پانی پینے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اُس نے گھوڑے سے ذرا اوپر اُٹھ کر دیکھا اور گھوڑے کا رُخ بدل کر ایڑ لگا دی۔ اس کی ذاتی کمان کے سالار اور دیگر عملہ جس میں تیز رفتار قاصد تھے اُس کے پیچھے گئے۔ آگے وہی علاقہ تھا جہاں اسحاق ترک شہید ہوا تھا۔ ڈراؤنی شکلوں کے ٹیلے تھے۔ سلطان ایوبی نے ان ٹیلوں کے درمیان جا کر گھوڑا روک لیا اور چھاپہ ماروں کے کماندار صارم سے کہا — "صارم دوست! یہاں سے تمہارا کام شروع ہوتا ہے۔ اپنے دستوں کو پھیلا دو۔ ہر جیش دوسرے سے دُور رہے۔ آگے جانے والے جیش فوراً پھیل جائیں۔"

"اور باقی فوج اسی طرح چلتی رہے۔" صارم مصری کے جانے کے بعد سلطان ایوبی نے دوسروں سے کہا — "کچھ ہی ہو جائے فوج پیشقدمی جاری رکھے۔ ہم دشمن کے علاقے میں آ گئے ہیں۔"

احکام اور ہدایات دے کر سلطان ایوبی نے گھوڑا آہستہ آہستہ چلایا۔ اُسے ایک طرف زمین پر ایسے نشان نظر آئے جیسے یہاں کوئی مسافر رُکے ہوں۔ وہیں ایک لاش پڑی نظر آئی جو ریت میں دبی ہوئی تھی لیکن نظر آتی تھی۔ سلطان رُک گیا۔ لاش کھائی ہوئی تھی۔ ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی نے اس ڈھانچے کو سیدھا کیا۔ پیٹھ پر دو تیر لگے ہوئے تھے۔ چہرے کا گوشت سوکھ گیا تھا۔

"جانے دو۔" سلطان ایوبی نے کہا — "کسی قافلے کا مقتول معلوم ہوتا ہے۔ صحرا میں اکثر انسان ہلاک ہو جاتے ہیں۔"

سلطان ایوبی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ اُس کا اپنا قابلِ اعتماد جاسوس اسحاق ترک تھا جو اُسے یہ بتانے آ رہا تھا کہ بیروت نہ جانا۔ صلیبیوں نے وہاں اپنی فوج کو جس طرح پھیلا رکھا تھا اس کا نقشہ اُس نے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا — اسحاق کی ہڈیوں کا پنجر اُسے کچھ بھی نہ بتا سکا۔

چھاپہ مار جیش اس طرح پھیل گئے کہ پیشقدمی کرتی ہوئی فوج کے پہلوؤں میں دو دو تین تین میل دُور تک چلے گئے۔ چند ایک جیش ہراول سے بھی آگے نکل گئے اور عقب میں بھی چلے گئے۔ اُن کی جنگ بیروت سے دُور ہی سے شروع ہو گئی۔ اس ہراول کے علاقے سے آگے نکل گئے تو رات آ گئی۔ فوج چلتی رہی۔ آدھی رات کے قریب پڑاؤ کا حکم ملا۔ فوج رُک گئی لیکن چھاپہ مار متحرک اور سرگرم رہے۔ اُن کے لیے احکام یہ تھے کہ کوئی مشکوک آدمی نظر آئے اور وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اُسے ہلاک کر دو۔ کوئی قافلہ دیکھو تو اُسے بھی روک لو اور فوج بہت دُور آگے نکل جائے تو اُسے چلنے کی اجازت دو۔

فوج چلتی رہی. رُکتی رہی. سورج طلوع ہوتا، مجاہدوں کے اس قافلے کو جھلستا اور غروب ہوتا رہا، اور سلطان کو پہلی اطلاع ملی کہ صلیبیوں کی سرحد کی ایک چوکی پر اپنے چھاپہ ماروں نے شبخون مار کر سب کو ختم کر دیا ہے۔ ریگزار ختم ہوتا جا رہا تھا۔ درخت بھی نظر آنے لگے تھے اور کہیں کہیں سبزہ بھی دکھائی دیتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی نظر آنے لگے تھے۔

بیروت میں بالڈون اپنے مختلف فوجی شعبوں سے رپورٹیں لے رہا تھا۔ اُس کے پاس ابھی وہی اطلاع تھی کہ سلطان ایوبی بیروت کا محاصرہ کرے گا۔ اُس نے اس کا انتظام تو کر لیا تھا لیکن اُسے اس سے آگے کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی کہ سلطان ایوبی نے قاہرہ سے کُوچ کیا ہے یا نہیں۔ اس دوران جاسوسوں کا یہ قافلہ بھی بیروت پہنچ گیا تھا جس نے اسحاق ترک کو پکڑا اور مارا تھا۔ یہ قافلہ بھی بالڈون کو کوئی خبر نہ دے سکا۔ بالڈون نے دیکھ بھال کے لیے بیس پچیس گھوڑ سواروں کا ایک جیش آگے بھیجا تھا۔ وہ بھی واپس نہیں آیا تھا۔ وہ واپس آ بھی نہیں سکتا تھا۔

گھوڑ سواروں کا جیش بہت دُور نکل گیا تھا۔ اُسے دُور سے گرد اُٹھتی نظر آئی جو کسی قافلے کی نہیں ہو سکتی تھی۔ زمین سے اُٹھتے ہوئے گرد کے یہ بادل فوج کے ہی اڑائے ہوئے ہو سکتے تھے۔ گھوڑ سوار ٹیلوں کے اندر چلے گئے۔ ان کا کمانڈر ایک ٹیلے پر چڑھا اور دیکھنے لگا۔ کہیں سے ایک تیر آیا جو اُس کی گردن کے آر پار ہو گیا۔ دوسرے سوار نیچے تھے۔ اچانک ان پر تیر برسنے لگے۔ ان میں سے چند ایک نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن صارم مصری کے چھاپہ ماروں نے کسی کو زندہ نہ جانے دیا۔ اُن کے ہتھیار اور گھوڑے قبضے میں لے لیے گئے۔

کوئی خبر نہ ملنے کے باوجود بالڈون اور اُس کے جرنیل مطمئن تھے۔ انہوں نے بیروت کو محاصرے سے بچانے کے لیے نہایت کارگر انتظامات کر رکھے تھے۔ وہ اس لیے بھی مطمئن تھے کہ سلطان ایوبی ابھی قاہرہ سے روانہ نہیں ہُوا اور جنگ ابھی بہت دُور ہے، لیکن جنگ شروع ہو چکی تھی۔ جوں جوں سلطان ایوبی آگے بڑھتا جا رہا تھا، چھاپہ ماروں کے حملوں اور سرگرمیوں کی اطلاعیں زیادہ آنے لگی تھیں۔ اب تو یہ اطلاعیں بھی آنے لگی تھیں کہ اتنے میل دُور دشمن کے ایک دستے کے ساتھ جھڑپ میں اتنے چھاپہ مار شہید اور اتنے زخمی ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی ایسی ہر اطلاع پر ایک ہی جواب دیتا — "شہیدوں کو کہیں دفن کر دو.... زخمیوں کو پیچھے بھیج دو۔"

یہ سلطان ایوبی کی جنگی اہلیت کا کمال تھا کہ وہ اپنی فوج کو ایسے علاقے سے صحیح و سالم لے جا رہا تھا جہاں جگہ جگہ دشمن موجود تھا۔ اُس کے تھوڑی تھوڑی نفری کے چھاپہ مار جیش شبخون مارتے، دشمن کی جمعیت کو بکھیرتے اور بیکار کرتے جا رہے تھے۔ بعض شبخون بڑے پیمانے کی لڑائی کی صورت اختیار کر جاتے تھے، لیکن چھاپہ مار جم کر نہیں لڑتے تھے۔ وہ بھاگتے دوڑتے، وار کرتے اور دشمن کی بڑی سے بڑی جمعیت کو بکھیر دیتے تھے۔ یہ جھڑپیں اور خون خرابہ سلطان ایوبی کی فوج سے دُور دُور ہوتا تھا۔

سکندریہ میں حسام الدین لولو کا بحری بیڑہ تیار تھا۔ جہازوں میں جانے والی فوج بھی تیار تھی۔ حسام الدین نے سلطان ایوبی کی مسافت اور رفتار کا حساب اندازے سے رکھا ہُوا تھا۔ ایک روز اُس نے فوج کو جہازوں میں سوار ہونے کا حکم دیا اور رات کے وقت جہازوں کے لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیئے گئے۔ جہاز سمندر کے سینے پر سرکنے لگے۔ کھلے سمندر میں جا کر حسام الدین نے جہازوں کو دُور دُور پھیلا دیا۔ وہ ماہر امیر البحر تھا۔ اُس کے جہازوں میں جو فوج جا رہی تھی اُس کے سالار اور نائب سالار سلطان ایوبی کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ اندھا دھند نہیں جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھ بھال کے لیے تربیت یافتہ فوجی ماہی گیروں کے بہروپ میں چھوٹی چھوٹی بادبانی کشتیوں میں آگے بھیج دیئے تھے۔

دنوں راتوں کی مسافت طے ہو چکی تھی۔ اُفق پر بیروت اُبھرنے لگا تھا مگر کوئی کشتی واپس نہیں آئی تھی۔ حسام الدین نے جہاز روک دیئے اور دیکھ بھال کے لیے ایک اور کشتی اتاری۔ رات کو اُس کے رُکے ہوئے جہاز کے قریب سمندر سے کسی نے چلّا کر کہا — "رسّہ پھینکو۔ رسّہ پھینکو۔" رسّہ پھینکا گیا۔

ایک بحری سپاہی اوپر آیا جو ادھ مُوا ہو چکا تھا۔ وہ اس کشتی میں تھا جو سمندر میں اتاری گئی تھی۔ اُس نے بتایا کہ اُن کی کشتی کو صلیبیوں کی ایک کشتی نے روک لیا تھا۔ اس میں فوجی تھے۔ حسام الدین کے آدمیوں نے کشتی نکالنے کی کوشش کی۔ تیروں کا تبادلہ ہُوا۔ یہ آدمی سمندر میں کُود گیا۔ اُس کے ساتھی پکڑے گئے یا مارے گئے، اور آدمی یہ خبر لے کر آ گیا کہ آگے دشمن بیدار ہے۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ دیکھ بھال کے لیے پہلے جو آدمی بھیجے گئے تھے وہ بھی پکڑے گئے ہیں اور امکان یہی نظر آتا ہے کہ ان آدمیوں سے دشمن کو بحری بیڑے کی آمد کا علم ہو گیا ہے۔

بحری بیڑہ بیروت سے اتنی دُور تھا کہ سورج غروب ہوتے بادبان کھولے جاتے تو جہاز آدھی رات کو بیروت کے ساحل سے جا لگتے مگر خطرہ یہ تھا کہ ساحل پر صلیبیوں نے آتشیں گولے پھینکنے کے لیے منجنیقیں لگا رکھی ہوں گی، جن سے جہازوں کو بچانا محال ہو جائے گا۔ مگر ان خطروں سے ڈر کر پیچھے رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کو سمندر کی طرف سے مدد کی شدید ضرورت ہو گی.... اس اثنا میں ایک کشتی نظر آئی۔ یہ اپنے بحری بیڑے کی تھی۔ اس کے بحری سپاہی دو صلیبیوں کو سمندر سے پکڑ لائے تھے۔ یہ اُسی کشتی میں تھے جس نے حسام الدین کے بیڑے کی کشتی پر حملہ کیا تھا۔ یہ بھی سمندر میں کود گئے تھے اور تیرتے تیرتے اِدھر اُدھر نکل آئے تھے۔ انہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر سمندر میں زندہ پھینک دینے کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے بتایا کہ ساحل پر بالڈون کی فوج گھات میں ہے اور جہازوں کو آگ لگانے کے لیے منجنیقیں تیار ہیں۔ ان سپاہیوں سے مزید پوچھ گچھ سے معلوم ہُوا کہ بیروت کی فوج اندر کم اور شہر سے دُور دُور زیادہ ہے۔

یہ خبر بڑی خوفناک تھی۔ امیر البحر حسام الدین اور سالاروں نے باہم غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرنگیوں کو ہماری آمد کا پتہ چل چکا ہے۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ سلطان ایوبی کو علم ہے یا نہیں۔ فیصلہ ہُوا کہ سلطان کو خبر کر دی جائے۔ اس وقت اُسے بیروت کے قریب ہونا چاہیے تھا۔ اس فیصلے کے تحت اُسی وقت

کیا کروں؟"

"جاسوسی،" حسن نے جواب دیا۔ "صرف ایک بار، پہلی اور آخری بار.... لیکن تم اُس وقت تک جاسوسی نہیں کر سکو گی جب تک یہ نہ سمجھ لو کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ انسان اپنے مقصد کی عظمت سے عظیم بنا کرتے ہیں۔ جانتی ہو نورالدین زنگی کا مقصد کیا تھا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو بہت بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ میں اُن کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں لیکن تم نے میری ذات میں اور میری آنکھوں میں ایسا تاثر دیکھا ہوگا جس نے تم سے یہ بات کہلوائی ہے۔ یہ دراصل میری ذات کا اثر نہیں یہ میرے مقصد کی عظمت ہے جو مجھے ایمان سے زیادہ عزیز ہے۔ مقصد کی ہی عظمت ہے اور اسی کا تقدس ہے کہ تمہارا یہ حُسن اور تمہارے جسم کی یہ کشش جو عبادت گزاروں کو چونکا دیتی ہے، مجھ پر اثر نہیں کر سکی۔ کیوں نہیں کر سکی؟ صرف اس لیے کہ میں انسانوں اور اشیاء کو مقصد کی نظروں سے دیکھا کرتا ہوں۔"

"میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقصد اچھی طرح جانتی ہوں۔" سارہ نے کہا۔ "میں یہ بھی جانتی ہوں کہ صلیبی حکمران مسلمان امراء اور حکمرانوں کو مدد اور عیاشی کا سامان دے کر انہیں سلطان کے خلاف لڑا رہے ہیں ـــ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ صلیبی عالمِ اسلام کو صلیب کے سائے میں لانا چاہتے ہیں۔ حسن! میں نے یہ مقصد یہاں آ کر پایا ہے ورنہ میں بھی صلیب کے سیلاب میں بہہ گئی تھی۔ یہ سیلاب مجھے یہاں تک لے آیا ہے۔ یہ بھی سناؤں گی کہ کیسے۔ کچھ دنوں سے مسجدِ اقصیٰ میرے دل پر غالب آ گئی ہے۔ دو راتیں گزریں، میں نے خواب میں مسجدِ اقصیٰ دیکھی ہے۔ میں نے ابھی تک یہ مسجد نہیں دیکھی۔ مجھے معلوم نہیں یہ کیسی ہے۔ خواب میں یہ مسجد دیکھی اور اس کے اندر گئی۔ مسجد خالی اور ویران تھی۔ مجھے ایک گونجدار آواز سنائی دی ـــ 'یہ تیرے خدا کا گھر ہے۔ اسے آباد کرو' ـــ میں دیکھ رہی ہوں کہ آواز کہاں سے آئی ہے لیکن آنکھ کھل گئی۔ یہ آواز میرے دل میں اُتر گئی ہے.... کیا اسے میں اپنا مقصد بنا سکتی ہوں؟"

"یہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔" حسن نے کہا۔ "لیکن اس کے لیے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ میں بیروت میں ہر لمحہ موت کا انتظار کرتا ہوں۔ میں جس روز پکڑا گیا وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

"میں قربانی دینے کو تیار ہوں۔" سارہ نے کہا۔ "مجھے میرا فرض بتاؤ۔"

"تمہیں اس بوڑھی اور بھدی عورت نے موصل کے جس ایلچی کی تفریح کے لیے جانے کو کہا ہے، تم اُس کے پاس چلی جاؤ" ـــ حسن نے کہا۔

سارہ نے اُسے اتنی زیادہ حیرت سے دیکھا کہ اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔

"ہاں سارہ!" حسن نے کہا۔ "تمہیں یہ قربانی دینی ہوگی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی عورت کو جاسوسی کے لیے نہیں بھیجا کرتے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ ایک عورت کی عصمت بچانے کے لیے میں ایک مضبوط قلعہ دشمن کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ ہم عصمتوں کے محافظ ہیں، مگر سارہ! تم یہاں موجود ہو۔ ہمیں جو فرض ادا کرنا ہے وہ صرف تمہارے ذریعے ہو سکتا ہے۔ تمہارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی کہ کسی کی تفریح کا سامان بنو۔ میں تمہیں

ایک دو طریقے بتاؤں گا جن سے تم ان بوڑھے مسلمانوں کے سینوں سے راز بھی نکال سکو گی اور اپنی عزت بھی بچا لو گی۔ تمہارا مقصد بڑا پاک اور بلند ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے گا۔"

"مجھے بتاؤ کرنا کیا ہے؟" سارہ نے کہا۔ "میں بے آبرو لڑکی ہوں۔ اگر خدا بھی مجھ سے یہی قربانی لے کر خوش ہو سکتا ہے تو میں یہ قربانی دینے کو تیار ہوں۔"

"یہ دونوں ایلچی موصل کے حکمران عزالدین کی طرف سے آئے ہیں۔" حسن نے اُسے بتایا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف بالڈون سے مدد لینے آئے ہیں۔ اس وقت ہماری فوج نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ سلطان کو یہ خوش فہمی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے درمیان خیمہ زن ہیں مگر وہ اپنے مسلمان دشمنوں کے نرغے میں آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر کے سلطان کو خبردار کرنا ہے کہ صلیبی کیسا جنگی اقدام کریں گے اور موصل اور حلب اور دیگر چھوٹی چھوٹی مسلمان امارتوں کا رویہ کیا ہوگا۔ کیا وہ صلیبیوں کے اتحادی بن جائیں گے؟" حسن نے اُسے بڑی لمبی تفصیل سے اس کا کام سمجھا دیا اور یہ بھی بتایا کہ صلیبی لڑکیاں مسلمان علاقوں میں جا کر کس طرح مسلمان امراء، سالاروں اور دیگر حکام پر اپنی پُرکشش نسوانیت کا جادو طاری کر کے راز لے آتی ہیں۔ حسن نے کہا۔ "تمہیں خودکشی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ میں تمہیں ایک اور پُرمسرت زندگی میں داخل کر رہا ہوں۔ تم مظلوم لڑکی ہو۔ تمہیں غالباً بچپن میں صلیبیوں نے کسی قافلے سے اغوا کیا تھا۔ انہی نے تمہیں گناہوں کی زندگی میں داخل کیا ہے۔"

"نہیں حسن!" سارہ نے کہا۔ "میں نے اپنے آپ کو خود ہی اغوا کیا تھا۔ یہ کہانی پھر کبھی سناؤں گی۔ مجھے ابھی یہ کام کرنے دو۔ دعا کرو اللہ مجھے سرخرو کرے اور میں گناہوں کا کفارہ ادا کر سکوں۔"

بارش تھم گئی تو سارہ اپنے کپڑے پہن کر حسن کے کمرے سے نکلی۔ وہ جب اُس عمارت میں داخل ہوئی جہاں اُس کا کمرہ تھا تو اُسے وہ عورت مل گئی جو ان سب لڑکیوں کی کمانڈر تھی۔ اس نے سارہ کو دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ "رات کو تیار رہنا۔ میرے آدمی نے موصل کے ایک ایلچی کے ساتھ بات کر لی ہے۔ آج رات تمہیں ناچ گانا ہوگا نہ کوئی ضیافت۔ میں تمہیں اُس کے کمرے میں چھوڑ آؤں گی۔"

"میں تیار رہوں گی۔" سارہ نے کہا۔

☆

موصل کے دونوں ایلچیوں کی حالت بھوکے بھیڑیوں جیسی تھی۔ وہ یہاں عزالدین کا اور اپنا ایمان فروخت کرنے آئے تھے۔ وہ اپنی غداری کو کامیاب بنانے کے لیے اس صلیبی بادشاہ سے مدد لینے آئے تھے۔ یہ بادشاہ اپنے مفاد کی خاطر اور مسلمانوں کے حکمرانوں کو آپس میں لڑانے کی خاطر انہیں شہ، پشت پناہی اور مدد دے رہا تھا۔ ان مسلمان ایلچیوں کے پاس نہ ایمان رہا تھا، نہ ذاتی وقار نہ قومی وقار۔ اُن کی دلچسپی اب اس میں رہ گئی تھی کہ شاہ بالڈون انہیں زیادہ سے زیادہ عیاشی کرائے اور انعام و اکرام دے۔ ان دونوں کو بیروت کے گرد و نواح اور سمندر کی سیر کرانے کے

یہ روک دیا گیا تھا۔ اس دوران ناچنے گانے والی لڑکیوں کی کمانڈر نے اپنے ایک آدمی کو اُن کے پاس بھیجا تھا۔ اس آدمی نے انہیں کہا تھا کہ وہ انہیں ایسی لڑکیاں لا دے گا جو انہوں نے کبھی نہیں دیکھی ہوں گی۔ اُن دونوں کی باچھیں کھل گئیں اور سودا طے ہو گیا۔ ان میں سے ایک کے پاس سارہ کو بھیجنے کے لیے تیار کیا گیا۔

رات سارہ کو سیاہ لبادے میں چھپا کر ایلچی کے کمرے تک پہنچایا گیا۔ ایلچی جو والیٔ موصل عزالدّین کا فوجی مشیر تھا، پچاس سال سے اوپر کی عمر کا آدمی تھا۔ گزشتہ رات اُس نے اس قدر شراب پی لی تھی کہ بیہوش ہو گیا تھا لیکن آج رات وہ اپنے کمرے میں آہستہ آہستہ پی رہا تھا۔ وہ ایک رقاصہ کا انتظار بے تابی سے کر رہا تھا جس کے حُسن کے اُسے افسانے سنائے گئے تھے۔ اُس کا دروازہ کھلا۔ ایک لڑکی سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں مستور اُس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ ایلچی اُس کی طرف لپکا اور اُس کا چہرہ بے نقاب ہونے سے پہلے ہی بڑے فحش الفاظ کہہ کر اس سے لپٹ گیا۔ وہ اپنی عمر کو بھی بھول گیا۔

سارہ نے اُس کے بازوؤں سے آزاد ہو کر سیاہ لبادے کو پرے پھینک دیا۔ اُس نے ایلچی کی طرف دیکھا تو حیرت سے اُس کا منہ کھل گیا۔ وہ پیچھے ہٹنے لگی حتیٰ کہ اس کی پیٹھ دیوار سے جا لگی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان ڈھانپ لیے۔ ایلچی نے سارہ کا چہرہ دیکھا تو اُسے ہچکی سی آئی اور اُس کے منہ سے سرگوشی نکلی ـــــ

"سائرہ؟"

سارہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی جیسے اُس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ ایلچی نے گھبرائی ہوئی اور حیرت زدہ آواز میں ایک بار پھر پوچھا "سائرہ؟ تم سائرہ ہو؟" ـــــ وہ کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا "نہیں مجھے غلطی لگی ہے۔ تمہاری شکل میری ایک بیٹی سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ اُس کا نام سائرہ ہے۔"

"وہ سائرہ میں ہی ہوں جو آپ کی بیٹی ہے۔" سارہ کی زبان اچانک کھل گئی۔ اُس نے نفرت سے دانت پیس کر کہا "میں ہی آپ کی بیٹی ہوں۔ محلات میں دوسروں کی بیٹیوں کو نچانے والے کی بیٹی بھی ناچ سکتی ہے۔ میں ایک بے غیرت باپ کی بے غیرت بیٹی ہوں۔"

ایلچی لڑکھڑایا اور پلنگ پر گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گیا۔ اب اس کی زبان بند ہو گئی تھی۔ سائرہ اسی کی بیٹی تھی۔ باپ بیٹی کو جدا ہوئے دو سال ہو گئے تھے۔

"ایمان فروشوں کی بیٹیاں عصمت فروش ہوا کرتی ہیں۔" سارہ آگے بڑھی اور باپ کے سامنے رُک کر نفرت سے دانت پیسنے لگی۔ اُس نے کہا ـــــ "آج اپنی غیرت اور اپنی عزت کا انجام دیکھ۔ تُو اپنی بیٹی کی عصمت کا گاہک ہے۔ تیری بیٹی تیری خواب گاہ میں رات گزارنے آئی ہے۔" سارہ نے تیزی سے ایک ہاتھ آگے کیا اور کہا ـــــ "لا، میری اُجرت نکال۔ میں رات تیرے ساتھ بسر کرنے آئی ہوں۔"

"تُو... تُو..." اُس کے باپ کی زبان لڑکھڑا کر ہکلانے لگی ـــــ "تُو گھر سے بھاگ آئی تھی۔ میں بے غیرت نہیں ہوں، تُو بے غیرت ہے۔"

"جو باپ اپنی جوان بیٹی کے سامنے بیٹی کی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ بے حیائی کی حرکتیں کرتا ہے اور اپنی

بیٹی جیسی لڑکیوں کو نچاتا اور شراب کے نشے میں بدمست ہو کر اُس کے ساتھ بیٹی کے سامنے دست درازی کرتا ہے، اُس باپ کی بیٹی غیرت والی نہیں بن سکتی۔ وہ بھی رقاصہ یا طوائف بنتی ہے۔ باپ اُس کی شادی کر دے تو وہ اپنے خاوند کو دھوکے دیتی اور در پردہ کئی خاوند بنائے رکھتی ہے۔ سُن میرے باپ! تجھے تیرا ماضی اور اپنا حال بتاتی ہوں۔ میں نے تیرے گھر میں دمشق میں ہوش سنبھالا تو تجھے عورتوں سے بے پردہ عیش کرتے دیکھا۔ نورالدین زنگی مر گئے تو تُو الملک الصالح کے ساتھ حلب کو بھاگ گیا۔ تُو مجھے اور میری ماں کو بھی ساتھ لے آیا۔ حلب میں تو شراب بھی پینے لگا۔ تب میں لڑکپن میں تھی۔ تیرے پاس گورے چٹے صلیبی آنے لگے۔ انہوں نے تجھے دولت دی۔ بڑی خوبصورت لڑکیاں دیں اور تو کھلے عام شراب پینے لگا۔ تیرے گھر میں شراب کی محفلیں جمنے لگیں۔ لڑکیاں ناچنے لگیں۔ صلیبیوں نے میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تو تُو خوش ہوا.....

"پھر الملک الصالح مر گیا۔ تیرے پاس صلیبی پہلے سے زیادہ آنے لگے۔ تُو پہلے سے زیادہ عیاش ہو گیا۔ عزالدّین نے تجھے بہت بڑا عہدہ اور رُتبہ دے دیا۔ میں تیری بھیجی رقاصہ لڑکیوں میں اٹھنے بیٹھنے لگی۔ اُن سے میں نے رقص سیکھا۔ تجھے پتہ چلا تو تُو خوش ہوا۔ صلیبیوں نے مجھے دیکھا تو انہوں نے تیرے سامنے مجھے اپنے سینوں سے لگایا۔ تُو نے بُرا کیوں نہ منایا؟ صرف اس لیے کہ وہ میرے بدلے تجھے یورپ کی ایک لڑکی دے دیتے تھے۔ تُو نے اپنا ایمان بیچ ڈالا۔ صلاح الدّین ایوبی کے خلاف سازشیں کیں۔ تیرا کردار ختم ہو گیا۔ تُو یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اپنی بیٹی کو بھی تُو نے اپنی راہ پر ڈال دیا ہے۔ پھر ایک صلیبی نے مجھے سبز باغ دکھائے اور میں تیرے گھر کو خیرباد کہہ کر اپنے خیالوں کی جنت کو روانہ ہو گئی۔ مجھ سے یہ مت پوچھ کہ میں جس طرح آج رات تیری خواب گاہ میں آئی ہوں اس طرح کتنی خواب گاہوں کی رونق بنی ہوں۔ اُس صلیبی نے مجھے محبت کا فریب دے کر بیچ ڈالا۔ میں تجھ جیسے بے شمار دولت مندوں کی تفریح کا ذریعہ بن کر بیروت پہنچی جہاں مجھے شاہی رقاصہ کی حیثیت سے رکھ لیا گیا۔ آج اپنا باپ میری عصمت کا گاہک ہے۔"

ایلچی نے سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔

"آج تُو اپنے ایمان کی قیمت وصول کرنے آیا ہے۔" سارہ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا "تُو فلسطین اور قبلۂ اوّل کا سودا کرنے آیا ہے۔ اپنی بیٹی کی قیمت دینے آیا ہے۔" سارہ کی آواز بھرّا گئی۔ اُس نے کہا "یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔ میں باپ کے گناہوں کی سزا بھگت کر اس دنیا سے جا رہی ہوں۔"

اُس کے باپ نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اس کے گالوں کو تر کر رہے تھے۔ اُس نے اُٹھ کر دیوار سے لٹکتی ہوئی تلوار اتاری۔ نیام سے نکالی اور تلوار سارہ کے آگے کر کے کہا ـــــ "یہ لو۔ اپنے ہاتھوں مجھے ختم کر دو۔ شاید میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے۔"

سارہ نے اُس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور کہا ـــــ "آج رسول اللہ ﷺ کی اُمت اس مقام پر آ پہنچی ہے جہاں ایک باپ اپنی بیٹی کے ہاتھ میں تلوار دے کر یہ کہنے کی بجائے کہ جا بیٹی قبلۂ اوّل کو اس تلوار سے آزاد اور آباد کر، یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے اس تلوار سے قتل کر کے میرے گناہوں کا کفارہ ادا کر دے۔" اپنے باپ کی جذباتی حالت اور

شرمساری کے آنسو دیکھ کر سارہ کا لہجہ بدل گیا۔ باپ کا عزم ٹوٹ آیا۔ اُس نے کہا — "مگر میرے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زندہ رہو اور دشمن کو قتل کرو۔ میں آپ کو بتاؤں؟"

باپ نے شکست خوردگی کے انداز سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

"شاہ بالڈون کے ساتھ آپ نے جو معاہدہ کیا ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے کے لیے جو منصوبہ تیار اور طے کیا ہے وہ مجھے بتا دیں"۔ سارہ نے کہا — "میں یہ سلطان تک پہنچا دوں گی۔ اس سے بڑی نیکی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ آپ کے سارے گناہ بخشے جائیں گے"۔ باپ خاموشی سے سُن رہا تھا۔ سارہ نے کہا۔ "ہم دونوں کی نجات اسی میں ہے کہ ہم دونوں یہاں سے فرار ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ جائیں اور آپ اسے ساری بات اپنی زبانی سنا دیں"۔

"میں تیار ہوں"۔ باپ نے کہا — "لیکن ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے؟"

"انتظام ہو جائے گا"۔ سارہ نے کہا۔

باپ نے بیٹی کو گلے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے اپنے گناہوں نے اس سے ہتھیار ڈلوا لیے تھے۔

☆

لڑکیوں کی کمانڈر عورت بہت خوش تھی کہ اُسے بڑا موٹا گاہک مل گیا ہے۔ وہ اطمینان سے سو گئی۔ اُسے معلوم تھا کہ سارہ صبح واپس آئے گی مگر سارہ حسن الادریس کے کمرے میں تھی۔ اُس نے جب حسن کو بتایا کہ اس کا گاہک اس کا باپ تھا تو حسن کو چکر آ گیا تھا۔ سارہ نے حسن کو سنایا کہ اُس کے اس باپ نے گھر کا ماحول کس قدر گناہ آلود بنا رکھا تھا اور وہ کس طرح انہی گناہوں کی شیدائی ہو کر ایک صلیبی کے ساتھ گھر سے بھاگی اور کس طرح اس مقام تک پہنچی تھی۔ سارہ نے اُسے بتایا کہ اُس کا باپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس جانے کو تیار ہے۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ تمہارا مقصد پاک ہے"۔ حسن نے کہا — "مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے گا۔ خدا نے میری اُمید پوری کر دی ہے ...... اب میں تمہارے باپ سے ملوں گا اور اُسے کہوں گا کہ تیار رہنا"۔

دن کو حسن سارہ کے باپ سے ملا۔ پیچ پیچ کر بات کی۔ اس کی غیرت کو جھنجھوڑا اور جب دیکھا کہ وہ بہت ہی نادم ہے تو حسن نے اُسے وہاں سے نکلنے کا سہل طریقہ بتایا۔ اس کے ساتھ ساری بات طے کر کے وہ سارہ سے اُس محفوظ جگہ ملا جہاں وہ کبھی کبھی ملا کرتے تھے۔ سارہ کے باپ نے اپنے میزبانوں سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اکیلے ذرا سیر کے لیے جانا چاہتا ہے۔ اُسے گھوڑا دے دیا گیا۔ وہ اپنے ساتھی ایلچی کو یہ بتا کر چلا گیا کہ شام تک لوٹ آئے گا۔ وہ شہر سے نکلا تو ایک جگہ حسن گھوڑے پر سوار اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ ایک اور جگہ سارہ چھپی ہوئی تھی۔ اُسے باپ نے اپنے گھوڑے پر سوار کرا لیا اور وہ نصیبہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

وہ بیچ بیچ اور چھپ چھپ کر چلتے رہے۔ بہت دُور نکل گئے تو انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ سفر بہت لمبا تھا جو انہوں نے ایک رات اور ایک دن میں طے کر لیا۔ بیروت کے سراغرسانوں کے لیے شاہ بالڈون تھر

جا ہوا تھا۔ موصل کا ایک ایلچی لاپتہ ہو گیا تھا۔ ایک شاہی رقاصہ جو شاہ بالڈون کو نواقی طور پر اچھی لگتی تھی، غائب تھی اور گبریل جیکب نام کا ایک خصوصی باڈی گارڈ بھی لاپتہ تھا۔ تینوں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ لڑکیوں کی کمانڈر عورت کی زبان بند تھی۔ وہ کسی کو بتانے سے ڈرتی تھی کہ اُس نے سارہ کو گم شدہ ایلچی کے کمرے میں بھیجا تھا۔ بیروت میں صرف ایک آدمی کو معلوم تھا کہ یہ تینوں کہاں ہیں۔ اس آدمی کا نام حاتم تھا مگر حاتم گمنام سا نعل ساز تھا۔ اُسے وہی لوگ جانتے تھے جو اُس سے گھوڑوں کو نعل لگوایا کرتے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ غریب سا نعل ساز سلطان ایوبی کے اُس جاسوس گروہ کا لیڈر ہے جو بیروت کے اندر سرگرم ہے۔ سراغرساں اپنے قیاسوں اور قیاس آرائیوں سے باؤلے ہوئے جا رہے تھے۔

حسن الادریس، سارہ اور اس کا باپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ سلطان اپنی عادت کے مطابق خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ سارہ کا باپ اُسے بتا چکا تھا کہ بالڈون کے ساتھ اُس نے کیا منصوبہ تیار کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلا لیا اور نقشہ سامنے رکھ کر انہیں بتانے لگا کہ صلیبیوں کا منصوبہ کیا ہے اور ان کے خلاف وہ کیا کارروائی کرنا چاہتا ہے۔

☆

چلے قافلے حجاز کے

اس خبر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو حیران نہ کیا کہ حلب اور موصل کے حکمرانوں، عمادالدین اور عزالدین نے صلیبیوں کے ساتھ اس کے خلاف در پردہ گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ یہ تو جیسے اُس دَور میں رسم بن گئی تھی کہ چھوٹے بڑے مسلمان امراء صلیبیوں کے ساتھ در پردہ دوستانہ گانٹھنے لگے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سلطان ایوبی ان سب کو ایک خلافت کے تحت لا کر انہیں ایک متحد قوم بنانا چاہتا تھا مگر یہ امراء اپنی الگ الگ ریاستیں برقرار رکھ کر ان کے حکمران بنے رہنے کو اپنا مقصد بنائے ہوئے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ ان کا یہ مقصد صلیبیوں کی دوستی سے پورا ہو سکتا ہے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ان سب میں اہم حکمران عزالدین اور عمادالدین تھے۔ ان کی ریاستیں، حلب اور موصل، محلِ وقوع، وسعت، دفاعی استحکام وغیرہ کے لحاظ سے جنگی اہمیت کی حامل تھیں۔ صلیبی اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں کے یہ دونوں مقام اُن کے قبضے میں آجائیں یا یہ سلطان ایوبی کے قبضے میں نہ چلے جائیں، کیونکہ ان پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہو جانے سے افواج اور رسد وغیرہ کے لیے دو ایسے اڈے مل جاتے تھے جہاں سے وہ آسانی سے بیت المقدس پر فوج کشی کر سکتا تھا۔

"ربِ کعبہ کی قسم! میں حلب اور موصل پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا" سلطان ایوبی نے متعدد بار کہا تھا۔ "میں کسی مسلمان ریاست میں سے اپنی فوج میں گزارنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ میرا مدعا یہ ہے کہ یہ امراء اور حکمران صلیبیوں کے خلاف متحد ہو جائیں، خلافتِ بغداد کے وفادار ہو جائیں جو قرآن کا حکم ہے۔ میں انہیں اپنے زیرِ نگین نہیں کروں گا۔ میں خلیفہ نہیں ہوں۔ میں تو خود خلیفہ کا پیروکار اور خادم ہوں۔"

خلافت کے تحت آجانے سے ان لوگوں کو یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ اُن کی عیاشیاں بند ہو جائیں گی اور صلیبیوں کی طرف سے انہیں لڑکیوں اور شراب کے جو تحفے ملتے تھے وہ بند ہو جائیں گے۔ وہ حکومت اور دنیا کی جھوٹی شان و شوکت اور عیش و عشرت کے عادی ہو گئے تھے۔ اُن کی نظروں میں سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔

۱۱۸۲ء کے اوائل میں سلطان صلاح الدین ایوبی نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرنی تھی مگر اُسے مسلمان امراء کی نیت میں فتور نظر آرہا تھا۔ وہ اب یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ حلب اور موصل کے والیان کی در پردہ سرگرمیاں کیا ہیں اور صلیبی کیا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

اُسے اپنے جاسوس حسن الادریس نے بیروت سے آکر پوری اطلاع دے دی۔ اس جاسوس نے دوسرا کارنامہ یہ کر دکھایا کہ عزالدین کے ایک فوجی مشیر اور اُس کی بیٹی کو جو گھر سے بھاگ کر بیروت میں صلیبیوں کے پاس رقاصہ تھی، اپنے ساتھ لے آیا۔ حسن الادریس سلطان ایوبی کے پاس آیا اور بتایا کہ عزالدین نے بیروت دو ایلچی صلیبیوں کے پاس جنگی امداد کے لیے بھیجے ہیں۔ سلطان ایوبی اس اطلاع پر حیران نہ ہوا، البتہ یہ اطلاع اس کے لیے اہم تھی۔ اس نے اُسی

وقت سالاروں کو بلایا اور نقشہ سامنے رکھ کر انہیں بتایا کہ صلیبیوں کا منصوبہ کیا ہے۔

عزالدین کا جو ایلچی بیروت صلیبیوں سے مدد لینے گیا تھا اس کا نام احتشام الدین تھا۔ اب سلطان ایوبی کے پاس اس کی حیثیت ایک قیدی کی تھی لیکن سلطان ایوبی نے احترام سے اپنے سالاروں کے ساتھ بٹھایا۔ احتشام الدین کو تقریباً ہر ایک سالار جانتا تھا۔ کوئی اسے حقارت سے گھور رہا تھا اور کسی کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے کہ وہ اُن کے درمیان بیٹھا ہے اور قیدی ہے۔ سلطان ایوبی نے حسن الادریس کی رپورٹ سُن لی تھی۔

"مجھے اُمید ہے کہ ہمارا دوست احتشام الدین آپ کو خود ہی بتائے گا کہ عزالدین اور عمادالدین کی نیت کیا ہے؟" سلطان ایوبی نے کہا — "میں احتشام الدین پر الزام عائد نہیں کرتا کہ یہ ہمارے خلاف لڑنے کے لیے صلیبیوں سے جنگی امداد لینے گیا تھا۔ اسے والیٔ موصل عزالدین نے بھیجا تھا۔ یہ عزالدین کا ملازم ہے۔"

"سلطانِ محترم!" ایک سالار نے کہا — "مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے یہ کہنے سے نہیں روکیں گے کہ احتشام الدین اپنے حکمران کا معمولی سا ملازم نہیں۔ یہ اُس کا فوجی مشیر ہے۔ یہ سالار ہے۔ اسے اپنے حکمران کو ایسا مشورہ نہیں دینا چاہیے تھا کہ صلیبیوں سے مدد حاصل کی جائے۔"

"مجھے حکم دیا گیا تھا۔" احتشام الدین نے جواب دیا — "اگر میں حکم عدولی کرتا تو...."

"تو آپ کو جلاد کے حوالے کر دیا جاتا۔" ایک نائب سالار نے کہا — "آپ نے موت کے ڈر سے اپنے بادشاہ کا ایسا حکم مانا جو آپ کی اپنی قوم اور اپنے مذہب کی ذلت کا باعث ہے۔ کیا ہم اپنے گھروں سے دُور، اپنی اولاد سے بے خبر، اپنے آپ سے بے نیاز یہاں اپنی عمریں لمبی کرنے بیٹھے ہیں؟ ایک مدت سے ہم ان چٹانوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور رات اس پتھریلی زمین پر سوتے ہیں جب آپ حلب کے محل میں شہزادوں جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ شراب پیتے ہیں۔ ناچنے والی حسین یہودی، صلیبی اور مسلمان لڑکیاں آپ کا دل بہلاتی ہیں اور آپ نرم بستر پر سوتے ہیں جن پر مخمل کے پلنگ پوش بچھے ہیں۔ ہم یہاں مرنے آئے ہیں۔ ہمارے رفیقوں کی لاشیں جانے کہاں کہاں گم ہو گئی ہیں۔ ہمارے سپاہیوں کی ہڈیاں سارے علاقے میں بکھر گئی ہیں۔ تم کسی شہید کی کوئی ہڈی دیکھو گے تو کہو گے یہ کسی جانور کی ہڈی ہے۔ عیش و عشرت نے تمہاری نظروں میں شہیدوں کو شراب میں ڈبو دیا ہے۔ دوست اور دشمن کو ایک کر دیا ہے۔ ہم مرنے آئے ہیں تو تمہیں جینے کا کیا حق ہے؟"

"احترام!" سلطان ایوبی نے کہا — "احتشام الدین نے میرے پاس آکر گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اگر اسے طعنے دینے ہوتے تو میں بھی دے سکتا تھا۔"

"سلطانِ ذی شان!" ایک اور سالار نے کہا۔

"خدا کے لیے مجھے صرف سلطان کہو!" سلطان ایوبی نے کہا — "مجھے شان و شوکت سے دُور رہنے دو۔ مجھے بادشاہ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں سپاہی ہوں۔ مجھے سپاہی رہنے دو.... کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں احتشام الدین کو اور اپنے ان تمام ہتھیار بند بھائیوں کو جو یہاں موجود ہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو سالار اپنے حکمران کا اتنا غلام ہو جاتا ہے کہ اُسے خوش کرنے کے لیے اس کا غلط حکم بھی مان لیتا ہے، وہ اپنی قوم کی عزت کا

قاتل ہوتا ہے۔ قوم کی عزت کے محافظ ہم ہیں۔ سلطنت کا مالک بادشاہ یا سلطان نہیں، قوم ہوتی ہے جو [illegible] میں سے گزر رہے ہیں۔ یہ سپاہی کا فرض ہے، یہ جہاد کا مقصد ہے۔ اگر خلیفہ اور سلطان سلطنت کا کاروبار [illegible] سے نہیں چلا سکیں گے تو اللہ کے سپاہی انہیں اپنا ایسا ہی دشمن سمجھیں گے جیسے یہودی اور صلیبی ہیں۔ اور جب احتشام الدین کی طرح اللہ کے سپاہیوں پر بھی سلطان بننے کا نشہ طاری ہو جائے گا تو اسلام [illegible] کے گھنگھرو بجیں گے۔"

"اسلام پر جو بھی دور آئے گا وہ اللہ کے سپاہی کا دور ہوگا۔" سلطان ایوبی نے کہا — "جب تک اسلام زندہ ہے کفار اسلام کے دشمن بنے رہیں گے۔ آج ہمارے سالاروں کے دلوں میں جاہ و حشمت کی جو خواہش پیدا ہو گئی ہے، وہ کسی بھی وقت اسلام کو لے ڈوبے گی۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ اسلام زندہ رہے گا مگر اس شیر کی طرح زندہ رہے گا جسے سدھا لیا گیا ہو اور اُسے فراموش کرا دیا گیا ہو کہ وہ بادشاہ ہے۔ یہ شیر [illegible] سپاہی کفر کی انگلیوں پر ناچیں گے۔ اللہ کا سپاہی موجود ہوگا مگر اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہوگی۔ اگر تلوار ہوگی تو وہ کسی صلیبی کی دی ہوئی ہوگی جسے وہ نیام سے باہر نکالنے کے لیے صلیبی سے اجازت لے گا۔" سلطان ایوبی بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ اس نے نظریں گھما کر سب کو دیکھا اور بولا — "میں بھی باتوں میں اُلجھ گیا ہوں۔ میرے رفیقو! ہمیں کام کرنا ہے۔ اگر ہم اس بحث میں پڑ گئے کہ یہ گناہ کس کا ہے اور وہ خطا کس کی ہے، اور کون سچا اور کون جھوٹا ہے تو ہم صرف باتیں ہی کرتے رہیں گے.... احتشام الدین تمہیں بتائے گا کہ حلب اور موصل کے حکمرانوں نے صلیبیوں کے ساتھ کیا طے کیا ہے اور ہمیں کس قسم کے دشمن سے کس قسم کی لڑائی لڑنی پڑے گی۔"

☆

احتشام الدین اُٹھا اور سب کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سب کو نظریں گھما کر دیکھا اور بولا — "میرے دوستو! میں تمہاری نظروں میں حقارت اور قہر دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں حق پہنچتا ہے کہ میرے لیے سزائے موت تجویز کرو، مگر میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہوں۔ یہ درست ہے کہ میں نے والیٔ موصل عزالدین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا ایمان فروخت کیا اور اس کا ایلچی بن کر بیروت گیا اور صلیبیوں سے مدد مانگی، مگر یہ بھی درست ہے کہ جس طلسم نے میری عقل اور میرے ایمان کو اپنے قبضے میں لیا اس سے تم میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ کیا تم میں سے سالار اور حاکم غداری کا جُرم کرتے نہیں پکڑے گئے؟ ان میں بہت سے ایسے تھے جن پر سلطان کو اتنا اعتماد تھا جتنا انہیں اپنی ذات پر ہے مگر وہ ایمان فروش نکلے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسانی فطرت میں ایک ایسی کمزوری ہے جو انسان کو عیش و عشرت میں ڈال دیتی ہے، اور جہاں کے روز و شب میں حکومت اور معاشرے میں گناہ کی ترغیب دینے والی باتیں ہوں، وہاں زاہد بھی عیش پسند اور گناہگار بن جاتے ہیں۔ ہر کوئی امیر اور سلطان بننے کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ ہر کسی کی ذات کا قلعہ مسمار ہو جاتا ہے....

"اگر تم مجھے گناہگار سمجھتے ہو تو میری تلوار سے میرا سر تن سے جدا کر دو۔ اگر مجھے توبہ کا موقع دیتے ہو تو میں عظمتِ اسلام کی پاسبانی اور سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع کے لیے تمہاری بہت مدد کر سکتا ہوں۔"

سارہ جیسی حسین لڑکی کا جیکب کو پسند کرنا کوئی بُرا نہیں تھا۔ جیکب مردانہ حسن اور وجاہت کا شاہکار تھا۔ چند اور لڑکیوں نے بھی اس کے ساتھ دوستی کی پیش کش کی تھی لیکن جیکب ان سے دور ہی رہا تھا۔ دور رہنے کی وجہ تھی کہ یہ سب ناپاک اور عصمت بریدہ لڑکیاں تھیں۔ جیکب نے اُن کی پیش کش ٹھکرا کر اپنی قیمت چڑھالی اور اپنی کشش میں اضافہ کر لیا تھا۔ وہاں تو یہ عالم تھا کہ بدکاری کو گناہ کی بجائے تفریح بلکہ جائز تفریح سمجھا جاتا تھا۔ پہلی ملاقات میں جیکب سارہ کو بھی ایسی ہی بدکار لڑکی سمجھا تھا لیکن سارہ میں سنجیدگی اور متانت سی تھی جو جیکب کو اچھی لگی تھی۔ سارہ کو جب یہ پتہ چلا کہ جیکب شراب بھی نہیں پیتا تو وہ اُسے زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔ پھر ایک رات سارہ نے اُس کے منہ سے اپنی تعریف کرانے کے لئے پوچھا تھا — "تم نے میرے رقص کی کبھی تعریف نہیں کی، دوسرے مجھے راستے میں روک کر میرے فن اور جسم کی تعریف کیا کرتے ہیں؟"

"میری زبان سے تم اپنے فن کی تعریف کبھی نہیں سنوگی"۔ جیکب نے جواب دیا — "البتہ تمہارے جسم میں جادو کا سا اثر ہے۔ بہت اچھا جسم ہے۔ خدا نے تمہارے چہرے مہرے میں جو کشش پیدا کی ہے وہ خدا کے بندوں کی نظروں کو جکڑ لیتی ہے لیکن یہ جسم ناچتا ہوا اچھا نہیں لگتا، نہ کسی کو انگلیوں پر نچاتا ہوا اچھا لگتا ہے۔ یہ جسم کسی ایک مرد کی ملکیت ہوتا۔ وہ مرد چھ کلمے پڑھ کر اس جسم کو احترام اور پیار کے ساتھ مستور کر کے لے جاتا تو اس جسم پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی۔ تم خدا کی توہین کر رہی ہو۔"

"جیکب!" سارہ نے اسے حیران سا ہو کے کہا — "تم کون سے چھ کلموں کی بات کر رہے ہو؟ عیسائی اپنی دلہنوں کو مستور کر کے بھی نہیں لے جاتے۔"

جیکب گھبرا گیا، پھر اچانک قہقہہ لگا کر بولا — "میرے دماغ پر مسلمان سوار رہتے ہیں۔ میری اپنی تو شادی ہوئی نہیں، مسلمانوں کی شادیاں دیکھی ہیں۔"

اُس نے وضاحت کی کہ "چھ کلمے" اُس کے منہ سے نکل گئے ہیں مگر سارہ اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی، پھر وہ چپ سی ہو گئی اور خلاؤں میں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ بے تاب سی ہو کر اُس نے جیکب کے بازو پر ہاتھ رکھا اور پوچھا — "تم مسلمان تو نہیں ہو جیکب؟ میرا کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ تم جاسوس ہو۔ ہو سکتا ہے ملازمت کی خاطر تم نے اپنے آپ کو عیسائی بنا رکھا ہو یا عیسائی مذہب قبول کر لیا ہو۔"

"جیکب مسلمان نہیں ہوا کرتے سارہ!" جیکب نے کہا — "میرا نام گلبرٹ جیکب ہے..... تم اتنی پریشان اور اداس کیوں ہو گئی ہو؟ معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں مسلمانوں کے خلاف اتنی نفرت ہے کہ تم ان کلموں کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔"

"تمہیں دل کی ایک بات بتاؤں؟" سارہ نے کہا — "شاید تم اچھا نہ جانو۔ مجھے مسلمان اچھے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ وہ چھ کلمے پڑھ کر اپنی دلہنوں کو مستور کر کے لے جاتے ہیں۔" اس نے آہ بھر کر کہا — "عورت عریاں کر دی جاتی ہے تو اُسے احساس ہوتا ہے کہ مستور ہونے میں جو روحانی قرار تھا وہ چھن گیا ہے۔ ناچنے میں بھی لذت نہیں اور اپنے حسن کا جادو طاری کر کے دوسروں کو انگلیوں پر نچانے میں بھی قرار نہیں۔ میں جب تنہائی میں آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں تو آئینے میں مجھے ایک ناپاک عورت نظر آتی ہے۔ میں اپنے عکس کو مستور نہیں کر سکتی۔ اس پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ البتہ میری روح پر سیاہ پردہ پڑ گیا ہے۔"

"تم اس پیشے سے اتنی متنفر ہو تو نکل بھاگو یہاں سے۔" جیکب نے کہا۔

"کدھر کو؟" سارہ نے کہا — "یہاں سے بھاگوں گی تو کسی قحبہ خانے والوں کے قبضے میں آ جاؤں گی..... کیا تم میرے رقص کو پسند کرتے ہو یا مجھے؟"

"میں اُس سارہ کو پسند کرتا ہوں جو اس پیشے سے نفرت کرتی ہے، اداس اور پریشان رہتی ہے۔" جیکب نے کہا — "میں کہہ چکا ہوں کہ تم خدا کی توہین کر رہی ہو۔"

"تم فوج میں کس طرح آ گئے ہو؟" سارہ نے کہا — "تمہیں کسی دیہاتی گرجے میں پادری ہونا چاہیے تھا..... تم ہر روز کتنی شراب پیتے ہو؟"

"اس کی بُو سے بھی نفرت ہے۔"

"پھر تم مسلمان ہو۔" سارہ نے وثوق کے لہجے میں کہا — "اگر تم نہیں تو تمہارا باپ مسلمان تھا۔ تم عورت کو مستور دیکھنا چاہتے ہو۔ تمہیں رقص پسند نہیں۔ تمہیں شراب کی بُو سے بھی نفرت ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ مجھے تو جو کوئی بھی دیکھتا ہے کھا جانے کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ تم میرے دل کے درد کو سمجھتے ہو نا؟"

"سمجھتا ہوں سارہ!" جیکب نے کہا — "یہ درد میرے دل نے محسوس کیا تھا۔"

پھر وہ کئی بار ملے۔ سارہ جیکب کے ساتھ دل کی باتیں کیا کرتی تھی۔ اُس نے جیکب سے کئی بار کہا تھا کہ تمہاری چال ڈھال اور تمہارے خیالات مسلمانوں جیسے ہیں۔ جیکب نے کئی بار اُس سے پوچھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اتنا زیادہ پسند کیوں کرتی ہے؟ سارہ نے کبھی کوئی ٹھوس جواب نہیں دیا تھا۔ البتہ دونوں نے یہ ضرور محسوس کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دل میں اُتر گئے ہیں۔

☆

ضیافت کی رات جب جیکب اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر کسی اور طرف جا رہا تھا، سارہ کی رہائش کی طرف چل پڑا۔ ضیافت میں سارہ کی غیر حاضری کی وجہ بیماری ہی ہو سکتی تھی۔ اس عمارت میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ جیکب نے وہاں جانے کا خطرہ اس لیے مول لے لیا کہ تمام لڑکیاں ضیافت میں گئی ہوئی تھیں اور وہاں ملازمائیں بھی نہیں تھیں۔ جیکب اندھیری طرف سے گیا۔ وہ سارہ کا کمرہ جانتا تھا۔ وہ دبے پاؤں کمرے کے دروازے تک پہنچا۔ ہاتھ لگایا تو کواڑ کھل گیا۔ ایک کمرے سے گزر کر وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں چھوٹی سی قندیل جل رہی تھی جس کی مدھم سی روشنی میں اُسے سارہ سوئی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اُسے یہ لڑکی دودھ پیتے بچے کی طرح معصوم لگی۔ اُس کا ہاتھ اپنے ہی بکھرے ہوئے بالوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ بحیرۂ روم کی ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکوں سے سارہ کے بکھرے ہوئے بال آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ وہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ جیکب نے ہاتھ اس

کی پیشانی پر رکھا۔ پیشانی اتنی ہی گرم تھی جتنی اُس عمر کی سوئی ہوئی لڑکی کی گرم ہونی چاہیئے تھی۔ جیکب کو یقین ہو گیا کہ سارہ کو بخار نہیں۔

"تم نخلستان کا پھول ہو جو بادشاہوں کی خواب گاہوں میں آکر مرجھا جاتا ہے" جیکب نے دل ہی دل میں سارہ سے کہا۔ "تم صبح کا ستارہ ہو جو سورج کی چمک سے بجھ جاتا ہے اور رات کو پھر چمک اٹھتا ہے۔ تمہاری زندگی راتوں کے اندھیرے میں بیت رہی ہے۔ تمہاری قسمت اندھیرے میں لکھی گئی تھی.... تم مجھے کیوں اچھی لگتی ہو؟ مجھ سے بار بار کیوں پوچھتی ہو کہ میں نے چند کلموں کا ذکر کیوں کیا تھا؟ تم کسی مسلمان ماں کی کوکھ کی پیداوار تو نہیں؟ تمہاری رگوں میں کسی مسلمان باپ کا خون تو نہیں؟ اس راز سے پردہ کون اٹھائے گا؟ میں تمہارے لیے راز ہوں تم میرے لیے راز ہو۔"

جیکب کو یاد آگیا کہ صلیبی فوجی مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ ان کی بچیوں کو اٹھائے جاتے ہیں اور انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر جاسوسی اور بے حیائی اور رقص کی تربیت دیتے ہیں۔ سارہ بھی شاید انہی بدنصیب لڑکیوں میں سے ہوگی، ورنہ یہ قوم احساسات اور جذبات کے لحاظ سے مُردہ اور بے حیائی میں پوری طرح زندہ ہوتی ہے۔ جیکب بھول گیا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ کسی مرد کو ان کمروں میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ سارہ کے دل میں ایسی اتری تھی کہ وہ خطروں سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اُس سے رہا نہ گیا۔ اُس نے قندیل بجھا دی اور اس کے ساتھ ہی سارہ کی آنکھ کھل گئی۔

جیکب کو اُس کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی ۔۔ "کون ہو؟"

"جیکب"

"اس وقت یہاں کیوں آگئے ہو؟" سارہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں محبت بھی تھی ہمدردی بھی۔ "کسی نے دیکھ لیا تو تم سیدھے قید خانے میں جاؤ گے۔ مجھے باہر بلا لیا ہوتا۔"

"یہ پریشانی مجھے اس خطرے میں لے آئی ہے کہ تم بیمار ہو" جیکب نے اندھیرے میں اُس کے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "روشنی اس لیے گل کر دی ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ میں کسی اور نیت سے نہیں آیا سارہ! معلوم نہیں کیا کشش ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے۔ تمہیں بخار تو نہیں؟"

"میری روح علیل ہے" سارہ نے کہا۔ "میں تو جب بھی محفلوں اور ضیافتوں میں ناچتی ہوں میرا دل ساتھ نہیں ہوتا۔ میرا جسم ناچتا ہے اور روح مر جاتی ہے، مگر آج جب مجھے کہا گیا کہ موصل سے دو بڑے ہی اہم مہمان آرہے ہیں تو روح کے ساتھ میرا جسم بھی بے جان ہو گیا۔ مجھے سستی آنے لگی اور سر چکرانے لگا۔ مجھے ان بادشاہوں کی جنگوں اور ان کے امن اور دوستی کے معاہدوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں لیکن میرے کانوں میں جب یہ بات پڑی کہ موصل سے اہم مہمان آرہے ہیں تو مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے صلیبیوں اور مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ میرا گہرا تعلق ہے۔ میں ابھی تک یہ نہیں سوچ سکی کہ میرا روحانی تعلق کس کے ساتھ ہے، صرف یہ احساس جاگ اُٹھا کہ میں اس محفل میں نہیں ناچ سکوں گی۔ میں موصل کے مہمانوں کا سامنا نہیں کر سکوں گی یا وہ مجھے دیکھ کر وہاں سے بھاگ

جائیں گے۔"

"کیوں؟" جیکب نے پوچھا ۔۔ "موصل والوں کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میں بتا نہیں سکتی" سارہ نے کہا ۔۔ "میں تو اپنے آپ کو بھی یہ بتانے سے ڈرتی ہوں کہ موصل والوں کے ساتھ میرا کیا تعلق ہے۔"

"سارہ!" جیکب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "تم اپنا آپ مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو؟ کیا تمہیں کسی قافلے سے اغوا کیا گیا تھا؟ تم کس باپ کی بیٹی ہو؟"

سارہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ جیکب چونک اُٹھا۔ دونوں نے کھڑکی کی طرف دیکھا جو کھلی ہوئی تھی۔ وہاں ایک سایہ کھڑا نظر آیا۔ سارہ نے جیکب کے کان میں سرگوشی کی۔ "پلنگ کے نیچے ہو جاؤ" جیکب نے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا۔ آہستہ سے سرک کر فرش پر بیٹھا اور آواز پیدا کیے بغیر پلنگ کے نیچے چلا گیا۔ سارہ لیٹ گئی۔

"سارہ!" کھڑکی کے ساتھ کھڑے سائے کی آواز آئی۔ یہ ایک بوڑھی عورت کی آواز تھی جو بعض راتیں ناچنے گانے والیوں کو دیکھا کرتی تھی کہ کوئی لڑکی غیر حاضر تو نہیں۔

اُس کی آواز پر سارہ نہ بولی۔ عورت نے اُسے ایک اور آواز دی۔ سارہ پھر بھی نہ بولی۔ عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا ۔۔ "سارہ تم سوئی ہوئی نہیں ہو۔ مجھے جواب دو۔ قندیل کیوں بجھی ہوئی ہے؟"

سارہ نے منہ سے ایسی آواز نکالی جیسے ہڑبڑا کر جاگ اٹھی ہو۔ گھبراہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے بولی۔ "کون ہو؟ کیا ہو گیا ہے؟"

"میں اُدھر سے آکر بتاتی ہوں" عورت کا سایہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ وہ دروازے کی طرف سے آنا چاہتی تھی۔ سارہ نے جھک کر جیکب سے کہا ۔۔ "وہ دوسری طرف سے آرہی ہے۔ باہر آؤ اور کھڑکی سے کود جاؤ۔"

"نہیں سارہ!" جیکب نے پلنگ کے نیچے سے نکل کر کہا ۔۔ "میں اسے جانتا ہوں۔ آنے دو اسے۔ میں اس کی مٹھی گرم کر دوں گا تو خاموشی سے چلی جائے گی۔"

"یہ خبیث عورت ہے" سارہ نے کہا ۔۔ "یہ درپردہ لڑکیوں کی دلالی کرتی ہے۔ تم فوراً نکل جاؤ یہاں سے، ورنہ میرا جھوٹ مجھے مروا دے گا۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔"

وہ عورت ابھی دروازے تک آئی ہی تھی کہ جیکب کھڑکی سے باہر کود گیا۔ سارہ نے قندیل جلا دی۔ عورت اندر آئی۔ جسم کے لحاظ سے وہ عورت کم اور مرد زیادہ تھی۔ وہ سارہ پر برس پڑی۔ سارہ نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کمرے میں اور کوئی نہیں تھا اور وہ شاید خواب میں بول رہی ہوگی۔ عورت نے اُسے کہا کہ خواب میں عورت کی آواز مرد جیسی بھاری نہیں ہو جایا کرتی۔

"یہ کیا ہے؟" عورت نے جھک کر پلنگ کے قریب فرش پر گرا ہوا ایک رومال اٹھا لیا۔ یہ گز بھر لمبا اور اتنا ہی چوڑا کپڑا تھا جو مرد گرمی سے بچنے کے لیے سر پہ ڈال لیا کرتے تھے۔ "یہ کس کا ہے؟ یہ اُس کا ہے جو تمہارے پاس آیا بیٹھا تھا۔ وہ کون تھا؟ تم نے اُس سے کتنی رقم لی ہے؟"

"میں عصمت فروش نہیں" سارہ نے غصے سے کہا۔ "میں رقاصہ ہوں۔ تم جانتی ہو میں کسی مرد سے منہ نہیں لگاتی۔"

"سنو سارہ!" عورت اُس کے پاس بیٹھ گئی اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے بولی۔ "یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ تم رقاصہ ہو مگر تم یہ نہیں جانتی کہ رقاصہ فوج کی جرنیل یا شہر کی حاکم نہیں ہُوا کرتی۔ میں اتنی سی بات کہہ دوں گی کہ تمہارے پاس رات کو ایک آدمی آیا تھا وہ تمہیں بیروت کے کسی انتہائی گھٹیا قحبہ خانے میں بیچ ڈالیں گے یا تمہیں قید میں ڈال دیں گے۔ اس نشے میں بات نہ کرو کہ تم شاہی رقاصہ ہو۔ یہاں تمہارا کوئی مقام نہیں۔"

"تم مطلب کی بات کرو" سارہ نے کہا۔ "تم مجھ پر جو مہربانی کرنا چاہتی ہو اُس کا معاوضہ کیا لو گی؟ میں ابھی ادا کر دیتی ہوں۔"

"میں تم سے کچھ بھی نہیں لوں گی" عورت نے کہا۔ "میں کسی اور سے معاوضہ وصول کروں گی۔ تمہاری ہاں کی ضرورت ہے۔"

سارہ اُس کا مطلب سمجھ گئی۔ باہر سے شاہی مہمان آتے ہی رہتے تھے۔ ان میں عیسائی بھی ہوتے تھے، مسلمان بھی۔ شاہی حیثیت کے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے لڑکیاں موجود رہتی تھیں، لیکن اُن کے ساتھ جو عملہ آتا تھا انہیں اس قسم کی عیاشی مہیا نہیں کی جاتی تھی۔ یہ عورت ان لوگوں سے مل کر اُن کے پاس لڑکیاں بھیجا کرتی اور منہ مانگا معاوضہ وصول کرتی تھی۔ یہ اُس کا خفیہ کاروبار تھا۔ بعض شاہی مہمان ایسے ہوتے تھے جو سرکاری طور پر دی ہوئی لڑکی سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ یہ عورت در پردہ محل کے ایک دو ملازموں کے ذریعے اُن کی یہ ضرورت پوری کرتی اور انعام لیتی تھی۔ سارہ اُس کے ہاتھ کبھی نہیں آئی تھی مگر اب یہ لڑکی اُس کے جال میں آ گئی۔ وہ اگر بتاتی کہ اُس کے پاس جیکب آیا تھا اور اُس کے ساتھ اس کا تعلق پاک ہے تو یہ عورت کبھی یقین نہ کرتی اور دوسرا ظلم یہ ہوتا کہ جیکب کو قید میں ڈال کر بڑی ہی ظالمانہ اذیتیں دے دے کر مار دیا جاتا۔

"سارہ!" عورت نے کہا۔ "اگر اپنے ہولناک انجام سے بچنا چاہتی ہو تو میری بات مان لو۔ باہر سے دو مہمان آئے ہوئے ہیں۔ بہت دولت مند ہیں۔ پرسوں سے وہ ملازموں سے کہہ رہے ہیں کہ انہیں اچھی قسم کی لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ یہ دراصل اُن کی عادت ہے۔ اپنے ہاں حرموں میں بیس بیس تیس تیس لڑکیاں جمع کیے رکھتے ہیں یہاں بھی چاہتے ہیں کہ ان کے کمروں میں لڑکیوں کی چہل پہل لگی رہے۔ کل تم اِن میں سے ایک کے پاس چلی جانا۔"

"کون ہیں وہ؟" سارہ نے پوچھا۔ "اگر مسلمان ہیں تو میں اُن کے پاس نہیں جاؤں گی۔"

"تو قید خانے میں جاؤ" عورت نے کہا۔ "ہوش میں آؤ۔ اپنے آپ کو دیکھو تم کیا ہو۔ اپنے پیشے کو دیکھو۔ شریف بننے کی کوشش نہ کرو۔ وہ دل کھول کر انعام دیں گے جس میں تمہارا حصہ بھی ہوگا۔"

"اور پکڑے گئے تو؟"

"میں پکڑنے والوں کا منہ بند رکھا کرتی ہوں" عورت نے کہا۔ "کل رات تیار رہنا۔ اب تم سے بالکل نہیں پوچھوں گی کہ ابھی ابھی تمہارے پاس کون آیا تھا۔"

عورت چلی گئی۔ سارہ کے آنسو بہنے لگے۔

جیکب بھاگنے والا آدمی نہیں تھا لیکن وہ اس ڈر سے نکل گیا کہ سارہ کی مصیبت آ جائے گی۔ اُسے اُمید تھی کہ سارہ اسی غلیظ دنیا کی لڑکی ہے اور اس عورت کو سنبھال لے گی۔ وہ شہر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن پر سارہ چھائی ہوئی تھی۔ سارہ سے اُسے دلی محبت ہو گئی تھی اور سارہ اس کے لیے معمہ بھی بن گئی۔ اُسے بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ سارہ کسی مسلمان باپ کی بیٹی ہے..... وہ چلتے چلتے شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں داخل ہو گیا۔ گلیوں کے موڑ مڑتا ایک مکان کے سامنے رُکا اور دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔

"کون؟"

"حسن!" جیکب نے جواب دیا۔

"اتنی رات گئے؟" دروازہ کھولنے والے نے پوچھا۔ "فوراً اندر آ جاؤ۔ کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

"نہیں" جیکب نے جواب دیا۔ "کافروں کی ضیافت سے ابھی فارغ ہُوا ہوں۔ ایک ضروری اطلاع لایا ہوں۔"

وہ اندر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اب وہ جیکب نہیں بلکہ حسن الادریس تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔ اس نے ایک سال پہلے اپنے آپ کو ایک عیسائی ظاہر کر کے اور نام گلبرٹ جیکب بتا کر صلیبی فوج میں ملازمت کر لی تھی۔ گورے رنگ کا جوان تھا۔ ٹریننگ کے مطابق وہ اداکاری اور چرب زبانی کا ماہر تھا۔ اس کی شکل صورت اور دراز قد کی بدولت اُسے محل کی خصوصی ڈیوٹی کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا۔ یہاں سے وہ قاہرہ کو خبریں بھیجتا رہتا تھا۔ اس کے گروہ کا لیڈر حاتم اس مکان میں رہتا تھا جس میں وہ داخل ہو گیا تھا۔

"موصل کے دو ایلچی بالڈون کے پاس آئے ہیں" حسن نے اپنے لیڈر کو بتایا۔ "میں نے یہ یقین کر لیا ہے کہ یہ دونوں موصل سے آئے ہیں اور دونوں مسلمان ہیں۔ انہیں بالڈون اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ والیٔ موصل عزالدین کا کوئی پیغام لے کر آئے ہیں۔"

"اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف معاہدے کا پیغام ہوگا" لیڈر نے کہا۔ "یہ معلوم کر لیا ہے کہ ان کے درمیان کیا طے پایا ہے؟ سلطان ابھی تک اس دھوکے میں ہیں کہ عزالدین اور علاؤالدین ہمارے دوست ہیں یا کم از کم ہمارے خلاف لڑیں گے نہیں۔"

"ان کی بات چیت بند کمرے میں ہوئی ہے" حسن نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ جو کچھ طے ہونا تھا، ہو چکا ہے۔ میں نے ان میں سے ایک کے ساتھ بات کی تھی۔ وہ بہت خوش نظر آتا تھا۔ بدبخت نے شراب اس قدر پی لی تھی کہ اس نے نشے میں مجھے بڑا صاف اشارہ دے دیا کہ وہ دونوں مسلمان ہیں اور موصل سے آئے ہیں۔ مجھے کہتا تھا کہ وہ ہماری یعنی صلیبیوں کی محبت دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکا اور گر پڑا۔"

"ہم سلطان کو صرف یہ اطلاع بھجوائیں کہ بیروت میں موصل کے دو آدمی آئے تھے کافی نہیں" حاتم نے کہا۔ "ہم اپنے سلطان سے بہت شرمسار ہیں کہ اُن تک ہماری یہ اطلاع نہ پہنچ سکی کہ وہ بیروت کو محاصرے میں لینے کا منصوبہ ترک کر دیں کیونکہ بالڈوین کو اس منصوبے کی اطلاع قاہرہ سے مل گئی ہے۔"

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہ تھا" حسن نے کہا۔ "اسحاق ترک بروقت روپوش ہوگیا تھا۔ وہ دھوکہ دینے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ راستے میں صحرا کا شکار ہوگیا یا پکڑا گیا ہے۔"

"بیروت کے محاصرے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا جو نقصان ہوا ہے، ہمیں اس کا ازالہ کرنا ہے" حاتم نے کہا۔ "ان کے لیے یہ خبر بہت اہم ہے کہ موصل والے بیروت والوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر رہے ہیں لیکن ہمیں پوری اطلاع دینی چاہیے کہ معاہدے میں کیا کیا شرائط طے ہوئیں اور کیا منصوبہ بنا ہے۔ اس وقت سلطان بہت بڑے خطرے میں بیٹھے ہیں۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ دوستوں کے درمیان محفوظ ہیں لیکن وہ دراصل دشمنوں کے گھیرے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں" حاتم نے حسن سے پوچھا۔ "محل میں تم کوئی ایسا ذریعہ پیدا نہیں کر سکتے جو اندر کی باتیں بتا سکے؟"

"باتیں بند کمرے میں ہوئی ہیں" حسن نے جواب دیا۔ "بالڈون یا اس کے مشیروں اور سالاروں سے تو پوچھا نہیں جا سکتا۔ ان دونوں آدمیوں کے سینے سے راز نکالنے کی کوشش کی جا سکتی ہے جو موصل سے آئے ہیں۔ میں ذریعہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر نہ ہوا تو دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔ یہ جب واپس جائیں گے تو انہیں راستے سے اغوا کر لیا جائے گا یا ضرورت پڑی تو ختم کر دیا جائے گا۔"

"انہیں ختم کرنے سے ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوگا" حاتم نے کہا۔ "ہمیں بالڈون اور عزالدین کے منصوبے کی ضرورت ہے۔"

"میری کوشش یہی ہوگی" حسن نے کہا۔ "اگر منصوبہ نہ ملا تو ان دونوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

"اگر انہیں قتل کرنا ہوا تو وہ میں یہیں کرا سکتا ہوں" حاتم نے کہا۔ "جس قدر جلدی ہو سکے مجھے بتاؤ کہ تم مطلوبہ معلومات حاصل کر سکے ہو یا نہیں۔ میں صبح ایک آدمی کو سلطان کو یہ خبر دینے کے لیے روانہ کر دوں گا کہ بالڈون کے پاس عزالدین کے ایلچی آئے ہیں اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو گیا ہے تاکہ سلطان اس خوش فہمی میں نہ پڑے رہیں کہ عزالدین ان کا دوست ہے۔ تم بہت تھوڑے سے وقت میں مکمل اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"

"میری کامیابی کے لیے دعا کریں" حسن اٹھا اور باہر نکل گیا۔

☆

"صلیبی چھاپہ ماروں کو زندہ پکڑنے کی کوشش کرو" سالار صارم مصری نے اپنے چھاپہ مار دستوں کے کمانداروں کو ہدایات دے رکھی تھیں۔ "لیکن اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالو۔ جہاں حملہ کرو وہاں کاری ضرب لگاؤ اور نکلنے کی کوشش کرو۔ اور جب تم پر حملہ ہو تو جم کر لڑو اور دشمن کو نکلنے نہ دو۔ یہ اتنی زیادہ فوج تمہارے بھروسے پر آرام کی نیند سوتی ہے اور اتنی زیادہ رسد تمہاری ذمہ داری پر پڑی ہے۔"

چھاپہ ماروں کو اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا۔ سلطان ایوبی نے خیمہ گاہ سے دور دور چٹانوں اور بلند جگہوں پر بیس سے چالیس لشکری کی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں جن کے ذمے دیکھ بھال اور خیمہ گاہ کی حفاظت تھی۔ ایسی ہی ایک چوکی جو پہاڑیوں میں گھری ہوئی ایک چٹان پر تھی دشمن کے تیروں کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے اونچی پہاڑیاں تھیں اور

ایک وادی۔ اس وادی میں سے فوج گزر سکتی تھی۔ اس ڈھکی چھپی گزرگاہ پر نظر رکھنے کے لیے یہ چوکی قائم کی گئی تھی۔ وہاں دو سوار دو گھوڑوں کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ وہاں روز مرہ کا معمول بن گیا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد تین چار تیر آتے اور ایک دو سپاہیوں کو ختم کر دیتے۔ ایک شام ایک گھوڑے کو ایک وقت تین تیر لگے اور گھوڑا تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ تیر قریب کی پہاڑی سے آتے تھے۔ اس کے فوراً بعد اندھیرا چھا جاتا تھا اس لیے تیر چلانے والوں کو ڈھونڈا نہیں جا سکتا تھا۔

ایک روز شام سے پہلے چوکی کے دو سپاہی پہاڑی پر کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ دو تیر آئے، دونوں ان دو سپاہیوں کی پیٹھوں میں لگے۔ دونوں شہید ہو گئے۔ صبح ان کی ادھ کھائی لاشیں اٹھائی گئیں۔ رات کو بھیڑیے لاشوں کو کھاتے رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ صلیبی چھاپہ ماروں کا کام ہے۔ ایک روز دس سپاہیوں کا ایک مختصر جیش علاقے کی تلاشی کے لیے بھیجا گیا۔ پہاڑی علاقے میں جا کر چار چار افراد میں تقسیم ہو کر بکھر گیا۔ ایک جگہ دس بارہ سال کی عمر کا ایک بچہ نظر آیا۔ وہ سپاہیوں کو دیکھ کر دوڑ پڑا اور ایک بلند چٹان کے دامن میں غائب ہو گیا۔ وہ گڈریا ہو سکتا تھا لیکن وہاں کوئی بھیڑ بکری اور کوئی اونٹ نہیں تھا۔ سپاہی وہاں تک گئے تو انہیں چٹان میں تنگ سا ایک دہانہ نظر آیا جو کسی غار کا تھا۔ بچہ اسی میں چلا گیا ہوگا۔

سپاہیوں نے دہانے کے ساتھ کان لگائے تو اندر سے انہیں باتوں کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دی۔ کسی بچے کا غار میں چھپ جانا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ یہ سپاہی اس بچے سے صلیبی چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بہت پکارا لیکن غار میں خاموشی چھا گئی۔ سپاہیوں نے دھمکی دی کہ جو کوئی اندر ہے باہر آ جائے ورنہ ہم اندر آ کر سب کو قتل کر دیں گے۔ اندر سے ایک جوان عورت نکلی۔ وہ اس علاقے کی زبان میں سپاہیوں کو کوسنے لگی۔ پھر رو پڑی اور کہا کہ مجھے قتل کر دو، میرے بچوں کو بخش دو۔ اس کے دو بچے تھے۔ ایک دس بارہ سال کا جو باہر سے دوڑا تھا اور دوسرا چند مہینوں کا تھا جو اس عورت نے اندر سلایا ہوا تھا۔

سپاہیوں نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان سپاہی ہیں مگر عورت انہیں گالیاں دینے لگی اور منت سماجت بھی کرنے لگی۔ اس نے بتایا کہ دو روز ہوئے اس کے گاؤں میں پندرہ سولہ صلیبی سپاہی آئے اور گاؤں پر قبضہ کر لیا.... انہوں نے تمام گھروں کی تلاشی لی۔ اس عورت کے خاوند کو قتل کر دیا۔ قتل اس طرح کیا کہ انہوں نے گاؤں کے تمام بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور تمام عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے کہا کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ اس گاؤں میں سپاہی رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی اور گھوڑوں کی خوراک کی ذمہ داری گاؤں پر ڈال دی۔ ان کے کماندار نے تلوار نکالی۔ اس عورت کا خاوند سب سے آگے کھڑا تھا۔ کماندار نے خاوند کو بازو سے پکڑ کر آگے کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس نے گاؤں والوں سے کہا کہ کسی نے ان کے حکم کی نافرمانی کی تو اسے ایسی سزا ملے گی۔

ان سپاہیوں نے اپنے لیے تین جھونپڑے خالی کرا لیے اور گاؤں کی عورتوں کو بلا کر ان سے خدمت خاطر کرانے لگے۔ یہ عورت رات کو موقعہ پا کر وہاں سے بھاگ آئی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سپاہی ابھی تک گاؤں میں

موجود رہا نہیں۔ یہ گاؤں وہاں سے تھوڑی ہی دُور تھا۔ سپاہی عورت کو وہیں چھوڑ کر گاؤں کی طرف گئے۔ پہاڑی سلسلہ کھل جاتا تھا۔ وہاں وسیع میدان تھا جس میں پندرہ بیس جھونپڑوں کا ایک گاؤں تھا۔ سلطان صلاح الدین کا گشتی جیش گھوڑوں پر سوار تھا۔ انہوں نے گاؤں پر یلغار کرنے کے لیے گھوڑے دوڑا دیئے۔ اُس وقت صلیبی سپاہی جو گاؤں پر قابض تھے گاؤں میں موجود تھے۔ انہوں نے شاید پہرہ کھڑا کر رکھا تھا۔ گھوڑ سوار ابھی گاؤں سے کچھ دُور ہی تھے کہ تمام صلیبی سپاہی باہر آ گئے۔ اُن کے آگے چند ایک بچے اور بہت سی عورتیں تھیں۔ انہوں نے بچوں اور عورتوں کو ایک جگہ اکٹھے کر کے کھڑا کر دیا اور خود ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے کر اُن کے گرد نیم دائرے میں کھڑے ہو گئے۔ ایک نے سلطان ایوبی کے سواروں سے مخاطب ہو کر چلا کر کہا — "اگر تم آگے آؤ گے تو ہم ان بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیں گے۔"

سوار بیس پچیس قدم دُور رک گئے۔ وہ مسلمان بچوں اور عورتوں کو صلیبیوں کے ہاتھوں قتل نہیں کرانا چاہتے تھے۔

"بزدلو!" — سلطان ایوبی کے چھاپہ مار جیش کے کمانڈر نے کہا — "صلیب کی خاطر لڑنے آئے ہو تو مردوں کی طرح سامنے آ کر لڑو۔ عورتوں اور بچوں کی ڈھال کے پیچھے کیوں کھڑے ہو؟"

"تم سب واپس چلے جاؤ" — صلیبی کمانڈر نے کہا — "ہم گاؤں سے چلے جائیں گے۔"

جن بچوں اور عورتوں کو صلیبی سپاہیوں نے یرغمال بنا رکھا تھا، ان میں سے ایک عورت نے سلطان ایوبی کے سپاہیوں سے بلند آواز سے کہا — "اسلام کے سپاہیو! رک کیوں گئے ہو۔ ہمیں اپنے گھوڑوں تلے روند ڈالو۔ ان کافروں میں سے کسی کو زندہ نہ جانے دو۔ ہم اپنے بچوں سمیت مرنے کو تیار ہیں۔"

صلیبی کمانڈر نے تلوار کا بھرپور وار کیا۔ اس عورت کا سر اس کے جسم سے کٹ کر گر پڑا۔ سلطان ایوبی کے گشتی جیش نے اپنے سپاہیوں کو تیر و کمان نکالنے کا حکم دیا۔ پلک جھپکتے انہوں نے کمانیں کندھوں سے اتاریں، آگے کیں اور ترکشوں سے ایک ایک تیر نکال کر کمانوں میں ڈال لیا۔ تمام صلیبی سپاہی بچوں اور عورتوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔

"جھوٹے مذہب کے پجاریو!" — مسلمان کمانڈر نے کہا — "سپاہی بچوں اور عورتوں کی پیٹھ پیچھے نہیں چھپا کرتے۔"

صلیبی ایک غلطی کر بیٹھے تھے۔ وہ شاید بھول گئے تھے کہ گاؤں میں مرد بھی ہیں۔ ان مردوں کو صلیبیوں نے بہت خوفزدہ کر رکھا تھا۔ وہ بھی اپنے بچوں اور عورتوں کے قتل سے ڈرتے تھے۔ اتنے میں ایک عورت نے للکار کر کہا — "یہ کافر تو بزدل ہیں، تم ہمارے خون سے کیوں ڈرتے ہو" — اس نے اپنے سامنے کھڑے تین چار سال کے بچے کو اٹھایا اور اُسے آگے زمین پر پھینک کر کہا — "میں اپنے اس بچے کی قربانی خوشی سے دیتی ہوں۔ ہلّہ بولو۔ ان کافروں کی جان لینے کے بدلے میں اپنا بچہ قربان کرتی ہوں۔"

ایک صلیبی تلوار سونتے اس عورت کو قتل کرنے کو اٹھا مگر اسے اتنی مہلت نہ ملی۔ ان کے عقب سے گاؤں کے تمام آدمی برچھیاں، لاٹھیاں اور جو ہاتھ لگا اٹھائے صلیبی سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ صلیبی بچوں اور عورتوں کے پیچھے تیروں سے بچنے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جب مقابلے کے لیے اٹھے، مسلمان سپاہیوں نے ہلّہ بول دیا۔ ان میں سے دو تین سپاہی چلا رہے تھے — "عورتیں نکل بھاگیں، بچوں کو ایک طرف کر لو۔"

ان کے گھوڑے صحرائی آندھی کی طرح آ رہے تھے۔ عورتوں نے بچوں کو اٹھایا اور نکل بھاگیں۔ گاؤں کے آدمی

گھوڑوں سے بچنے لگے۔ ذرا سی دیر میں دو صلیبیوں کے سوا باقی تمام کو مار ڈالا گیا۔ گاؤں والوں نے اُن کی لاشوں کا قیمہ بنا دیا۔ وہ دو زندہ صلیبیوں کو بھی اپنے ہاتھوں مارنا چاہتے تھے لیکن مسلمان جیش کے کمانڈر نے بڑی مشکل سے انہیں سمجھایا کہ ان دو سے ان کے باقی ساتھیوں کا سراغ لگایا جائے گا۔

ان دونوں کو سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ اپنے چھاپہ مار دستوں کے متعلق سب کچھ بتا دیں۔ وہ سپاہی تھے۔ انہوں نے سب کچھ بتا دیا۔ یہ بالڈوین کی فوج کے چھاپہ مار تھے۔ کم و بیش ایک ہزار چھاپہ مار سلطان ایوبی کی فوج اور رسد کو نقصان پہنچانے کے لیے بیروت سے بھیجے گئے تھے۔ ان کا ابھی کوئی مستقل اڈہ نہیں بنا تھا۔ وہ تمام علاقے میں پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ اسی طرح چھوٹے چھوٹے گاؤں پر قبضہ کر کے وہیں سے خوراک وغیرہ حاصل کریں اور سلطان ایوبی کی فوج کے لیے مصیبت بنے رہیں۔

انہیں سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے ان کی باتیں سنیں اور حکم دیا — "ان دونوں کو دُور لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ یہ قاتل اور لٹیرے ہیں" — اس نے اپنے سالاروں سے کہا — "اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبی چھاپہ ماروں کو موصل میں یا کسی اور قلعے میں رہنے کی اجازت نہیں ملی ورنہ یہ گاؤں کو اڈے نہ بناتے۔" سلطان ایوبی نے حکم دیا — "ایسے ہر ایک گاؤں میں تھوڑی تھوڑی نفری بھیج دو۔ سپاہیوں کو سختی سے کہنا کہ گاؤں میں کسی کو پریشان نہ کریں۔ اپنی اور گھوڑوں کی خوراک فوج کی رسد سے لیں۔ کسی گاؤں سے اناج کا ایک دانہ اور چارے کا ایک تنکا بھی نہ لیا جائے۔"

☆

حسن حاتم کو رپورٹ دے کر واپس آیا تو وہ باقی رات سو نہ سکا۔ اُس کے ذہن پر سارہ سوار تھی۔ اُسے دن کو ہی پتہ چل سکتا تھا کہ سارہ کو اس عورت نے پکڑ لیا تھا۔ اس کی اسے کوئی سزا تو نہیں ملی؟ حسن کو معلوم تھا کہ وہ عورت کون ہے لیکن اس عورت سے مل کر وہ سارہ کی سفارش نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ رات سارہ کے کمرے میں وہی تھا۔ حسن یہ بھی سوچ رہا تھا کہ وہ موصل کے ایلچیوں سے کس طرح معلوم کرے کہ بالڈوین کے ساتھ انہوں نے کیا معاہدہ طے کیا ہے۔ یہ راز انہی سے لیا جا سکتا تھا۔ اس اجلاس میں کوئی ملازم اندر نہیں تھا جس سے حسن کچھ معلوم کر لیتا۔ وہ جس قدر ذہن پر زور دے کر اس مسئلے کا حل ڈھونڈتا تھا، سارہ اتنی ہی زیادہ اُس کے ذہن پر غالب آتی جا رہی تھی۔

"سارہ!" — اُس کے منہ سے سرگوشی نکل گئی جو غیر ارادی تھی۔ اس سے وہ چونک اٹھا۔ اسے کچھ ایسا اطمینان ہونے لگا جیسے اسے مسئلے کا حل مل گیا ہو اور سارہ اس مسئلے کو حل کر دے گی۔ اسے یہ سوال پریشان کرنے لگا — "کیا سارہ کسی مسلمان باپ کی بیٹی ہے؟" — اور دوسرا سوال یہ کہ اسے اگر اپنا بچپن یاد آ جائے تو کیا وہ اس کا مسئلہ حل کر سکتی ہے؟ اس کا یہی ایک ذریعہ تھا کہ سارہ موصل کے کسی ایک ایلچی کو اپنا گرویدہ بنا لے اور اس پر شراب اور اپنے حسن کا طلسم طاری کر کے اس کے سینے سے راز نکال لے مگر سوال یہ تھا کہ سارہ مان جائے گی؟ کہیں اسے ہی نہ پکڑوا دے۔

جاسوسوں کو خطرے مول لینے پڑتے تھے۔ ان کی کوشش تو یہی ہوتی تھی کہ پکڑے نہ جائیں لیکن وہ ڈر سے دبک

کے بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے کہ وہ پکڑے یا مارے جائیں گے۔ حسن کو اپنی زبان کے فن کا کمال دکھانا تھا۔ اسے سارہ کی باتیں یاد آ رہی تھیں جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو پسند کرتی ہے۔ حسن کو یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ سارہ کو شک ہو گیا ہے کہ وہ (حسن) مسلمان ہے۔ حسن کا دماغ سوچ سوچ کر تھک گیا۔ اسے دُور سے صبح کی اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔ اُس کے دماغ پر اسلام اور خدا کا تقدس طاری ہو گیا۔ اس کی مدد خدا ہی کر سکتا تھا۔ اس نے اٹھ کر وضو کیا اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ صلیبیوں کی اس دنیا میں وہ مسلمان نہیں عیسائی تھا۔ حسن الادریس نہیں گلبرٹ جیلب تھا۔ وہ چھوٹے سے کمرے میں اکیلا رہتا تھا جہاں اُس نے حضرت عیسیٰ کا بُت صلیب کے ساتھ لٹکا ہوا لٹکا رکھا تھا۔ دیوار کے ساتھ کسی مصور کی بنائی ہوئی مریم کی تصویر آویزاں کر رکھی تھی۔ قریب ہی صلیب لٹک رہی تھی۔

اُس نے یہ بُت، تصویر اور صلیب پلنگ کے نیچے رکھ دیں۔ دروازے کے اندر والی زنجیر چڑھا کر قبلہ رُو ہوا اور نماز پڑھنے لگا۔ وہ ہر روز اسی طرح چھپ کر نماز پڑھا کرتا تھا مگر اس کی جذباتی حالت کبھی ایسی نہیں ہوئی تھی جیسی اِس صبح کی نماز میں ہوئی۔ اُس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اس کے منہ سے یہ الفاظ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن (تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) بلند آواز سے نکل گئے تھے۔ اُسے پہلی بار محسوس ہوا جیسے خدا اُس کے سامنے کھڑا ہے اور اتنی قریب کھڑا ہے کہ وہ خدا کو چھو سکے گا۔ اس نے نماز ختم کر کے دو نفل پڑھے اور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اُس کی زبان سے الفاظ اس کے سوچے بغیر پھسلنے لگے — "قبلۂ اوّل کے خدا! آج تیرا نام لینے والے تیرے رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان اُن انسانوں کے ڈر سے تیری مسجدِ اقصیٰ میں تیرے حضور سجدہ کرنے سے ڈرتے ہیں جو تیرے رسولؐ کے منکر ہیں۔ آج تیرا قبلۂ اوّل ویران ہو گیا ہے۔ جو زمین تیرے رسولؐ کے قدموں سے مقدس اور مبارک ہوئی تھی، اس پر آج صلیب کا سیاہ سایہ پڑ گیا ہے۔ جس بنی اسرائیل کو تیری ذات نے دھتکار دیا تھا وہ آج تیرے قبلۂ اوّل کو ہیکلِ سلیمانی کہہ رہی ہے ......

"میرے خدا! اپنی عظمت کا پتہ دے۔ مجھے بتا تُو عظیم ہے یا خدائے یہودہ۔ مجھے بتا حضرت عیسیٰ تیرے پاس ہیں، یا صلیبیوں کی صلیب پر لٹک رہے ہیں۔ اپنی عظمت کا پتہ دے۔ قرآن کی عظمت کا پتہ دے۔ اپنے رسولؐ کی عظمت کا پتہ دے اور مجھے اس کا سبب بنا کہ میں تیرے رسولؐ اور تیرے قرآن کی عظمت کا پتہ یہودیوں اور صلیبیوں کو دوں۔ مجھے ہمت عطا فرما کہ میں ان چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر سکوں جو سلطان صلاح الدین ایوبی اور قبلۂ اوّل کے درمیان حائل ہو گئی ہیں۔ مجھے روشنی دکھا کہ میں ان اندھیروں میں اپنے فرض کی منزل دیکھ سکوں۔ مجھے اتنے سخت امتحان میں ڈال کر میری جان تیرے نام پر قربان ہو جائے لیکن وعدہ فرما کہ میری جان رائیگاں نہیں جائے گی۔ تجھے تیرے نام پر قربان ہونے والے شہیدوں کے یتیم بچوں کی قسم! مجھے ہمت اور روشنی عطا فرما کہ میں ان یتیموں کے باپوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لے سکوں...

"تجھے رسولؐ کی اُمت کی اُن بیٹیوں کی قسم جن کی عصمتیں مسجدِ اقصیٰ کی آبرو کی خاطر لٹ گئی ہیں۔ مجھے جرأت عطا فرما کہ کُفر کے ہر قلعے کو مسمار کر سکوں۔ اپنے غازی بندوں کو، اپنے حجازی بندوں کو ہمت اور ہدایت عطا فرما کہ وہ اپنی غیرت کا انتقام لیں اور آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں کہ ہم بے غیرت تھے۔ آج بت بھی تیرے نام پر ہنس رہے ہیں۔ میرا خون کھول رہا ہے۔ مجھے وہ شجاعت عطا کر کہ میں پتھر کے ان بتوں کا مذاق اُڑا سکوں۔ میرے خدا! اگر تو یہ نہیں کر سکتا تو میرے خون کو سرد کر دے۔ مجھے ایسا بے غیرت بنا دے کہ مجھے یاد ہی نہ رہے کہ غیرت کس چیز کا نام ہے۔ میری بینائی واپس لے لے کہ میں اسلام کی بیٹیوں کو بے حیا اور بے آبرو ہوتا نہ دیکھ سکوں۔ میرے کان بند کر دے کہ میں تیرا نام نہ سن سکوں۔ میں ان مسلمانوں کی فریادیں نہ سن سکوں جو فلسطین میں صلیبیوں اور یہودیوں کے غلام ہو گئے ہیں؟"

حسن کی آواز بلند ہو گئی — "تُو کہاں ہے؟ ... تُو ہے کہ نہیں؟ ... بول میرے خدا! مجھے زبان دینے والے خدا! خود بھی بول۔ مجھے بتا سُنّت برحق یا صلیب، یا مجھے فیصلہ کرنے دے کہ سچا کون ہے! سُنّت یا صلیب۔ قرآن تیری آواز ہے یا کسی بندے کی؟"

بڑی ہی ہولناک گڑگڑاہٹ سنائی دی جیسے چھت ہل رہی ہو۔ اس کے فوراً بعد رعد اتنی زور سے کڑکی کہ حسن کا کمرہ ہل گیا۔ کمرے کی درزوں میں سے حسن کو بجلی کی چمک دکھائی دی۔ اُس نے اور زیادہ بلند آواز سے کہا — "اس بجلی سے مجھے بھسم کر دے یا اپنی مسجدِ اقصیٰ کو۔ مسافر نہ رہیں منزل نہ رہے۔ بجلیاں ان پر بھی گرا جن کے سر تیرے نام پر کٹ گئے ہیں۔ اپنے نام پر یتیم ہونے والوں پر بجلیاں گرا۔ اپنے رسولؐ کے نام بیواؤں پر بجلیاں گرا تاکہ کسی کی فریادیں تیرے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔"

رعد پھر کڑکی اور اس کے بعد گھٹائیں گرجنے لگیں۔ بیروت کا ساحل قریب ہی تھا۔ اُن دنوں سمندر خاموش ہوا کرتا تھا مگر سمندر جوش میں آ گیا۔ اس کی لہروں کی مہیب آواز حسن کو یوں سنائی دینے لگی جیسے سمندر کی غصے میں آئی ہوئی موجیں اُس کے کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہوں۔ گھٹاؤں کی گرج، رعد کی کڑک اور سمندر کا جوش مل جل کر قیامت کا شور بن گئے۔ حسن کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔

"ایسے ہی طوفان میرے اندر اٹھا کہ میں کفر کے ہر نشان کو اُڑاتا اور بہاتا لے جاؤں۔ میرے خون کے قطرے بہا لے لیکن مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں۔ میں شرمسار ہوں کہ قبلۂ اوّل کا پاسبان صلاح الدین ایوبی یہاں تیرا لشکر لے کر آیا تو میں اُسے خبردار نہ کر سکا کہ بیروت سے دُور رہے کہ یہاں کفار کا پھندا تیار ہے۔ یہ میری مجبوری تھی، یہ میرا گناہ تھا۔ مجھے جرأت اور شجاعت عطا کر کہ میں گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں، ورنہ یہ بت میری روح کو بھی طعنے دیتے رہیں گے کہ تیرا تو خدا ہی کوئی نہیں۔ مجھے اِن بتوں کے آگے شرمسار نہ کر، مجھے شہیدوں کی روحوں کے آگے شرمسار نہ کر۔ اگر میری دعا قبول نہ ہوئی تو روزِ قیامت میرے مُردے میں بھی جان نہ ڈالنا ورنہ میں تیرا گریبان پکڑ لوں گا اور تیری مخلوق سے کہوں گا کہ یہ ہے وہ خدا جس نے اپنے رسولؐ کی لاج نہیں رکھی، اُس خدا نے رسولؐ کے نام لیواؤں کو اتنا مجبور اور بے بس کیا کہ قبلۂ اوّل ویران ہو گیا اور اس پر صلیب اور یہودہ کے سیاہ سائے پڑ گئے۔"

رعد زور سے کڑکی۔ حسن کے کمرے کی چھت، دروازے اور کھڑکی کے کواڑ بڑی زور سے کھڑکے اور چھت پر یوں آوازیں آنے لگیں جیسے گھوڑے دوڑ رہے ہوں۔ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔ طوفانِ باد و باراں زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا۔ حسن کے دل پر ایسی گرفت آ گئی جس میں خوف بھی تھا اور جذبات کی شدت بھی۔ کبھی اُسے ایسے لگتا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ اُس نے خدا سے اس طرح کبھی باتیں نہیں کی تھیں۔ وہ چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتا تھا اور مختصر الفاظ میں دعا مانگ کر حسن سے جیلب بن جایا کرتا تھا۔

اُس رات جب وہ حاتم کو رپورٹ دے کر آیا تھا، اُس کی جذباتی کیفیت کچھ اور تھی۔ اس پر نیند کا اثر بھی تھا۔ اُس کے سامنے مسئلہ ایسا آ گیا تھا کہ وہ سوچ سوچ کر دیوانہ ہونے لگا تھا۔ اس کے لیے آسان راستہ یہ تھا کہ جس مسئلے کا کوئی حل نہیں اسے ذہن سے اُتار دے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان اور اس کے لیڈر حاتم کو کیا خبر تھی کہ عزالدین کے ایلچی بالڈون کے پاس آئے ہیں اور کوئی معاہدہ ہو رہا ہے۔ وہ خاموش رہتا۔ اس کے گھر میں اُس کے ماں باپ کو اس کی تنخواہ اور غیر ممالک میں جاسوسی کے فالتو پیسے باقاعدہ پہنچ رہے تھے۔ بیروت میں اُسے اچھی پوزیشن اور عیش و عشرت کا سامان حاصل تھا، مگر وہ ایمان والا مردِ مومن تھا۔ اپنے فرائض کو نماز روزے کی طرح متبرک سمجھتا تھا۔ اُسے احساس تھا کہ قوم کا ہر فرد یہ سمجھے کہ یہ کام کوئی اور کرے گا تو یہ رویّہ سیدھا شکست، قوم کی تباہی اور کفار کی فتح کی طرف لے جاتا ہے۔

☆

رات بھر جاگے ہوئے جوان اور توانا حسن کو نیند نے مصلّے پر ہی دبوچ لیا۔ اس جذباتی کیفیت میں اُسے نیند نہیں چاہیے تھی لیکن اُس کی روح نے کچھ ایسا قرار اور سکون محسوس کیا کہ روح نے جسم اور دماغ کو سلا دیا۔ وہ وہیں اوندھا ہو گیا۔ اسے اتنی مہلت نہ ملی کہ مصلّٰی چھپا کر اور حضرت عیسیٰ کا بت، مریم کی تصویر اور صلیب پلنگ کے نیچے سے اُٹھا کر اپنی اپنی جگہ رکھ دیتا، دروازہ کھول دیتا اور جیکب کے بہروپ میں پلنگ پر سو جاتا۔ وہ خوابوں کی دنیا میں پہنچ گیا۔ اُس نے مسجدِ اقصیٰ دیکھی۔ یہ مسجد اُس نے ایک بار دیکھی تھی جب وہ بیت المقدس میں جاسوسی کے ایک مشن پر گیا تھا۔ یہ مسجد ویران تھی۔ اُس کے کھلے ہوئے دروازے اپنے نمازیوں کی راہ دیکھ رہے تھے مگر مسلمان چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں یا گھروں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ صلیبیوں اور یہودیوں کے بچوں نے مسجدِ اقصیٰ کے صحن کو کھیل کا میدان بنایا ہوا تھا جہاں بے شمار بچے جوتوں سمیت کھیل رہے تھے۔ صلیبیوں نے وہاں کے مسلمانوں کو خوف زدہ کر رکھا تھا۔ حسن مسجدِ اقصیٰ کے مقدس مقام اور مسلمانوں کے لیے اس کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جب وہاں گیا تھا تو اُس کا نام رلیف نکلسن تھا۔

اب وہ بیروت میں خواب میں مسجدِ اقصیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے گنبد پر بے شمار کبوتر بیٹھے تھے۔ کبوتر یک بارگی اُڑے اور تمام کبوتر فضا میں جا کر شرارے بن گئے۔ یہ شرارے مسجدِ اقصیٰ کے ارد گرد گرنے لگے۔ مسجد کے اندر سے صلیبیوں اور یہودیوں کا ایک ہجوم نکلا۔ ان سب کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ سب اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ وہ سب چیخ اور چلّا رہے تھے مگر کسی کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ فضا سے برستے ہوئے شرارے رنگ برنگ کے پرندے بن گئے، اور ایک ایک کر کے مسجدِ اقصیٰ کے سبز گنبد پر بیٹھنے لگے۔ اب مسجد میں نہ کوئی صلیبی تھا نہ یہودی۔ حسن آہستہ آہستہ مسجد کی طرف چلا۔ آسمان نیلا تھا۔ دن کی روشنی بھی نیلی تھی۔ مسجد کے دروازے میں ایسی چمک دکھائی دی جیسے بہت بڑے آئینے پر سورج کی کرنیں پڑی ہوں۔

حسن کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ چمک یا نور کا یہ گولا وہاں نہیں تھا۔ وہاں سارہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ حسن حیرت زدہ ہو کے رُک گیا۔ سارہ پاؤں سے سر تک چاند کی طرح سفید لبادے میں ملبوس تھی۔

اُس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ نظر آ رہے تھے۔ اُس کی مسکراہٹ سے اُس کے دانت اتنے زیادہ سفید نظر آ رہے تھے جتنی سفیدی اس زمین کے لوگوں نے کبھی نہیں دیکھی۔ سارہ نے بازو پھیلا دیئے۔ اس کے ہونٹ ہلے نہیں تھے، لیکن حسن کو اس کی مترنم آواز سنائی دی — "آ جاؤ، مسجدِ اقصیٰ ہماری ہے۔ اس مسجد میں جو کافر داخل ہو گا، اُس پر آسمان آگ برسائے گا اور جو مسلمان اس مسجد کے تقدس کو بھول گئے ہیں، ان پر بھی آگ برسے گی۔ میں نے اس کے صحن کو زمزم کے پانی سے دھو دیا ہے۔ میرے گناہ دُھل گئے ہیں۔ آؤ...... آؤ!"

حسن کی آنکھ کُھل گئی۔ اُس نے پھر آنکھیں موند لیں۔ وہ اس خواب سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا مگر موندی ہوئی آنکھوں میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ اب حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا تھا۔ چھت پر اور اِدھر اُدھر موسلا دھار بارش کا قیامت خیز شور اور جھکڑ کی چیخیں تھیں۔ اس میں سمندر کی بھی آواز تھی جو پہلے سے زیادہ غضے میں آ گیا تھا۔ باد و باراں اور بحیرۂ روم کے اس ہنگامے میں حسن کو ایسے لگا جیسے کسی نے اُس کے دروازے پر دستک دی ہو۔ یہ اس کا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ وہ وہم سے ہی بیدار ہو گیا۔ اُس نے صلیب، حضرت عیسیٰؑ کا بُت اور مریم کی تصویر اُٹھا کر سب کو اپنی اپنی جگہ لٹکا دیا۔ اس دوران دروازے پر دستک بڑی صاف ہوئی۔ حسن نے مصلّٰی لپیٹ کر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور دروازہ کھولا۔

دروازے میں سارہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ باد و باراں کا یہ سماں کر برآمدے سے پرے کچھ اور نظر نہیں آ تھا بارہ کے کپڑوں اور بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"تم اس طوفان میں میرے پاس آئی ہو؟" — حسن نے اُسے بازو سے پکڑ کر اندر گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں جیکب!" — سارہ نے جواب دیا — "میں کسی اور کے پاس گئی تھی۔ وہ ملا نہیں۔ گہری نیند سویا ہوا ہے۔ رات بھر سب شراب پیتے اور بیہودگی کرتے رہے ہیں۔ اب شام کو ہی جاگیں گے۔ میں نے انتظار کیا لیکن مایوس ہو کر اِدھر آ گئی۔ یہ طوفان آگے نہیں جانے دے رہا تھا۔ دن کے وقت تو تمہارے پاس آنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

حسن نے ایک کپڑا اٹھایا جو اُس نے سارہ کے سر پر ڈال دیا اور اپنے ہاتھوں اس کے بال اس کپڑے سے خشک کرنے لگا۔ سارہ کو یہ بے تکلفی بہت پسند آئی۔ حسن نے اس کا چہرہ بھی پونچھ دیا۔ پھر ایک چادر اُسے دے کر کہا — "میں منہ اُدھر پھیر لیتا ہوں۔ تم بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر چادر لپیٹ لو۔"

سارہ نے جب بھیگے ہوئے کپڑے اُتارے تو وہ سوچنے لگی کہ اس شخص کو اتنی زیادہ روحانی محبت ہے کہ اُس کے جسم کی دل کشی کے ساتھ اسے دل چسپی نہیں، یا اُس کا دل بالکل ہی مردہ ہے...... سارہ نے جب اُسے کہا کہ میں نے کپڑے بدل لیے ہیں تو حسن نے منہ پھیرا اور اُس کے کپڑے برآمدے میں جا کر نچوڑ لایا۔

"اب بتاؤ تم کہاں گئی تھی" — حسن نے پوچھا — "اور رات میرے بعد کیا ہوا تھا؟ وہ عورت اندر آ گئی تھی؟"

"اسی سلسلے میں اِدھر آئی تھی" — سارہ نے کہا اور اُسے بتایا کہ رات کو اُس عورت نے اُس کے کمرے میں آ کر معافی کی کیا شرط پیش کی ہے۔ اُس نے کہا — "میں نے یہ نہیں بتایا کہ تم میرے کمرے میں آئے تھے۔ میں نے صرف اس لیے اس کی شرط مان لی کہ تمہارا نام لیا تو میرے ساتھ تمہیں بھی سزا ملے گی اور تم جانتے ہو کہ یہ سزا کیسی بھیانک ہو گی۔ تم شاید

حیران ہو گئے ہو گے کہ میں کوئی پاک صاف لڑکی نہیں، پھر بھی میں موصل کے مہمانوں یا کسی اور کی خواب گاہ میں جانے کو پسند نہیں کرتی۔ میں رقاصہ ضرور ہوں لیکن میں یوں کھلونا نہیں بننا چاہتی جس طرح یہ بڑھیا مجھے بنانا چاہتی ہے۔ میری اپنی بھی کوئی پسند اور ناپسند ہے۔ میں نے بہت گناہ کیے ہیں لیکن کسی کی آمدنی کا اور کسی اور کے گناہوں کا ذریعہ نہیں بنوں گی۔ اس عورت نے کہا ہے کہ وہ مجھے اس چھوٹی بچی کے کاروبار میں سے معاوضہ دے گی۔ وہ مجھے معاوضوں کی ٹھوکی سمجھتی ہے۔ میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ میں اس کی خواہش کے مطابق آج رات موصل کے ایک مہمان کے پاس چلی جاؤں گی لیکن میں اب کوشش کر رہی ہوں کہ حاکموں کو بتا دوں کہ اس عورت نے در پردہ کیا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔"

"اور وہ کہہ دے گی کہ رات تمہارے کمرے میں آدمی جاتے ہیں۔" حسن نے کہا۔

"کہتی رہے۔" سارہ نے کہا — "میں تو اب سزا لینے کو بھی تیار ہوں، اور میں خودکشی کے لیے بھی تیار ہوں۔ میں اس عورت کو بے نقاب کر کے رہوں گی۔ میں رقاصہ ہوں۔ میں عصمت فروشی نہیں کروں گی۔"

"میں سامنے آ کر یہ کہوں نہ کہ روز رات تمہارے کمرے میں بیٹھ گیا تھا" حسن نے کہا — "میں کہوں گا کہ میرا تمہارے ساتھ جسمانی نہیں جذباتی تعلق ہے۔"

"اگر یہ کہنا ہوتا تو میں خود کہہ دیتی کہ میرے کمرے میں جیکب آیا تھا" سارہ نے کہا — "مگر ایسا کہنا تمہیں گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا دوڑا دینے کے برابر ہے۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرا تمہارا جذباتی تعلق ہے۔ یہ لوگ کسی کے جذبات سے واقف نہیں۔ ان کے ہاں سب کچھ جسمانی ہے..... تم البرٹو کو جانتے ہو۔ اٹلی کا رہنے والا ہے۔ نیک اور رحم دل افسر ہے۔ بالڈون پر اُس کا خاصا اثر ہے۔ صرف یہ ایک بڑا افسر ہے جو مجھ جیسی لڑکیوں کو صاف ستھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ میں اُسے رات کی بات سناؤں گی اور اپنی عزت بچانے کی کوشش کروں گی۔ اگر میری یہ کوشش ناکام رہی تو میں سمندر میں کود جاؤں گی۔ اگر سمندر نے میری لاش اُگل دی تو تم بھی دیکھ لینا ورنہ الوداع۔ بحیرۂ روم کی مچھلیاں کھاؤ گے تو شاید اُن میں تم میرے جسم کی بو سونگھ سکو گے۔"

"سارہ!" حسن نے کہا — "تم عیسائی نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ رہنے والی کوئی ایک بھی لڑکی نہیں جو جسمانی عیاشی اور معاوضے کو تمہاری طرح ٹھکرا دے۔ تم نے آج تک میرے ساتھ جو باتیں کی ہیں ان سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہاری رگوں میں مسلمان کا خون ہے۔ اس خون میں اب اُبال آیا ہے جب تم صلیبیوں کی گناہوں کی دلدل میں پھنس گئی ہو۔ کہو، میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"

سارہ نے اُس کی طرف دیکھا۔ آہ لی اور بولی — "سنو جیکب! ...."

"میں جیکب نہیں سارہ!" حسن نے کہا — "میرا نام حسن الادریس ہے اور ملک شام کا رہنے والا ہوں۔ یہاں میرا نام گلبرٹ جیکب ہے۔"

"جاسوس ہو؟"

"کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے" حسن نے کہا — "جاسوسی ہی وجہ نہیں۔ جس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کی رُوح میں اُتر گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں مسلمان کی اولاد ہیں۔" اُس نے تکیے کے

نیچے سے مصلیٰ نکالا، اور دیوار میں سے ایک پتھر ہٹا کر اس کے نیچے سے قرآن کا ایک چھوٹا سا نسخہ نکالا۔ سارہ کو دکھا کر کہا — "میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ بُت، یہ تصویر اور یہ صلیب دھوکہ ہے۔"

"اگر میں کسی سے کہہ دوں کہ تم عیسائی نہیں مسلمان ہو تو کیا کرو گے؟" سارہ نے ہنس کر کہا۔ "تم جاسوس نہیں ہو سکتے۔ جاسوس اپنا آپ اس طرح ظاہر نہیں کیا کرتے۔"

"کہہ دو" حسن نے کہا — "میں تمہاری نظروں کے سامنے اس طوفانِ باد و باراں میں غائب ہو جاؤں گا۔ جاسوس میری طرح اپنا آپ ظاہر نہیں کیا کرتے اور جب ظاہر ہوتے ہیں تو اتنی آسانی سے ہاتھ بھی نہیں آتے، جتنا تم سمجھتی ہو...... لیکن سارہ! مجھے یقین ہے کہ تم کسی سے نہیں کہو گی۔"

حسن نے آگے بڑھ کر سارہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر بالکل قریب کر لیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمی مگر پُر اثر آواز میں کہا — "تم کسی سے نہیں کہو گی کہ یہ شخص جیکب نہیں حسن ہے۔ تم کہہ ہی نہیں سکو گی۔ ہماری رگوں میں رسولؐ کے شیدائیوں کا خون ہے۔ یہ خون سفید نہیں ہو سکتا۔ یہ خون اپنے قطروں کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔" سارہ کی آنکھوں کو حسن کی آنکھوں نے جکڑ لیا۔ وہ محسوس کرنے لگی جیسے یہ خوبرو جوان بڑے ہی حسین آسیب کی طرح اُس کے دماغ پر اور اس کے دل پر غالب آ گیا ہو۔ حسن کہہ رہا تھا — "تم رقص کے لیے نہیں مسجدِ اقصیٰ کو کفار سے آزاد کرانے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ خدا نے مجھے خواب میں بشارت دے دی ہے۔ اب یہ نہ کہنا کہ تم مسلمان نہیں۔ تم کہہ ہی نہیں سکو گی۔ بولو سارہ! میں نے تمہیں اپنا راز دے دیا ہے، تم مجھے اپنا راز دے دو۔ مجھے تمہارے جسم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تمہاری روح کو پاک دیکھنا چاہتا ہوں۔"

سارہ پر حسن طلسم بن کر طاری ہو چکا تھا۔ سارہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آہستہ سے بولی — "ہاں حسن! میں مسلمان ہوں۔ میں اپنے باپ کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہوں۔ میں سارہ نہیں سائرہ ہوں۔"

"گناہ کسی کے بھی تھے" حسن نے کہا — "میں نے آج تک تمہاری زبان سے جو باتیں سنی ہیں اور جس انداز سے تم نے یہ باتیں کی ہیں، میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ گناہ تمہارے دل اور روح میں چُبھ رہے ہیں۔ تم صلیبیوں کے خلاف نفرت کا اور مسلمانوں کی پسندیدگی کا اظہار کرتی رہی ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چُبھن تمہیں بے چین رکھتی ہے۔"

"جب سے تم نے میری رُوح کو پاک پیار سے آشنا کیا ہے، مجھے عیش و عشرت کی یہ زندگی جہنم سے زیادہ آتشیں اور اذیت ناک محسوس ہونے لگی ہے۔ میں گناہوں میں پلی، بڑھی اور گناہوں میں جوان ہوئی۔ گناہوں کا حُسن اب زہریلا ناگ بن گیا ہے۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی۔"

"اپنی جان لینا بھی گناہ ہے" حسن نے کہا — "اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ گناہوں کا کفارہ ادا کر دو، سب بے قراریاں روحانی سکون میں بدل جائیں گی۔"

"کیا کروں؟" سارہ نے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا — "نماز پڑھا کروں؟ تارک الدنیا ہو جاؤں؟ بتاؤ

ہے۔ صلیبیوں نے اُس پر جادو سا کر دیا ہے۔ درویش اگر صلیبیوں کا کوئی ڈھونگ نہیں اور درویش ہی ہے تو یہ کوئی سحر ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ خدا اُسے فتح کا اشارہ دے گا، ہمارے اسلامی عقیدے کے منافی ہے۔ اس پیغام کے ساتھ رضیہ خاتون نے جاسوسوں سے کہا تھا کہ اس درویش کو بے نقاب کریں اور ممکن ہو تو قتل کر دیں۔ رضیہ خاتون نے اس شک کا بھی اظہار کیا کہ صلیبی ان پہاڑیوں کے اندر کچھ اور کر رہے ہیں۔ معلوم کرو کہ یہ کیا ہے اور اس کی اطلاع سلطان ایوبی تک پہنچاؤ۔

★

حسن الادریس درویش کی پُراسرار دنیا میں داخل ہو گیا تھا اور اُس نے ان صلیبیوں میں اعتماد حاصل کر لیا تھا جو پہاڑیوں میں رہتے تھے مگر اُسے ایک حد سے آگے پہاڑیوں میں نہیں جانے دیا جاتا تھا۔ جو راز تھا وہ اس حد سے آگے تھا۔ وہاں پہاڑیاں اونچی تھیں اور ان میں گہری ہوئی چٹانیں تھیں۔ حسن الادریس درویش کو دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ اُسے نظر نہیں آتا تھا۔ وہ کسی سے پوچھتا نہیں تھا تاکہ اس پر کوئی شک نہ کرے۔ اُس نے اس قدر اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ اُسے رعدی کے اغوا کے لیے بھی ساتھ لے گئے تھے۔

رعدی اس نیم زمین دوز سائبان میں رہنے والے دو تین صلیبیوں کے لیے تفریح کا سامان بن گئی تھی۔ ان میں جو اُن کا سربراہ تھا وہ رعدی کو تفریح کے ذریعے سے کچھ زیادہ اہمیت دینے لگا تھا اس لیے وہ اس لڑکی کو ہر کسی کا کھلونا بننے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ یہ رعدی کے حُسن کا اثر بھی تھا جو بازاری قسم کی ناچنے والیوں کی نسبت پاک اور معصوم لگتا تھا اور یہ اثر اس کی باتوں کا بھی تھا جو ناچنے والیوں جیسی نہیں تھیں۔ ایک رات اس سربراہ نے اُس سے پوچھا۔ ”کیا تم میری خوشنودی کے لیے ناچتی ہو اور کیا تم میرے ساتھ راتیں گزارنے میں خوشی محسوس کرتی ہو؟“

”آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ میں خوش ہوں۔“ رعدی نے متانت سے کہا۔ ”مجبوری نے مجھے کھلونا بنا دیا ہے۔ میں دل کی بات کہنے سے ڈروں گی نہیں۔ مجھے آپ سے نفرت ہے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل شدید حقارت سے کرتی ہوں۔“

”تم جانتی ہو کہ اس بدزبانی کی پاداش میں میں تمہارا سر تن سے جدا کر سکتا ہوں؟“ سربراہ نے کہا۔ ”میں تمہارا یہ حسین چہرہ گِدھوں کے آگے پھینک سکتا ہوں۔“

”اور یہ میرے لیے بہت بڑا انعام ہو گا۔“ رعدی نے کہا۔ ”میرے لیے یہ بہت سخت سزا ہے کہ میرا سر میرے تن کے ساتھ ہے اور آپ جیسا گِدھ میری رُوح کو کھا رہا ہے۔ آپ اپنے آپ کو جنگجو اور بہادر سمجھتے ہیں۔ ایک بے بس اور مجبور لڑکی کو قید میں رکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ مردانگی اور تلوار کے زور سے آپ مجھے اپنی لونڈی بنانا چاہتے ہیں۔ میرے دل پر اس طرح حکومت کریں کہ آپ مجھ سے یہ نہ پوچھیں کہ میں آپ کی خوشنودی کے لیے آپ کا حکم مانتی ہوں؟ بلکہ میں آپ سے پوچھوں کہ میرے رقص اور میرے وجود سے آپ کو مسرت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟“

”اگر میں تمہارے سامنے سونے کی ڈلیاں رکھ دوں تو دل سے مجھے اپنا آقا تسلیم کر لو گی؟“

”نہیں۔“ رعدی نے جواب دیا۔ ”مجھے جس انعام کی ضرورت ہے وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ وہ جس کے پاس تھا وہ مر گیا... وہ انسان تھا جسے میرے جسم کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی... اور تم؟... تم گِدھ ہو، گیدڑ ہو، بھیڑیے ہو۔“

”اُس نے تمہیں محبت دی تھی۔“ سربراہ نے کہا۔ ”اگر میں تمہیں ویسی محبت دے دوں تو؟“

”میں نہیں، میری روح محبت کی پیاسی ہے۔“ اُس نے کہا۔ سربراہ نے شراب کا پیالہ اٹھایا۔ منہ سے لگانے لگا تو رعدی نے پیالہ پکڑ لیا اور اُس کے ہاتھ سے لے کر رکھا نہیں بلکہ پرے پھینک دیا اور کہا۔ ”مجھے اُن کا اسلام ہے تو میری باتیں سن لو۔ شراب پی لو گے تو تمہاری عقل پر اور جذبات پر بھی پردے پڑ جائیں گے۔ تم نے پوچھا ہے کہ تم مجھے وہی محبت دے دو تو میں قبول کروں گی؟ مجھے پہلے اپنی محبت دکھاؤ۔ سچی ہوئی تو مجھے اپنے ساتھ جلتے ہوئے گھر میں لے چلو گے تو ہنسی خوشی چلوں گی۔ تمہارے ساتھ جل کر مر جاؤں گی۔“

سربراہ نے اُسے دیکھا۔ اُس نے اس لڑکی کے جسم کے رونگٹیں رونگٹیں کو دیکھا تھا۔ کئی روز سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے حسن کے بکھرے بکھرے بالوں کے گرد سے بھی لطف اندوز ہوا تھا۔ اُس نے ان ریشمی بالوں کا ایک ایک لٹ بھی دیکھا تھا جب یہ بال اُس کے عُریاں سینے پر اور عُریاں پیٹھ پر بکھرے ہوتے تھے۔ وہ لڑکی کے جسم سے اتنا ہی واقف ہو گیا تھا جتنا اپنے جسم سے واقف تھا مگر لڑکی نے نفرت اور حقارت کا اظہار ایسی بے خوفی سے کر دیا اور اس کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر پرے پھینک دیا تو اس شخص کی مردانگی جواب دے گئی۔ اس نے اپنے آپ میں ایسی بے بسی محسوس کی جیسے یہ لڑکی اس پر طلسم بن کر غالب آگئی ہو۔ یہ مرد کی فطرت ہے کہ دس مردوں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور مردوں سے بھی ڈر جاتا ہے مگر ایک عورت جسے وہ پسند کرتا ہے وہ اُسے کہہ دے کہ مجھے تم سے نفرت ہے تو وہ ریت کی ڈھیری بن جاتا ہے۔ یہی جذباتی حالت اس شخص کی ہوئی جس نے جوانی میدانِ جنگ میں گزاری اور مسلسل موت سے کھیل رہا تھا۔

”میں تمہیں اپنے کسی ساتھی کے ہاتھ کھلونا نہیں بننے دوں گا۔“

”میں حکم کی پابند ہوں۔“ رعدی نے کہا۔ ”میں خودکشی نہیں کروں گی۔ یہ بزدلی ہے۔ میں بھاگنے کی بھی کوشش نہیں کروں گی۔ یہ دھوکہ ہے۔ میں خودکشی کر چکی ہوں۔ اپنا من مار دیا ہے۔“

وہ آہستہ آہستہ اُٹھا اور اس طرح قدم پھونک کر رعدی کی طرف بڑھا جیسے اس لڑکی نے اُسے ہپناٹائز کر لیا ہو۔ اُس نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اٹھایا اور رعدی کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ ”تم میرے تصور سے بھی زیادہ خوبصورت ہو۔“ اُس نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور بولا۔ ”میں نے آج پہلی بار محسوس کیا ہے کہ تمہاری آواز میں سوز ہے۔ تم رقاصہ ہو، مغنیہ تو نہیں؟“

”میں گاتی بھی ہوں۔“ رعدی نے کہا۔ ”لیکن نغمہ وہ سناؤں گی جو مجھے پسند ہو گا، جس میں میرا درد ہو گا۔“

وہ گنگنانے لگی۔ ”چلے قافلے حجاز کے۔“

سائبان کے اندر کے ماحول پر وجد طاری ہو گیا۔ آواز تو رعدی کے دل سے نکل رہی تھی۔ اس نغمے میں اس کی بہت کے بین تھے، دل کی آہیں تھیں۔ آرزوؤں کا سوز تھا اور اُن کے اُن خوابوں کا حُسن تھا جو حجاز کے راستے میں شہید ہو گئے تھے۔ رعدی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اُس کی لَے اور پُرسوز ہو گئی... اور عجیب بات یہ ہوئی کہ صلیبی سربراہ کو ایسی غنودگی آنے لگی جو اُسے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ اُسے ہر رات شراب مدہوش کرتی اور وہ اسی مدہوشی میں سو جایا کرتا تھا۔

وہ گہری نیند سو گیا تو رعدی کی نظر اس خنجر پر پڑی جو پلنگ کے قریب تپائی پر پڑا تھا۔ رعدی نے آہستہ سے خنجر نیام سے نکالا۔ اس کی نوک پر انگلی رکھی اور خنجر مضبوطی سے پکڑ کر سوئے ہوئے صلیبی کے قریب گئی۔ اس نے خنجر کی نوک

اُس کی شہ رگ کے قریب کی، پھر دل کے قریب لے گئی۔ ہاتھ اوپر اٹھایا تو اُسے آواز سنائی دی — "رُک جاؤ" — اُس نے اُدھر دیکھا۔ سائبان کا پردہ اٹھائے وہی خوبرو آدمی کھڑا تھا جس نے کہا تھا کہ وہ صلیبیوں کا جاسوس ہے — وہ حسن الادریس تھا۔

☆

حسن الادریس نے رعدی کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ رعدی نے خنجر نیام میں ڈالا اور پردے تک گئی۔ حسن الادریس نے اُسے بازو سے پکڑا اور باہر لے گیا۔ بولا — "آج رات یہ اکیلا ہے۔ دوسرے بہت دنوں کے لیے چلے گئے ہیں۔ یہ شخص میری ذمہ داری اور حفاظت میں ہے لیکن میں سوئے ہوئے کو قتل نہیں کروں گا۔ اسے جو قتل کرنے آئے گا وہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا...... تم تو اسے قتل کر رہی تھی۔ کہ میں خودکشی نہیں کروں گی کہ یہ بزدلی ہے اور میں بھاگوں گی نہیں کہ یہ دھوکہ ہے، مگر تم سوئے ہوئے کو قتل کرنے لگی تھیں۔ کیا یہ دھوکہ نہیں؟"

"تم اسے بتا دو گے کہ میں نے اس کی شہ رگ اور دل پر خنجر رکھا تھا؟" اس نے پوچھا اور آہ لے کے بولی — "بتا دینا۔ وہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس سے میرا بھلا ہو جائے گا، اور وہ تمہیں انعام دے گا۔ اس سے تمہارا بھلا ہو جائے گا۔"

"مجھے اس شخص سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی تمہارے دل میں ہے۔" حسن الادریس نے کہا — "میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"اور مجھ سے اس کا انعام مانگو گے؟" رعدی نے پوچھا۔ "بلکہ مجھے انعام کے طور پر مانگو گے؟"

"نہیں۔" حسن الادریس نے کہا۔ "مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں۔" وہ لڑکی کو ذرا پرے لے گیا اور اپنائیت کے لہجے میں بولا — "میں بھی تمہاری طرح حجاز کا مسافر ہوں۔ ہم نے جس رات تمہیں اُن آدمیوں سے چھینا تھا اس رات تم نے اپنی زندگی کی کہانی سنائی تھی۔ تم نے اپنے جذبات اور اپنی ایک خواہش کا بھی اظہار کیا تھا۔ میں اُس رات سے سوچ رہا ہوں کہ تمہیں کون سی نیکی بتاؤں جس سے تم خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتی ہو۔" حسن الادریس کی زبان کے سحر نے رعدی کو مسحور کر لیا۔ وہ بولتا رہا، وہ سنتی رہی۔ سلطان ایوبی کے جاسوس نے اس حسین لڑکی کے دل پر قبضہ کر لیا...... رعدی وہاں سے اٹھنے پر آمادہ نہیں تھی — حسن الادریس نے اُسے جانے پر مجبور کیا تو وہ چلی گئی۔

وہ تین چار راتیں ملے۔ حسن الادریس نے رعدی کو اپنی جذباتی باتوں اور نیک نیتی کے جادو میں گرفتار کر لیا تھا۔ رعدی اس سے حجاز کی باتیں پوچھتی تھی اور وہ جذباتی انداز میں اُسے حجاز کی دلکش باتیں سناتا تھا۔ ان کے دوران حسن الادریس اس کوشش میں لگا رہتا کہ معلوم کر سکے کہ جہاں اُسے نہیں جانے دیا جاتا وہاں کیا ہے مگر وہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکا۔ ایک رات اُس نے لڑکی کو اعتماد میں لے لیا اور کہا کہ ان لوگوں نے ان پہاڑیوں میں کیا چھپا رکھا ہے۔ رعدی نے فوراً جواب دیا۔ "جنگی سامان ہے۔ اس (سربراہ) نے مجھے بتایا تھا۔ کہتا تھا کہ اس میں آگ لگانے والا تیل اتنا زیادہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے شہروں کو جلا کر بھی ختم نہ ہو...... بے شک میں اس شخص کی لونڈی بلکہ داشتہ ہوں، لیکن یہ میرے آگے غلاموں جیسی حرکتیں کرتا ہے۔"

"کیا تم اس سے خوش ہو کہ تم اتنے اونچے رتبے والے صلیبی کی داشتہ ہو اور یہ تمہارا غلام ہے؟"

"نہیں!" رعدی نے اداس لہجے میں جواب دیا — "میں اپنے جسم کی بات کر رہی ہوں۔ میری روح کبھی خوش نہیں ہوگی۔ مجھے جو حجاز کے راستے سے اغوا کر کے لائے تھے وہ کہتے تھے کہ خدا تم سے ناراض ہے۔ کوئی ایسی نیکی کرو کہ خدا تمہارے گناہ بخش دے، اور وہ جو مجھے حجاز لے جا رہا تھا اور جسے میں نے چاہا تھا، کہتا تھا کہ حج کر کے ہم پاک ہو جائیں گے، پھر وہیں شادی کریں گے۔ میں تو گناہوں میں ڈوبتی چلی جا رہی ہوں۔ میں کیا نیکی کروں گی۔ خدا مجھے زندہ دفنا دیا جائے گا۔"

"زمزم کا پانی ہی نہیں، آگ بھی تمہیں پاک کر سکتی ہے۔" حسن الادریس نے ہنس کر کہا۔ "تم حجاز نہ پہنچ سکی۔ پاسبانِ حجاز کو خوش کر دو تو خدا تمہاری روح کو گناہوں سے پاک کر دے گا، تم نجات پا لو گی۔"

"کون ہے پاسبانِ حجاز؟" رعدی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "اور یہ کون سی آگ ہے جو مجھے پاک کر سکتی ہے؟"

"پاسبانِ حجاز سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔" حسن الادریس نے کہا — "اور آگ یہ ہے جو ان پہاڑوں میں کنستروں اور مشکوں میں تیل کی صورت میں بھری پڑی ہے۔ اس سے حجاز تک کو آگ لگائی جائے گی۔ تم کسی طرح مجھے وہاں تک پہنچا دو جہاں آگ اور جنگ کا سامان بھرا پڑا ہے۔"

رعدی کچھ سمجھ نہ سکی۔ حسن الادریس نے اُسے بڑی لمبی کہانی سنائی۔ سلطان ایوبی کا عزم اور اُس کا کردار بتایا۔ صلیبیوں کے عزائم بتائے اور اُسے ایسی باتیں سنائیں کہ اُس کے دل میں صلیبیوں کی نفرت پیدا ہو گئی اور اسے حق اور باطل کا تضاد معلوم ہو گیا۔

☆

دوسرے دن حسن الادریس نے دیکھا کہ رعدی گھوڑے پر سوار صلیبی سربراہ کے ہمراہ پہاڑیوں کے اُس حصے کی طرف جا رہی تھی جدھر حسن الادریس کو اور صلیبی پہرہ داروں کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی...... رات کو سربراہ رعدی سے جلدی گہری نیند سو گیا۔ یہ نیند بہت ہی گہری تھی کیونکہ رعدی نے حسن الادریس کا دیا ہوا حشیش بھرا سفوف اس کے شراب کے پیالے میں ڈال دیا تھا۔ جاسوس بے ہوش کرنے والا سفوف اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ رعدی اُس جگہ پہنچ گئی جہاں حسن الادریس اُس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

"وہاں تو بہت بڑا غار ہے۔" رعدی نے اُسے بتایا۔ "ان لوگوں نے کھود کھود کر اسے اور زیادہ وسیع کر لیا ہے۔ اتنا چوڑا اور لمبا کہ دہانے سے دوسرا سرا نظر نہیں آتا۔ اندر آگ بھڑکانے والے تیل کے ہزار ہا مٹکے اور کنستر رکھے ہیں۔ ساتھ ہی برچھیاں، تیر و کمان، اناج، خیمے، کپڑے اور بے اندازہ سامان پڑا ہے...... میں نے اس صلیبی سردار سے بچوں کی طرح کہا کہ میں ان پہاڑیوں کے اندر کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔ اُس نے کہا کہ کل دن کو لے چلوں گا۔ تم تو یہی حکم ہو کسی کو بتانا مت کہ میں تمہیں اُدھر لے گیا تھا۔ وہ مجھے لے گیا۔" رعدی نے اسے بتایا کہ اس غار میں سامنے دو آدمی پہرے پر کھڑے رہتے ہیں اور غار کا دہانہ کھلا رہتا ہے۔ غار سے سو ڈیڑھ سو گز دور پہرہ دار دستے کے خیمے ہیں۔ رعدی نے کہا۔ "تھوڑے ذرا پرے ایک خیمہ ہے جس کے باہر ایک ضعیف آدمی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ سربراہ نے اُسے پاؤں کی ٹھوکر سے بیدار کر کے کہا — 'او سنے درویش! کوئی تکلیف تو نہیں؟ کھانا ٹھیک ملتا ہے؟' — بوڑھے نے ضعیف آواز میں پوچھا۔ جناب

مجھے کب رہا کرو گے؟ مجھے اب جانے دو۔" سربراہ نے نفرت سے کہا۔ "ابھی انتظار کرو۔ بہت انعام ملے گا۔" یہ شاید وہی درویش ہے جس کا تم نے ذکر کیا تھا؟"

"ہاں!" حسن الادریس نے کہا۔ "یہ صلیبیوں کا وہی ڈھونگ ہے جس نے موصل کے باشندوں اور ان کے والی عزالدین کو بھی دیوانہ بنا رکھا ہے..... آؤ رعدی! ہم دونوں مل کر خدا سے تمہارے گناہوں کی بخشش حاصل کریں گے۔"

دونوں چل پڑے مگر چھپ چھپ کر۔ رات کا اندھیرا فائدہ دے رہا تھا۔ وہ چٹانوں کی تنگ گلیوں سے گزرتے رکتے ادھر ادھر دیکھتے، کان کھڑے کیے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں دو پہرہ دار گشت کر رہے تھے۔ ان کے قریب ایک مشعل جل رہی تھی جس کا ڈنڈا زمین میں گڑا ہوا تھا۔ حسن الادریس اور رعدی ان سے پندرہ بیس قدم دور پیچھے تھے۔ دونوں اپنی اپنی جان کی بازی لگانے آئے تھے۔ خدا دیکھ رہا تھا۔ حسن الادریس کھانسا اور رعدی کو ایک طرف کر دیا اور خود بیٹھ گیا۔ ایک سنتری "کون ہے؟" پکار کر ادھر آیا۔ اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔ حسن الادریس نے پیچھے سے اس کی گردن بازو کے گھیرے میں جکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے خنجر کے تین چار وار اس کے دل کے مقام پر کیے۔ سنتری گر پڑا۔

حسن الادریس انتظار کرتا رہا۔ دوسرے سنتری نے اپنے ساتھی کو پکارا۔ اسے جواب نہ ملا تو وہ آہستہ آہستہ ادھر آیا۔ وہ جب اپنے مرے ہوئے ساتھی کے قریب پہنچا تو اندھیرے میں اسے کوئی زمین پر پڑا نظر آیا۔ اس نے جھک کر دیکھا اور وہ حسن الادریس کے شکنجے میں آ گیا۔ رعدی نے انتظار نہ کیا۔ وہ غار کی طرف دوڑی اور زمین سے مشعل اکھاڑ کر غار کے اندر چلی گئی۔ حسن الادریس نے دوسرے سنتری کو بھی ختم کر دیا۔ پہرے داروں کا دستہ خیموں میں سویا ہوا تھا۔ حسن الادریس نے رعدی کو پکارا مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ غار کی طرف دوڑا۔ وہاں مشعل بھی نہیں تھی۔

اتنے میں غار میں ایک شعلہ اٹھا۔ رعدی دوڑتی باہر آئی۔ اس کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے غار کے اندر آتش گیر سیال کا ایک مٹکا اوندھا کر کے مشعل سے اسے آگ لگا دی تھی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ سیال کس طرح بھڑک کر جل اٹھتا ہے۔ شعلے نے پھیل کر رعدی کو بھی زد میں لے لیا۔ جب حسن الادریس نے اسے پکڑا اس وقت اس کا اتنا حسین چہرہ سیاہ ہو چکا تھا اور اس کے ریشم جیسے بال جل چکے تھے۔ حسن الادریس نے اس کے کپڑوں کی آگ بجھاتے اپنے ہاتھ جلا لیے۔ کپڑوں کی آگ تو بجھ گئی مگر رعدی پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جھلس کر بند ہو گئی تھیں۔

حسن الادریس نے اسے کندھے پر اٹھایا اور دوڑ پڑا۔ ممنوعہ علاقے سے نکل کر اسے اگلے علاقے سے پوری واقفیت تھی۔ غار میں رکھی ہوئی آگ نے بند کنستروں اور مشکوں کو اتنی حرارت دے دی کہ ایک مہیب دھماکہ ہوا جس سے زمین زلزلے کی طرح کانپی۔ ہزاروں من بند آتش گیر سیال ایک ہی بار پھٹ گیا تھا۔ اس نے جنگی تباہی کا سارا سامان تباہ کیا۔ وہاں صلیبیوں کا چھپایا ہوا تمام تر اسلحہ اور دیگر سامان بھی بھسم ہو گیا۔

دھماکے نے موصل شہر کو جگا دیا۔ لوگوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ حسن الادریس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ شہر کے دروازے بند تھے۔ وہ شہر کی بجائے نصیبہ کی طرف چل پڑا۔ وہ خطرے سے نکل گیا تھا۔ اس نے

رعدی کو کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ بہت دور جا کر وہ تھک گیا تھا اور رعدی کو زمین پر لٹا دیا۔ رعدی نے سرگوشی کی۔ "آگ نے مجھے پاک کر دیا ہے"۔۔۔ وہ غشی اور خواب میں بڑبڑانے کے لہجے میں بولی۔ "قافلہ حجاز کو جا رہا ہے۔ وہاں جا کر شادی کریں گے۔"

"رعدی، رعدی!" حسن الادریس نے اسے بلایا۔

"خدا نے میرے گناہ بخش دیے ہیں نا؟" رعدی نے پوچھا۔ وہ اٹھ بیٹھی اور بازو آگے کر کے بولی۔ "وہ جا رہے ہیں۔ دیکھو۔ وہ قافلے حجاز کو جا رہے ہیں۔ میں بھی جا رہی ہوں۔"

وہ ایک طرف گر پڑی۔ حسن الادریس نے اسے بلایا ہلایا، آخر نبض پر ہاتھ رکھا۔ رعدی کی روح حجاز کے قافلے کے ساتھ جا چکی تھی۔

حسن الادریس نے خنجر سے قبر کھودی۔ صبح تک وہ دو ڈھائی فٹ گہرا اور رعدی کے قد جتنا گڑھا کھود سکا۔ اس نے رعدی کو اس میں لٹایا اور اوپر مٹی ڈال دی۔

جب کچھ روز بعد سلطان ایوبی کو صلیبیوں کے ذخیرے کی تباہی کی اطلاع ملی اس وقت وہ ایک مشتبہ مقام تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ تل خالد ایک بڑی ریاست تھی جس کا حکمران سوکمان القطبی شاہ ارمن تھا۔ وہ اس وقت ہرزم کے مقام پر تھا جہاں اسے والئ موصل عزالدین نے ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ ملاقات کا مقصد یہ تھا کہ شاہ ارمن سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے عزالدین کو فوج اور دیگر جنگی مدد دے۔ سلطان ایوبی کو اس ملاقات کا علم قبل از وقت ہو گیا۔ اس نے شاہ ارمن کے دارالحکومت تل خالد کو محاصرے میں لینے کے لیے پیش قدمی کر دی۔

☆

دوسرا درویش

صلیبیوں کے لیے یہ چوٹ معمولی نہیں تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کے علاقے موصل کے قریب پہاڑیوں کے غاروں کو وسیع کر کے اتنا زیادہ اسلحہ اور آتش گیر سیال چھپا رکھا تھا جس سے وہ سلطنتِ اسلامیہ کی تمام شہر پناہوں کو کھنڈروں میں بدل سکتے تھے، مگر سلطان ایوبی کے تباہ کار جاسوسوں نے اُسے اُڑا دیا۔ یہ سامان چونکہ پہاڑی کے اندر وسیع غار میں تھا۔ اس کے دھماکے نے دُور دُور تک زمین یوں ہلا دی تھی جیسے زلزلہ آیا ہو۔ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ تباہی کس طرح بپا کی گئی ہے جس سے صرف صلیبیوں کی ہی نہیں بلکہ صلیبیوں کے سب سے بڑے اتحادی عزالدین کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ انہوں نے سلطان ایوبی کے خلاف جو در پردہ معاہدہ کر رکھا تھا اس معاہدے کے پرخچے اُڑ گئے تھے۔ صلیبیوں کو یقین تھا کہ یہ سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا کام ہے۔ انہوں نے سوچا ہی نہیں کہ یہ اتفاقیہ حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔

پچھلی قسط میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ صلیبی موصل کے والی عزالدین کو اپنا اتحادی بنا کر موصل کے پہاڑی علاقے کو اپنا فوجی اڈہ اور اسلحہ بارود اور دیگر رسد کا بہت بڑا ذخیرہ بنانا چاہتے تھے مگر عدی نام کی صرف ایک لڑکی نے اپنے ساتھی حسن الادریسی کے تعاون سے اُن کا ذخیرہ تباہ کر دیا۔ اس علاقے سے لوگوں کو دُور رکھنے کے لیے ایک درویش کی نمائش کر کے اُس کی زبانی یہ مشہور کرا دیا گیا تھا کہ یہ درویش اس علاقے کی ایک پہاڑی پر بیٹھے گا اور اسے خدا موصل کی فتح کا اشارہ دے گا پھر موصل یعنی عزالدین کی سلطنت دور دور تک پھیل جائے گی۔ اس درویش کا یہ انجام ہُوا کہ اسلحہ اور آتش گیر سیال کی تباہی کے ساتھ ہی تباہ ہو گیا۔

دوسرے دن موصل کے لوگوں پر دہشت طاری تھی۔ انہیں بتانے والا کوئی نہ تھا کہ رات یہ دھماکہ اور زمین کا لرزہ کیسا تھا اور پہاڑیوں میں سے یہ جو سیاہ بادل اُٹھ اُٹھ کر آسمان کو جا رہے ہیں یہ کیسے ہیں۔ آتش گیر سیال کئی روز جلتا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ وسیع غار میں اندر جو سامان رکھا تھا وہ بھی جل رہا تھا۔ ڈر کے مارے کوئی اُدھر جاتا نہیں تھا۔ سب اُسے درویش کی کرامات یا قہر سمجھ رہے تھے۔ ایسی دہشت زدگی کی اذیت ناک کیفیت میں انہیں ایک صدا سنائی دی — "وہ جہنم کی آگ میں جل گیا ہے۔ وہ اپنے جہنم میں جل گیا ہے۔"

یہ ایک اور درویش تھا جو سبز قبا میں ملبوس تھا۔ سر کے بال لمبے اور سفید تھے، داڑھی بھی لمبی اور سفید تھی۔ اس کے چہرے پر بڑھاپے کی جھریاں تھیں۔ ایک ہاتھ میں لمبا عصا اور دوسرے میں قرآن تھا۔ یہ اُسی درویش کی مانند تھا جو اُسی کی طرح اچانک نمودار ہُوا اور اُس نے اعلان کیا تھا کہ اُسے خدا آسمان سے ایک اشارہ دے گا۔ یہ نیا درویش بھی اچانک نمودار ہُوا اور جب وہ بازار میں آیا تو خوف سے کانپتے ہوئے لوگوں نے اُسے روک کر گھیر لیا۔

"صلیبی شاید تم سے آمنے سامنے کی ٹکر نہیں لیں گے۔" احتشام الدین نے کہا۔ "انہوں نے ہمیں ہماری اپنی تلواروں سے مروانے کا انتظام کر لیا ہے۔ انہیں اپنی فوجیں مروانے کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑانے کے لیے انہیں مدد اور شہ دے رہے ہیں۔ یہ چھوٹی بڑی مسلمان امارتیں اور ریاستیں جو دراصل خلافتِ بغداد کے صوبے ہیں اب درپردہ صلیبیوں کے غلام بن گئے ہیں تاکہ خود مختار رہیں۔ اپنے مرکز سے کٹ کر خود مختاری اسی صورت میں حاصل کی جا سکتی ہے کہ دشمن کی مدد لو اور اپنے بھائی کو دشمن کہو۔ خانہ جنگی میں صرف ایک فریق سچا اور محبِ وطن ہوتا ہے۔ دوسرا فریق دشمن کا دوست ہوتا ہے۔ دشمن اُسے خلوص سے مدد نہیں دیتا بلکہ اپنے فائدے اور اپنے عزائم کی تسکین کے لیے مدد دیتا ہے....

"صلیبی ہمارے مخالف دھڑے کو مدد دے رہے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ موصل کو اپنے چھاپہ ماردستوں کا اڈہ بنا رہے ہیں۔ وہ کچھ عرصے تک چھاپوں اور شبخونوں کی جنگ لڑیں گے۔ رفتہ رفتہ وہ حلب کو اور دیگر تمام مسلمان ریاستوں کو اپنے اڈے بنا لیں گے جو آپ کے خلاف استعمال ہوں گے۔ میں جب بیروت میں تھا تو مجھے پتہ چلا تھا کہ صلیبی موصل سے کچھ دُور پہاڑی علاقے میں بے شمار اسلحہ اور سامان چھپا کر رکھیں گے۔ اس میں آتش گیر مادہ بہت زیادہ ہوگا۔ اسے وہ اپنے چھاپہ ماروں کے لیے استعمال کریں گے اور بعد میں کُھلی جنگ میں بھی۔ وہ کُھلی جنگ اسی صورت میں لڑیں گے جب بہت سی مسلمان امارتوں میں اپنے اڈے بنا کر مستحکم کر چکے ہوں گے۔ میں ابھی یہ معلوم نہیں کر سکا کہ وہ اسلحہ اور آتش گیر مادہ کس مقام پر رکھیں گے۔ یہ معلوم کرنا آپ کے جاسوسوں کا کام ہے۔"

سلطان ایوبی نے سالاروں کو بھیج دیا سوائے حسن بن عبداللہ کے جو جاسوسی اور سراغ رسانی کے محکمے کا سربراہ تھا اور سالار صارم مصری کو بھی سلطان ایوبی نے اپنے پاس روک لیا۔ یہ چھاپہ مار دستوں کا سالار تھا۔

"میرا قیاس صحیح نکلا ہے۔" سلطان ایوبی نے ان دونوں سے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ صلیبی موصل اور حلب کو درپردہ طریقوں سے اپنے اڈے بنانے کی کوشش کریں گے اور ہمارے مسلمان بھائی ان کے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔ تم نے احتشام الدین کی زبانی سُن لیا ہے کہ بالڈون اور دوسرے صلیبی موصل سے کچھ دُور کہیں جنگی سامان اور آتش گیر سیال کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر رہے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ جس طرح ہمیں رسد کے ذخیرے کی ضرورت ہے اسی طرح صلیبیوں کو بھی ضرورت ہے۔ ہم میں سے جس کا ذخیرہ ختم یا تباہ ہو گیا وہ آدھی جنگ ہار جائے گا۔ ہمارے کچھ دستے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر موصل اور حلب کے درمیان بیٹھے ہیں۔ انہیں میں نے عزالدین اور عمادالدین کا آپس کا رابطہ توڑنے کے لیے بٹھایا ہے۔ اب بیروت اور ان دونوں جگہوں کے راستے روکنے ہیں۔ یہ مہم ذرا مشکل اور خطرناک ہوگی کیونکہ چھاپہ ماروں کو اپنے مستقر سے دُور جانا ہوگا۔"

"یہ مجھے دیکھنا ہے کہ یہ مہم مشکل ہے یا آسان۔" صارم مصری نے کہا۔ "اور یہ میرا فرض ہے کہ مشکل کو آسان کر دوں۔ آپ حکم دیں۔"

"کوئی قافلہ نظر آئے اُسے روک لو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تلاشی لو۔ مزاحمت ہو تو پورا معرکہ لڑو۔ کوشش کرو کہ قیدی زیادہ ہوں۔" اس نے حسن بن عبداللہ سے کہا۔ "اور حسن! تم مجھے یہ کام کر کے دکھاؤ کہ معلوم کرو کہ صلیبی اسلحہ اور آتش گیر سیال کا ذخیرہ کہاں جمع کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ذخیرہ کر بھی چکے ہوں۔ اگر تم جگہ معلوم کر سکو تو اس کی تباہی کا انتظام کر دوں گا۔"

"یہ انتظام انشاءاللہ میرا ہوگا۔" صارم مصری نے کہا۔

"یہ ذہن میں رکھو کہ کچھ عرصے تک ہماری جنگ آنکھ مچولی جیسی ہوگی۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "صلیبی کھلی جنگ لڑنے کی بجائے شبخونوں اور تخریب کاری کی جنگ لڑیں گے۔ وہ شاید مجھے مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے کہ میں اُن پر کُھلا حملہ کر دوں۔ میں ایسی حماقت نہیں کروں گا۔ وہ مجھے کئی جگہوں پر گھات لگائیں گے۔ میں سب سے پہلے اپنے ان اُمراء کو ساتھ ملاؤں گا جو صلیبیوں کے دوست بنتے جا رہے ہیں۔ میں اُن سے تعاون کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میں اب تلوار کی نوک پر اُن سے تعاون لوں گا۔ میں اُن میں سے کسی کا بھی خون بہانے سے دریغ نہیں کروں گا۔ یہ برائے نام مسلمان ہیں۔ مسلمان کے خلاف کافر کے ساتھ دوستی کرنے والا مسلمان بھی کافر ہوتا ہے۔ مجھے اب پروا نہیں کہ تاریخ مجھے کیا کہے گی۔ اگر مجھے آج کوئی کہے کہ آنے والی نسلیں مجھے اپنے بھائیوں کا قاتل اور خانہ جنگی کا مجرم کہیں گی تو بھی میں اپنے ارادوں سے باز نہیں آؤں گا۔ میں تاریخ اور آنے والی نسلوں کے آگے نہیں خدا کے آگے جوابدہ ہوں۔ خدا کے سوا نیت کو اور کوئی نہیں جانتا۔ میرے اور فلسطین کے درمیان اگر میرے بیٹے حائل ہوں گے تو میں انہیں بھی قتل کر دوں گا۔ اگر ہم نے آج قبلۂ اوّل کو صلیبیوں سے آزاد نہ کرایا تو ہمارے بعد صلیبی اور یہودی خانۂ کعبہ پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ مجھے اپنے امراء اور حکمرانوں کے تیور اور طور طریقے بتا رہے ہیں کہ وہ بادشاہ بنیں گے اور اُن کی اولاد بھی بادشاہ ہوگی اور یہ لوگ فلسطین کو یہودیوں کے تسلط میں دے دیں گے۔ تلوار کے سوا میرے پاس اب کوئی علاج نہیں رہا۔"

"ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔" صارم مصری نے کہا۔ "اگر آپ میری رائے لیں تو میں یہی کہوں گا کہ مرکز سے خود مختاری یا نیم خود مختاری مانگنے والوں کو غداری کی سزا ملنی چاہیے۔"

"اور میں انہیں سزا دوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے صارم مصری اور حسن بن عبداللہ کو جنگی نوعیت کی ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

☆

وہ دونوں چلے گئے تو سلطان ایوبی ایک اور مسئلے پر غور کرنے لگا۔ اُس نے جب بیروت سے محاصرہ اُٹھایا تھا اور نصیبہ کے مقام پر آکر خیمہ زن ہو گیا تھا اُس سے کچھ عرصے پہلے اُسے بحیرۂ قلزم کے مشرقی علاقے کے متعلق یہ اطلاعیں ملی تھیں کہ صلیبی فوجی دستے اس علاقے میں قافلوں کو لُوٹ لیتے ہیں۔ صلیبی صرف سلمان قافلوں کو لوٹتے تھے۔ مال و دولت کے علاوہ اونٹ اور گھوڑے لے جاتے اور کمسن اور نوجوان لڑکیوں کو بھی اٹھا لے جاتے تھے۔ زیادہ تر رہزنی اُن دنوں ہوتی تھی جن دنوں مصر کے حاجیوں کے قافلے جاتے اور آتے تھے۔ ان ڈاکوؤں کو فوجی پیمانے پر ہی روکا جا سکتا تھا، لیکن سلطان ایوبی کے پاس اتنی فوج نہیں تھی۔ اس کے علاوہ اُس کے دماغ پر فلسطین اور وہ مسلمان امراء سوار تھے جو صلیبیوں کے ساتھ درپردہ صلح اور مدد کے معاہدے کر رہے تھے۔ اس لیے سلطان ایوبی ادھر توجہ نہیں دے سکا تھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بیروت کے محاصرے میں سلطان ایوبی نے بحری بیڑہ بھی استعمال کیا تھا جس کا امیر البحر

حسام الدین لولو تھا۔ محاصرہ ابتدا میں ہی ناکام ہو گیا تو سلطان ایوبی نے حسام الدین کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ بیڑہ سکندریہ لے جائے۔ اس کے فوراً بعد قاہرہ سے سلطان ایوبی کو پیغام ملا کہ صلیبیوں نے قافلوں کو لوٹنا باقاعدہ پیشہ بنا لیا ہے اور اب کوئی قافلہ منزل تک پہنچتا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی نے قاہرہ کو جواب دینے کی بجائے سکندریہ امیر البحر حسام الدین کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے بیڑے کے اُس حصے کی باگ ڈور لے لے جو بحیرۂ قلزم میں ہے۔

سلطان ایوبی کا حکم یہ تھا — "بحیرۂ قلزم میں تمہارا مقابلہ دشمن کے بحری بیڑے سے نہیں ہوگا، بلکہ تم خشکی پر گھات لگا کر اُن ڈاکوؤں کو پکڑو گے جو مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ ڈاکو صلیبی فوجی ہیں جو باقاعدہ منصوبے اور اوپر والوں کے احکام کے تحت لوٹ مار کر رہے ہیں۔ یہ صحرا میں نہیں رہتے۔ سمندر کے کنارے رہتے ہیں۔ تم فوج کا ایک منتخب دستہ ساتھ لے جاؤ اور سمندر میں گھومتے پھرتے رہو۔ جہاں تمہیں ڈاکوؤں کا شبہ ہو وہاں سپاہیوں کو کشتیوں سے اتار کر خشکی پر بھیجو اور ڈاکوؤں کا خاتمہ کرو۔ میرے اگلے حکم تک تم قلزم میں ہی رہو گے۔"

حسام الدین حکم ملتے ہی بحیرۂ قلزم میں چلا گیا۔ اُس دور میں بحیرۂ روم اور قلزم کو ملانے کے لیے نہر سویز نہیں تھی۔ بحیرۂ قلزم میں سلطان ایوبی نے چند ایک جنگی جہاز اور کشتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اگر آپ مشرقِ وسطیٰ کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو بحیرۂ قلزم اور اس کے اوپر خلیج سویز نظر آئے گی۔ اس سمندر کے مغربی کنارے پر مصر اور مشرقی کنارے پر سعودی عرب ہے۔ شمال میں صحرائے سینائی اور خلیج عقبہ ہے۔ بعض قافلے جو مصر سے حج کے لیے جاتے تھے، وہ اونٹوں اور گھوڑوں سمیت کشتیوں کے ذریعے خلیج سویز عبور کرتے تھے۔ اکثر قافلے خشکی پر ہی جاتے تھے اور بحیرۂ قلزم کے ساتھ ساتھ سفر کرتے تھے کیونکہ سمندر کے قریب گرمی میں کمی رہتی تھی۔

حسام الدین نے وہاں جاتے ہی ساحل کے ساتھ ساتھ خشکی پر چھاپے مارنے شروع کر دیے اور چند ایک ڈاکوؤں کو پکڑ کر وہیں قتل کر دیا لیکن اُسے ان میں صلیبی افواج کا کوئی ایک بھی سپاہی نہ ملا۔

☆

حسام الدین کو ایک روز اطلاع ملی کہ مصر سے ایک بہت بڑا قافلہ حجاز کے لیے روانہ ہو گیا ہے۔ اُس وقت قافلے کو صحرائے عرب میں ہونا چاہیے تھا۔ حسام الدین نے تین چار سپاہیوں کو خانہ بدوشوں کے لباس میں گشت کے لیے بھیجا مگر انہیں کہیں قافلہ نظر نہ آیا۔ یہ ایک بدقسمت قافلہ تھا جو ساحل سے دُور دُور جا رہا تھا۔ ایک رات قافلے نے ایک جگہ قیام کیا۔ اس میں تاجر بھی تھے اور حجاج بھی۔ کئی ایک پورے پورے کنبوں کو ساتھ لیے جا رہے تھے۔ ان میں بچے بھی تھے، بوڑھے بھی اور چند ایک کمسن اور نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ اونٹوں اور گھوڑوں کی تعداد خاصی تھی اور افراد کم و بیش چھ سو تھے۔ یہ سب کھانا کھا کر سو گئے تھے۔

قافلہ سحر کی تاریکی میں جاگا۔ کسی نے اذان دی۔ سب نے تیمم کرکے باجماعت نماز پڑھی اور جب روانگی کی تیاری ہونے لگی تو کہیں سے بلند للکار سنائی دی — "سامان مت باندھو۔ سب ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔ کسی نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو وہ زندہ نہیں رہے گا۔"

قافلے میں کئی ایک گھبرائی ہوئی آوازیں سنائی دیں — "ڈاکو۔ ڈاکو۔"

صبح کی روشنی صاف ہو گئی۔ قافلے والوں نے دیکھا، ان کے اردگرد صحرائی لباس میں ملبوس سینکڑوں آدمی کھڑے تھے۔ ان میں بعض گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں اور بعض کے پاس تلواریں تھیں۔ اُن کے سر اور چہرے صافوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ قافلے کی تعداد زیادہ تھی اس لیے جس جگہ قیام کیا وہ وسیع تھی۔ ڈاکوؤں نے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ قافلے والے مسلمان تھے۔ خاموشی سے ہتھیار ڈال دینا ان کا اصول نہیں تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ قافلوں پر حملے ہوا کرتے ہیں، اس لیے وہ مسلح تھے اور لڑنے کے لیے تیار۔

"عورتوں اور بچوں کو درمیان میں ایک جگہ کر دو" کسی نے آہستہ سے کہا اور یہ ہدایت کانوں کان پورے قافلے تک پہنچ گئی۔

عورتیں اور بچے قیام گاہ کے وسط کو جانے لگے۔ ڈاکو آگے بڑھنے لگے۔ قافلے میں سے تلواریں نکل آئیں، کچھ برچھیاں بھی تھیں۔ ڈاکوؤں نے ہلّہ بول دیا۔ اس کے بعد گھوڑوں کے دوڑنے کا، للکار کا اور تلواریں ٹکرانے کا شور تھا جس میں عورتوں اور بچوں کی چیخیں سنائی دیتیں اور شور میں دب جاتی تھیں۔ ڈاکوؤں میں سے زیادہ تر گھوڑوں پر سوار تھے اس لیے پلّہ انہی کا بھاری تھا اور وہ تربیت یافتہ اور تجربہ کار فوجی تھے۔ قافلے والے بھی جم کر مقابلہ کر رہے تھے اور نعرے بھی لگا رہے تھے۔ ایک آواز بار بار سنائی دیتی تھی — "لڑکیوں کو درمیان میں رکھنا... لڑکیوں کو الگ نہ ہونے دینا۔"

ایک لڑکی کی بلند آواز سنائی دی — "ہمارا غم نہ کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

قافلے والوں کو اگر گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقع مل جاتا تو وہ زیادہ بہتر طریقے سے لڑ سکتے۔ مگر اُن کے گھوڑے ابھی زینوں کے بغیر بندھے ہوئے تھے۔ وہ صلیبیوں کے گھوڑوں تلے روندے جا رہے تھے۔ ان میں سے بعض گر بھی رہے تھے۔ زیادہ تر نقصان قافلے والوں کا ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ عورتوں اور بچوں کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ وہ گھوم پھر کر نہیں لڑ سکتے تھے۔ معرکہ پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ قافلے میں سات آٹھ جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ ان میں سکندریہ کی رہنے والی ایک رقاصہ بھی تھی جس کا نام رعدی تھا۔ وہ اپنے پیشے سے اس طرح متنفر ہو گئی اور حج کے لیے جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ وہ آدمی تھا جس سے اُسے محبت ہو گئی تھی۔ وہ اسی کے سہارے اپنے آقاؤں سے بھاگ آئی تھی۔ انہوں نے ابھی شادی نہیں کی تھی۔ دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ مکہ معظمہ جا کر شادی اور پھر حج کریں گے۔

رعدی رقاصہ تھی اس لیے اس کا جسم پھرتیلا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اُس آدمی کے ساتھ رہی جس کے ساتھ وہ حج کو جا رہی تھی۔ اس آدمی کے پاس تلوار نہیں تھی جو اُس زمانے میں لوگ لباس کا حصہ سمجھ کر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس کی بجائے اس کے پاس خنجر تھا۔ اُس نے رعدی کو اپنے ساتھ رکھا اور اس کا چہرہ اور سر اس طرح کپڑے میں لپیٹ رکھا کہ پتہ نہ چلے کہ یہ لڑکی ہے۔ اس آدمی نے ایک ڈاکو کو جو گھوڑے پر سوار نہیں تھا، پیچھے سے پیٹھ پر خنجر مارا۔ خنجر اتنا گہرا اُترا کہ فوراً باہر نہ نکل سکا۔ ڈاکو نے گھوم کر اس آدمی کے پیٹ میں برچھی کی طرح تلوار گھونپ دی اور پھر دونوں گر پڑے۔

اس ڈاکو کی پیٹھ کے ساتھ تیروں سے بھری ہوئی ترکش بندھی ہوئی تھی اور اُس کے کندھے اور گردن میں کمان بھی لٹک رہی تھی۔ رعدی نے اس کی کمان اور ترکش اتار لی۔ یہ تینوں قیام گاہ کے کنارے پر تھے۔ قریب ہی کچھ سامان پڑا تھا جس میں خیمے بھی تھے۔ رعدی سامان اور خیموں کے ڈھیر کے پیچھے چھپ گئی۔ صلیبی ڈاکوؤں کے

گھوڑے دوڑتے ہوئے اس کے سامنے سے گزرتے تھے۔ رعدی کی کمان سے تیر نکلتا اور گھوڑ سوار اوندھا ہو جاتا۔ اس طرح اس نے کچھ سواروں کو گرا لیا اور اس کے بعض تیر گھوڑوں کو لگے جو بے قابو ہو کر اور زیادہ تباہی مچانے لگے۔ رعدی کو کوئی بھی نہ دیکھ سکا مگر اس نے ایک سوار پر تیر چلایا جو سوار کی بجائے گھوڑے کی گردن میں اتر گیا۔ گھوڑا بے قابو ہو کر گھوما اور دوڑ کا چکر کاٹ کر سامان اور خیموں کے اسی ڈھیر پر آ گیا جس میں رعدی چھپی ہوئی تھی۔ گھوڑا سامان کے ساتھ ٹکرایا اور ڈھیر پر گر پڑا۔ سوار دور جا پڑا۔ ڈھیر سے ایک چیخ سنائی دی۔ گھوڑا رعدی کے اوپر گرا تھا لیکن وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس کی گردن میں تیر اترا ہوا تھا۔ وہ فوراً اٹھا اور اندھا دھند بھاگ گیا۔ سوار اٹھا تو رسّے سے لپٹے ہوئے خیموں میں ایک سر نظر آیا جو کسی عورت کا تھا۔ سوار نے خیمے ہٹا کر دیکھا۔ اسے ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی نظر آئی جو اٹھنے کے قابل نہیں تھی اور وہ بے ہوش بھی نہیں تھی۔ صلیبی نے اسے اٹھایا تو وہ کراہنے لگی۔

دو روز بعد حسام الدین ایک بحری جہاز میں اپنے کیبن میں بیٹھا ہوا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ بری فوج کے دستے کا کمانڈر دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی تھا جس کا چہرہ اترا ہوا اور لاش کی طرح سفید تھا۔

"صلیبی ڈاکوؤں نے بہت بڑے قافلے کو لوٹ لیا ہے۔" دستے کے کمانڈر نے حسام الدین سے کہا۔ "یہ آدمی ان کی قید سے بھاگ آیا ہے۔ باقی اس سے سن لیں۔"

اس آدمی نے تفصیل سے بتایا کہ قافلے پر کس طرح حملہ ہوا تھا۔ "ہم نے بہت مقابلہ کیا لیکن ہمارے گھوڑے زینوں کے بغیر بھی بندھے ہوئے تھے ورنہ ہم گھوڑ سواروں کو کامیاب نہ ہونے دیتے۔ قافلے کے تھوڑے سے آدمی زندہ ہیں جو ڈاکوؤں کے قبضے میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تک انہیں قتل کیا جا چکا ہوگا۔ میں بھی انہی قیدیوں میں تھا۔ ہم تو مرد تھے، شرمناک صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ پانچ جوان لڑکیاں اور دس بارہ کمسن لڑکیاں ان کے قبضے میں ہیں۔ قافلے میں بڑا قیمتی سامان تھا۔ نقدی ہر ایک کے پاس تھی۔ نوے گھوڑے اور تقریباً ڈیڑھ سو اونٹ ہیں۔"

"وہ اب کہاں ہیں؟"

"وہاں ڈراؤنے سے سیدھے کھڑے ٹیلے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "ٹیلوں میں ڈاکوؤں نے کمروں جیسے غار بنا رکھے ہیں۔ ان کے پاس پانی کا ذخیرہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ ان کا مستقل اڈہ ہے۔ ویرانے میں ہوتے ہوئے یہ جگہ ویران نہیں لگتی۔" اس نے جو جگہ بتائی وہ سمندر سے بیس میل دور تھی۔ اس نے کہا۔ "کچھ ڈاکو بھی ہماری تلواروں اور برچھیوں سے مرے ہیں لیکن زیادہ نقصان ہمارا ہوا ہے۔ ہم جو زندہ رہ گئے انہیں وہ اپنے ساتھ لے آئے۔ شام تک وہ ہمارے تمام اونٹ، گھوڑے اور سارا سامان اٹھا کر اپنے ٹیلوں والے اڈے پر لے آئے۔ رات کو انہوں نے شراب پی اور ہمارا سامان کھول کھول کر دیکھنے لگے۔ ان کا ایک سردار بھی ہے۔ لڑکیاں اس کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ میں نے پھر لڑکیوں کو نہیں دیکھا۔ وہ ہم سے سامان اٹھوا کر ایک وسیع غار میں رکھوا رہے تھے۔ بہت سی مشعلیں جل رہی تھیں۔ میرے زیادہ تر ساتھی زخمی تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں بھاگنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان میں سے کسی نے بتایا کہ اگر خیریت سے نکل جاؤ تو سمندر تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔ وہاں اپنی فوج کی گشتی کشتی مل جائے گی۔ اس میں اپنے عسکری ہوں گے۔ انہیں بتانا کہ ہم پر کیا مصیبت

ٹوٹی ہے....

"مجھے یاد آگیا کہ ہم مصر کی سرحد سے نکل رہے تھے تو وہاں اپنے عسکری ملے تھے۔ انہوں نے ہی بتایا تھا کہ رستے میں کوئی مشکل پیش آ جائے تو ساحل پر پہنچ جانا، وہاں سے تمہیں فوج کی مدد مل جائے گی...... ڈاکو شراب پی کر بدمست ہوئے جا رہے تھے۔ ہم سامان اٹھا اٹھا کر غار میں رکھ رہے تھے۔ مجھے جیسے ہی بھاگنے کا موقعہ مل گیا۔ ان ٹیلوں میں سے نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ دو بار میں گھوم پھر کر وہیں پہنچ گیا جہاں سے بھاگا تھا۔ میں نے اللہ کو یاد کیا۔ قرآن کی جو آیات یاد تھیں وہ پڑھنے لگا اور آدھی رات کے بہت بعد ٹیلوں کی گلیوں سے نکل آیا۔ سمندر کی سمت کا خیال رکھ کر میں اندھا دھند چلتا رہا اور صبح ہونے تک اتنی دور آگیا جہاں ڈاکو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ سارا دن اللہ کو یاد کرتا رہا۔ پانی کا ایک مشکیزہ ساتھ تھا۔ تھوڑی سی کھجوریں بھی تھیں۔ انہوں نے مجھے زندہ رکھا....

"تھکن سے چلا نہ گیا تو دوپہر کے وقت ایک ریتیلے ٹیلے کے دامن میں گر پڑا۔ ٹیلے کے سائے میں بیٹھا تھا، سورج غروب ہوا تو آنکھ کھلی۔ ستارے روشن ہوئے تو سمت کا اندازہ ہوا۔ بہت دیر بعد مجھے سمندر کی بو محسوس ہونے لگی۔ میں ہوا کے مخالف چلتا چلا آیا اور شاید سحر کا وقت تھا جب میں ساحل پر آگیا اور جسم نے جواب دے دیا۔ میں گرا اور جانے بیہوش ہو گیا یا سو گیا۔ کسی نے مجھے جگایا۔ سورج بہت اوپر آ گیا تھا۔ مجھے جگانے والا کوئی عسکری تھا۔ ساحل کے ساتھ مجھے ایک کشتی نظر آئی۔ اس میں بھی عسکری تھے۔ وہ سب میرے پاس آ گئے۔ میں نے انہیں یہی قصہ سنایا جو آپ کو سنا رہا ہوں۔ انہوں نے مجھے کشتی میں بٹھا لیا، کھلایا پلایا اور مجھے یہاں لے آئے۔ یہاں ان کے کمانڈر کے حوالے کر دیا۔ یہ مجھے آپ کے پاس لے آئے۔"

"ہماری راہنمائی کے لیے تم ہمارے ساتھ چلو گے۔" حسام الدین نے کہا۔ "لیکن تمہاری حالت ایسی بُری ہے کہ فوراً ہمارے ساتھ نہیں چل سکو گے۔ تھکن نے تمہیں لاش بنا رکھا ہے۔"

"میں فوراً آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔" اس آدمی نے کہا۔ "میں آرام کس طرح کر سکتا ہوں جب مسلمان لڑکیاں ڈاکوؤں کے قبضے میں ہیں۔ اگر اس سفر میں مجھے تھکن سے مرنا ہے تو میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے قرآن کی آیات نے اس جہنم سے نکالا ہے۔ مجھ پر قرآن کا فرض عائد ہوتا ہے کہ ان معصوم بچیوں کو ظالموں کے چنگل سے چھڑاؤں۔ میں اس فرض پر جان دینا چاہتا ہوں۔"

"ڈاکوؤں کی تعداد کتنی ہے؟"

"پانچ سو سے زیادہ ہو گی۔" اس نے جواب دیا۔

"پانچ سو آدمی کافی ہوں گے؟" حسام الدین نے بری دستے کے کمانڈر سے پوچھا۔ "مجھے ساتھ ہونا چاہیے۔"

"کافی ہوں گے۔" کمانڈر نے جواب دیا۔ "ان میں کم از کم ایک سو سوار اور باقی پیادے ہوں گے۔ ہمیں چھاپہ مارنا ہے اس لیے حد تک خاموشی برقرار رکھنی ہو گی۔ گھوڑے جتنے زیادہ ہوں گے اتنا ہی شور کا خطرہ ہو گا۔ اس شخص سے اس جگہ کی مزید تفصیل پوچھ لیتے ہیں اور ابھی روانہ ہو جائیں گے۔ یہ چونکہ بھٹکتا اور گرتا پڑتا آیا ہے اس لیے اتنی دیر سے پہنچا ہے۔ میں نے سمت کا اندازہ کر لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہم شام کے پچھلے آدھی رات کے قریب ہدف پر پہنچ جائیں گے۔"

"چھوٹی منجنیقیں ساتھ لے لینا" حسام الدین نے کہا۔ "ہانڈیاں (آتش گیر سیال والی) اور غلیلے والے تیر بھی ساتھ ہوں..... اور انہیں شام تک مکمل آرام کرنے دو..... سب کو بتا دینا کہ مقابلہ ڈاکوؤں سے نہیں صلیب کے تجربہ کار فوجیوں کے ساتھ ہے۔"

بڑی فوج کا کمانڈر اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔

☆

صحرا کا وہ خطہ جہاں صلیبی ڈاکوؤں نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا قلعے سے کم نہ تھا بلکہ اس لحاظ سے قلعے سے زیادہ مضبوط اور ناقابلِ تسخیر تھا کہ وہاں ٹیلوں نے بھول بھلیوں جیسی گلیاں بنا رکھی تھیں جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مڑ جاتیں یا شاخوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ اس خطے کے درمیان ایک وسیع میدان تھا۔ اس کے اِرد گرد ٹیلوں میں صلیبیوں نے اونچے اور لمبے چوڑے کمرے کھود رکھے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے رہنے کی جگہ الگ تھی۔ حسام الدین کا تربیتی فوج کا دستہ پوری خاموشی سے آدھی رات سے پہلے اس خطے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ صلیبیوں نے پکڑے جانے کا خطرہ غالباً کبھی بھی نہیں محسوس کیا تھا ورنہ وہ اِدھر اُدھر پہرے کا انتظام کرتے۔

حسام الدین نے گھوڑوں کو پیچھے رکھا تاکہ ان کے ہنہنانے کی آواز دشمن تک نہ پہنچے۔ دستے کا کمانڈر چار سپاہیوں کو ساتھ لے کر ٹیلوں کی ایک گلی میں چلا گیا۔ گھومتا مڑتا بہت آگے گیا تو اُسے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ گھوڑوں کی ان رات کی آوازوں سے واقف تھا۔ ایک جگہ وہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا۔ وہ شب خون کا ماہر تھا اور اُسے چھپے ہوئے ہدف پر پہنچنے کا تجربہ تھا۔ وہ ٹیلے کے اوپر گیا۔ اوپر چوڑائی تھی۔ وہاں سے اُترنا پڑا، پھر ایک اور بلندی پر چڑھا۔ اُسے آدمیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو ہلڑبازی کی طرح تھیں۔ وہاں سے بھی اسے اُترنا پڑا۔ وہ ایک گلی میں جا رہا تھا کہ قریب ہی اُسے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور سب اپنے ہتھیار تان کر ٹیلے کے ساتھ ہو گئے۔ آگے موڑ تھا۔

دو آدمی باتیں کرتے موڑ مڑے۔ وہ شراب پیے ہوئے تھے جو اُن کے لہجے سے ظاہر تھا۔ سپاہیوں سے دو چار قدم آگے گئے تو پیچھے سے سپاہیوں نے تلواریں اُن کے پہلوؤں سے لگا دیں۔ کمانڈر نے اُن کی زبان میں جو فلسطینی، عربی اور عبرانی کی آمیزش تھی کہا کہ آواز نکالی تو مارے جاؤ گے۔ انہیں وہاں سے دُور لے گئے۔ انہوں نے جان کے خوف سے بتا دیا کہ اُن کے ساتھی کہاں ہیں اور اُن تک کون سا راستہ جاتا ہے۔ مسلمان کمانڈر اُن میں سے ایک کو اپنے ساتھ بلندی پہ لے گیا جہاں سے وہ میدان نظر آتا تھا جہاں اس کے ساتھی جشن منا رہے تھے۔ کمانڈر نے اوپر سے دیکھا اور وہ حیران رہ گیا۔ اس بے رحم صحرا میں جو جہنم سے کم نہ تھا ان صلیبیوں نے جنت کا منظر بنا رکھا تھا۔ جہاں مسافر پیاسے مر جاتے تھے وہاں یہ لوگ شراب پی رہے تھے۔ ان میں سے کچھ اِدھر اُدھر بے سُدھ پڑے تھے۔ بعض ٹولیوں میں بیٹھے گا رہے تھے یا ہلڑبازی میں مصروف تھے۔ ایک جگہ ایک لڑکی ناچ رہی تھی۔ مشعلیں اس طرح جل رہی تھیں کہ اُن کے ڈنڈے عمودی ٹیلوں میں گاڑے ہوئے تھے۔

"بہت سے اندر ہیں" صلیبی قیدی نے کمانڈر کو بتایا۔ "وہ شراب سے بے ہوش پڑے ہوں گے۔

ایسا جشن صرف اُس وقت منایا جاتا ہے جب کوئی بہت بڑا قافلہ لوٹا جاتا ہے۔ تین چار راتیں جشن منایا جاتا ہے۔"

"تعداد کتنی ہے؟"

"چھ سو کے قریب ہو گی" اُس نے جواب دیا۔ "کمانڈر ایک نائٹ ہے۔ وہ اس وقت لڑکیوں کے درمیان بدمست پڑا ہو گا۔"

کمانڈر نے بلندی سے میدان کا جائزہ لیا۔ اُسے مشعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آ رہا تھا، وہ اُس نے دیکھ لیا۔ جو نظر نہیں آتا تھا وہ اسے صلیبی قیدی نے بتا دیا۔ وہ ایسے راستے معلوم کر رہا تھا جن کی ناکہ بندی کی جا سکے۔ اس نے اپنے قیدی کو ساتھ لیا اور وہاں سے اُتر آیا۔ دوسرے قیدی اور اپنے سپاہیوں کو بھی ساتھ لے کر وہ حسام الدین کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ کس قسم کی کارروائی کرنی ہے۔

☆

میدان میں مشعلوں کی روشنی میں ہلڑبازی کرنے والے صلیبیوں کی تعداد کم ہو گئی تھی۔ اب ان میں سے چند ایک ہی جاگ رہے تھے۔ حسام الدین نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ ڈاکوؤں کو زندہ پکڑنا۔ کمانڈر نے اس پر اعتراض کیا اور کہا۔ "میں ان سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ میں ان کی لاشیں یہیں گلنے سڑنے کے لیے اور صحرائی لومڑیوں کے لیے پڑی رہنے دوں گا۔ آپ انہیں زندہ قیدی بنا کر ان کے حکمران کے ساتھ کوئی سودا کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں" حسام الدین نے کہا۔ "مجھے بھی انتقام لینا ہے۔ مجھے اپنے اُن مسلمان قیدیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جنہیں صلیب کے ایک جنگجو بادشاہ ارناط نے عکرہ لے جا کر قتل کیا تھا۔ جنگی قیدیوں کو قتل نہیں کیا جاتا مگر ارناط نے ہمارے تمام قیدیوں کو پہلے مجبور کا رکھا۔ ان سے مشقت کرائی پھر انہیں قطار میں کھڑا کر کے قتل کیا تھا۔ اس واقعہ کو سات سال گزر گئے ہیں۔ میں اسے ساری عمر نہیں بھول سکتا۔ آج انتقام کا موقعہ ملا ہے۔ میں یہ نہیں سننا چاہتا کہ یہ صلیبی ڈاکو ہمارے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ انہیں زندہ لاؤ لیکن میں انہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ میں انہیں اسی طرح قتل کروں گا جس طرح صلیبیوں نے ہمارے قیدی قتل کیے تھے۔"

حسام الدین کے سپاہی تین راستوں سے میدان میں داخل ہوئے۔ انہوں نے جلتی ہوئی مشعلوں سے اپنی مشعلیں جلا لیں۔ جو صلیبی جاگ رہے تھے، انہوں نے نشے کی حالت میں گالیاں دیں۔ وہ لڑنے کی حالت میں نہیں تھے۔ حملہ آور سپاہیوں نے انہیں زندہ پکڑنے کی بجائے تلواروں سے ختم کر دیا۔ جو سوئے ہوئے تھے وہ شور و غل سے جاگ اُٹھے۔ پیشتر اس کے کہ وہ سمجھ پاتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، وہ برچھیوں کی انیوں پر دھر لیے گئے۔ انہیں ہتھیار اٹھانے کی مہلت نہ ملی۔ غارنما کمروں میں سے چند ایک برچھیاں اور تلواریں لے کر نکلے لیکن کچھ مارے گئے، باقی ہتھیار پھینک کر الگ کھڑے ہو گئے۔ اُن کا نائٹ اس حالت میں مدہوش پڑا تھا کہ اس کے جسم پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ وہ گالیاں بکنے لگا۔ مسلمان سپاہیوں کو وہ اپنے سپاہی سمجھ رہا تھا۔ اس کے کمرے سے تین مسلمان لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ دوسرے کمروں سے بھی چند ایک لڑکیاں نکلیں۔ یہ سب مسلمان نہیں تھیں۔ اُن کی حالت بہت بُری تھی۔ وہ مسلمان سپاہیوں کو شاید ڈاکوؤں کا کوئی دوسرا گروہ سمجھ رہی تھیں۔ اسی لیے وہ دہشت سے دبکی ہوئی تھیں۔ جب انہیں پتہ

چلا کر یہ مسلمان سپاہی ہیں تو لڑکیاں پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگیں۔ وہ روتی تھیں اور کبھی صلیبیوں کو دانت پیس پیس کر گالیاں دیتیں اور کبھی مسلمان سپاہیوں کو کوسنے لگتیں۔ انہوں نے انہیں بے غیرت اور بزدل کہا اور ان میں سے بعض بار بار کہتی تھیں — "اگر تم مسلمان ہو تو ان کافروں کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ کیا ہم تمہاری بہنیں اور بیٹیاں نہیں؟ کیا ہماری عصمتیں تمہاری بیٹیوں کی عصمتوں جیسی نہیں؟"

اُس وقت حسام الدین اور بحری دستے کا کمانڈر کمروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ باہر اب کوئی لڑائی نہیں ہو رہی تھی۔ صلیبیوں کو ایک جگہ بٹھا دیا گیا۔ ان کے گرد مسلح سپاہی کھڑے تھے جن میں بہت سے سپاہیوں نے کمانوں میں تیر ڈال رکھے تھے۔

☆

صبح جب صلیبیوں کا نشہ اُترا تو وہ سمندر کے کنارے بیٹھے تھے۔ لڑکیوں کو حسام الدین نے اپنے بحری جہاز میں رکھا۔ قیدیوں کی تعداد کم و بیش پانچ سو تھی۔ باقی مارے گئے تھے۔ انہوں نے ٹیلوں کے اندر جو سامان اور رقم جمع کر رکھی تھی وہ قیدیوں سے اٹھوا کر ساحل پر لائی گئی۔ ان قیدیوں کے کمانڈر سے جو معلومات حاصل ہوئیں، ان سے یہ انکشاف ہوا کہ یہ ایک مشہور صلیبی بادشاہ ریناالڈ (ریجنالڈ) شاتون کی فوج کا دستہ تھا۔ مسلمان قافلوں کو لوٹنے کے لیے آتنی نفری کا ایک دستہ یہاں موجود رہتا تھا۔ کچھ عرصے بعد دوسرا دستہ بھیج دیا جاتا تھا۔ سامان جو لوٹا جاتا اس میں سے کچھ حصہ سپاہیوں کو ملتا اور باقی سب اپنے بادشاہ کو بھیج دیا جاتا تھا۔ اونٹ اور گھوڑے بھی سرکاری ملکیت میں چلے جاتے تھے۔

لڑکیوں کے متعلق یہ احکام تھے کہ کمسن بچیاں جو غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی تھیں، وہ صلیبیوں کے ہیڈکوارٹروں میں بھیج دی جاتی تھیں جہاں انہیں ٹریننگ دے کر جوانی کی عمر میں جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے مسلمانوں کے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ جوان لڑکیوں میں کوئی بہت ہی خوبصورت ہو تو اُسے بھی ہیڈکوارٹروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ باقی لڑکیوں کو یہ صلیبی سپاہی اور کمانڈر اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔

"اس قافلے کے ساتھ بھی بچیاں ہوں گی؟" — حسام الدین نے پوچھا۔

"بارہ چودہ تھیں" — صلیبی کمانڈر نے بتایا — "صرف ایک بھیجی گئی ہے؟"

"اور باقی؟"

"قتل ہو چکی ہیں؟"

"اور قافلے کے جن آدمیوں کو ساتھ لائے تھے؟"

"انہیں سامان اٹھانے کے لیے لائے تھے۔ پھر انہیں قتل کر دیا تھا۔"

اُس نے جوان لڑکیوں کے متعلق بتایا کہ ان میں ایک رقاصہ تھی۔ بہت خوبصورت تھی۔ اس کا جسم، حسن اور اس کا رقص ہماری اس ضرورت کے مطابق تھا جس کے لیے ہم لڑکیاں حاصل کرتے ہیں۔ اس رقاصہ کو اُسی شام بھیج دیا گیا تھا۔ فوراً بھیجنے کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ ایسی قیمتی اور دلکش لڑکی کا سپاہیوں میں رکھنا خطرناک ہوتا ہے۔ کوئی بھی سپاہی اُسے

آزادی کا چانس دے کر بھگا لے جا سکتا ہے۔

"انہوں نے اس قافلے کو قتل کیا ہے جو حج کو جا رہا تھا" — حسام الدین نے کمانڈر سے کہا — "قافلہ حجاز تک نہ پہنچ سکا۔ ان بدنصیبوں کی بجائے میں ان کے قاتلوں کو حجاز بھیجوں گا اور وہاں انہیں قتل کراؤں گا۔"

حسام الدین تمام قیدیوں کو اُس جگہ لے گیا جہاں انہوں نے قافلے کو لوٹا اور قتل عام کیا تھا۔ وہاں لومڑیوں، بھیڑیوں اور گیدڑوں کی کھائی ہوئی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ حسام الدین نے قیدیوں سے قبریں کھدوائیں۔ اُس نے سب کی نماز جنازہ پڑھائی اور سب کو دفن کر دیا۔ اس نے قاہرہ سے حکم لیے بغیر ان تمام قیدیوں کو ایک ہی بحری جہاز میں ٹھونسا اور جدہ کی طرف لے گیا۔ وہاں انہیں اُتارا اور اس پیغام کے ساتھ حجاز روانہ کر دیا کہ انہیں منٰی کے میدان میں قتل کر دیا جائے۔ پیغام میں اس نے تفصیل سے لکھا کہ ان کا جرم کیا ہے۔

یورپی مؤرخوں نے صلیبی سپاہیوں اور اُن کے کمانڈر کے قتل کو بہت اچھالا اور غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ انہیں انہوں نے جنگی قیدی کہا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کون سی جنگ کے جنگی قیدی تھے۔ وہ کسی محاذ پر نہیں تھے۔ مسلمان مؤرخوں نے اصل واقعہ لکھا ہے۔ ان کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ امیر البحر حسام الدین لولو کا فیصلہ تھا جس سے سلطان صلاح الدین ایوبی بالکل بے خبر تھا۔

☆

اس صلیبی ڈاکو دستے کے کمانڈر نے جس رقاصہ کے متعلق بتایا تھا کہ اُسے اُسی شام یہاں سے بھیج دیا گیا تھا، وہ رعدی تھی۔ اُس کے کہنے کے مطابق اُسے اتنی جلدی اس لیے بھیج دیا گیا تھا کہ گھوڑے کے نیچے آ کر اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ کمانڈر نے اس ڈر سے اسے بھیج دیا کہ اس پر یہ الزام عائد نہ ہو سکے کہ اس رقاصہ کو اس کے تشدد نے اس حالت تک پہنچایا ہے۔ یہ کمانڈر جس وقت حسام الدین کو اپنا بیان دے رہا تھا، اُس وقت رقاصہ رعدی چار صلیبی سپاہیوں کے ساتھ وہاں سے بہت دُور پہنچ چکی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ راستے میں اس نے سپاہیوں سے کئی بار کہا تھا کہ وہ اُسے قاہرہ لے چلیں جہاں وہ انہیں بے شمار رقم دے گی مگر سپاہی نہ مانے۔ آخر ایک سپاہی نے اُسے کہا — "تم دیکھ رہی ہو کہ ہم تمہیں شہزادیوں کی طرح ساتھ لے جا رہے ہیں۔ تم اتنی زیادہ خوبصورت ہو اور تمہارے جسم میں ایسا جادو ہے کہ جسے اشارہ کرو وہ تمہارے قدموں میں جان دے دے گا، لیکن ہم تمہارے جسم سے چار قدم دُور رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تم ہمارے پاس امانت ہو اور یہ امانت ہمارے بادشاہ کی ہے جو صلیب کا بادشاہ ہے۔ اگر تمہارا کہا مان لیں یا تمہیں اپنی ملکیت سمجھ لیں تو ہمیں نہ بادشاہ بخشے گا نہ صلیب۔"

"ہماری منزل کہاں ہے؟" — رعدی نے پوچھا۔

"بہت دُور" — اُسے جواب ملا — "سفر کٹھن ہے اور لمبا بھی۔ ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اُس علاقے میں سے بھی گزرنا پڑے گا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔"

رعدی کو یہ چار صلیبی واقعی شہزادیوں کی طرح لے جا رہے تھے۔ "تم کسی بڑے حاکم کی بیٹی معلوم ہوتی ہو یا کسی دولت مند تاجر کی بیٹی۔ تم اپنے خاندان کے ساتھ حج کو جا رہی تھی؟" — ایک صلیبی نے پوچھا۔

"تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ میں رقاصہ ہوں؟" رعدی نے جواب دیا ــــ "میرا کوئی باپ نہیں، کوئی بھائی نہیں۔ میری ماں اسطنبلیہ میں مشہور رقاصہ اور مغنیہ ہے۔ مجھے بالکل علم نہیں کہ میں اُس کے کس چاہنے والے کی بیٹی ہوں۔ ماں نے بچپن میں ہی مجھے رقص کی تربیت دینی شروع کر دی تھی۔ مجھے رقص اور گانا اچھا لگتا تھا۔ میں سولہ سترہ سال کی ہوئی تو ماں نے مجھے ایک بہت امیر آدمی کے گھر بھیجا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ شراب پیئے ہوئے تھا۔ بوڑھے نے مجھے کہا کہ وہ میری محبت میں دیوانہ ہُوا جا رہا ہے۔ مجھے اس بوڑھے سے نفرت ہو گئی۔ مجھے یہ احساس ہُوا کہ میرا باپ نہیں ہے۔ اس بوڑھے کو دیکھ کر مجھے اپنے باپ کا خیال آ گیا تھا۔ بڈھے نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر ایسی ذلیل حرکتیں کیں کہ مجھے پتہ چل گیا کہ یہ میرا باپ نہیں، نہ اس کے دل میں میری محبت ہے، یہ میرا گاہک ہے....

"میں وہاں سے اکیلی بھاگ گئی۔ ماں کو بتایا تو اس نے مجھے سمجھایا کہ یہ ہمارا پیشہ ہے۔ میں نہ مانی۔ ماں نے مجھے مارا پیٹا۔ میں نے کہا کہ میں ناچوں گی، گاؤں گی لیکن کسی کے گھر نہیں جاؤں گی۔ ماں نے میری شرط مان لی۔ جن کے پاس دولت تھی وہ ہمارے گھر آنے لگے۔ میں چونکہ کسی کے گھر نہیں جاتی تھی اس لیے میری قیمت چڑھ گئی۔ تین سال گزر گئے اور اس دوران میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کوئی میرے حُسن اور میرے رقص کی بجائے میرے ساتھ محبت کرے جس میں عیاشی اور بدمعاشی کا دخل نہ ہو۔ آخر ایک آدمی مجھے مل گیا۔ وہ دو بار میرے ہاں آیا تھا۔ وہ مجھے اچھا لگتا تھا۔ مجھ سے سات آٹھ سال بڑا تھا۔ میری اور اس کی ملاقاتیں باہر ہونے لگیں۔ میں بگھی میں سیر کے بہانے چلی جاتی اور وہ وہاں موجود ہوتا....

"وہ تو شہزادہ تھا۔ شراب پیتا تھا۔ میں نے ایک شام اسے کہا کہ شراب چھوڑ دو۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ وہ آئندہ شراب نہیں پیئے گا۔ اس نے وعدہ پورا کر دکھایا۔ ایک روز اُس نے مجھے کہا کہ ناچنا چھوڑ دو۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں اس پیشے پر لعنت بھیجوں گی لیکن جب تک اس گھر میں ہوں یہ ممکن نہیں۔ اُس نے کہا کہ میں عیاش باپ کا عیاش بیٹا ہوں۔ میرے باپ کے حرم میں تم سے چھوٹی عمر کی بھی لڑکیاں ہیں۔ میں اس گھر میں رہ کر نیک نہیں بن سکتا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں ناچنے والی ماں کی ناچنے والی بیٹی ہوں۔ تمہیں اپنے باپ کی عیاشی خراب کر رہی ہے اور مجھے اپنی ماں کا پیشہ خراب کر رہا ہے۔ آؤ، کہیں دُور چلے چلیں اور میاں بیوی کی طرح پاک زندگی بسر کریں۔ وہ مان گیا....

"وہ مسلمان تھا۔ میرا کوئی مذہب نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میرا باپ مسلمان تھا، عیسائی یا یہودی تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے مسلمان سمجھو اور بتاؤ کہ مذہب کیا ہے۔ مجھے محبت دو، مجھے پاک زندگی دو۔ اُس نے بہت سوچا اور بولا کہ پاک ہونا ہے تو حجاز چلو۔ میں نے حجاز کی بہت باتیں سنی تھیں۔ مجھے ایسے گانے بہت پسند آتے تھے جن میں حجاز اور حجاز کے قافلوں کا ذکر ہوتا۔ میں ایک گانا اکیلے بھی گنگنایا کرتی تھی ــ چلے قافلے حجاز کے ــــ اُس نے حجاز کا نام لے کر میری آرزو کو شعلہ بنا دیا۔ میں نے اُسے کہا میں تیار ہوں۔ ہمت کرو، میری آرزو پوری کر دو۔ اُس نے پوچھا، تم جانتی ہو میں تمہیں حجاز کیوں لے جا رہا ہوں؟ میں نے کہا کہ وہ بہت

خوبصورت سرزمین ہے۔ اس نے کہا کہ صرف خوبصورت نہیں، وہ پاک سرزمین ہے۔ وہاں خانہ کعبہ ہے۔ وہاں کعبہ کا حرم ہے اور وہاں جو جاتا ہے اس کی روح پاک ہو جاتی ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہاں ہم حج کر کے گناہوں سے پاک ہو کر شادی کریں گے پھر وہیں رہیں گے....

"میں اُس وقت کو بھول نہیں سکتی جب وہ میرے ساتھ یہ باتیں بچوں کی طرح کر رہا تھا اور میں جیسے اُس کی آنکھوں میں اُتر کر اُس کی روح میں سما گئی تھی۔ میری ذات فنا ہو گئی تھی۔ میرا وجود اُس کے وجود میں تحلیل ہو گیا تھا اور میں نے اُسے کہا تھا کل چلنا ہے تو ابھی چلو۔ اُس نے کہا کہ قافلے جاتے رہتے ہیں، میں معلوم کروں گا۔ پھر ایک شام اُس نے کہا کہ آج رات یہیں آ جانا۔ قافلہ روانہ ہو گیا ہے۔ ہم اس سے جا ملیں گے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں گھر چلی گئی تو رات کوئی آنے نہیں دے گا۔ ابھی لے چلو۔ اُس نے کہا آ جاؤ۔ میں نے بگھی والے کو کچھ نہ کہا۔ شام گہری ہو گئی تھی۔ چھپ کر اس کے ساتھ چلی گئی۔ اُس نے مجھے ایک کھنڈر میں چھپا دیا اور چلا گیا۔ وہ کچھ دیر بعد دو گھوڑے لے کر آ گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ دوسرا گھوڑا خالی تھا۔ دونوں کے ساتھ پانی اور کھانے کا سامان بندھا تھا....

"ہم اگلی شام قافلے سے جا ملے اور رات وہاں جا پہنچے جہاں تم نے میرے خواب میری محبت کے خون میں غرق کر دیئے۔ وہ مارا گیا۔ میں پکڑی گئی۔ حجاز کا قافلہ لوٹا گیا اور خانہ کعبہ سے دُور ہی اللہ کے حضور چلا گیا۔ خدا نے میرے گناہ بخشے نہیں۔ میرے ماتھے کی قسمت میں کعبہ کا سجدہ نہیں لکھا تھا۔ میرا وجود ناپاک تھا جو اللہ کو پسند نہیں تھا کہ اُس کے کعبے تک پہنچے۔"

"تم مذہب میں پناہ لینا چاہتی ہو تو ہمارے مذہب کو قریب سے دیکھنا۔" ایک سپاہی نے کہا۔

"تم نے میرا ایک پاک تصور ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔" رعدی نے کہا۔ "کیا تمہارے مذہب نے یہ حکم دیا ہے جس کی تم نے تعمیل کی ہے؟ میں جو تصور لے کر نکلی تھی وہ ایسا بھیانک تو نہیں تھا؟"

"یہ ہمارا مذہب نہیں۔" سپاہی نے کہا ــــ "یہ اُن انسانوں کا حکم تھا جن کے ہم ملازم ہیں۔"

"تم سے تو میں اچھی ہوں جس کے قدموں میں شہزادے زر و جواہرات کے ساتھ اپنا سر بھی رکھتے تھے۔" رعدی نے کہا ــــ "مگر میں صحراؤں کی خاک چھاننے نکل آئی.... حکم وہ مانو جو اپنی رُوح سے نکلے۔ میں اُس کے مذہب کی مرید ہوں جس نے مجھے پاک محبت دی اور پاکیزہ تصور دیا۔ اس سے میں سمجھی کہ اُس کا مذہب بھی پاک ہو گا۔ وہ مجھے میرے تصوروں کی سرزمین حجاز کی طرف لے جا رہا تھا۔ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"ہم انسانوں کے حکم کے پابند ہیں" ــــ سپاہی نے کہا۔

"میں خدا کے حکم کی پابند ہوں۔" رعدی نے کہا۔

"خدا نے تمہیں دھتکار دیا ہے۔" ایک اور سپاہی بولا ــــ "تم اس وقت ہماری پابند ہو۔ ہم جہاں تمہیں لے جا رہے ہیں وہاں سوچنا کہ خدا کو راضی کس طرح کیا جائے۔ کوئی نیکی کرنا، شاید خدا تمہیں بخش دے۔"

"میں جانتی ہوں تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو اور کیوں لے جا رہے ہو۔" رعدی نے کہا ــــ "میرا وجود

سراپا گناہ ہوگا اور میں کوئی نیکی نہیں کرسکوں گی۔"

"تم کوئی نیکی سوچ بھی نہیں سکتی۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "تم گناہ کی پیداوار ہو۔ گناہوں میں تم نے پرورش پائی ہے۔ ایک گناہ گار کے ساتھ گھر سے بھاگ کر جارہی تھی..... تم نیکی کیا کرو گی؟"

"ان بے گناہوں کے خون کا انتقام لوں گی جنہیں تم نے قتل کیا ہے۔" رعدی نے دانت پیس کر کہا۔

چاروں سپاہیوں نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا اور ایک نے کہا۔ "ہم پر تمہارا احترام فرض ہے۔ ہمیں حکم ہی ایسا ملا ہے ورنہ تم ایسے الفاظ دوبارہ زبان سے نہ نکالتی۔"

رعدی انہیں دیکھتی رہی اور اُس کے دل میں نفرت گہری ہوتی گئی۔

☆

موصل میں ایک درویش کی شہرت آناً فاناً پھیل گئی۔ وہ ایک ضعیف العمر انسان تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ کسی خوش نصیب انسان کے ساتھ ہی بات کرتا ہے اور وہ جس کی بات کرتا ہے، اُس کی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔ کسی نے اُسے شہر کی دیواروں کے باہر ایک جھونپڑا دے دیا تھا۔ اس کی کرامات سارے شہر میں مشہور ہو گئیں۔ لوگ اُس کے جھونپڑے کے گرد ہجوم کیے رکھتے۔ وہ ذرا سی دیر کے لیے باہر آتا۔ بازو اوپر کرکے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا۔ ہجوم پر خاموشی طاری ہو جاتی۔ وہ اشاروں میں انہیں تسلی دیتا اور جھونپڑے میں چلا جاتا۔ اس کے ساتھ چار پانچ خوبرو آدمی تھے جن کے چہرے سفید اور گلابی تھے اور وہ سر سے پاؤں تک سبز لبادوں میں ملبوس تھے۔

پھر یہ مشہور ہو گیا کہ درویش موصل والوں کے لیے کوئی خوشخبری لایا ہے۔ شہر میں اجنبی سے کچھ لوگ نظر آتے تھے۔ وہ لوگوں کو درویش کے متعلق کچھ ایسی باتیں سناتے تھے جو ہر کسی کے دل میں اُتر جاتی تھیں۔ ہر کسی کو اپنی اپنی مراد پوری ہوتی نظر آتی تھی۔ چند دنوں میں ہی مشہور ہو گیا کہ درویش امام مہدی ہے۔ بعض اسے حضرت عیسٰیؑ کہنے لگے۔ پھر ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ درویش والئی موصل عزالدین کی بگھی پر محل کو جا رہا تھا۔ عزالدین کے محافظوں نے اس کا استقبال کیا اور وہ محل میں چلا گیا۔ کئی گھنٹوں بعد وہاں سے نکلا اور شاہی بگھی پر چلا گیا۔ لوگ جب اس کے جھونپڑے کو گئے تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ درویش کو بگھی کہیں دُور لے گئی تھی۔ شام کو بگھی واپس آئی۔ اس میں بگھی بان اور دو محافظ تھے۔ لوگوں نے بگھی روک لی اور محافظوں سے پوچھا کہ درویش کہاں چلا گیا ہے۔

"ہمیں کچھ علم نہیں وہ کہاں ہے۔" ایک محافظ نے لوگوں کو بتایا۔ "اُس نے پہاڑیوں کے قریب بگھی رکوالی اور ہمیں کہا کہ تم چلے جاؤ۔ ہم نے اُس کے ساتھ کے ایک آدمی سے پوچھا کہ درویش کہاں جا رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ان پہاڑیوں میں سے کسی کی چوٹی پہ بیٹھے گا۔ اُسے اُفق سے ایک نشانی نظر آئے گی۔ درویش پہاڑی کی چوٹی سے اُتر آئے گا اور والئی موصل کو بتائے گا کہ وہ کیا کرے، پھر موصل کی فوج جدھر جائے گی اُدھر پہاڑ اسے راستہ دے دیں گے، صحرا سرسبز ہو جائیں گے۔ دشمن کی فوجیں اندھی ہو جائیں گی اور والئی موصل جہاں تک پہنچ سکے گا وہاں تک اس کی حکمرانی ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی عزالدین کے آگے ہتھیار ڈال دے گا۔ صلیبی اُس کے غلام ہو جائیں گے اور موصل کے لوگ آدھی دنیا کے بادشاہ ہوں گے۔ سونے چاندی میں کھیلیں گے..... ہمیں یہ معلوم نہیں وہ کون سی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے گا۔"

موصل سے کچھ دُور کوہستانی علاقہ تھا جہاں کوئی آبادی نہیں تھی جہاں کہیں پہاڑیوں میں گھرا ہوا میدان تھا، وہاں دو چار جھونپڑے نظر آتے تھے۔ علاقہ ہرا بھرا تھا۔ گڈریے مویشی لے کے وہاں جاتے تھے۔ ایک روز گڈریوں کو اُدھر جانے سے روک دیا گیا۔ لوگوں کو دُور سے گزرنے کی اجازت تھی۔ موصل کی فوج کے سنتری گشت کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ باہر کے اجنبی لوگ بھی تھے۔ کوہستان کا ایک وسیع علاقہ تھا جس کے قریب جانے سے لوگوں کو منع کر دیا گیا۔ ان پابندیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خطہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس کے متعلق عجیب و غریب باتیں سننے میں آنے لگیں۔ یہ تو ایک دن میں ہر کسی کی زبان پر چڑھ گیا کہ درویش کو آسمان سے ایک نشانی نظر آئے گی، پھر آدھی دنیا پر موصل والوں کی بادشاہی ہوگی۔

☆

صرف ایک چار دیواری تھی جس کے اندر چار آدمی بیٹھے کچھ اور قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ ان میں ایک حسن الادریس بھی تھا۔ پچھلی قسط میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حسن الادریس سلطان ایوبی کا جاسوس تھا جو بیروت سے نہایت قیمتی خبر لایا تھا اور اس خبر کے ساتھ والئی موصل عزالدین کے ایلچی احتشام الدین اور اس کی رقاصہ بیٹی سائرہ کو بھی سلطان ایوبی کے پاس لے آیا تھا۔ یہ ایک بے مثال کامیابی تھی۔ اسلام کی تاریخ پر اس جاسوس نے بہت بڑا احسان کیا تھا۔ احتشام الدین نے سلطان ایوبی کو بتایا تھا کہ صلیبی موصل کے قریب پہاڑیوں کی کھوہوں میں اسلحہ اور آتش گیر سیال اور رسد کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کریں گے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کوہستان کو اپنی فوج کا اڈہ بنائیں گے۔ موصل کو تو وہ اپنے چھاپہ ماروں کا اڈہ بنا رہے تھے۔ اس حقیقت کو سلطان ایوبی اور سالار ہی سمجھ سکتے تھے کہ جس فوج کا اڈہ اور رسد قریب ہو وہ آدھی جنگ جیت لیتی ہے۔ صلیبی فوج کو یہ تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ انہوں نے جب کبھی پیش قدمی کی یا حملہ کیا سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے عقب میں جا کر اُن کی رسد تباہ کر دی یا رسد اور فوج کے درمیان حائل ہو کر رسد روک لی۔ آگے سلطان ایوبی نے یہ انتظام کر رکھا ہوتا تھا کہ پانی جہاں کہیں ہوتا تھا وہاں قبضہ کر لیتا تھا، جہاں کہیں گھاس اور چارہ ہوتا وہاں بھی وہ قبضہ کر لیتا یا گھاس وغیرہ کٹوا لیتا یا تباہ کر دیتا تاکہ صلیبیوں کے گھوڑوں اور اونٹوں کو چارہ نہ مل سکے۔ اس کے علاوہ وہ بلندیوں پر اپنے تیر اندازوں کی ٹولیاں بٹھا دیتا تھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ حسن بن عبداللہ سے کہا تھا کہ وہ معلوم کرے کہ صلیبی کس مقام پر ذخیرہ کر رہے ہیں۔ اس نے چھاپہ مار دستوں کے سالار صارم مصری سے کہا تھا کہ جب ذخیرے کا مقام معلوم ہو جائے تو اسے تباہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ سلطان ایوبی کی دُوربین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ صلیبی اب مکمل تیاری کر کے کھلی جنگ لڑیں گے۔ اس سے پہلے وہ صلیبی علاقوں پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُسے جب احتشام الدین کی زبانی صلیبیوں کے عزائم کی اطلاع ملی تو اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ صلیبیوں کو کہیں بھی قدم نہ جمانے دیے جائیں۔ اس نے ایک حکم یہ دیا کہ معلوم کرو کہ صلیبی کوہستان میں کہاں ذخیرہ جمع کر رہے ہیں اور دوسرا حکم یہ دیا کہ سنجار کی طرف پیش قدمی کرو اور قلعے کو محاصرے میں لے لو۔ سنجار موصل سے کچھ دُور ایک اہم قلعہ اور جنگی اہمیت کا ایک قصبہ تھا۔ اس کا امیر شرف الدین بن قطب الدین تھا۔ سنجار کو اپنے قبضے میں لینے کا اقدام سلطان ایوبی کے اس منصوبے کی کڑی تھی جس کے متعلق اس نے کہا تھا کہ وہ اب کسی سے تعاون کی بھیک نہیں مانگے گا بلکہ تلوار کی نوک پر تعاون حاصل کرے

گا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے مسلمان امراء خود مختار حکمران رہنا چاہتے ہیں۔ اس لیے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ معاہدے کر رہے ہیں۔ سنجار کے امیر شرف الدین کے متعلق سلطان ایوبی کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ والئ موصل عزالدین کا دوست ہے اور اس دوستی کی بنیاد یہی ہے کہ سلطان ایوبی کے خلاف محاذ مضبوط کیا جائے۔

حسن بن عبداللہ نے اپنے جاسوسوں کا جائزہ لیا۔ موصل میں اُس کے جاسوس موجود تھے لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ کسی زبان زمین اور جرأت مند جاسوس کو اُن کے پاس بھیجا جائے کیونکہ اسے خیال تھا کہ صلیبیوں کا ذخیرہ معلوم کرنا مشکل کام ہو سکتا ہے۔ حسن الادریس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ حسن بن عبداللہ اسے نہیں بھیجنا چاہتا تھا کیونکہ وہ بہت عرصے تک بیروت رہا تھا۔ اس لیے اسے پہچانا جا سکتا تھا۔ حسن الادریس بھیس اور حلیہ بدلنے کا ماہر تھا۔ اس نے حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ اگر بیروت چلا جائے تو اتنا بہروپ دھارے گا کہ جو اسے پہچانتے ہیں وہ بھی نہیں پہچان سکیں گے۔ موصل میں تو اسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ آخر اسی کو روانہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور سلطان ایوبی نے خود اسے کچھ ہدایات دیں۔

"میرے عزیز دوست!" سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ سینے پر رکھ کر حسن الادریس سے کہا۔ "تاریخ میں نام سلطان ایوبی کا آئے گا۔ شکست کھاؤں گا تو تاریخ مجھے شرمسار کرے گی اور فتح حاصل کر کے مروں گا تو لوگ میری قبر پر پھول چڑھائیں گے اور آنے والی نسلیں مجھے خراج تحسین پیش کریں گی۔ یہ بہت بڑی بے انصافی ہوگی۔ فتح کا سہرا تمہارے سر ہوگا۔ تمہارے ان ساتھیوں کے سر ہوگا جو دشمن کے اندر جا کر خبریں لاتے اور میری فتح کا باعث بنتے ہیں۔ خدا اس حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔ تمہارے سر پر سہرا خدا اپنے ہاتھوں باندھے گا۔ میں شکست کھاؤں گا تو یہ میری اپنی غلطی ہوگی کہ میں نے تمہاری اطلاع کے مطابق عمل نہ کیا، اور میں فتح حاصل کروں گا تو یہ تمہاری فتح ہوگی کیونکہ میری آنکھیں اور میرے کان تم ہو۔ میری روح تمہاری قبر پر پھول چڑھاتی رہے گی۔ عظیم تم ہو اور تمہارے جاسوس ساتھی۔ میری کوئی عظمت نہیں۔ میں پوری فوج لے کر سنجار جا رہا ہوں۔ تم اکیلے جا رہے ہو۔ میں جو فتح پوری فوج کے ساتھ حاصل کروں گا وہ تم اکیلے کرو گے۔ جاؤ میرے دوست، خدا حافظ!"

جب حسن الادریس ایک غریب مسافر کے بھیس میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر نصیبہ کی خیمہ گاہ سے نکلا، اُس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ دور نکل گیا تو اسے بے شمار گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ وہ رک گیا۔ اُسے معلوم تھا یہ گھوڑے کس کے ہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی سنجار کو محاصرے میں لینے جا رہا تھا۔ اُس نے نصیبہ سے اپنا کیمپ اکھاڑا نہیں تھا۔ اپنا ہیڈکوارٹر اور کچھ عملہ وہیں رہنے دیا اور اپنے محفوظہ (ریزرو دستوں) کو بھی تیاری کی حالت میں نصیبہ چھوڑ گیا تھا۔

☆

"تم یہاں یہ معلوم کرنے آئے ہو کہ صلیبی پہاڑوں میں اپنا ذخیرہ کہاں رکھیں گے" — موصل کے جاسوسوں کے کمانڈر نے کہا۔ "اور ہم یہاں یہ معلوم کرنے کی سوچ رہے ہیں کہ یہ درویش کون ہے جو انہی پہاڑوں میں کہیں جا بیٹھا ہے۔ کوئی اُسے امام مہدی کہتا ہے اور کوئی عیسیٰ" — اُس نے حسن الادریس کو پوری تفصیل سے بتایا کہ اس درویش کو شہر میں اور اس کے گرد کے علاقے میں کیسی شہرت حاصل ہوئی ہے — "اُن پہاڑیوں کے قریب سے گزرنے کی بھی اجازت

نہیں۔ کچھ تو اپنی فوج کے سنتری ہیں اور کچھ اجنبی سے آدمی ہیں جو کسی کو آگے نہیں جانے دیتے۔ درویش کسی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھا ہے۔ اُسے خدا آسمان سے کوئی اشارہ دے گا۔ رات کو لوگ اپنی چھتوں پر کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو وہ چلا اٹھتے ہیں، وہ رہا اشارہ۔ لوگ خدا اور رسولؐ کو بھولتے جا رہے ہیں۔"

یہ چاروں جاسوس تھے جنہیں خصوصی ٹریننگ دی گئی تھی جس میں یہ تعلیم بھی شامل تھی کہ تم پر حق حرام ہے اور خدا اور رسولؐ کے بعد جو کچھ ہے وہ انسان خود ہے۔ جہاں موصل کے عام آدمی کے دماغ پر یہ درویش غالب آ گیا تھا، وہاں یہ چار جاسوس درویش کی حقیقت معلوم کرنے کی فکر میں تھے۔

"میرے دوستو! میری بات ہنسی میں نہ ٹال دو تو کہوں؟" حسن الادریس نے کہا۔ "جہاں درویش ہے وہیں صلیبیوں کا ذخیرہ ہے۔ اور یہ کوئی معمولی ذخیرہ ہوتا تو اس علاقے کو لوگوں کے لیے ممنوع قرار دے کر درویش کا ڈھونگ نہ رچایا جاتا۔ تم جانتے ہو کہ اتنے وسیع علاقے کے ارد گرد پوری فوج کا پہرہ کھڑا کر دو تو بھی کوئی نہ کوئی اندر چلا ہی جاتا ہے، لیکن صرف یہ کہہ دیا کہ یہاں خدا کا بھیجا ہوا ایک درویش بیٹھا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کے علاقے میں کوئی آئے تو کوئی ادھر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کرتا۔"

"یہ اعلان بھی کیا گیا ہے کہ جس نے اس علاقے میں جانے کی اور درویش کو دیکھنے کی کوشش کی تو وہ کوڑھی ہو جائے گا اور اس کے بچے اندھے ہو جائیں گے" — حسن الادریس کے ایک اور ساتھی نے کہا — "تم نے یہ بتا کر کہ صلیبی وہاں کچھ رکھیں گے ہمارا آدھا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ درویش صلیبیوں کا کوئی ڈھونگ ہے یا یہ معلوم کرنا ہے کہ انہوں نے وہاں کیا ذخیرہ کیا ہے؟"

"درویش کو ذخیرے کے ساتھ تباہ کرنا ہے" — حسن الادریس نے کہا۔

"اور لوگوں کو اس وہم سے بچانا ہے جو ان پر طاری کر دیا گیا ہے" — جاسوسوں کے کمانڈر نے کہا — "صلیبیوں کی عقل کی تعریف کرو۔ وہ اس پُراسرار درویش کو بٹھا کر اپنے ذخیرے کو لوگوں کی نظروں سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ موصل کی فوج اور لوگوں کو اور والئ موصل کو بھی خدا کے اشارے کا جھانسہ دے کر جنگی تیاریوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ فوج بھی اور لوگ بھی خدا کے اُس اشارے کے انتظار میں بیٹھ گئے ہیں جو درویش کو ملے گا۔"

"والئ موصل کا اس درویش کے متعلق کیا رویہ ہے؟" حسن الادریس نے پوچھا۔

"درویش اُس کے محل میں اُس کی چھ گھوڑوں کی بگھی پر گیا تھا" — کمانڈر نے جواب دیا — "اور درویش ہی کچھ دن پہاڑیوں میں گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عزالدین بھی اس سازش میں شامل ہے یا وہ اس سازش کا شکار ہے۔ جو کچھ بھی ہے، ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ ہماری ایک خاتون محل میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ محل میں درویش کی حیثیت کیا ہے۔"

انہوں نے اس علاقے اور درویش کی حیثیت معلوم کرنے پر غور کرنا شروع کر دیا۔

☆

سنجار کے قلعے کی دیواروں پر سنتری نیم بیدار تھے۔ وہ زمانہ جنگ و جدل کا تھا مگر سنجار کے امیر شرف الدین بن قطب الدین کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ صلیبیوں کا حاشیہ بردار تھا اس لیے اُن سے اُسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ والیٔ حلب عماد الدین اور والیٔ موصل عزالدین نے اُسے کہا تھا کہ اُسے جب بھی ضرورت پڑی وہ دونوں اس کی مدد کو پہنچیں گے۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس کی نیت کا علم نہیں۔ وہ شراب اور عورت میں بدمست ہو کر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ صلیبیوں نے اُسے دو بڑی حسین لڑکیاں تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ یہ لڑکیاں اُسے بیداری کے خوابوں میں گُم رکھتی تھیں۔

قلعے کی دیوار کے اوپر سے ایک شعلہ سا گزر گیا۔ اس کے فوراً بعد ایک اور پھر ایک اور۔۔۔ سنتری پر دہشت طاری ہو گئی۔ یہ شرارے قلعے کے اندر گرے اور بھیانک شعلے بن گئے۔ قریب ہی کوئی سامان پڑا تھا اور اُس کے قریب ایک مکان تھا۔ دونوں کو آگ لگ گئی۔ یہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کی فوج نے منجنیقوں سے پھینکی تھیں۔ ان کے ساتھ جلتے ہوئے فلیتے بندھے ہوئے تھے۔ ہانڈیاں مٹی کی تھیں جو گر کر ٹوٹیں تو اندر کا سیال پھیل گیا اور جلتے ہوئے فلیتوں نے اُسے آگ لگا دی۔

قلعے میں قیامت بپا ہو گئی۔ قلعے کے اوپر رات روشن ہو گئی۔ ہر کوئی جاگ اٹھا۔ امیر شرف الدین کو جگایا گیا۔ اُس نے کھڑکی میں سے شعلے دیکھے تو وہ بھی تباہی بکتا باہر آیا۔ کسی وقت شرف الدین مردِ میدان ہوا کرتا تھا مگر صلیبیوں نے اُسے شراب اور لڑکیوں سے اس حال تک پہنچا دیا تھا کہ اُس رات اس کے قدم نہیں اُٹھتے تھے۔ وادیٔ کوہ ریگزاروں اور سنگلاخ وادیوں میں لڑنے والا جنگجو چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔۔۔۔ پھر قلعے کا رات کی ڈیوٹی والا کمانڈر اوپر سے دوڑا آیا اور شرف الدین کو بتایا کہ قلعہ محاصرے میں ہے۔

"کس بدبخت نے محاصرہ کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"سلطان صلاح الدین ایوبی نے" کمانڈر نے جواب دیا۔ "وہ باہر سے للکار رہے ہیں کہ قلعے کے دروازے کھول دو، ورنہ ہم قلعے کو جلا کر بھسم کر دیں گے۔"

شرف الدین کا نشہ اُتر گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ بہت دیر بعد بولا۔ "دروازے کھول دو۔ ہم خود باہر جائیں گے۔"

کچھ دیر بعد قلعے کا دروازہ کھلا اور شرف الدین باہر نکلا۔ اس کے ساتھ مشعل بردار تھے۔ اِدھر سے سلطان ایوبی نے اپنے ایک سالار سے کہا کہ وہ آگے جا کر شرف الدین کو اس کے پاس لے آئے۔ وہ خود یہ بتا رہا تھا کہ اُس کے استقبال کے لیے سلطان ایوبی ایک قدم آگے نہ بڑھا۔ شرف الدین سلطان ایوبی کے سامنے جا کر گھوڑے سے اُترا اور بازو پھیلا کر اس کی طرف دوڑا لیکن سلطان ایوبی نے ایسا سرد رویہ اختیار کیا کہ بددلی سے اُس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

"شرف الدین!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اپنی فوج اور جنگی سامان کے سوا قلعے میں سے جو کچھ لے جانا چاہتے ہو، صبح طلوع ہونے سے پہلے نکال کر لے جاؤ، پھر اِدھر کا رُخ نہ کرنا۔" اُس نے اپنے ایک سالار سے کہا۔ "کچھ نفری اپنے ساتھ لے جاؤ اور نظر رکھو کہ قلعے سے فوج اور جنگی سامان باہر نہ جائے۔ فوج کی گنتی کرو اور اسے اپنی فوج میں شامل کر لو۔"

"میں آپ کا غلام ہوں سلطان!" شرف الدین نے کہا۔ "قلعہ اور فوج آپ کی ہو گی۔ مجھے قلعے میں رہنے دیں۔"

"قلعے کی ضرورت تھی تو مقابلہ کرتے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم جیسے بزدلوں اور ایمان فروشوں کو حق حاصل

نہیں کہ اتنے بڑے قلعے کے امیر کہلائیں۔"

"میں اور آپ کا مقابلہ کرتا؟" شرف الدین نے کہا۔ "میں نے سنا کہ آپ آئے ہیں تو میں ڈر گیا۔ مسلمان مسلمان کے خلاف کیسے لڑ سکتا ہے؟"

"جیسے پہلے لڑ چکا ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "شرف الدین! تم صلیبیوں کے دوست ہو اور نام کے مسلمان۔ ذرا اپنی حالت دیکھو۔ تم سپاہی سے کیا بن گئے ہو۔ ایمان بیچ کر عیاشی خریدنے والوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ شراب اور عورت نے تم میں جرأت نہیں رہنے دی۔ تم جھوٹ بھی بولتے ہو۔ اگر تم میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو اپنا قلعہ یوں لڑے بغیر اور مرے بغیر میرے حوالے نہ کرتے۔"

"سلطان عالی مقام!" شرف الدین نے التجا کی۔ "مجھے قلعے میں رہنے دیجیے۔"

سلطان نے اپنے ایک سالار سے کہا۔ "اسے قلعے میں لے جاؤ اور قید میں ڈال دو۔ اس کی خواہش پوری کر دو۔"

تین چار آدمی آگے بڑھے تو شرف الدین نے سلطان ایوبی کے قریب ہو کر کہا۔ "میں موصل جانا چاہتا ہوں۔"

"ہاں۔ عزالدین تمہارا دوست ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اُس کے پاس چلے جاؤ۔"

سنجار پر سلطان ایوبی نے قبضہ کر لیا اور تقی الدین کو اس کا قلعہ دار اور امیر مقرر کیا۔

اس سے آگے آمد ایک قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے رات باقی حصہ سنجار قلعے میں گزارا اور صبح آمد کی طرف کوچ کر گیا۔ آمد جسے آج کل امیدہ کہا جاتا ہے، دجلہ کے کنارے ایک مشہور قصبہ تھا اور اس کا بھی امیر مسلمان تھا۔ یہ قصبہ یک قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے محاصرے میں لے لیا۔ وہاں کی فوج اور شہریوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر آٹھویں روز امیر نے ہتھیار ڈال دیے۔ سلطان ایوبی نے وہاں کا جو امیر اور قلعہ دار مقرر کیا اس کا نام نورالدین تھا جو قرا ارسلان کا بیٹا تھا۔

☆

رعدی چار صلیبیوں کے ساتھ ابھی سفر میں تھی۔ اس کی جسمانی حالت ٹھیک ہو گئی تھی۔ صلیبیوں نے اُس کے آرام کا بہت خیال رکھا تھا لیکن اُس رات کے بعد جب اُس نے انہیں اپنی زندگی کی کہانی سنائی تھی، ان کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ اُس کے ذہن میں صلیبی کے یہ الفاظ گونج رہے تھے "تمہیں خدا نے دھتکار دیا ہے۔ کوئی نیکی کرو، خدا تمہیں بخش دے گا۔" اُس کی جسمانی حالت تو ٹھیک تھی لیکن جذباتی حالت بہت بُری تھی۔ وہ جس کے ساتھ حج کو جا رہی تھی اُس کی یاد اُسے تڑپاتی رہتی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی اس کے تصوروں میں حجاز کے قافلے سُرخ منزل چلتے رہتے تھے۔ وہ جب بہت پریشان ہو جاتی تو یہ سوچنے لگتی کہ خدا اُسے اُس کے گناہوں کی سزا دے رہا ہے۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ گناہوں سے بخشش کس طرح مانگی جاتی ہے۔

رعدی اپنے چار محافظوں کے ساتھ منزل کے قریب آ گئی تھی۔ یہ اب موصل کے علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک شتر سوار دیکھا جس نے انہیں دیکھ کر اونٹ روک لیا تھا۔ اُس نے سر اور چہرہ سیاہ پگڑی میں لپیٹ رکھا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اُس کی نظریں رعدی پر جمی ہوئی تھیں۔ صلیبی سپاہی اپنی فوجی وردی میں نہیں تھے اس لیے کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ صلیبی سپاہی ہیں۔ انہیں تاجر یا مسافر کہا جا سکتا تھا۔

"اس شتر سوار کی آنکھیں دیکھی تھیں؟" ایک صلیبی نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

"بہت غور سے دیکھی تھیں۔" دوسرے سپاہی نے جواب دیا۔ "میں ان لڑکوں کو پہچانتا ہوں۔ اب ہمیں زیادہ ہوشیار رہنا پڑے گا۔ یہ لڑکی اتنی خوبصورت ہے کہ کسی ڈاکو کی نظر میں آ گئی تو مشکل پیدا ہو جائے گی۔ آگے علاقہ پہاڑی ہے۔"

وہ دن بھر چلتے رہے۔ شام کے بعد دو چٹانوں کے درمیان موزوں جگہ دیکھ کر انہوں نے گھوڑے روک لیے اور کھانے پینے کا اہتمام کرنے لگے۔ کھانے کے بعد وہ بے سدھ سو گئے۔ صرف ایک سپاہی ہر رات کی طرح جاگتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کوئی آہٹ سنائی دی۔ یہ کسی گیند وغیرہ کے چلنے سے ڈھلان سے پتھر لڑھکا ہوگا لیکن سپاہی چوکنا ہو گیا۔ اس نے کان کھڑے کر لیے۔ آہٹ پھر سنائی دی۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو جگایا اور اسے کان میں بتایا کہ اسے کسی کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ وہ بھی اٹھا۔ دونوں نے کمانوں میں تیر ڈال لیے اور ایک ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف کھڑا ہو گیا۔

رات تاریک تھی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اب کوئی آہٹ سنائی نہیں دیتی تھی۔ رات کے سکوت میں یکے بعد دیگرے دو مرتبہ پنگ پنگ کی آواز سنائی دی۔ پیشتر اس کے کہ دونوں سپاہی ان آوازوں کی سمت معلوم کر سکتے ایک ایک تیر دونوں کی پسلیوں میں اتر گیا۔ ان کے ساتھی دن بھر کے تھکے ہوئے گہری نیند سو رہے تھے۔ ان دونوں نے تیر کھا کر انہیں آوازیں دیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔ بھاگتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں تو ایک مشعل بھی جل اٹھی جو ان دونوں سپاہیوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ فوراً بعد وہ سات آٹھ آدمیوں کے محاصرے میں آ گئے۔ ان میں ایک نے چہرہ اور سر پگڑی میں لپیٹ رکھا تھا۔ یہ وہی معلوم ہوتا تھا جو دن کے وقت اونٹ پر سوار تھا اور اس نے رک کر رعدی کو گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

دونوں سپاہی تھے۔ انہوں نے تلواروں سے مقابلہ کیا لیکن سات آٹھ برچھیوں نے ان کے جسم چھلنی کر دیئے اور رعدی حملہ آوروں کے قبضے میں آ گئی۔ وہ الگ کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ مشعل کے ناچتے ہوئے شعلے میں اس کا حسن ایسا پراسرار لگ رہا تھا جیسے وہ اس دنیا کی مخلوق نہ ہو۔

رعدی کو گھوڑے پر سوار کر لیا گیا۔ سیاہ پگڑی والا بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو چلنے لگے۔ اس آدمی نے رعدی سے پوچھا۔ "اپنے متعلق کچھ بتاؤ گی؟" رعدی نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔

☆

رعدی کو جہاں لے جایا گیا وہ کوئی محل یا مکان نہیں بلکہ ایک چوکور خیمہ تھا۔ اس کا آدھا حصہ زمین کے اوپر اور باقی نصف زمین میں تھا۔ قناتیں اور اوپر شامیانہ پھولدار ریشمی کپڑے کا تھا۔ اندر قالین بچھا ہوا اور چوڑا پلنگ تھا۔ فانوس روشن تھے۔ گمان نہیں ہوتا تھا کہ یہ خیمہ ہے۔ شراب کی صراحی بھی رکھی تھی۔ وہاں تین آدمی موجود تھے جن کے متعلق فوراً پتہ چل گیا کہ صلیبی ہیں۔ انہوں نے رعدی کو دیکھا تو وہ خاموشی سے اور حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ سیاہ نقاب پوش اس کے ساتھ تھا۔ اس نے پگڑی کا نقاب اتار پھینکا اور بولا۔ "ایسا تحفہ پہلے کبھی دیکھا ہے؟ ... اور یہ رقاصہ ہے۔"

رعدی خاموش کھڑی رہی۔ فانوس کی روشنی میں اس کا حسن اور زیادہ طلسماتی لگتا تھا۔ وہ یہاں بھی خوف زدہ نہیں تھی۔ اسے پلنگ پر بٹھایا گیا اور پوچھا گیا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہی تھی۔ رعدی نے اپنی زندگی کی کہانی ایک بار پھر سنا دی۔ اس کی کہانی سے وہاں کوئی بھی متاثر نہ ہوا۔ ان لوگوں کے پاس متاثر ہونے والے جذبات کی کمی تھی۔ اس سوال کے

جواب میں کہ وہ کہاں جا رہی تھی، اس نے کہا۔ "مجھے کسی صلیبی بادشاہ کے پاس لے جایا جا رہا تھا۔"

"تو کیا تم نے چار صلیبیوں کو قتل کر دیا ہے؟" ایک آدمی نے غصے سے اس آدمی سے پوچھا جو رعدی کو لایا تھا۔

"وہ صلیبی نہیں لگتے تھے۔" اس نے جواب دیا۔ "تم نے مجھے کہا تھا کہ دو تین لڑکیاں لے آؤ تاکہ اس ویرانے میں دل بہلانے کا کوئی ذریعہ ہو۔ مجھے اتفاق سے یہ نظر آ گئی۔ میں نے ان چاروں کو مشکوک مسلمان سمجھا تھا اور انہیں قتل کر کے لڑکی لے آیا۔"

"تمہارے ساتھ کون کون تھا؟"

"صرف دو اپنے آدمی تھے۔" اس نے جواب دیا۔ "باقی پانچ موصل کے مسلمان تھے جو یہاں ہمارے لیے کام کرتے ہیں۔"

"اگر یہ راز فاش ہو گیا کہ تم نے اپنے کسی حکمران کا تحفہ اس کے محافظوں کو قتل کر کے اڑا لیا ہے تو اس کا نتیجہ جانتے ہو کیا ہوگا؟"

وہ خاموش رہا۔ اچانک ایک آدمی خیمے میں اترا اور بولا۔ "یہ راز فاش نہیں ہوگا۔ تم ڈرتے ہو کہ ہم جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں، یہ راز فاش کر دیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا۔"

"یہ کون ہے؟"

"یہ میرا خاص آدمی ہے۔" سیاہ پگڑی والے نے جواب دیا اور موصل کے کسی بڑے آدمی کا نام لے کر کہا۔ "اس نے دیا ہے۔ قابل اعتماد اور عقل مند ہے۔"

"میں آپ ہی کا آدمی ہوں۔" اس نے کہا۔ "موصل اور اس علاقے کے جو راز آپ کے پاس جاتے ہیں، وہ میرے اور میرے ساتھیوں کے حاصل کیے ہوئے ہوتے ہیں۔"

اس سے کچھ اور باتیں پوچھی گئیں جن کے جواب میں اس نے ایسے انداز سے باتیں کیں کہ سب نے اسے قابل اعتماد سمجھ لیا۔ کسی کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہوا کہ یہ صلاح الدین ایوبی کا بڑا ہی خطرناک جاسوس ہے جس کا اصل نام حسن الادریس ہے۔ خدا نے اس کے چہرے مہرے اور جسم کی ساخت میں ایسی جاذبیت پیدا کی تھی کہ دیکھنے والا اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی زبان اور لب و لہجے میں ایسا جادو پیدا کر لیا تھا جسے سننے والا مسحور ہو جاتا تھا۔ وہ اداکاری اور لہجہ بدل کر بات کرنے کا ماہر تھا۔ موصل میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس تھے ان کا رابطہ حکام کے حلقے تک بھی تھا۔ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اس درویش سے والئ موصل عزالدین بھی متاثر ہے۔ اس نے موصل کے ہر باشندے کی طرح تسلیم کر لیا تھا کہ درویش کو آسمان سے اشارہ ملے گا اور اس کے بعد عزالدین اپنی فوج کو باہر نکالے گا پھر یہ فوج فتح پہ فتح حاصل کرتی چلی جائے گی۔

جاسوسوں کو عزالدین کے عقیدے کے متعلق اس کی بیوی رضیع خاتون (بیوہ نورالدین زنگی) نے اطلاع دی تھی۔ اس خاتون کے متعلق آپ پچھلی اقساط میں پڑھ چکے ہیں۔ وہ سلطان ایوبی کی عقیدت مند تھی۔ محل کی خبریں اسی کے ذریعے باہر آتی تھیں۔ اس نے جاسوسوں کو تفصیل سے بتایا تھا کہ عزالدین صلیبیوں کے جال میں بری طرح پھنس گیا

نہ میں تمہاری، نہ مصر تمہارا

فتح حاصل کرکے کون خوش نہیں ہوتا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کو کسی معرکے، محاصرے یا بڑی جنگ میں فتح ہوتی تھی تو اس کے چہرے پر نورانی سی رونق آجاتی تھی۔ اس کی فوج جشن مناتی، سپاہی رقص کرتے، گاتے اور راتوں کو سوتے نہ تھے۔ بکرے، دنبے اور اونٹ ذبح ہوتے۔ سپاہی خود پکاتے اور سلطان ایوبی ان کے لیے شربت کے مٹکے کھول دیا کرتا تھا، مگر ۱۱۸۲ء (۵۷۹ ہجری) کے دوران اُس کے چہرے پر رونق نہیں تھی نہ ہی اس کی فوج جشن مناتی تھی حالانکہ اُس نے ایک سال کے عرصے میں متعدد قلعے سر کر لیے اور شاہِ آرمینیا جیسے طاقتور حکمران سے شکست کے عہدنامے پر دستخط کرا کے اُس سے اپنی شرائط منوالی تھیں۔

مؤرخوں نے اِس دور کو سلطان ایوبی کی فتوحات کا دور کہا ہے مگر اس کی جذباتی کیفیت یہ تھی جیسے ہر فتح کے بعد اس کے چہرے پر بڑھاپے کی ایک لکیر کا اضافہ ہو گیا ہو۔ یہ لکیریں بڑھاپے اور اداسی کی تھیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک فتح اور کسی ایک کامیابی پر بھی خوش نہ تھا۔ اُسے جب چھاپہ ماروں کا سالار صارم مصری فاتحانہ انداز سے رپورٹ دیتا تھا کہ گزشتہ رات چھاپہ ماروں نے فلاں جگہ شب خون مار کر دشمن کو اتنا نقصان پہنچایا ہے تو سلطان ایوبی آہستہ سے سر ہلا کر اُسے خراجِ تحسین پیش کرتا اور پھر اس کا سر یوں جھک جاتا تھا جیسے اُس کے ضمیر پر ایسا بوجھ آ پڑا ہو جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔

"مجھے مبارک باد اُس روز کہنا جس روز تم صلیبیوں کو شکست دو گے"۔ ایک روز سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔ وہ اُسے دیار بکر کی فتح کے بعد مبارک باد کہنے آئے تھے۔ اس روز تو اس کی آنکھیں لال ہو گئیں جیسے وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُس نے کہا۔ "تم محسوس نہیں کر رہے کہ ہم گھروں سے نکلے تھے صلیبیوں کو شکست دینے اور انہیں اپنی سرزمین سے نکالنے کے لیے مگر انگلیوں پر گنو کہ تم کتنے برسوں سے اپنے ہی بھائیوں سے لڑ رہے ہیں اور حساب کرو کہ ہم ایک دوسرے کا کتنا خون بہا چکے ہیں۔ کیا تم اُسے فتح کہتے ہو؟ میں اس خانہ جنگی میں جو بھی فتح حاصل کرتا ہوں وہ میری اور تمہاری نہیں وہ صلیبیوں کی فتح ہوتی ہے۔ جب دو بھائی آپس میں لڑتے ہیں تو خوشی اور کامیابی اُن کے دشمن کی ہوتی ہے۔ میں اُسے فتح نہیں کہتا جو ہم نے اپنے بھائیوں پر حاصل کی ہے"۔

"صلیبی کیوں دبک گئے ہیں؟"۔ ایک سالار نے کہا۔ "ہم آپ کو ان پر بھی فتح حاصل کرکے دکھا دیں گے"۔

"انہیں وہاں سے نکلنے اور لڑنے کی کیا ضرورت ہے جہاں وہ دبک کر بیٹھ گئے ہیں"۔ سلطان ایوبی نے

کہا۔ "جنگ کا پہلا اصول کیا ہے؟ ... دشمن کی عسکری قوت کو تباہ کرنا۔ صلیبیوں نے ہماری عسکری قوت کو ہمارے بھائیوں کے ہاتھوں تباہ کرنے کا کامیاب انتظام کر رکھا ہے۔ ہم آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور صلیبی یہی صورتِ حال سے اور اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے ہیں۔ فلسطین پر اُن کا قبضہ مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ حکمرانی سدا اللہ کی ہے مگر حکمرانی کا نشہ جب انسان پر طاری ہوتا ہے تو مذہب اور ملت کا وقار تو دُور کی بات ہے، وہ اپنی بیٹیوں کو ننگا سنبھالنے لگتا ہے۔ جھوٹ اور فریب کاری کو وہ جائز اور ضروری سمجھنے لگتا ہے۔ صلیبی اُمتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کو ریاستوں میں تقسیم کرتے چلے جا رہے ہیں اور اللہ کی فوج کو ان ریاستوں میں تقسیم کر کے اسلام کی عسکری قوت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔"

"ہمیں اِن علاقوں سے فوج کے لیے بہت بھرتی مل رہی ہے۔" ایک سالار نے کہا۔ "بڑے اچھے سپاہی اور سوار بڑی خوشی سے آ رہے ہیں۔"

"لیکن مجھے اس کی کوئی خوشی نہیں۔" سلطان ایوبی نے سب کو چونکا دیا۔ اس نے کہا۔ "یہ لوگ صرف اس لیے ہماری فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں کہ جس شہر کو فتح کیا جاتا ہے وہاں ہماری فوج لوٹ مار کرتی ہے اور وہاں سے حسین عورتیں ملتی ہیں۔"

"ہم نے اپنی فوج کو ایسی لوٹ مار اور آبرو ریزی کی اجازت کبھی نہیں دی۔" ایک اور سالار نے کہا۔

"مگر ہمارا دشمن ہماری فوج کے خلاف یہی مشہور کر رہا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو لوٹ مار کی اور مفتوح کی جوان لڑکیاں اٹھائے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ دشمن نے ہماری فوج کے خلاف یہ بے بنیاد باتیں اس لیے مشہور کر رکھی ہیں کہ خود مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی فوج کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور ہمیں کہیں سے بھی لوگوں کا تعاون نہ ملے بلکہ ہم جس شہر کا محاصرہ کریں وہاں کے لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہماری اس فوج کے خلاف لڑیں جو اسلامی فوج ہے اور جو ہر لحاظ سے حزب اللہ کہلانے کی حقدار ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! قوم بغیر فوج کے اور فوج قوم کے والہانہ تعاون کے بغیر دشمن کے لیے آسان ہوتی ہے۔ اپنے دشمن کو پہچانو۔ تمہارا دشمن دانشمند ہے۔ اُس نے ہماری قوم اور فوج میں منافرت پیدا کرنے کا بڑا اچھا اہتمام کیا ہے۔ قرآن نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کا حکم صرف قوم یا صرف فوج کو نہیں دیا۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار قوم اور فوج مل کر بنتی ہے۔ اس دیوار میں شگاف ڈالنے کا یہ طریقہ کارگر ہے کہ فوج کو نااہل، بزدل، زانی اور ڈاکو کہہ کر قوم کی نظروں سے گرا دیا جائے۔"

"دیار بکر کے لوگوں پر تو ایسا کوئی اثر نہیں دیکھا۔" صارم مصری نے کہا۔ "انہیں جونہی پتہ چلا کہ محاصرہ کرنے والے ہم ہیں اور اُن کا حکمران اپنی فوج کو اسلامی فوج کے خلاف لڑا رہا ہے تو لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے تھے۔"

"وہاں ہمارے جاسوس زیادہ تعداد میں تھے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہاں کی تمام بڑی مسجدوں کے امام ہمارے آدمی تھے۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو صرف نماز روزہ اور حج، زکوٰۃ کے وعظ نہیں دیئے۔ اس کے ساتھ وہ لوگوں کو صلیبیوں کے عزائم اور

اپنے ایمان فروش امراء اور حاکموں کے متعلق بھی بتاتے رہے ہیں اور یہ بھی کہ جب ایک مسلمان دوسرے کا خون بہاتا ہے تو عرش معلےٰ لرز جاتا ہے اور خدا اس بستی پر اپنا قہر نازل کرتا ہے جہاں کے مسلمان مسلمانوں کے خلاف لڑتے اور خون بہاتے ہیں۔ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ دیار بکر میں صلیبیوں کے جاسوس اور تخریب کار بھی درویشوں، صوفیوں اور عالموں کے بہروپ میں موجود تھے اور نظریاتی تخریب کاری کر رہے تھے لیکن ہمارے آدمیوں نے ان میں بعض کو خفیہ طریقوں سے اغوا اور قتل کیا اور اُن کی آواز کو بیکار کر دیا، مگر ہم اس وقت جس علاقے میں ہیں یہاں صلیبیوں کی تخریب کاری کامیاب ہو رہی ہے۔"

"یہ جو سپاہی اور سوار لوٹ مار کے لالچ سے بھرتی ہو رہے ہیں کیا یہ پوری فوج کو خراب نہیں کریں گے؟" سالار نے پوچھا۔

"تم نے دیکھا نہیں کہ انہیں کس قسم کی تربیت دی جا رہی ہے؟" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں نے تمہیں تربیت اور جنگی مشقوں کا جو نیا طریقہ بتایا ہے وہ انہیں صحیح سوچ پر لے آئے گا۔ میں فوج میں ان کی تقسیم ایسے طریقے سے کر رہا ہوں کہ یہ فوج پر نہیں بلکہ فوج ان پر اثر انداز ہو گی۔ تم بہت جلدی میرا یہ تحریری حکم بھی دیکھ لو گے کہ مفتوحہ علاقے میں اپنا کوئی سپاہی لوٹ مار کرتا یا کسی عورت پر ہاتھ ڈالتا دیکھا جائے تو اُسے تیر کا نشانہ بنا دیا جائے یا قریب جا کر اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ دشمن کے بے بنیاد الزامات کو غلط ثابت کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ فوج اپنے کردار سے مفتوح لوگوں پر اور اپنی قوم پر بھی دل موہ لینے والا اثر پیدا کرے۔ مجھے یہی خطرہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبی اور یہودی ہر وقت میں اسلام کی فوج اور قوم کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ قوم کی کردار کشی الگ اور فوج کی الگ کریں گے اور اس طرح دونوں کا ایمان اور قومی جذبہ برباد کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنائے رکھیں گے۔ یہ کام وہ مسلمانوں کے ہاتھوں کرائیں گے۔"

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اس نے کئی ایک چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کو مطیع بنا لیا اور متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ وہ مسلمان حکمران تھے جو در پردہ صلیبیوں کے دوست اور سلطان ایوبی کی مخالف تھے۔ سلطان ایوبی کی منزل بیت المقدس تھی جس پر صلیبیوں نے قبضہ کر کے اسے یروشلم کا نام دے رکھا تھا مگر اپنے مسلمان حکمران اور امراء سلطان ایوبی کے راستے میں حائل ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی فوج کو چند دن آرام دینے کے لیے فرات کے کنارے رک گیا تھا۔ وہاں گھوڑوں، خچروں، اونٹوں اور رسد کی کمی پوری کی جا رہی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی فرات کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ گھوڑسوار دستوں کا سالار اور چھاپہ مار دستوں کا سالار صارم مصری تھا۔ اُن سے کچھ دُور سفید چُغے میں ملبوس ایک آدمی کھڑا تھا جس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا رکھے تھے۔ سلطان ایوبی اُدھر چل پڑا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہاں چار قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے سرہانے ایک ڈنڈا گڑا تھا اور اس کے ساتھ لکڑی کی ایک تختی تھی جس پر لال رنگ سے

عربی زبان میں لکھا تھا:

عمرالمملوک

اللہ تیری شہادت قبول کرے

نصرالمملوک

اس کے ساتھ کی قبر پر بھی ایسی ہی تختی لگی ہوئی تھی جس پر اسی قسم کی لال تحریر تھی!

نصرالمملوک

اللہ میری شہادت قبول کرے

سلطان ایوبی نے دونوں تحریریں پڑھیں اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو قبروں پر فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ وہ وضع اور لباس سے عالم فاضل لگتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس کی طرف دیکھا تو اُس نے ذرا جھک کر کہا۔۔۔ "میں اس گاؤں کا امام ہوں۔ جہاں کہیں پتہ چلتا ہے کہ شہید کی قبر ہے وہاں چلا جاتا ہوں اور فاتحہ پڑھتا ہوں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جس جگہ شہید کے خون کا قطرہ گرتا ہے وہ جگہ مسجد جتنی مقدس ہو جاتی ہے۔ میں لوگوں کو یہی بتایا کرتا ہوں کہ مجاہد وہ عظیم شخصیت ہے جس کے گھوڑے کے سموں کی اُڑائی ہوئی گرد کا احترام خدا نے بھی کیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو خدائے ذوالجلال نے افضل عبادت کہا ہے!"

"مگر اللہ کے نام پر جانیں قربان کرنے والے ایسے ہی گمنام لوگ ہوتے ہیں جن کی قبریں آپ دیکھ رہے ہیں۔ تاریخ میں اُن کا نہیں میرا نام آئے گا مگر مجھے عظمت دینے والے یہ لوگ تھے"۔۔۔ اُس نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا اور قبروں کی دونوں تختیوں کی تحریروں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔۔۔ "یہ الفاظ لال رنگ میں انگلی ڈبو کر لکھے گئے ہیں۔ لکھنے والا ایک ہی آدمی معلوم ہوتا ہے"۔

"لال رنگ نہیں سلطان محترم!"۔۔۔ چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری نے کہا۔۔۔ "یہ خون ہے عمرالمملوک کی قبر کی تختی نصرالمملوک نے اپنے خون سے لکھی تھی اور اس نے اپنے ہی خون سے اپنی قبر کی بھی تختی لکھی اور شہید ہو گیا تھا۔ سولہ سترہ دن گزرے رات کو دریا سے ہم نے ایک بہت بڑی کشتی پکڑی تھی جس میں دشمن کے چھاپہ ماروں کے لیے رسد جا رہی تھی۔ آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ یہ کشتی ہمارے آٹھ چھاپہ ماروں نے پکڑی تھی۔ ان میں سے یہ چار شہید ہو گئے تھے۔ ہمیں پہلے اطلاع مل گئی تھی کہ ایک بڑی کشتی رات کو گزرے گی جس میں دشمن کی رسد اور اسلحہ ہو گا۔ میں نے اپنے آٹھ چھاپہ مار بھیجے۔ یہ ایک چھوٹی سی کشتی میں تھے....

"آدھی رات دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ وہ کشتی جا رہی تھی۔ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ اس میں چار پانچ آدمی ہوں گے لیکن ہمارے چھاپہ ماروں کی کشتی اُس کے قریب گئی تو اُس میں کم و بیش بیس آدمی تھے۔ اس سے پہلے کہ ہمارے چھاپہ مار دشمن کی کشتی میں کود جاتے۔ دشمن کے آدمی جو تلواروں سے مسلح تھے، ہماری کشتی میں کود آئے۔ ہمارے یہ چھاپہ مار دریائی چھاپوں کا تجربہ رکھتے تھے۔ وہ اپنی کشتی سے دریا میں کودے اور دشمن کی کشتی پر چڑھ کر اس کے بادبانوں کے رسّے کاٹ دیئے۔ دونوں کشتیوں میں خونریز معرکہ لڑا گیا۔ ہمارے

چھاپہ ماروں نے بڑی کشتی سے اپنی کشتی پر تیر پھینکے جس میں دشمن کے آدمی تھے۔ بہر حال ہمارے جانباز عقل اور داؤ پیچ سے معرکہ لڑ کر دونوں کشتیاں لے آئے۔ دشمن کے آدمی جو مرے نہیں تھے دریا میں کود کر دوسرے کنارے پر چلے گئے....

"کشتیاں کنارے لگیں۔ مجھے اطلاع ملی تو میں انہیں دیکھنے گیا۔ صبح طلوع ہو رہی تھی۔ ایک کشتی میں عمرالمملوک کی اور اس کے دو ساتھیوں کی لاشیں تھیں اور باقی سب زخمی تھے۔ نصرالمملوک سب سے زیادہ زخمی تھا۔ دو گہرے زخم برچھی کے اور تین زخم تلوار کے تھے۔ وہ ہوش میں تھا۔ مرہم پٹی کے لیے لے گئے تو اُس نے مجھ سے کہا کہ اُسے ایک تختی دی جائے جو وہ اپنے دوست کی قبر پر لگانا چاہتا ہے۔ میں نے ترکھانوں سے اُسے تختی منگوا دی۔ اسی دوران اُس نے اپنی مرہم پٹی نہ ہونے دی۔ تختی آئی تو اس نے اپنے خون میں شہادت کی انگلی ڈبو ڈبو کر عمرالمملوک کا نام اور یہ تحریر لکھی اور تختی مجھے دے کر کہا کہ یہ عمر کی قبر پر لگا دی جائے۔ میں نے یہ تختی ایک ڈنڈے کے ساتھ لگا کر عمرالمملوک کی قبر کے سرہانے لگا دی....

"نصرالمملوک کے زخموں سے خون نکلتا رہا۔ بند نہیں ہو رہا تھا۔ تیسرے دن اُس کی حالت بگڑ گئی۔ میں اُسے دیکھنے آیا تو جراح نے مایوسی کا اظہار کیا۔ خود نصرالمملوک کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اُس نے مجھے کہا کہ اُسے ویسی ہی ایک تختی دی جائے۔ میں نے تختی منگوا دی۔ اُس نے تختی اپنے پاس رکھ لی۔ رات کو مجھے اطلاع ملی کہ نصر شہید ہو گیا ہے۔ میں گیا تو اُس کے ایک زخمی ساتھی نے تختی مجھے دی اور بتایا کہ نصر نے اپنے ایک زخم سے پٹی کھول لی۔ خون نکل رہا تھا۔ اُس نے اپنے خون میں انگلی ڈبو ڈبو کر یہ تحریر لکھی۔۔۔ 'نصرالمملوک۔ اللہ میری شہادت قبول کرے'۔۔۔ اُس کے ساتھی نے بتایا کہ نصر نے کہا تھا کہ اُسے اپنے دوست عمرالمملوک کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ اس طرح یہ دونوں تختیاں ایک ہی شہید کے خون سے لکھی گئی ہیں"۔

"یہ دونوں مملوک تھے محترم امام!"۔۔۔ سلطان ایوبی نے امام سے کہا۔۔۔ "آپ جانتے ہوں گے کہ مملوک کس نسل سے ہیں۔ یہ اُن غلاموں کی نسل سے ہیں جنہیں آزاد کرا دیا گیا تھا۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا تھا کہ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ ذرا دیکھو ان غلاموں نے کیسا کارنامہ کر دکھایا ہے۔ یہ آٹھ تھے لیکن بیس آدمیوں سے اتنی بڑی کشتی چھین کر لے آئے ہیں۔ مجھے اپنی فوج میں مملوکوں اور ترکوں پر جتنا بھروسہ ہے اور کسی پر نہیں"۔

"اب انسان پھر انسان کا غلام بنتا جا رہا ہے"۔۔۔ امام نے کہا۔۔۔ "حکمرانی حاصل کرنے کے جتن اسی لیے کیے جاتے ہیں کہ انسانوں کو غلام بنایا جائے لیکن انسان سمجھتا نہیں کہ تخت و تاج نے کسی کے ساتھ کبھی وفا نہیں کی۔ فرعون بھی مٹی میں مل گئے۔ خدا نے ہر اُس انسان کو عبرتناک سزا دی ہے جس نے تخت و تاج سے پیار کیا اور ہر اُس انسان کا خون بہایا جس سے اُسے اپنی بادشاہی کے لیے خطرے کی بُو آئی"۔

سلطان ایوبی کے محافظ دستے کا کمانڈر ایک آدمی کو ساتھ لیے آ رہا تھا۔ اس آدمی کی حالت بتا رہی تھی کہ بڑے لمبے سفر سے آیا ہے۔ کمانڈر نے قریب آ کر کہا۔۔۔ "قاہرہ سے قاصد آیا ہے"۔

"کیا خبر لائے ہو؟" — سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

"خبر اچھی نہیں" — قاصد نے کہا اور کمربند سے ایک کاغذ نکال کر سلطان ایوبی کو دیا۔

سلطان ایوبی اپنے خیمے کو چل پڑا۔

☆

خیمے میں بیٹھ کر اس پیغام کو کھولا۔ یہ اس کے جاسوسی اور سراغرسانی کے سربراہ علی بن سفیان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ لکھا تھا — "ہمارا سب سے زیادہ دیندار اور دلیر نائب سالار حبیب القدوس دس دنوں سے لاپتہ ہے۔ صلیبیوں کی تخریب کاری زوروں پر ہے۔ ہم یہاں زمین دوز جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایمان فروشوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس مسئلے پر آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دشمن کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ پریشانی حبیب القدوس نے پیدا کر دی ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کا صرف لاپتہ ہو جانا پریشان کن نہیں۔ ہم ایک اور خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حبیب القدوس کے ماتحت جتنے دستے ہیں، وہ ان میں اتنا ہر دلعزیز ہے کہ سپاہی اس کے اشارے پر جانیں قربان کرتے ہیں۔ اگر وہ خود دشمن سے جا ملا ہے تو یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنے دستوں کو جو اس کے زیر اثر ہیں سلطنت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتا ہے۔ میں اُسے تلاش کرنے کی کوششوں سے دستبردار یا مایوس نہیں ہوا۔ میں آپ سے صرف یہ اجازت لینا چاہتا ہوں کہ اگر تلاش کے دوران وہ سامنے آ جائے اور ضرورت محسوس ہو کہ اُسے مار ڈالا جائے تو اُسے مار دیا جائے۔ آپ کے قائمقام امیر مصر نے اس کی اجازت نہیں دی۔ صرف یہ اجازت دی ہے کہ میں آپ کو براہ راست خط لکھ کر اجازت لے لوں۔ اگر میں اسے تلاش نہ کر سکا تو آپ مجھ سے بازپرس کریں گے اور اگر وہ میرے ہاتھ سے مارا گیا تو بھی آپ پسند نہیں کریں گے۔ اس نائب سالار کا ہمارے دشمن کے پاس رہنا ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔"

سلطان ایوبی نے اُسی وقت کاتب کو بلایا اور پیغام کا جواب لکھوانے لگا:

"عزیز علی بن سفیان! تم پر خدا کی رحمت ہو۔ حبیب القدوس پر مجھے اتنا ہی اعتماد تھا جتنا تم پر ہے۔ جو انسان اپنا ایمان فروخت کرنے پر آ جائے وہ خدا سے نہیں ڈرتا، وہ مجھ جیسے حقیر انسان سے کیوں ڈرے گا۔ تمہیں اس پہ حیران نہیں ہونا چاہیے کہ حبیب القدوس جیسا انسان بھی دھوکہ دے سکتا ہے...... ایمان ایک قوت ہے مگر یہ ہیرے اور جواہرات کی طرح چمکتا نہیں۔ اس میں عورت کے حُسن و جمال کی کشش نہیں اور ایمان تخت اور تاج بھی نہیں۔ جب انسان پر دنیا کی لذتوں کا سرور اور زر و جواہرات کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے تو ایمان سے دستبردار ہونے میں کچھ وقت نہیں لگتا...... حبیب القدوس کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کبھی ضرورت محسوس ہو کہ اُسے قتل کر دیا جائے تو تمہیں میری طرف سے اجازت ہے، لیکن یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کرنا کہ اُسے اغوا تو نہیں کیا گیا؟ حالات تمہاری نظر میں ہیں۔ جو بہتر سمجھو وہ کرو۔ مفاد سلطنت اور مذہب مقدم ہے۔ ایک انسان کی زندگی اور موت اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ جہاں فوج کی اتنی زیادہ تعداد ماری جا رہی ہے،

سپاہی اپنی جانیں دے رہے ہیں وہاں ایک غدار حاکم کو مار دینے سے پہلے اتنا زیادہ نہ سوچو کہ تمہارا قیمتی وقت اس پر صرف ہوتا رہے۔ اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہو۔ ہم سب گنہگار ہیں، پاک ذات صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ تم حق پر ہو تو اللہ تمہارے حافظ ہے۔"

سلطان ایوبی نے پیغام کے نیچے اپنی مہر لگائی اور پیغام قاصد کے حوالے کر دیا اور اُسے کہا کہ وہ رات بھر آرام کر کے علی الصبح روانہ ہو جائے۔

وہ تاریخ اسلام کا پُر آشوب دور تھا۔ ادھر سرزمین عرب مسلمانوں کے خون سے لال ہو رہی تھی۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں میں غدار اور سازشی پیدا کر کے مسلمانوں کو خانہ جنگی میں اُلجھا رکھا تھا۔ اُدھر مصر میں بھی کفار مسلمان حاکموں میں غدار پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کر رہے تھے اور سلطان ایوبی کی فوج پر بڑے ہی شرمناک الزامات کی تشہیر کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ مہم زمین دوز طریقے سے چلا رکھی تھی۔ علی بن سفیان اور قاہرہ کا کوتوال غیاث بلبیس اس مہم کے اثرات زائل کرنے اور مجرموں کو پکڑنے میں سرگرم رہتے تھے۔

ایک نائب سالار کا غائب ہو جانا معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اُس کا کچھ بھی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ حبیب القدوس کے متعلق کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے لیکن اس دور میں غداری ایک عام سی چیز بن کے رہ گئی تھی۔ حبیب القدوس لاپتہ ہوا تو سب نے یہی کہا کہ وہ کوئی فرشتہ تو نہیں تھا۔ اس کی تین بیویاں تھیں اور یہ کوئی معیوب امر نہیں تھا۔ اس کی حیثیت کے حاکموں نے چار چار بیویاں رکھی ہوئی تھیں اور جو ذرا زندہ دل تھے ان کے ہاں ایک دو داشتہ عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ حبیب القدوس کی زندگی میں شراب اور راگ رنگ کا ذرہ بھر دخل نہ تھا۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا اور میدان جنگ میں دشمن کے لیے سراپا قہر۔ شجاعت کے علاوہ فن حرب و ضرب میں مہارت رکھتا تھا۔ جنگی منصوبہ بندی ایسی کہ کم سے کم نفری سے کثیر تعداد دشمن کا ستیاناس کر دیتا تھا۔

اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنے دستوں میں ہر دلعزیز تھا۔ اس کے ماتحت جو کمان دار اور سپاہی تھے اُن کے لڑنے کا انداز یہ ہوتا تھا جیسے وہ حکم سے نہیں عقیدت سے لڑ رہے ہوں۔ بعض اوقات تو یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ دستے اُس کی ذاتی فوج ہیں اور یہ سلطان ایوبی کے حکم سے نہیں حبیب القدوس کے اشارے پر ہی لڑتے ہیں۔ اُن کی تربیت اُس نے اتنی سخت کر رکھی تھی اور انہیں اتنی جنگی مشقیں کراتا تھا کہ آج کی زبان میں یہ "کریک ٹروپس" بن گئے تھے۔ اُن کی نفری تین ہزار پیادہ اور دو ہزار سوار تھی۔ تیر اندازی میں اتنے ماہر جیسے اندھیرے میں آواز پہ تیر چلائیں تو تیر بولنے والے کے منہ میں لگے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور سراغرسانی کا ماہر تھا۔ غیاث بلبیس کوتوال تھا اور سول انٹیلی جنس میں مہارت رکھتا تھا۔ اِن دونوں کی رائے یہ تھی کہ حبیب القدوس کو دشمن نے اُس کی اسی خوبی کی وجہ سے اپنے جال میں لیا ہے کہ وہ اپنے پانچ ہزار نفری کے دستوں کو باغی کر سکے گا۔ پانچ ہزار نفری معمولی نفری نہیں تھی۔ ان دستوں

کو نہتہ کر دینے کی بھی تجویز پیش ہوئی تھی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ دلیل دے کر مسترد کر دی تھی کہ اس طرح یہ باغی نہ ہوئے تو بھی باغی ہو جائیں گے۔ اس کی بجائے انہوں نے ان دستوں میں کسی نہ کسی بہروپ میں اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے جو بارکوں میں سپاہیوں کی گپ شپ سنتے رہتے تھے۔ کمانداروں پر بھی اُن کی نظر تھی۔

گہری نظر حبیب القدوس کے گھر پر رکھی گئی تھی۔ اس کی تین بیویوں میں ایک کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان تھی اور دو چوبیس پچیس سال کی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا۔ انہوں نے اتنا ہی بتایا تھا کہ ایک شام اس کے پاس دو آدمی آئے تھے۔ حبیب القدوس اُن کے ساتھ نکل گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔ ملازموں سے بھی بہت گہری تفتیش کی گئی۔ ان سے بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ بیویوں کے متعلق در پردہ معلوم کیا گیا۔ ان میں کوئی بھی مشکوک نہیں تھی۔ صرف اتنا پتہ چلا کہ چھوٹی عمر کی دو بیویوں میں سے ایک کے ساتھ جس کا نام زہرہ تھا اُسے سب سے زیادہ پیار تھا۔ یہ اُسی کے ایک سوار دستے کے کماندار کی بیٹی تھی۔

اس کماندار سے پوچھا گیا کہ اس نے اپنی عمر کے آدمی کو اپنی جوان بیٹی کیوں دی تھی؟ کیا حبیب القدوس نے اُسے ماتحت سمجھ کر مجبور کیا تھا؟

"نہیں" کماندار نے جواب دیا — "نائب سالار حبیب القدوس اسلام اور جہاد کے اتنے ہی متوالے ہیں جتنا میں ہوں۔ میں نے اُن کے ساتھ لڑائیاں لڑی ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مومن کی تلوار نیام سے نکل آئے تو نیام میں اس وقت تک نہیں آنی چاہیئے جب تک دشمن کا ایک بھی سپاہی سامنے موجود ہے اور وہ کہا کرتے تھے کہ کفر کا نشہ ختم ہونے تک جہاد جاری رہنا ہے۔ غداروں سے وہ اتنی نفرت کرتے تھے کہ ایک سرحدی لڑائی میں سوڈانیوں نے اچانک حملہ کیا تو ہمارے دو سوار بھاگ اٹھے۔ نائب سالار نے دیکھ لیا۔ انہیں پکڑنے کا حکم دیا۔ انہیں پکڑ لائے۔ نائب سالار نے اُن سے کچھ پوچھے اور کہے بغیر دونوں کو انہی کے گھوڑوں کے پیچھے اپنے ہاتھوں باندھا اور گھوڑوں پر دو سوار بٹھا کر حکم دیا کہ گھوڑے دوڑاؤ اور رکو اُس وقت جب گھوڑے خود تھک کر رک جائیں....

"جب گھوڑے واپس آئے تو اُن کا پسینہ بہہ رہا تھا اور سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ ان کے پیچھے بندھے ہوئے سپاہیوں کا یہ حال تھا کہ اُن کے جسم پر کپڑے نہیں تھے اور اُن کی کھالیں اُتر گئی تھیں۔ جسم پر گوشت بھی پورا نہیں تھا۔ لڑائی اس طرح ختم ہو گئی تھی کہ سوڈانیوں میں سے زیادہ مارے گئے، کچھ پکڑے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ حبیب القدوس نے تمام دستے کو اکٹھا کر کے ان سپاہیوں کی لاشیں دکھائیں اور کہا کہ اللہ کی راہ میں لڑنے سے بھاگنے والوں کی یہ سزا دنیاوی ہے، اگلے جہان اُن کے جسم سالم ہوں گے اور انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا....

"ہم سب جہاد اور شہادت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ایک روز میری بیٹی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اپنی بیٹی کو بھی وہی تربیت دے رکھی ہے جو باپ نے مجھے دی تھی۔ میرا ایک بیٹا اس وقت سلطان کی فوج کے ساتھ شام میں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو بتایا کرتا تھا کہ ہمارے نائب سالار حبیب القدوس سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مجاہد ہیں۔

میری بیٹی کو اس روز نائب سالار نے دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے بتایا کہ میری بیٹی ہے اور یہ مجاہدہ ہے۔ بہت دنوں بعد انہوں نے مجھے کہا کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی کی ماں سے بات کی تو اُس نے کہا کہ بیٹی پہلے ہی کہتی ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے جو اسلام کی پاسبانی میں اپنی جان کی بازی لگانے والا ہو۔ اس طرح میں نے بڑی خوشی سے اپنی بیٹی کی شادی نائب سالار سے کر دی اور میری بیٹی نے انہیں دلی طور پر قبول کر لیا۔ اب سنا ہے کہ وہ لاپتہ ہیں۔ میں آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اُن کے متعلق اگر دل سے کسی کو رنج ہے تو وہ صرف میری بیٹی ہے۔ وہ اسی کو زیادہ چاہتے تھے۔ باقی دو بیویاں کہتی ہیں کہ یہ مر گیا تو کسی اور کے ساتھ شادی کر لیں گی"

☆

"مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اُس کا دماغ ہمارے قبضے میں آگیا ہے" — یہ آواز قاہرہ سے بہت دُور اُن کھنڈروں سے اُبھری تھی جہاں کسی فرعون نے اپنے زمانے میں محل بنایا تھا۔ اُس زمانے میں یہ جگہ بہت خوبصورت اور سرسبز ہو گی۔ علاقہ پہاڑی تھا اور دریائے نیل کے کنارے پر تھا۔ پہاڑیوں پر درخت اور سبزہ تھا اور وہاں دریا کچھ اندر کو آجاتا تھا۔ کسی فرعون نے یہ محل بنایا تھا۔ سلطان کے دَور میں یہ ڈراؤنا کھنڈر بن چکا تھا۔ دیواروں اور ستونوں پر کائی اُگی ہوئی تھی۔ چیلوں جتنے بڑے چمگادڑوں کے سیاہ بادل اس کھنڈر میں سمٹے رہتے تھے۔ کھنڈروں کے برآمدوں اور کمروں میں انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اُس دَور کے ہتھیار بھی اِدھر اُدھر پڑے نظر آتے ہیں۔ اُدھر اب کوئی نہیں جاتا تھا۔ مشہور ہو گیا تھا کہ وہاں جنوں، چڑیلوں اور بدروحوں کا بسیرا ہے جو زندہ انسانوں کا شکار کرتی ہیں۔

اس ہولناک کھنڈر میں جس کے میلوں دُور سے بھی کوئی نہیں گزرتا تھا، ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اس کا دماغ ہمارے قبضے میں آگیا ہے۔ پھر اُس نے کہا۔ "نہیں آئے گا تو یہاں سے زندہ نہیں نکلے گا"

"ہم اُسے اس لیے نہیں لائے کہ یہاں لاکر اُسے قتل کر دیں" — دوسرے نے کہا۔ "اگر قتل کرنا ہوتا تو اُسے اُس کے گھر سے اٹھانے اور اتنی دُور لانے کی بجائے وہیں قتل نہ کر دیتے؟ اُسے اس کام کے لیے تیار کرنا ہے جس کے لیے اسے لائے ہیں"

"حشیش اپنا کام کر رہی ہے"

"تم کسی کو نشہ پلا کر اُس سے ایسی باتیں کرا سکتے ہو جن کا اُس کی عقل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حشیش سے تم کسی کے ایمان اور نظریئے کو نہیں بدل سکتے۔ یہ شخص پانچ ہزار نفری کی جنگی قوت کا حامل ہے۔ ہمیں صرف اُسے نہیں اُس کی پوری نفری کو اپنے ہاتھ میں لے لینا اور اسے مصر کی فوج کے خلاف لڑانا ہے۔ پھر مصر ہمارا ہو گا اور ہم صلاح الدین ایوبی کی حالت اُس شیر جیسی ہو گی جو بہت سے شکاریوں کے گھیرے میں ہو گا۔ وہ سب کو چیر پھاڑ دینے کو جھپٹے گا مگر اُسے صرف موت ملے گی.... اگر سلطان ایوبی کا یہ نائب سالار حبیب القدوس اپنے دستوں کو اشارہ کر دے تو وہ کچھ سوچے بغیر اُس کا حکم مانیں گے"

حبیب القدس اسی کھنڈر کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا جسے صاف کر لیا گیا تھا۔ اُس کے نیچے نرم گدے بچھے ہوئے اور اس کے پیچھے گول تکیے تھے۔ آسائش کا سارا سامان موجود تھا۔ اس کے سامنے ایک آدمی بیٹھا تھا جس نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال رکھی تھیں اور وہ کہہ رہا تھا — "مصر میری مملکت ہے۔ صلاح الدین ایوبی عراقی کُرد ہے۔ اُس نے میری مملکت پر قبضہ کر رکھا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے میری مملکت کی حسین لڑکیوں سے اپنا حرم بھر رکھا ہے۔ میرے پانچ ہزار جانباز پورے مصر پر قبضہ کر لیں گے۔"

حبیب القدس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس کے چہرے پر رونق تھی۔ وہ بڑبڑانے کے لہجے میں کہنے لگا — "میری تلوار کہاں ہے؟ میرا گھوڑا تیار کرو۔ میں صلاح الدین ایوبی کو قتل کروں گا۔ میرے پانچ ہزار جانباز ایک دن میں مصر کی فوج سے ہتھیار ڈلوا لیں گے۔"

"صلیبی میرے دوست ہیں" — اُس آدمی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہا — "وہ میری مدد کو آئیں گے۔ دوست وہ جو بُرے وقت میں مدد دے۔"

"میری تلوار کہاں ہے؟" حبیب القدس صاف صاف آواز میں بولنے لگا — "مصر بہت خوبصورت ہو گیا ہے۔ مصر کی لڑکیاں زیادہ حسین ہو گئی ہیں۔ مصر میرا ہے۔ مصر میرا ہے۔"

ایک لڑکی اندر آئی جس کا لباس ایسا تھا کہ برہنہ لگتی تھی۔ اُس کے بال ملائم اور کھلے ہوئے تھے۔ اس کا جسم ہلکے گلابی رنگ کا اور سڈول تھا۔ وہ حبیب القدس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اپنا ایک بازو حبیب القدس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ حبیب القدس اپنا گال اُس کے ریشمی بالوں سے مَس کرنے لگا۔ اُس نے مخمور لہجے میں کہا — "مصر بہت حسین ہو گیا ہے۔"

لڑکی ایک طرف ہٹ گئی اور بولی — "لیکن مجھ پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہے۔"

حبیب القدس نے لپک کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اپنے قریب گھسیٹ کر بولا — "تم پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ تم میری ہو۔ مصر میرا ہے۔"

"جب تک صلاح الدین ایوبی زندہ ہے یا جب تک مصر پر اُس کی بادشاہی ہے، نہ میں تمہاری ہوں نہ مصر تمہارا ہے۔"

"میں اُسے قتل کر دوں گا" حبیب القدس نے کہا — "میں اُسے قتل کر دوں گا۔"

"رُک جاؤ" ایک سخت غصیلی آواز کمرے میں گونجی۔ یہ ایک صلیبی تھا جو مصری زبان بول رہا تھا۔ یہ وہی تھا جسے کھنڈر میں کسی دوسری جگہ ایک مصری بتا رہا تھا کہ اب یقین ہونے لگا ہے کہ اس شخص (حبیب القدس) کا دماغ ہمارے قبضے میں آ رہا ہے اور اُس نے کہا تھا کہ اسے حشیش کے نشے کے بغیر اپنے کام میں لانا ہے۔ وہ اس کمرے میں آیا جہاں حبیب القدس کے دماغ کو حشیش کے نشے کے زیر اثر اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اُس نے غصے میں کہا — "تم حسن بن صباح کے پجاری حشیش اور خفیہ قتل کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے۔ لڑکی کو اس کے پاس رہنے دو اور تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ باہر لے جا کر اُسے کہا — "اب اُسے حشیش نہ دینا۔ اس کا نشہ اُتر جانے دو۔ ہمیں اس کے ہاتھوں صلاح الدین ایوبی کو قتل نہیں کرانا۔ ہمیں اس کے دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ میں بہت دیر سے پہنچا ورنہ اس کا یہ حال نہ ہونے دیتا۔ ہوش میں رکھ کر اسے صلاح الدین ایوبی کا دشمن بنانا ہے۔ تم لوگوں نے اُسے جس خوبی سے اغوا کیا ہے اُس کی میں دل سے تعریف کرتا ہوں اور اس کی تمہیں اتنی قیمت دی جا رہی ہے جو پہلے تمہیں کہیں سے نہیں ملی ہو گی مگر تم نے اسے حشیش دے دے کر ہمارا کام مشکل بنا دیا ہے۔ اسے اب وہ سفوف اور شربت دو جس سے نشے کا اثر اُتر جاتا ہے۔"

✡

صلیبیوں کی جاسوسی اور تخریب کاری اور مسلمان نوجوانوں کی کردار کشی کے طریقے اناڑیوں والے نہیں تھے۔ اُن کے اس فن کے ماہرین انسانی فطرت کی کمزوریوں اور مطالبات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اُن کی نظر سلطان ایوبی کی فوج اور انتظامیہ کے ہر افسر پر تھی۔ اُدھر عرب کے اُمراء وزراء اور مختلف ریاستوں کے مسلمان حکمرانوں کی خامیوں سے بھی وہ آگاہ تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ حکمران اور حاکم اُن کے زیر اثر ہو جائیں اور سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ یہودی اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کی صورت میں اُن کی پوری مدد کر رہے تھے۔ ان کفار کے ماہرین نے مسلمان حکمرانوں وغیرہ کو چند ایک زمروں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

ایک زمرے میں انہیں رکھا گیا تھا جو ایک دو خوبصورت اور شوخ لڑکیوں، شراب اور سونے جواہرات کے عوض اپنا ایمان بیچ ڈالتے تھے۔ دوسرے زمرے میں وہ تھے جو اپنی الگ ریاست بنا کر اس کے خود مختار بادشاہ بننے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ تیسرے میں وہ تھے جو ملک و ملت کے وفادار اور پکے مسلمان تھے۔ ان میں سے صلیبی یہ دیکھتے تھے کہ کون اثر و رسوخ والا ہے جسے ہاتھ میں لیا جائے تو وہ سلطان ایوبی کی خفیہ پالیسیوں اور جنگی پروگراموں سے قبل از وقت اطلاعات دے سکتا ہو اور اُن میں کون ایسا ہے جس کا فوج کے کچھ حصے پر اثر ہو اور وہ اس حصے کو اپنی سلطنت کے خلاف باغی کر سکتا ہو۔ ان پکے دینداروں اور مجاہدوں کو ہاتھ میں لینے کے لیے ان کے پاس کچھ طریقے تھے جن میں ایک اغوا کرنا اور اسے اپنا اتحادی بنانا تھا۔ ایک طریقہ قتل کا بھی تھا لیکن قتل کم ہی کرائے جاتے تھے۔ اگر ضرورت پڑے تو قتل حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتلوں سے کرایا جاتا تھا۔

نائب سالار حبیب القدس ایسا حاکم تھا جس قتل کرانے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ہاتھ میں لینا تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مصری فوج کی پانچ ہزار نفری اس کی مرید تھی۔ صلیبیوں کے مسلمان ایجنٹوں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ شخص ایمان نہیں جان دینے والا ہے اور اس میں اتنا شدید جذبہ اور غیر معمولی اہمیت ہے کہ اگر اسے اپنے انہی دستوں کے ساتھ ایک لاکھ کے لشکر کے خلاف لڑایا جائے تو شام کا سورج اتنی جلدی افق میں نہیں گرے گا جتنی جلدی اس کے آگے دشمن کی لاشیں اور ہتھیار گریں گے۔

صلیبیوں نے تجربہ کر لیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے کبھی اس کے پاس کوئی نوجوان اور غیر معمولی طور پر

خوبصورت لڑکی ایک نادار، یتیم اور مظلوم لڑکی کے بہروپ میں مدد لینے کے لیے بھیجی۔ کبھی کسی لڑکی کو کسی اور ذاتی کام سے بھیجا۔ ضیافتوں اور کھیل تماشوں میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں اُس کے پیچھے ڈالیں مگر وہ اس جال میں نہ آیا جیسے پتھر ہو۔ مصر میں بغاوت کرانا صلیبیوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی شام اور فلسطین کے علاقوں کے بکھرے ہوئے مسلمان امراء کو دلائل سے یا تلوار سے اپنا مطیع بناتا چلا جا رہا تھا اور اُس کے بعد اسے فلسطین کا رُخ کرنا تھا۔ اُس کی توجہ فلسطین سے ہٹانے کے لیے ایک طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ مصر میں اُس کی جو فوج ہے اُسے بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔

اس سے پہلے صلیبی سوڈانیوں کو مصری فوج کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ سوڈانی فوج نے حملہ کیا بھی تھا مگر سوڈانی فوج میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی تھی اور وہ توہم پرست تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ ہجوم کی صورت میں لڑتے اور ہجوم کی صورت میں بھاگ گئے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں مصر کے خلاف ہی رکھا، لیکن لڑنے کی نہ سوچی۔ اب بغاوت مصر کی فوج ہی سے کرائی جا سکتی تھی۔ اس کے لیے انہوں نے جو موزوں سالار دیکھا وہ حبیب القدوس تھا۔ جاسوسوں اور ماہرین نے اس کے اغوا کا فیصلہ کیا اور حسن بن صباح کے فرقے کے فدائیوں کو منہ مانگی اجرت دے کر اُن سے اغوا کرا لیا۔

اغوا کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک شام دو آدمی اس کے گھر گئے اور کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ وہاں کی مسجد کی چھت بیٹھ گئی ہے اور پوری مسجد ازسرِنو تعمیر کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رات کو گاؤں کے لوگ جمع ہو رہے ہیں اور وہ بھی چلیں تا کہ لوگ دل کھول کر مالی مدد دیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایسی جذباتی باتیں کیں کہ وہ اُن کے ساتھ چل پڑا۔ شہر سے باہر نکل گئے تو چار اور آدمی ملے۔ ان سب نے اُسے جکڑ لیا اور اس کھنڈر میں لے گئے۔ وہاں پہنچتے ہی اُسے دھوکے میں حشیش پلا دی۔ صلیبی جو اس سے بات کرنے اور اسے اپنا ہم خیال بنانے پر مامور تھا وہ کسی اور کام سے کہیں چلا گیا۔ اُسے اغوا کرنے والے کھنڈر میں موجود رہے۔ کھنڈر کے ایک کمرے میں اس کے لیے آسائش کی ہر چیز پہنچا دی گئی۔ دو لڑکیاں بھی تھیں جو حسین ہونے کے علاوہ دلوں کو موہ لینے اور پتھر جیسے سخت کردار کے آدمیوں کو بھی حیوان بنا دینے کے فن کی ماہر تھیں۔

ان سب کو معلوم تھا کہ اس نائب سالار کو کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ انہوں نے انعام و اکرام کے لالچ میں از خود ہی اس کے ذہن کو اپنے مخصوص طریقے سے اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہ طریقہ حشیش کی ایک خاص قسم سے نشہ طاری کرنے کا تھا جس کے دوران مطلوبہ فرد کے ذہن میں باتوں کے ذریعے نہایت دلکش تصورات ڈالے جاتے تھے۔ یہ ایک قسم کا ہپناٹائز کرنے کا طریقہ تھا۔ اس میں نیم عُریاں خوبصورت لڑکیاں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ یہ گروہ کئی دنوں سے حبیب القدوس پر یہ طریقہ استعمال کر رہا تھا اور اس نے اُن کے ساتھ مطلب کی باتیں شروع کر دی تھیں جن سے انہیں اُمید بندھ چلی تھی کہ انہوں نے اُس کے دماغ کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔

☆

اُدھر قاہرہ میں مصری فوج اور کوتوالی کے جاسوس اس کی تلاش میں پریشان ہو رہے تھے۔ سب کا یہی خیال تھا کہ وہ سوڈانیوں یا صلیبیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ علی بن سفیان کو معلوم تھا کہ حبیب القدوس کا اثر اپنے دستوں پر کس قدر زیادہ ہے اس لیے اس نے مصر کے قائمقام امیر کی اجازت سے سلطان ایوبی کو اطلاع دے دی تھی۔ توقع یہی تھی کہ وہ اپنے معتمد کمانداروں کو کوئی پیغام بھیجے گا۔ جاسوسوں اور سراغرسانوں نے ہر طرف نظر رکھی لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ اس کا پیغام کسی کی طرف نہیں آیا۔ یہ بھی دیکھا جا رہا تھا کہ ان دستوں میں سے کون سا کماندار غائب ہوتا ہے لیکن اتنے دنوں میں کوئی بھی غیر حاضر نہ ہوا۔

اتنے میں وہ صلیبی کھنڈرات میں آ گیا جسے حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرنی تھی۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ حشیش رکوائی اور حبیب القدوس کا نشہ اُترا۔ صلیبی نے پوری رات نشے کے اثرات اُترنے کا انتظار کیا۔ اگلے روز وہ حبیب القدوس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ ابھی سویا ہوا تھا۔ اس کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جب اُس کی نظر صلیبی پر پڑی تو وہ فوراً اُٹھ بیٹھا اور صلیبی کو بڑی غور سے دیکھنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ اتنے حیران اور پریشان نہ ہوں۔ یہ بدبخت آپ کو حشیش پلاتے رہے اور آپ کو بڑے خوبصورت خواب دکھاتے رہے ہیں۔ آپ حشیش اور فدائیوں کے اس طریقے سے یقیناً واقف ہوں گے۔ آپ کی توہین کی گئی ہے جس کی میں معافی چاہتا ہوں۔ میں آپ کو کوئی خواب نہیں دکھاؤں گا۔ بڑی خوبصورت حقیقت آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اپنے آپ کو قیدی نہ سمجھیں۔ میں آپ کا رتبہ اونچا کروں گا۔ کم نہیں ہونے دوں گا۔"

"یہ لوگ دھوکے میں مجھے یہاں لے آئے تھے۔" حبیب القدوس نے کہا۔ "پھر شاید یہ مجھے کہیں اور لے گئے تھے" اُس نے نگاہیں گھما کر ہر طرف دیکھا اور حیران سا ہو کے بولا۔ "وہ کوئی بہت ہی خوبصورت جگہ تھی..... مجھے یہاں کون لایا ہے؟"

"اپنے آپ کو بیدار کریں۔" صلیبی نے کہا۔ "یہ سب حشیش کا اثر تھا۔ آپ پہلے روز سے یہیں ہیں۔"

"مجھے اغوا کیا گیا تھا؟" حبیب القدوس نے حقیقت کو سمجھتے ہوئے ذرا رُعب سے کہا۔ "تم کون ہو؟"

"میں آپ کا ایک مسلمان بھائی ہوں۔" صلیبی نے کہا۔ "مجھے آپ سے لینا کچھ بھی نہیں کچھ دینا ہے۔"

"اگر میں لینے دینے سے انکار کر دوں تو؟"

"تو زندہ واپس نہیں جا سکیں گے۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ قاہرہ سے اتنی دُور ہیں کہ آپ کو میں نے آزاد کر دیا تو آپ راستے میں مر جائیں گے۔"

"مجھے وہ موت زیادہ پسند ہوگی۔" حبیب القدوس نے کہا۔ "میں اپنے دشمن کی قید میں نہیں مرنا چاہتا۔"

"نہ آپ قید میں ہیں نہ میں آپ کا دشمن ہوں۔" صلیبی نے کہا۔ "ان خبیثوں نے آپ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر کے آپ کو بدظن کر دیا ہے۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"ان باتوں کے لیے مجھے اغوا کر کے اتنی دُور لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

اُس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ اُس نے رُک رُک کر کہا۔ "وہ جہنم میں جل گیا ہے جو کہتا تھا خدا اشارہ دے گا۔ اس کے انجام سے عبرت حاصل نہ کرنے والو! تم سب اسی جہنم میں، اسی دنیا میں جلو گے۔ خدا نے تمہیں رات کو بجلی کی کڑک کی کوڑے، اشارہ دے دیا ہے۔ وہ سیاہ دھواں دیکھو۔ اللہ کے قہر سے ڈرو۔ اس کتاب کو مانو جو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ قرآن پاک ہے۔"

"خدا کے لیے ہمیں کچھ بتا۔" ایک بوڑھے نے آگے ہو کر پوچھا۔ "یہ سب کچھ کیا تھا؟ وہ کون تھا؟ تم کون ہو؟ ہمیں بتا کہ رات زمین کیوں لرزی تھی اور یہ سیاہ دھواں کیسا ہے؟"

"وہ مجذوب تھا۔" نے درویش نے کہا۔ "پاگل تھا۔ اُس نے اللہ کے رازوں کی دنیا میں دخل دیا۔ اللہ کے سوا کوئی اور فتح کا یا کسی خوشخبری کا اشارہ نہیں دے سکتا۔ فتح اور شکست، خوشی اور غم اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو اللہ کا ایلچی کہا اور گناہگار ہُوا۔ اُس نے سزا پالی۔ جا کر دیکھو۔ اُس کی ایک ہڈی بھی نظر نہیں آئے گی۔ وہ جس پہاڑ پر بیٹھا تھا اُس پہاڑ کو بھی سزا ملی۔ وہ سیاہ دھواں دیکھو۔ پہاڑ ابھی تک جل رہا ہے۔ اُس جھوٹے درویش کو اب بھی سچا مانو گے تو تم بھی جلو گے۔"

"ہمیں بتا سچا کون ہے؟" لوگوں نے پوچھا۔ "کیا تو سچا ہے؟"

"نہیں!" اُس نے جواب دیا اور قرآن بلند کر کے کہا۔ "اللہ کا یہ کلام سچا ہے۔ اُس درویش کو بھول جاؤ۔ اس کتاب کی بات مانو۔ جو اشارے اللہ نے اس میں دیئے ہیں وہ کوئی انسان نہیں دے سکتا۔"

وہ آگے کو چل پڑا۔

☆

وہ دن بھر موصل میں یہی صدا لگاتا پھرتا رہا۔ "وہ جہنم کی آگ میں جل گیا ہے۔ وہ اپنی آگ میں جل گیا ہے۔"

جہاں اُسے لوگ روک لیتے وہ اس موضوع پر وعظ دیتا کہ غیب کا حال کوئی انسان نہیں جانتا اور خدا کے اشارے یہی ہیں جو قرآن میں ہیں۔ اُس نے ظہر کی نماز ایک مسجد میں پڑھی، عصر کی کسی دوسری مسجد میں اور مغرب کی ایک اور مسجد میں پڑھی۔ وہ جس مسجد میں گیا وہاں نمازیوں کے ہجوم جمع ہو گئے۔ اُس نے ہر مسجد میں یہی وعظ دیا کہ برحق صرف قرآن ہے اور اے لوگو! قرآن کے اشاروں پر عمل کرو۔

وہ مغرب کی نماز پڑھ کر نکلا تو رات گہری ہو رہی تھی۔ وہ ایک ویرانے کی طرف چل پڑا۔ لوگ بھی اُس کے پیچھے چل پڑے۔ اُس نے سب کو روک کر کہا۔ "اب میرے پیچھے کوئی نہ آئے۔ میں ساری رات ویرانے میں عبادت کروں گا اور تمہارے گناہوں کی بخشش مانگوں گا۔"

اُس نے لوگوں پر ایسا تاثر پیدا کر دیا تھا کہ اُن کے دلوں سے پہلے درویش کی دہشت نکل گئی تھی۔ اس نے لوگوں سے وہیں رُکنے کو کہا تو وہ رُک گئے۔ اُس نے کچھ دعائیہ الفاظ کہے اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ لوگ وہیں کھڑے چہ میگوئیاں کرتے رہے۔ کسی میں اُس کے پیچھے جانے کی جرأت نظر نہیں آتی تھی مگر ایک آدمی ایسا تھا جو اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، لوگوں کی نظریں بچا کر درویش کے پیچھے جا رہا تھا۔ درویش لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر تیز

چلنے لگا تھا۔ اُس کے پیچھے جانے والے آدمی نے بھی قدم تیز کر لیے۔ اس کے قدموں کی آواز پر درویش رُکا اور پیچھے دیکھا۔ وہ آدمی جیسے اندھیرے میں درویش سائے کی طرح نظر آ رہا تھا فوراً رُکا اور بیٹھ گیا۔ درویش کچھ دیر رُکا رہا تو وہ چل پڑا لیکن وہ بار بار گھوم کر دیکھتا تھا۔

کچھ دور آگے گئے تو یہ آدمی درویش کے قریب پہنچ گیا۔ درویش نے بلند آواز سے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ کسی آیت کا ورد تھا۔ اُس نے قدم سست کر لیے۔ پیچھے والے آدمی نے اپنے کرتے سے خنجر نکالا اور دبے پاؤں وہ فاصلہ طے کیا جو اُس کے اور درویش کے درمیان رہ گیا تھا۔ اُس نے خنجر والا ہاتھ اوپر کیا۔ وہ پیچھے سے درویش پر وار کر کے اُسے ختم کرنے کو تھا۔ خنجر ابھی اوپر ہی تھا کہ درویش بجلی کی تیزی سے گھوما۔ اس نے اپنا موٹا عصا اوپر کو گھمایا۔ عصا اُس آدمی کی خنجر والی کلائی پر لگا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے اس آدمی کے پیٹ میں ایسی لات جمائی کہ وہ دوہرا ہو گیا۔ درویش کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا اس لیے وہ ایک ہی ہاتھ سے لڑ سکتا تھا۔ اس نے عصا اُس آدمی کے سر پر مارا۔ اُس کا خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

درویش نے خنجر اٹھا لیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ اُٹھ رہا تھا۔ درویش نے اُسے کہا۔ "خنجر میرے ہاتھ میں ہے۔ پیٹ کے بل لیٹے رہو۔"

وہ آدمی پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ درویش نے منہ سے کسی جانور کی آواز نکالی۔ ایسی ہی آواز دُور سے بھی سنائی دی۔ اِس نے پھر آواز نکالی۔ اندھیرے میں دوڑتے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ دو آدمی درویش کے قریب آ رُکے۔

درویش نے ہنس کر کہا۔ "اس بدبخت نے وہی حرکت کی ہے جس کا ہمیں پہلے ہی خطرہ تھا۔ مجھے تو اُمید تھی کہ اُس وقت موصل کے کسی مکان کی چھت سے تیر آئے گا اور میرے دل میں اُتر جائے گا لیکن انہوں نے مجھے رات کو اس سے قتل کرانے کی کوشش کی ہے۔ یہ لو اس کا خنجر۔" درویش نے زمین پر لیٹے ہوئے آدمی کو عصا کی ہلکی سی ضرب لگا کر کہا۔ "اُٹھ مردود! تو مسلمان ہے؟"

"ہاں میرے بزرگ!" اس شخص نے ادب سے کہا۔ "میں مسلمان ہوں۔"

درویش اور اُس کے دونوں ساتھیوں نے قہقہہ لگایا۔ درویش نے اُسے کہا۔ "مجھے بزرگ نہ کہو دوست! میں تم سے زیادہ جوان ہوں۔"

"تمہارا بہروپ کامیاب رہا ہے۔" درویش کو اُس کے ایک ساتھی نے کہا۔

اس آدمی کو تینوں اپنے ساتھ دُور ایک خیمے میں لے گئے جس کے قریب چار پانچ اونٹ بندھے تھے اور گرد چٹانیں تھیں۔ اس آدمی کو خیمے میں بٹھایا گیا۔ ایک دیا جل رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ درویش کا چہرہ تو جھریوں بھرا تھا جیسے وہ اسی سال کا بوڑھا ہو لیکن اب اُس کی آواز جوانوں جیسی تھی۔ درویش نے سفید داڑھی اور سر کے لمبے بال اتار دیئے۔ اُس کے ایک ساتھی نے اُسے پانی میں بھیگا ہُوا کپڑا دیا جو درویش نے اپنے منہ پر رگڑا۔ بڑھاپے کی جھریاں غائب ہو گئیں۔ اِن میں سے جو چہرہ برآمد ہُوا وہ ایک جوان آدمی کا چہرہ تھا جس پر سلیقے سے تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔

"تم اصل میں کون ہو؟" حملہ کرنے والے نے اس سے پوچھا۔

"جسے تم قتل کرنے آئے تھے۔" اُس نے کہا۔ "اب تم بتا دو کہ تمہیں کس نے میرے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ کچھ چھپانے کی کوشش کرو گے تو بہت بُری موت مرو گے۔"

"میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ بھی نہیں۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "مجھے محل کے ایک حاکم احمد بن عمرو نے کہا تھا کہ شہر میں ایک درویش پھر رہا ہے۔ اُس نے مجھے تمہارا حلیہ اور تمہاری صدائیں بتائی تھیں اور کہا تھا کہ اس درویش کو اندھیرے میں قتل کرنا ہے کسی کو پتہ نہ چلے۔ احمد بن عمرو نے کہا تھا کہ درویش کو قتل کر کے آؤ گے تو دو سو دینار ملیں گے۔"

"کیا احمد بن عمرو مجھے بوڑھا درویش سمجھ رہا تھا؟"

"اُس نے بتایا نہیں۔" اُس آدمی نے جواب دیا۔ "اُس نے یہی کہا تھا کہ درویش کو قتل کرنا ہے۔"

درویش کا بہروپ دھارنے والے اُس کے دونوں ساتھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمین دوز گروہ کے آدمی تھے جو موصل میں کام کر رہے تھے۔ پچھلی کہانی میں جس درویش کا ذکر آیا ہے اُس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے سلطان ایوبی کے گروہ کے ان آدمیوں نے ایک آدمی کو درویش بنایا اور اُسے شہر میں گھمایا تھا۔ لوگ توہم پرست تھے۔ درویشوں کو خدا کی آواز سمجھتے تھے۔ پہلے درویش کو صلیبیوں نے اپنے ایک فریب کی کامیابی کے لیے استعمال کیا تھا۔ سلطان ایوبی کے آدمیوں نے اپنے ایک جوان ساتھی کو درویش کے بہروپ میں پیش کر کے لوگوں کو توہم پرستی سے ہٹا کر دین کی طرف مائل کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔

احمد بن عمرو جو موصل میں ابن عمرو کے نام سے مشہور تھا، والئی موصل عزالدین کی انتظامیہ کا ایک اعلیٰ حاکم تھا جس کی حیثیت وزیر جیسی تھی۔ اُسے اطلاع ملی کہ ایک درویش شہر میں پہلے درویش کے خلاف صدائیں لگاتا پھر رہا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ سلطان ایوبی کے حامی گروہ کا آدمی ہے، لہٰذا اسے قتل کرنا ضروری ہے ورنہ لوگوں کو پہلے درویش کی اصلیت کا علم ہو جائے گا اور انہیں یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ پہاڑیوں میں کیا چل رہا ہے۔ سلطان ایوبی کے اس آدمی کو قتل کرنے کے لیے محل کے حفاظتی دستے کا ایک سپاہی منتخب کیا گیا اور اُسے دو سو دینار کا لالچ دے کر "درویش" کے قتل کے لیے بھیجا گیا۔ کرائے کا یہ قاتل جسے بوڑھا سمجھ رہا تھا وہ ایک جوان آدمی نکلا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ بڑھاپے کے بہروپ میں یہ جوان آدمی تجربہ کار لڑاکا جاسوس اور چھاپہ مار ہے۔

ابن عمرو کے بھیجے ہوئے اس قاتل کو دیئے کی روشنی میں خیمے میں بٹھا کر بہت کچھ پوچھا گیا لیکن اس سے کوئی راز معلوم نہ ہو سکا۔ وہ صلیبیوں کے کسی باقاعدہ جاسوس یا تخریب کار گروہ کا آدمی نہیں تھا۔ وہ اُجرت پر صرف قتل کرنے آیا تھا۔ جس آدمی نے درویش کا بہروپ دھارا تھا اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ تینوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے کر لیا۔ ان میں ایک اُٹھا اور خیمے سے رسّی کا ایک گز بھر لمبا ٹکڑا اٹھایا۔ وہ کرائے کے اس قاتل کے پیچھے ہو گیا اور تیزی سے رسّی اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر ایسا پھندا بنایا کہ یہ آدمی تڑپنے لگا اور ذرا سی دیر میں ٹھنڈا ہو گیا۔

☆

دوسرے دن احمد بن عمرو والئی موصل عزالدین کے ایک خاص کمرے میں اُس کے پاس کھڑا ہوا تھا اور عزالدین کے چہرے پر پریشانی تھی۔ احمد بن عمرو کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ ان کے سامنے فرش پر ایک لاش پڑی تھی جس کی گردن کے گرد رسّی لپٹی ہوئی تھی اور اس رسّی کے ساتھ کاغذ بندھا ہوا تھا جو عزالدین کے پاس تھا۔ یہ حفاظتی دستے کے اُس سپاہی کی لاش تھی جسے ابن عمرو نے درویش کو اندھیرے میں کہیں قتل کرنے کو بھیجا تھا۔ ابن عمرو ساری رات اس سپاہی کا انتظار کرتا رہا۔ صبح اُسے اطلاع ملی کہ اس کے گھر کے سامنے ایک لاش پڑی ہے۔ وہ باہر آیا۔ زمین پر اس کے سپاہی کی لاش پڑی تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ گردن کے گرد رسّی تھی اور رسّی کے ساتھ کاغذ بندھا تھا۔

کاغذ پر لکھا تھا: "عزالدین والئی موصل کے نام۔ تمہارے ایک حاکم، احمد بن عمرو نے اس سپاہی کو ہمارے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ ہم اس کی لاش عزت و احترام سے احمد بن عمرو کی دہلیز پر رکھ چلے ہیں۔ یہ بدنصیب سپاہی ہمیں قتل نہیں کر سکا۔ تم بھی اسی طرح کے بدنصیب ہو جو سلطان ایوبی کا ابھی تک کچھ نہیں بگاڑ سکے اور آئندہ بھی کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ کفار کی دوستی سے تم ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکو گے۔ ہم تمہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیں گے۔ ایک روز تمہاری لاش بھی تمہارے محل کی دہلیز پر پڑی ہو گی۔ احمد بن عمرو جیسے حاکموں اور مشیروں سے بچو۔ یہ خوشامدی تمہارا کبھی وفادار نہیں ہو سکتا۔ یہی لوگ تمہارے زوال کا باعث بنیں گے۔ [illegible] بیروت صلیبیوں کے ساتھ درپردہ معاہدے کے لیے گیا لیکن ہم نے اُسے لاپتہ کر دیا۔ وہ اب سلطان ایوبی کے پاس ہے۔ تمہارے صلیبی دوستوں نے پہاڑیوں کو کھود کر اُن کے اندر جنگی سامان رکھا۔ ہم نے یہ سامان نذرِ آتش کر کے تمہاری ریاست کو زلزلے کا جھٹکا دیا۔ تم نے اپنے ایک سپاہی کو میرے قتل کے لیے بھیجا اور ہم نے تمہارے سپاہی کی لاش تم تک پہنچا دی۔ ہم جنّوں اور بھوتوں کی طرح تم پر غالب رہیں گے مگر تم ہمیں دیکھ نہیں سکو گے۔ تمہارا زوال شروع ہو چکا ہے۔ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کرو اور اپنی فوج اس کے حوالے کر دو۔ ہمیں قبلۂ اوّل آزاد کرانا ہے۔ اس دنیاوی بادشاہی اور جاہ و جلال سے باز آ جاؤ۔ تخت و تاج نے کسی کا کبھی ساتھ نہیں دیا۔"

احمد بن عمرو نے لاش اپنے گھر کے سامنے سے اٹھوائی اور عزالدین کے سامنے جا رکھوائی۔ عزالدین نے بھی یہ تحریر پڑھی اور کاغذ ابن عمرو کو دے کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ ابن عمرو غصے کا اظہار کر رہا تھا لیکن عزالدین کا غصہ سرد ہو چکا تھا۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ مسجدوں میں بھی اس نئے درویش کے چرچے ہو رہے ہیں۔" عزالدین نے کہا۔ "اب اس تحریر سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کوئی درویش نہیں بلکہ صلاح الدین کا کوئی آدمی ہے۔" اُس نے کاغذ موڑ کر فرش پر پھینک دیا۔

"میں اسے تلاش کروں گا۔" ابن عمرو نے غصے سے کہا۔ "اور سرِعام اس کا سر تن سے جدا کروں گا۔"

"ٹھنڈے دل سے سوچو۔" عزالدین نے کہا۔ "اس ایک آدمی کو قتل کرا دینے سے تم صلاح الدین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہمیں کچھ اور کرنا ہے، کچھ اور سوچنا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ صلیبی صلاح الدین پر حملہ کریں

مگر معلوم نہیں وہ آگے کیوں نہیں آرہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں صلاح الدین سے براہِ راست ٹکرلوں پھر وہ میری مدد اس طرح کریں گے کہ اُن کے چھاپہ مار دستے صلاح الدین کے پہلوؤں اور عقب پر اور اس کی رسد پر شب خون مارتے رہیں گے۔ اس طرح مجھے میدانِ جنگ میں برتری اور کامیابی حاصل ہوگی۔"

"اور ضرور ہوگی"۔۔۔ بن عمرو نے فرش پر پاؤں مارتے ہوئے کہا۔

"اس تحریر میں صحیح لکھا ہے کہ تم خوشامدی ہو"۔ عزالدین نے کہا۔ "میں ایک اُلجھن میں پڑا ہُوا ہُوں اور تم خوش کرنے کے لیے بچوں کی طرح باتیں کررہے ہو۔ کیا تم مجھے کوئی بہتر مشورہ نہیں دے سکتے؟"۔۔۔ اُس نے تالی بجائی۔ ایک نوجوان خادمہ دوڑی آئی۔ اس نے جھک کر سلام کیا۔ عزالدین نے کہا۔۔۔ "دربان سے کہو یہ لاش اٹھوالے اور کہیں دفن کردے"۔۔۔ یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا جو اس کا خاص کمرہ تھا۔ احمد بن عمرو بھی ساتھ تھا۔ عزالدین پھر ادھر آیا اور خادمہ سے کہا۔۔۔ "صراحی اور پیالے لے آؤ۔ دربان سے کہو کسی کو ادھر نہ آنے دے۔"

☆

خادمہ نے لاش دیکھی تو وہ ڈر گئی۔ اس کی نظر مروڑے ہوئے کاغذ پر پڑی۔ وہ عربی پڑھ سکتی تھی۔ اُس نے تحریر پڑھی اور کاغذ اپنے کپڑوں کے اندر چھپا لیا۔ دوڑ کر باہر گئی۔ دربان سے کہا کہ لاش اٹھوا کر دفن کرادے اور صراحی اور دو پیالے سنہری تھال میں رکھ کر عزالدین کے کمرے میں چلی گئی۔

"شاہ آرمینیا نے میرے پیغام کا جواب دے دیا ہے"۔ عزالدین بن عمرو سے کہہ رہا تھا۔ "اُس نے مجھے اپنے دارالحکومت تل خالد میں ملنے کی بجائے مجھے ہرزم بلایا ہے۔ وہ تل خالد سے روانہ ہوگیا ہے۔ میں دو روز بعد اُسے ملنے جارہا ہوں۔"

خادمہ نے پیالوں میں جلدی جلدی شراب ڈالنے کی بجائے کپڑے سے پیالے پونچھنے شروع کردیئے۔ اُس کے کان عزالدین کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

"میرا خیال ہے شاہ آرمینیا تل خالد سے ہرزم جانے کی غلطی کررہا ہے"۔ بن عمرو نے کہا۔

"کیونکہ صلاح الدین تل خالد کی طرف پیش قدمی کررہا ہے"۔ عزالدین نے کہا۔۔۔ "تمہیں یہ ڈر ہے کہ شاہ آرمینیا کی غیر حاضری میں صلاح الدین ایوبی تل خالد کو محاصرے میں لے لے گا۔۔۔۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہُوا بھی تو ہم صلاح الدین کی فوج پر عقب سے حملہ کردیں گے۔ ہم اس لڑائی کو طول دیں گے اور صلیبیوں کو اطلاع دیں گے کہ وہ بھی صلاح الدین پر حملہ کردیں۔ مجھے یقین ہے کہ صلاح الدین کی فوج پس کے رہ جائے گی۔"

"آپ کب جارہے ہیں؟"۔۔۔ بن عمرو نے پوچھا۔

"دو روز بعد"۔ عزالدین نے جواب دیا۔

خادمہ شراب پیش کرنے میں اس سے زیادہ تاخیر نہیں کرسکتی تھی۔ اُس نے پیالوں میں شراب ڈالی اور دونوں کو پیش کی۔ عزالدین نے اُسے کہا کہ وہ چلی جائے۔ وہ ڈیوڑھی نما کمرے میں گئی تو وہاں سے لاش اٹھائی جاچکی تھی۔

خادمہ ابھی وہاں سے باہر نہیں جاسکتی تھی۔ اُسے ڈیوٹی پر رہنا تھا۔ وہ بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ اچانک اُس کے منہ سے ہائے نکلی۔ اُس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ لیے اور دوہری ہوگئی۔ دربان اور دوسرے ملازم دوڑے آئے۔ اس نے کراہتے ہوئے بتایا کہ اُسے پیٹ میں اچانک درد اٹھا ہے۔ اُس کی جگہ فوراً دوسری خادمہ بلا کر وہاں بٹھادی گئی اور اسے طبیب کے پاس لے گئے۔ طبیب کو اُس نے بتایا کہ اسے پیٹ میں درد ہے۔ اسے دوائی دی گئی۔ اُس نے کہا کہ وہ کام کے قابل نہیں رہی۔

کچھ دیر بعد اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ طبیب نے اُسے دو دنوں کی چھٹی لکھ دی اور اُسے کہا کہ اپنے گھر چلی جائے۔ وہ اپنے گھر کو جانے کی بجائے غلام گردشوں وغیرہ سے گزرتی عزالدین کی بیوی رضیع خاتون کے کمرے میں چلی گئی۔ رضیع خاتون کے متعلق پہلے تفصیل سے بتایا جاچکا ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ تھی۔ عزالدین نے اُس کے ساتھ شادی کرلی تھی۔ رضیع خاتون نے اس اُمید پر شادی قبول کی تھی کہ عزالدین کو وہ سلطان ایوبی کا دوست اور اتحادی بنادے گی اور مسلمان اُمرا اور حکمران متحد ہوکر فلسطین سے صلیبیوں کو نکال دیں گے۔ اگر عزالدین نے جس نیت سے شادی کی تھی وہ رضیع خاتون کی نیت سے اُلٹ تھی۔ دمشق، بغداد اور ان مقامات کے گرد و نواح کے تمام علاقوں پر رضیع خاتون کا اثر تھا اور رضیع خاتون اپنے مرحوم خاوند نورالدین زنگی کی طرح سلطان ایوبی کی معتقد اور اُس کے نیک عزائم کی حامی تھی۔ اُس نے جوان لڑکیوں کی فوج بنا رکھی تھی۔

عزالدین نے اِس عظیم خاتون کے ساتھ اس نیت سے شادی کی تھی کہ اسے سلطان ایوبی کے خلاف استعمال کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہوسکا تو اُسے زوجیت کی قید میں رکھے تاکہ دمشق اور بغداد کے لوگ اس کی قیادت سے محروم ہوجائیں۔ رضیع خاتون نے شادی کے بعد اُس کی نیت پہچان لی تھی۔ پہلے تو اُس نے احتجاج کیا لیکن عورت عقل والی تھی۔ اُس نے عزالدین پر اپنا اعتماد پیدا کرکے جاسوسی شروع کردی اور شہر میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس تھے، ان کے ساتھ درپردہ رابطہ قائم کرلیا۔ اس کی بیٹی (جو زنگی کی بیٹی تھی) شمس النسا جوان تھی۔ وہ بھی جاسوسی کررہی تھی۔ ماں بیٹی نے سلطان ایوبی تک بڑے قیمتی راز پہنچائے تھے۔ اس کے ساتھ ہی رضیع خاتون نے عزالدین کے دو سالاروں اور ایک مشیر کو اپنے ہاتھ میں کرلیا تھا۔ عزالدین کو اُس نے یقین دلا دیا تھا کہ وہ اب سلطان ایوبی کے حق میں نہیں رہی یا کم از کم اس کے خلاف نہیں رہی۔ رضیع خاتون خوبصورت عورت تھی۔ اس نے نسوانیت کی شیرینی اور زبان کی چاشنی سے عزالدین کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی محل کے اندر بھی جاسوسوں کا گروہ بنا لیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ عزالدین کی نوجوان خادمہ اندر آئی۔

"پیٹ درد کا بہانہ کرکے آئی ہوں"۔ خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا۔ "طبیب نے آج اور کل کی چھٹی دے دی ہے"۔ اُس نے قمیض کے اندر سے وہ کاغذ نکالا جو اُس نے لاش سے اٹھایا تھا۔ کاغذ رضیع خاتون کو دیا اور اسے بتایا کہ یہ کاغذ ایک سپاہی کی لاش کے ساتھ تھا۔

رضیع خاتون نے تحریر پڑھی اور بولی۔۔۔ "آفرین، ہمارے مجاہد کام کررہے ہیں"۔ تو اُس کا مطلب یہ ہُوا کہ ان

کمبختوں نے ہمارے آدمی کو قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ ہمارے اس درویش نے لوگوں کے دلوں سے صلیبیوں کے درویش کی دہشت اور وہم نکال دیا ہے۔"

"یہ تحریر اُسی کی ہے"۔ خادمہ نے کہا۔ "میں اُس کا ہاتھ پہچانتی ہوں۔"

رضیع خاتون نے ہنس کر کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم اُس کا ہاتھ ہی نہیں اُس کا دل بھی پہچانتی ہو، لیکن یہ خیال رکھنا کہ دلوں کے جال میں ہی نہ اُلجھ جانا۔ فرض پہلے۔"

خادمہ شرما سی گئی۔ کہنے لگی۔ "ابھی تک اپنے جذبات کو فرض کے راستے میں نہیں آنے دیا۔ میں فہد کو بھی کہا کرتی ہوں کہ اُسے مجھ سے دلی محبت ہے تو اپنے فرض کو جذبات پر حاوی رکھے۔"

فہد ہی جوان سال آدمی تھا جس نے درویش کا روپ دھارا تھا۔ وہ بغداد کا رہنے والا تھا۔ اُس میں جاسوس بننے کی تمام تر خوبیاں موجود تھیں۔ خوبرو جوان تھا۔ دو سال سے موصل میں مقیم تھا اور کامیابی سے جاسوسی کر رہا تھا اور نظریاتی محاذ پر بھی اُس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نمایاں کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ اسی سلسلے میں اس کی ملاقات عزالدین کی اس خادمہ سے ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے دل میں اُتر گئے تھے۔ خادمہ شہر میں رہتی تھی لیکن اُس کا زیادہ وقت محل میں گزرتا تھا۔ جاسوسی کی زمین دوز کارروائیوں کے علاوہ بھی ان دونوں کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

"میں جو خبر لائی ہوں وہ ابھی بتائی ہی نہیں"۔ خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا۔ "عزالدین دو روز بعد شاہ آرسینیلاسے ملنے ہرزم جا رہے ہیں۔ میں نے شراب پیش کرنے کے دوران اُن سے یہ بات سُنی ہے۔ وہ احمد بن عمرو کو بتا رہے تھے کہ شاہ آرسینیلا نے انہیں پیغام بھیجا ہے کہ وہ تل خالد سے ہرزم روانہ ہو رہا ہے اور عزالدین اسے وہاں ملیں۔۔۔ میں رات سے فارغ نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے پیٹ کے درد کا بہانہ بنایا اور آپ تک پہنچی ہوں۔"

رضیع خاتون نے اپنے زانو پر ہاتھ مار کر کہا۔ "صلاح الدین ایوبی تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے مجھے معلوم نہیں کہ تل خالد میں اپنے جاسوس ہیں یا نہیں۔ یہ خبر صلاح الدین تک پہنچنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ ان دونوں کو ہرزم میں پکڑ لے۔ یہ کام تم ہی کرو۔ فہد یا اس کے کسی اور ساتھی تک پہنچو اور اسے یہ خبر سنا کر میرا پیغام دو کہ صلاح الدین ابھی تل خالد کے راستے میں ہوگا، یہ خبر اس تک پہنچا دو۔ ابھی جاؤ۔"

خادمہ چلی گئی۔

☆

کچھ ہی دیر بعد عزالدین رضیع خاتون کے کمرے میں داخل ہُوا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ بڑی صاف تھی۔ رضیع خاتون کو معلوم تھا کہ وہ کیوں پریشان ہے، پھر بھی اس پریشانی کی وجہ پوچھی۔

"میں صلاح الدین ایوبی کی دشمنی اور صلیبیوں کی دوستی کے چکروں میں پِس رہا ہوں"۔ عزالدین نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری تمام تر دلچسپیاں آپ کے ساتھ ہیں"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "مگر میں صلاح الدین کے حق میں

کوئی بات کرتی ہوں تو آپ کو شک ہوتا ہے کہ میں اُس کی حامی اور آپ کے خلاف ہوں۔ آپ کی پریشانی کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کے اور صلاح الدین کے درمیان عداوت پیدا ہو گئی ہے، اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے اُس قوم کو دوست سمجھ لیا ہے جو آپ کی دوست ہو سکتی ہے آپ کے مذہب کی دشمن ہی رہے گی۔ صلیبی اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے آپ کو دھوکہ دیں گے اور ضرور دیں گے۔"

"تو کیا میں صلاح الدین کے قدموں میں جا کر تلوار رکھ دوں؟" عزالدین نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "اگر میں ایسا کر گزروں تو اپنی فوج کے سامنے کس منہ سے کھڑا ہوں گا؟"

"صلاح الدین آپ کو اپنا محکوم نہیں اپنا اتحادی بنانا چاہتا ہے"۔ رضیع خاتون نے کہا۔

"تم اس شخص کی نیت کو نہیں سمجھ سکی"۔ عزالدین نے کہا۔ "وہ سلطنتِ اسلامیہ کی بات کرتا ہے مگر اُسے اپنی ذاتی سلطنت بنائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ آپ اس سے لڑیں گے"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو پریشان ہونے کی بجائے جنگ کی تیاری کریں۔ فوج میں اضافہ کریں۔"

"میری پریشانی یہ ہے کہ صلاح الدین نے جاسوسوں اور تباہ کاروں کا جال بچھا دیا ہے"۔ عزالدین نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میرا اتنا قابل فوجی مشیر احتشام الدین بیروت بالڈون سے معاہدہ کرنے گیا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ صلاح الدین کے ساتھ ہے۔ ہمارے تمام راز اُس کے پاس ہیں۔ میں نے صلیبیوں سے آتش گیر سیال اور دیگر سامان کا ذخیرہ اپنے قریب جمع کرایا تھا۔ وہ تباہ ہو گیا ہے۔ آج میرے حفاظتی دستے کے ایک سپاہی کی لاش میرے پاس آئی ہے۔"

"اُسے کسی نے قتل کیا ہے؟" رضیع خاتون نے انجان بن کر پوچھا۔

"ہاں"۔ عزالدین نے اصل بات پر پردہ ڈال کر کہا۔ "اُسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اسے ایک خاص کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کے قاتل صلاح الدین کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

اس لاش کے ساتھ فہد کا لکھا ہُوا جو کاغذ تھا وہ رضیع خاتون کے پاس تھا لیکن وہ انجان بنی رہی۔ اُس نے سوچا کہ عزالدین گھبرایا ہُوا ہے، اس پر اور زیادہ گھبراہٹ طاری کی جائے۔

"آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ صلاح الدین صرف میدانِ جنگ میں نہیں لڑتا"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "وہ جب اپنے گھر میں سویا ہوا ہوتا ہے تو اس کے دشمن سمجھتے ہیں جیسے وہ اُن کے سر پر بیٹھا ہے۔ اِس وقت وہ تل خالد کی طرف جا رہا ہے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ موصل میں بیٹھا ہے اور اپنی نگرانی میں تباہی کرا رہا ہے۔ صلیبیوں کی فوج کا اندازہ کریں۔ صلاح الدین کی فوج سے دس گنا زیادہ ہے مگر صلیبی آگے بڑھ کر اُس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ صلیبیوں کے مقابلے میں آپ کے پاس جو فوج ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ آپ کی فوج میں ایسے کماندار موجود ہیں جو آپ کے وفادار نہیں۔ وہ آپ کو دھوکہ دے سکتے ہیں۔"

عزالدین اور زیادہ گھبرا گیا اور بولا۔ "میں اس حد تک پہنچ چکا ہوں جہاں سے میں آسانی سے واپس نہیں

آسکتا۔ میں دو روز بعد کہیں باہر جا رہا ہوں۔ اگر حالات نے ساتھ دیا تو کامیاب ہو جاؤں گا۔" وہ چپ ہو کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد بولا — "رضیع! میں نے ایک اُمید تمہارے ساتھ وابستہ کر رکھی ہے۔"

"میں آپ کی ہر اُمید پوری کروں گی۔" رضیع خاتون نے کہا — "اگر آپ مجھے صلاح الدین کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کو کہیں گے تو میں کر گزروں گی۔ میں آپ کے ایک بچے کی ماں بن چکی ہوں۔ مجھے بتائیں میں آپ کی کون سی اُمید پوری کر سکتی ہوں۔ مجھے کسی کڑی آزمائش میں ڈالیں۔"

"میں باہر جا رہا ہوں۔" عزالدین نے کہا۔ "مجھ سے ابھی یہ نہ پوچھنا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اُسے ابھی راز میں رکھنا ہے۔ اس کے بعد میں صلاح الدین کے خلاف کوئی کارروائی کروں گا۔ اگر حالات میرے خلاف ہو گئے تو میں تم سے اُمید رکھوں گا کہ تم میری طرف سے سلطان ایوبی کے پاس جاؤ گی اور اس کے ساتھ میرا سمجھوتہ کرا دو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت میں اُس کے پاس جاؤں تو وہ مجھے ملنے سے بھی انکار کر دے۔"

رضیع خاتون نے اُسے یہ مشورہ نہ دیا کہ وہ شکست سے پہلے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ سمجھوتہ کر لے۔ اُس نے عزالدین سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اسے خادمہ بتا گئی تھی کہ وہ ہرزم شاہ آرمینیا سے ملنے جا رہا ہے اور یہ سلطان ایوبی کے خلاف محاذ بن رہا ہے۔ رضیع خاتون کو وہ ابھی نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے کیونکہ اُسے وہ راز رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی جاسوسہ سے باتیں کر رہا ہے۔ تاہم رضیع خاتون نے اسے یقین دلایا کہ وہ جب بھی کہے گا سلطان ایوبی کے ساتھ اس کا سمجھوتہ کرا دیا جائے گا۔ عزالدین کی گھبراہٹ سے رضیع خاتون کو خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

عزالدین سر جھکائے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ رضیع خاتون کی ذاتی خادمہ جو اسی کی عمر کی تھی اندر آئی اور رضیع خاتون سے پوچھا کہ والئی موصل بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ یہ خادمہ بھی رضیع خاتون کے زمین دوز گروہ کی فرد تھی۔

"ایمان اور کردار سے منحرف ہو کر انسان کی یہی حالت ہُوا کرتی ہے۔" رضیع خاتون نے کہا۔ "یہ حکمران جو قوم سے الگ ہو کر اپنی اپنی ریاستوں کے بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں کسی درخت کی اُن ٹہنیوں کی مانند ہیں جو درخت سے الگ ہو گئی ہیں۔ ان کی قسمت میں اب یہی لکھا ہے۔ ان کے پتے جھڑ جائیں گے، بکھر جائیں گے اور یہ ٹہنیاں سوکھ کر مٹی میں مل جائیں گی۔ یہ حکومت کا لالچ ہے جس نے میرے خاوند کو شراب اور عورت کا شیدائی بنایا ہے۔ اس شخص نے صلیبیوں کا میٹھا زہر اپنی رگوں میں انڈیل لیا ہے۔ عزالدین میدانِ جنگ کا بادشاہ تھا۔ اُس کی تلوار سے صلیب کا دل کانپتا تھا لیکن آج اُس کے دل پر خوف طاری ہے۔ اُس شخص کی جرأت جواب دے گئی ہے۔ مجھ سے، ایک عورت سے مدد مانگ رہا ہے۔ بادشاہی کا نشہ، شراب اور عورت انسان کا یہی حشر کیا کرتی ہے۔ اُس کی قسمت میں شکست لکھ دی گئی ہے۔ جب ایک سالار تخت و تاج کا خواہاں ہو جاتا ہے تو اُس کی پوری فوج دین و ایمان سے دست بردار ہو جاتی ہے، پھر ملک و ملت کا وقار خاک میں ملتا ہے اور دشمن سر پہ سوار ہو جاتا ہے۔"

وہ نوجوان خادمہ جو فہد کو یہ پیغام دینے نکلی تھی کہ عزالدین شاہ آرمینیا سے ملنے ہرزم جا رہا ہے، اُس ٹھکانے پر گئی جہاں فہد کو ہونا چاہیے تھا مگر وہاں تالا لگا ہُوا تھا۔ فہد بظاہر شتربانوں کے بھیس میں رہتا تھا۔ وہ دو اونٹ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور تاجروں وغیرہ کا سامان اِدھر اُدھر لے جاتا تھا۔ وہ اُس جگہ گئی جہاں وہ اپنے اونٹوں کے ساتھ بیٹھا یا کھڑا ہوتا تھا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ اُس نے ایک شتربان سے پوچھا کہ فہد کہاں ہے۔ شتربان کی حیثیت سے اس کا نام کچھ اور تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ وہ اونٹوں پر سامان لاد کر فلاں جگہ چلا گیا ہے۔ خادمہ اُدھر کو چل پڑی — اور اُسے پتہ نہ چلا کہ ایک اور آدمی اس کے تعاقب میں آ رہا ہے۔

یہ آدمی تھا تو موصل کا مسلمان لیکن صلیبیوں کا جاسوس تھا اور اس کا تعلق عزالدین کے محل کے عملے سے تھا۔ اس نے خادمہ کو طبیب کے پاس پیٹ کے شدید درد کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ اس لڑکی کو جانتا تھا۔ اُس نے اس لڑکی کو اُس وقت بھی دیکھا تھا جب وہ دوائی لے کر ابھی ابھی نکل رہی تھی۔ اُسے یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ رضیع خاتون سے مل کر آئی ہے۔ اُس نے یہ دیکھا تھا کہ لڑکی اتنی تیز چل رہی تھی جیسے اُسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ یہ آدمی صلیبیوں کا تیار کیا ہُوا جاسوس تھا۔ اُسے اس لڑکی پر شک ہُوا۔ عزالدین کا اپنا جاسوسی کا انتظام تو اتنا اچھا نہیں تھا۔ صلیبیوں نے اُسے بتائے بغیر وہاں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ اُن کے ذمے دو کام تھے۔ ایک یہ کہ عزالدین پر نظر رکھیں کہ وہ کہیں در پردہ سلطان ایوبی کا دوست تو نہیں بن رہا۔ دوسرا یہ کہ ان افراد کی نشان دہی کریں جو عزالدین کے محل میں اور موصل میں موجود ہیں اور جاسوسی کر رہے ہیں۔

صلیبیوں کے اس جاسوس نے اس لڑکی کا تعاقب شروع کر دیا اور جب دیکھا کہ وہ اور زیادہ تیز چل رہی ہے اور کسی کو ڈھونڈتی پھرتی ہے تو اُس کا شک پختہ ہو گیا۔ اُسے اب یہ دیکھنا تھا کہ وہ کسے ڈھونڈ رہی ہے اگر یہ لڑکی واقعی جاسوس ہے تو اس سے ایک یا ایک سے زیادہ جاسوسوں کو پکڑا جا سکتا تھا۔ لڑکی کو اب ایک شتربان نے بتایا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ وہ اس طرف جا رہی تھی اور جاسوس اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

ایک جگہ اونٹوں سے سامان اُتارا جا رہا تھا۔ فہد بھی سامان اُتار رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کو دیکھ لیا۔ قریب سے گزرتے ہوئے لڑکی نے فہد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور آگے نکل گئی۔ فہد کو معلوم تھا کہ وہ کہاں اس کا انتظار کرے گی۔ جاسوس اُس کے پیچھے لگا رہا۔ لڑکی کو معلوم نہ تھا۔ فہد نے جلدی جلدی اپنے اونٹوں سے سامان اُتارا اور لڑکی کے پیچھے گیا۔ اُس نے ایک اونٹ کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ دوسرے اونٹ کی مہار اس اونٹ کے پیچھے بندھی تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ فہد لڑکی کے ساتھ ہو گیا۔ لڑکی رُکی نہیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے دھیان سے جا رہی ہو۔ فہد بھی بظاہر اُس کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا لیکن لڑکی اُسے پیغام دے رہی تھی۔

چند قدموں تک لڑکی نے پیغام سنا دیا اور کہا — "یہ کام کر کے آؤ گے تو وہاں ملوں گی جہاں ہم کچھ دیر بیٹھا کرتے ہیں۔ ابھی نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے فرض سے بھٹک جائیں... تمہیں معلوم ہو گا سلطان کی فوج کہاں ہو گی؟"

"مجھے معلوم ہے۔" فہد نے جواب دیا — "میں ابھی روانہ ہو جاؤں گا۔"

"خدا حافظ" ... لڑکی نے کہا۔

"فی امان اللہ"

لڑکی ایک طرف مڑ گئی۔ وہ ایک گلی تھی۔ تب اس نے گھوم کر دیکھا۔ ایک آدمی اُس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اُسے یاد آیا کہ اس آدمی کو اُس نے قید کی تلاش کے دوران تین چار مرتبہ دیکھا تھا۔ اُسے یہ بھی خیال آیا کہ اس آدمی کو اُس نے محل میں بھی دیکھا ہے۔ ذہن پر زور دیا تو اُسے یاد آیا کہ یہ شخص محل میں ملازم ہے۔ لڑکی کو کچھ شک ہوا۔ اُس نے اُس آدمی کی نیت معلوم کرنے کے لیے گلیوں کے دو تین موڑ مڑے۔ یہ آدمی اُس کے پیچھے رہا۔ لڑکی آبادی سے باہر نکل گئی۔ یہ آدمی بھی باہر نکل گیا۔ کچھ دُور درختوں کا جھنڈ تھا۔ لڑکی وہاں بیٹھ گئی۔ یہ آدمی آگے نکل گیا۔ اسے شاید یہ شک ہوا ہوگا کہ لڑکی کسی کے انتظار میں بیٹھی ہے۔ وہ بہت آگے چلا گیا۔

لڑکی ہوشیار تھی۔ وہ جلدی سے قریب کی جھاڑیوں میں چھپ گئی۔ وہاں سے سرکتی جھاڑیوں سے نکلی اور ایک گلی میں غائب ہو گئی۔ وہ آدمی دُور جا کر واپس آیا۔ اب اُس نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ لڑکی کے پاس کوئی آدمی بیٹھا ہوگا مگر اُس نے قریب آ کر دیکھا وہاں لڑکی نہیں تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ لڑکی کا نام و نشان نہیں تھا۔

لڑکی اپنے گھر پہنچ چکی تھی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی آرمینیا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا خطرہ مول لے رکھا تھا۔ صلیبی افواج کسی بھی وقت متحد ہو کر اُس پر حملہ کر سکتی تھیں اور وہ اکیلا تھا۔ مسلمان اُمرا اس کے خلاف تھے۔ وہ اپنی ریاست اور حکمرانی الگ الگ قائم کرنے کے لیے وہ اپنا ایمان صلیبیوں کے ہاتھ بیچ چکے تھے۔ خانہ جنگی تک ہو چکی تھی جو صلیبیوں کی درپردہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اب سلطان ایوبی ان تمام مسلمان امرا کو بزورِ شمشیر اپنے محاذ پر متحد کرنے کا عزم لیے ہوئے تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ ان میں سے جو میری صفوں میں نہیں آتا وہ خود مختار بھی نہیں رہے گا۔ اُس نے چند ایک قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں کے امرا اور قلعہ داروں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اب وہ ان حکمرانوں کی طرف بڑھ رہا تھا جو کچھ طاقت رکھتے تھے۔ وہ کمال دلیری سے ان دشمنوں کے درمیان فوج کو گھما پھرا رہا تھا اور یہ بہت بڑا خطرہ تھا۔

"اگر تمہارے ارادے نیک ہیں تو تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے" سلطان ایوبی تل خالد کے راستے میں ایک پڑاؤ کیے پڑا تھا۔ اس نے اپنے خیمے میں سالاروں کو بلا رکھا تھا۔ کہہ رہا تھا — "میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔ اگر تم میں سے کوئی میرے اس فیصلے سے متفق نہیں کہ میں صلیبیوں کی طرف سے بے خبر ہو کر غلط سمت کو چل پڑا ہوں تو میں اسے حق بجانب سمجھوں گا۔ میں اُسے یہ نہیں کہوں گا کہ وہ میرا حکم مانے اور میرے غلط فیصلے پر عمل کرے۔ میں اسے یہی کہوں گا کہ وہ میرے مقصد کو سمجھے اور دل سے تمام خوف اور وسوسے نکال دے۔ ہماری منزل یروشلم ہے۔ بیت المقدس، قبلۂ اوّل — خدا نے ہمیں اس کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ ہمارے بھائی ایمان فروش نکلے

انہیں قبلۂ اوّل نہیں حکمرانی چاہیے.... یاد رکھو میرے رفیقو! جب تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں یہ نہیں [illegible] دور کی فوج بزدل اور نااہل تھی۔ شکست کی لعنت ہمیشہ فوج کے حصے میں آتی ہے۔ حالانکہ غدار کے درپردہ دوست ہی ہوتے ہیں۔ آنے والی نسلیں فوج پر لعنت بھیجیں گی.....

"ہمیں خدا کے حضور بھی جانا ہے۔ خدا نے ہم پر جو فرض عائد کیا ہے وہ ہمیں پورا کرنا ہے۔ اس دین کی سربلندی میں جان دینی ہے۔ مرکز سے الگ ہونے والوں کے لیے میرے دل میں کوئی رحم نہیں۔ اگر ہم نے آج الگ الگ ریاستیں بنانے کے رجحان کو نہ روکا تو ایک دن یہی رجحان اسلام کے زوال کا باعث بنے گا۔ کہنے کو یہ اسلامی ملک ہوں گے لیکن اپنی بادشاہیاں اور عیش و عشرت قائم رکھنے کے لیے اپنے طاقتور دشمن کے ساتھ سمجھوتے کرتے اور اپنا ایمان نیلام کرتے پھریں گے۔ اپنے طاقتور دشمن کو خوش کرنے کے لیے درپردہ ایک دوسرے کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہیں گے۔ اُن کا کمزور سا دشمن بھی ان کے لیے طاقتور ہوگا۔ ایک حکمران اپنی پوری رعایا کو بے وقار بنا دے گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ قوم کے بکھرے ہوئے شیرازے کو آج ہی سمیٹ لیں....

"میں اب یہ باتیں بار بار اس لیے کر رہا ہوں کہ اپنا نقطۂ نظر جو وقت کی ایک ضرورت ہے تمہارے دلوں پر نقش ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ اپنے کسی ایسے بھائی کو دیکھ کر جو ہمارے مذہب کا دشمن ہو، تمہاری تلوار جھک جائے۔ قوم کی مرکزیت اور اتحاد کو ختم کرنے والا بھائی دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے.... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہم تل خالد کے محاصرے کے لیے جا رہے ہیں اور یہ ہمارا آخری پڑاؤ ہے۔ اس کے آگے تل خالد ہے۔ محاصرے کے لیے میں تم سب کو بتا چکا ہوں کہ کس کس کے دستے ہوں گے۔ محفوظہ میرے ہاتھ میں ہوگا۔ چھاپہ مار دستے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر اُن راستوں کو نظر میں لے لیں گے جن سے صلیبی فوج کے آنے کا خطرہ ہو سکتا ہے یا آرمینیا کی فوج محاصرہ توڑنے کے لیے آ سکتی ہے۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق صلیبی حملے کا خطرہ نہیں، پھر بھی احتیاط لازمی ہے....

"ہم آرمینیا پر قبضہ نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں شاہ آرمینیا سے اپنی شرائط تسلیم کرانی ہیں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ عزالدین شاہ آرمینیا کی مدد کا طلب گار ہے۔ ہمیں آرمینیا پر طوفان بن کر سوار ہو جانا ہے تاکہ شاہ آرمینیا عزالدین کو مدد نہ دے سکے لیکن میں تمہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ یہ عین ممکن ہے کہ آرمینیا کی فوج اور شہری ہمارا مقابلہ اتنا سخت کریں کہ ہمیں پسپا ہونا پڑے۔ اس صورت میں عزالدین بھی ہم پر حملہ کر سکتا ہے اور حلب کا والی عماد الدین بھی۔ ہمیں گرتا دیکھ کر چھوٹے چھوٹے امرا بھی ہمیں گھوڑوں تلے روندیں گے۔ ان نتائج اور خطروں کو سامنے رکھ کر ہمیں لڑنا ہے۔ میں تمہیں نقشہ دکھا چکا ہوں۔ کسی کے دل میں کوئی شک ہو تو رفع کر دو۔ یہ محاصرہ اور حملہ ہمیں اتنی بڑی مشکل میں ڈال سکتا ہے کہ ہم شکست بھی کھا سکتے ہیں۔"

☆

رات کا پہلا پہر تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی اس آخری پڑاؤ میں اپنے سالاروں کو اپنی پہلے سے دی ہوئی ہدایات یاد دلا رہا تھا۔ اُس کے سامنے نقشہ پڑا تھا۔ دربان نے خیمے میں آ کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا — "فوراً اندر بھیج دو۔"

دربان نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور سر سے اشارہ کیا۔ فہد خیمے میں داخل ہُوا۔ اُس نے موصل سے یہاں تک کہیں رُکے بغیر مسافت طے کی تھی۔ اُس کا چہرہ اُترا ہُوا تھا۔ ہونٹ خشک تھے اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ جاسوسی اور سراغرسانی کے محکمے کا سربراہ حسن بن عبداللہ خیمے میں موجود تھا۔

"معلوم ہوتا ہے تم نے آرام کیے بغیر سفر کیا ہے۔" سلطان ایوبی نے فہد سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔" دربان کو آواز دے کر اسے کہا۔ "اُس کے لیے کھانا یہیں لے آؤ۔"

"خبر ایسی تھی کہ آرام کی مہلت حاصل کرنا گناہ معلوم ہوتا تھا۔" فہد نے اکھڑی ہوئی سانسوں سے کہا۔ "میرا گھوڑا شاید زندہ نہ رہ سکے۔"

"کیا خبر ہے!"

"شاہ آرمینیا اپنے دارالحکومت میں نہیں۔" فہد نے کہا۔ "وہ ہرزم میں خیمہ زن ہے۔ عزالدین اُسے ملنے ہرزم جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہماری فوج کے خلاف معاہدہ ہوگا۔ شاہ آرمینیا کے ساتھ اپنی فوج کے بھی دو دستے ہوں گے اور عزالدین بھی اپنی فوج کے دو تین دستے اپنے ساتھ لا رہا ہے۔"

"یہ بادشاہ شاہی شان و شوکت سے ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں۔" سلطان ایوبی نے مسکرا کر کہا، پھر پوچھا۔ "موصل میں صلیبیوں کے کیا رنگ ڈھنگ ہیں؟"

"صلیبی ٹھنڈے سے معلوم ہوتے ہیں۔" فہد نے جواب دیا۔ "ان کے ذخیرے کی تباہی کی اطلاع آپ کو مل چکی ہے۔ ہم نے وہاں کے لوگوں کے دلوں سے پہلے درویش کا وہم اور فریب نکال دیا ہے۔"

"شاہ آرمینیا اور عزالدین کی ہرزم میں ملاقات کے متعلق تمہیں کہاں سے اطلاع ملی ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "میں کیسے یقین کروں کہ یہ اطلاع صحیح ہے؟"

"رضیع خاتون کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔" فہد نے کہا۔

"اللہ اس عظیم خاتون کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔" سلطان ایوبی نے کہا اور جذبات کے غلبے سے اُس کی آواز بھرا گئی۔

"رضیع خاتون نے آپ کو سلام کہا ہے۔" فہد نے کہا۔ "اور یہ بھی کہ عزالدین کے پاؤں لڑنے سے پہلے ہی اُکھڑ گئے ہیں۔ اُس پر گھبراہٹ طاری ہے اور اگر اُسے ایک ضرب اور پڑی تو وہ گھٹنے ٹیک دے گا۔"

"موصل میں کوئی فوجی ہلچل ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "کوئی جنگی تیاری؟"

"صلیبی جاسوس اور مشیر سرگرم ہیں۔" فہد نے جواب دیا۔ "کوئی جنگی تیاری نظر نہیں آتی۔ عزالدین صلیبیوں سے جس قسم کی اعانت مانگ رہا ہے وہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ شہر میں ہمارے آدمی پوری کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں اور رضیع خاتون اور اُن کی بیٹی شمس النساء کی کوششوں سے قلعے اور محل کے اندر کا ہر گوشہ اور ہر راز ہماری نظر میں ہے۔"

"صد آفرین میرے دوست!" سلطان ایوبی نے اُٹھ کر اُس کے گال کو تھپکایا اور کہا۔ "تمہیں معلوم نہیں کہ تم جو اطلاع لائے ہو وہ کتنی کارآمد اور قیمتی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ فوجوں کا اب اُتنا خون خرابہ نہیں ہوگا جتنا محاصرے اور

حملے میں ہوتا۔" اُس نے سالاروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اب ہم تل خالد کا محاصرہ نہیں کریں گے۔ فوج اُدھر ہی جائے گی۔ چھاپہ ماروں کا صرف ایک دستہ میرے ساتھ ہرزم کی سمت جائے گا۔"

☆

ہرزم ایک خوبصورت جگہ تھی۔ ہر طرف سبزہ زار، چشمے اور ہرے بھرے درخت تھے۔ ہریالی سے ڈھکی ہوئی چٹانیں بھی تھیں۔ اس خطے کو قدرت نے تو حسن دیا ہی تھا، آرمینیا کے بادشاہ نے اُسے اگر جنتِ ارضی بنا دیا۔ شامیانوں اور قناتوں نے محل کا منظر بنا دیا۔ ان کے اندر رنگین شیشوں والے فانوس لٹکائے گئے تھے۔ چھ چھ گھوڑوں کی بگھیاں بھی تھیں اور محافظ دستے کے سوار اور گھوڑے طلسماتی سی شان کے حامل تھے۔ رقص و سرود کا خاص انتظام تھا۔ آرمینیا کی سب سے زیادہ حسین اور ناچنے والی لڑکیاں ساتھ لائی گئی تھیں۔ حرم کی منتخب لڑکیوں کے خیمے الگ تھے۔ شاہ آرمینیا نے مردین کے امیر کو بھی وہاں مدعو کیا تھا۔ مردین ہرزم کے قریب ہی ایک علاقہ تھا جس کا امیر قطب الدین غازی تھا۔ مردین اس کی جاگیر تھی۔ شامیانوں، قناتوں اور خیموں سے کچھ دُور شاہ آرمینیا کی دو دستے فوج خیمہ زن تھی۔

شاہ آرمینیا امیر مردین کے ساتھ دو تین روز شکار کھیلتا رہا، پھر ایک روز والئی موصل عزالدین آ گیا۔ اُس کے ساتھ بھی اپنی فوج کے دو منتخب دستے تھے۔ رات کو رقص و سرود کی محفل جمی۔ شراب کی صراحیاں خالی ہوئیں، عورت اور شراب نے وہ کیفیت پیدا کر دی کہ یہ مسلمان حکمران، ان کے اُمرا، وزرا اور سالار قبلۂ اول کے ساتھ خدا کو بھی بھول گئے۔ رات عیش و عشرت میں گزار کر وہ سارا دن گہری نیند سوئے رہے۔ اس رات جب وہ شراب اور عورت کے نشے میں مخملیں قالینوں پر رنگین فانوسوں کے نیچے بدمست ہو رہے تھے، اس رات سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں سے دو اڑھائی میل دُور چھاپہ ماروں کے ایک دستے کے ساتھ پتھریلی زمین پر سویا ہُوا تھا۔ اُس نے چھوٹا سا سفری خیمہ ساتھ رکھا تھا تاکہ نصب کرنے اور گاڑنے میں زیادہ وقت صرف نہ ہو۔ وہ یہاں سلطان نہیں چھاپہ مار بن کے آیا تھا۔

اس نے خانہ بدوشوں کے بہروپ میں اپنے جاسوس ہرزم کے اس شاہانہ کیمپ کا جائزہ لینے اور تمام تر ضروری معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیج دیئے تھے۔ ان میں فہد بھی تھا۔ اس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ یہ تین چار جاسوس اپنے اونٹوں کی مہاریں پکڑے کیمپ کے اردگرد گھومتے رہے تھے۔ انہیں کوئی وہاں سے ہٹ جانے کو کہتا تو وہ ہاتھ پھیلا کر کھانے کی بھیک مانگتے۔ فہد شاہی شامیانوں کے قریب سے گزرا تو اُسے وہ نوجوان خادمہ نظر آئی جس نے اُسے رضیع خاتون کا پیغام دیا تھا۔ فہد نے اسے پہچان لیا۔ یہ لڑکی عزالدین کی خصوصی خادمہ تھی جو یہاں بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔

فہد نے بھکاریوں کی طرح صدا لگائی۔ "شہزادی! آپ کا غلام سفر میں ہے۔ کچھ کھانے کو مل جائے۔"

"بھاگ جاؤ یہاں سے۔" لڑکی نے دُور سے کہا۔ "ورنہ پکڑے جاؤ گے۔"

"فہد کو موصل میں تو کوئی نہیں پکڑ سکا۔" فہد نے اپنی اصلی آواز میں کہا۔ "تم یہاں پکڑوا دو۔"

"اوہ!" لڑکی اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس کے قریب آ گئی۔ "تم پہنچ گئے ہو؟ دیکھ لو، میری خبر غلط تو نہیں تھی..."

"لیکن یہاں نہ رکو۔ چلے جاؤ ... تم رات کہاں ہو گے؟ آج رات شاید میں جلدی فارغ ہو جاؤں۔ مل بیٹھے مدت گزر گئی ہے"
"تم نے ہی کہا تھا کہ جذبات پر فرض کو غالب نہ آنے دینا۔" فہد نے کہا۔ "پہلا فرض ابھی ادا نہیں ہوا۔ زندہ رہے تو ملیں گے۔"
"تم نے سب کچھ دیکھ لیا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔ "سلطان کہاں ہے؟"
"سلطان جلدی آ جائے گا۔" فہد نے جواب دیا۔
"ارے کون ہے یہ؟" کسی کی آواز آئی۔ "ہٹاؤ اس بدبخت کو یہاں سے۔"
لڑکی فہد کو ڈانٹنے لگی اور فہد وہاں سے چلا گیا۔ لڑکی ایک خیمے کی اوٹ سے اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس خیال سے اُس کے آنسو نکل آئے کہ فہد کا فرض کیسا اذیت ناک ہے اور کتنا خطرناک۔ وہ اس خوبرو اور تنومند جوان کو دل و جان سے چاہتی تھی مگر وہ چوری چھپے ملتے تھے تو اپنے جذبات کی کم اور فرائض کی باتیں زیادہ کرتے تھے۔ کئی معرکے جو ان کی فوج نے جیتے تھے وہ فہد اور اس لڑکی جیسے جاسوسوں کی بدولت جیتے تھے۔ یہ دشمن کے گھر میں رہ کر زمین دوز معرکہ لڑتے تھے۔ ان کی جان ہر لمحہ موت کے منہ میں رہتی تھی۔ اس نوجوان اور حسین شاداب کے جذبات اُبل آئے۔ اگر اس کا فرض راستے میں حائل نہ ہوتا تو وہ فہد کو یوں مارا مارا پھرنے نہ دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ فہد اتنی بے ترتیب راتوں میں کہیں سو جاتا ہو گا۔
"ہم خدا کے حضور ملیں گے۔" لڑکی نے اپنے آپ سے کہا اور اپنے کام کو چلی گئی۔
رات کا پہلا پہر تھا۔ آج رات حرم کے شاہی کیمپ میں کوئی گانا بجانا نہیں تھا۔ خاموشی طاری تھی۔ شاہ آرمینیا کے شامیانے میں اس کے پاس عزالدین اور امیر مردین قطب الدین غازی بیٹھے تھے۔ عزالدین کہہ رہا تھا۔
"اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ صلاح الدین اپنی سلطنت وسیع کر رہا ہے۔ اگر ہم اس کے اتحادی بن جائیں تو وہ ہمیں اپنا امیر بنا کر رکھے گا۔ ہم خود مختار نہیں ہوں گے۔ حال ہی میں وہ مسلمان امراء کے کئی قلعوں پر قبضہ کر چکا ہے اور اُس کی فوجی طاقت کے خوف سے یہ تمام امراء اور قلعہ دار اس کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اگر میں نے اُسے نہ روکا تو وہ صرف موصل پر نہیں، حلب پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرے گا مگر میں اکیلا اس کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ عماد الدین میرے ساتھ ہے لیکن اس وقت میں کہ صلاح الدین اپنی فوج لٹیروں کی طرح لیے دندناتا پھر رہا ہے، عماد الدین کو اپنی فوج حلب سے نہیں نکالنی چاہیے۔ حلب کا دفاع زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ یہ مقام بہت اہم ہے۔"
"میں جانتا ہوں۔" شاہ آرمینیا نے کہا۔ "صلیبیوں کی بھی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں۔"
"اسی لیے میں صلیبیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرتا۔" عزالدین نے کہا۔ "وہ ہم سے مدد کے عوض حلب مانگیں گے۔"
"اور وہ ضرور مانگیں گے۔" قطب الدین غازی نے کہا۔ "میں بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کو آپس میں کوئی معاہدہ کر لینا چاہیے۔ اب دو [illegible] فوجیں مل کر صلاح الدین ایوبی کو شکست دے سکتی ہیں۔"
"مجھے معلوم ہوا ہے کہ صلاح الدین کی فوج تل خالد کی طرف جا رہی ہے۔" عزالدین نے کہا۔

"میری اُس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔" شاہ آرمینیا نے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ میری سرحدوں سے دور رہے گا۔ میں نے اُس کی پیش قدمی کی سمت کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کہیں اور جا رہا ہے۔"
"مجھے صلیبیوں پر بھروسہ نہیں۔" عزالدین نے کہا۔ "وہ مجھے ہر طرح کی مدد دیتے ہیں لیکن جنگ صرف سامان اور ہتھیاروں سے نہیں لڑی جا سکتی۔ میں انہیں کہتا ہوں کہ میں صلاح الدین کو زچ کر کے جنگ میں الجھا لیتا ہوں اور وہ اس پر حملہ کر دیں۔ میں نے انہیں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ دمشق اور بغداد کو محاصرے میں لے لیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو صلاح الدین ہمارے علاقوں سے نکل جائے گا مگر وہ نہ جانے کیا سوچ رہے ہیں۔"
"وہ ہم سب کو اپنا محکوم بنانے کی سوچ رہے ہیں۔" شاہ آرمینیا نے کہا۔ "سلطان ایوبی نہ رہا تو صلیبی ہمیں کھا جائیں گے۔ ہمیں ان پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیے۔"
"پھر آپ میری مدد کریں۔" عزالدین نے کہا۔ "میں آگے بڑھ کر صلاح الدین سے ٹکر لیتا ہوں۔ آپ اس پر پیچھے سے حملہ کریں۔"
اس موضوع پر وہ بہت دیر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ آخر شاہ آرمینیا نے اس شرط پر عزالدین کی تجویز مان لی کہ اُس کی فوج کے انسانوں اور جانوروں کی خوراک کی ذمہ داری عزالدین لے۔ عزالدین نے یہ شرط مان لی اور طے ہوا کہ عزالدین سلطان ایوبی کے ساتھ آمنے سامنے کی ٹکر لے گا اور شاہ آرمینیا کی فوج سلطان ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کر دے گی۔ عزالدین تجربہ کار جنگجو تھا۔ جنگ لڑنا اور لڑانا جانتا تھا۔ اُس نے وہیں جنگ کی منصوبہ بندی کر لی۔

☆

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے کا ذکر ہے۔ جب عزالدین اور شاہ آرمینیا جنگ کا پلان بنا رہے تھے، رات گھوڑوں کے ٹاپوؤں سے لرزنے لگی۔ شاہ آرمینیا نے دربان کو پکار کر غصے سے کہا۔ "یہ جن سواروں کے گھوڑے کُھل کر بھاگ رہے ہیں انہیں صبح یہاں سے آؤ۔ بدبخت بے خبری کی نیند سو جاتے ہیں۔"
مگر یہ گھوڑے اُس کے دستے کے نہیں تھے۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار سوار تھے جن کی تعداد چالیس اور پچاس کے درمیان تھی۔ یہ اُن کا شب خون تھا۔ ذرا سی دیر میں باہر قیامت بپا ہو گئی۔ چھاپہ مار دو حصوں میں تقسیم ہو کر سرپٹ آئے اور گزر گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں جن سے وہ فوج کے خیموں کو جلاتے گزر گئے۔ کئی خیموں کو آگ لگ گئی تھی۔ سوئے ہوئے سپاہی ہڑبڑا کر اٹھے۔ فوراً بعد سواروں کی ایک اور موج آئی جو برچھیوں اور تلواروں سے اپنے سامنے آنے والوں کو کاٹتے گزر گئے۔ جلتے ہوئے خیموں نے روشنی کر دی تھی۔ پھر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ ان میں جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر بھی تھے۔ بندھے ہوئے گھوڑوں اور اونٹوں کا وہ غل کہ دہشت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ زخمیوں کی چیخ و پکار قیامت خیز تھی۔
پھر جانوروں کے رسّے کُھل گئے۔ گھوڑے اور اونٹ ڈر کر اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے لگے۔ اس غل غپاڑے اور چیخ و پکار میں کیمپ کے اردگرد سے بلند آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ "ہتھیار ڈال دو۔ عزالدین چلے سامنے آ جاؤ۔ شاہ آرمینیا تل خالد ہمارے محاصرے میں ہے۔"
ان میں سے کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ عزالدین نے اپنے ایک وفادار کمانڈر سے کہا کہ وہ اُسے ایک گھوڑا لا دے

بڑی مشکل سے اُسے گھوڑا لا کر دیا گیا۔ وہ سوار ہوا اور افراتفری کے اس قیامت خیز عالم میں نکل گیا۔ اس نے اپنے دستوں کی، اپنے ذاتی عملے کی اور اپنے ساتھ جو لڑکیاں لایا تھا، ان کی پرواہ نہ کی۔ جان بچا کر بھاگ گیا۔

اُس دور کا ایک وقائع نگار اسد الاسدی لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی گھیرا تنگ کر کے ان حکمرانوں کو گرفتار کر سکتا تھا لیکن اس نے مصلحتاً ایسا اقدام نہ کیا۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ ان حکمرانوں کو اپنا اتحادی بنا کر ان کی فوجوں کو فتحِ فلسطین کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وجہ خواہ کچھ ہی تھی، فروری ۱۱۰۲ء (۵۰۹ ہجری) کا یہ معرکہ سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں سے اسی طرح لڑایا اور اُس نے آگے بڑھ کر کسی کو گرفتار کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ اس شبخون کی نگرانی اس نے خود کی تھی۔

شاہِ آرمینیا نے بھاگنے کی بجائے وہیں رکے رہنا مناسب سمجھا۔ رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو کیمپ میں جلے ہوئے خیموں کی راکھ بکھری ہوئی تھی۔ لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی تڑپ رہے تھے۔ گھوڑے اور اونٹ اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ حملہ آوروں کا کچھ پتہ نہ تھا کہاں ہیں۔ شاہِ آرمینیا جانتا تھا کہ سلطان ایوبی یہیں کہیں قریب ہی ہوگا۔ وہ سوچنے لگا کہ سلطان ایوبی کو کہاں تلاش کرے۔ اتنے میں اُسے دو سوار آتے نظر آئے۔ وہ شاہِ آرمینیا کے سامنے آکر اُترے اور سلام کیا۔ وہ سلطان ایوبی کے فوجی حکام تھے۔

"سلطان صلاح الدین ایوبی نے سلام بھیجا ہے۔" ایک نے کہا۔ "انہوں نے کہا ہے کہ وہ کسی کو گرفتار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ عزالدین واپس موصل چلا جاتے اور آرام سے بیٹھ کر سوچے اور شاہِ آرمینیا کے لیے سلطان محترم نے پیغام دیا ہے کہ اُن کی فوج تل خالد کے قریب پہنچ گئی ہے۔ آپ کو شام تک وہاں سے اطلاع مل جائے گی۔ آپ کے پہنچنے تک آپ کا دارالحکومت ہمارے قبضے میں ہوگا۔ اگر آپ سلطانِ شام و مصر کی شرائط قبول کر لیں تو تل خالد سے فوج واپس آ سکتی ہے۔ اگر آپ مقابلے کا فیصلہ کرتے ہیں تو نتائج کو پہلے ذہن میں رکھ لیں۔ ہمیں پیغام کا جواب دیں۔ آپ ہمارے محاصرے میں ہیں۔"

"سلطان صلاح الدین ایوبی کو میرا سلام کہو۔" شاہِ آرمینیا نے کہا۔ "میں اپنے ایک وزیر کو شام سے پہلے سلطان کے پاس بھیج رہا ہوں۔"

دونوں سوار چلے گئے۔ شاہِ آرمینیا کا یہ وزیر بکتیمور تھا جو اُس کے ساتھ تھا۔ شاہِ آرمینیا نے اُسے کہا کہ ہمیں ان لوگوں کے اختلافات اور عداوت میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اُدھر تل خالد محاصرے میں ہے اور ہم یہاں ہیں۔ جاؤ اور صلاح الدین ایوبی سے کہو کہ اپنی فوج واپس بلا لے۔ ہم اُس کے کسی دشمن کے ساتھ کوئی معاہدہ اور کوئی اتحاد نہیں کریں گے۔"

بکتیمور دانشمند وزیر تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کے ساتھ بات کی۔ سلطان ایوبی نے بڑی سخت شرائط پیش کیں اور منوائیں۔ بکتیمور نے تحریری معاہدہ دے دیا کہ شاہِ آرمینیا کی فوج سلطان ایوبی کے کسی دشمن کی مدد کو نہیں جائے گی۔

سلطان ایوبی نے محاصرہ اٹھا لیا اور شاہِ آرمینیا سے مل کر تل خالد کو روانہ ہو گیا۔

☆

ایک اور اہم مقام دیار بکر تھا جو اس زمانے میں عیسیہ کہلاتا تھا۔ اس مقام کو جنگی اہمیت حاصل تھی اور اس کی اہمیت یہ

بھی تھی کہ اس کے گرد و نواح کے علاقے کے لوگ جنگجو اور فنِ سپہ گری کے ماہر تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج میں بہت سے سپاہی اس علاقے کے تھے۔ اپنی فوج کی کمی سلطان اسی علاقے سے پوری کیا کرتا تھا۔ یہاں کے لوگ تو سلطان ایوبی کے حامی تھے مگر ان کا حکمران اپنی حکمرانی قائم رکھنے کی خاطر سلطان ایوبی کا مخالف تھا اور مسلمان ہوتے ہوئے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ دوستی کی کوشش میں تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو دیار بکر کی طرف پیشقدمی کا حکم دیا۔ یہ برق رفتار پیشقدمی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو اتنا ہی بتایا تھا کہ دیار بکر کو محاصرے میں لے کر اس جگہ پر قبضہ کرنا ہے اور فتح کی صورت میں وہاں کے موجودہ امیر کی کوئی شرط تسلیم نہیں کی جائے گی اور کوئی رحم نہیں کیا جائے گا۔

"میرا خیال ہے کہ ان امرا پر ظلم نہ کیا جائے۔" ایک سالار نے کہا۔ "ان کی افواج کو اپنی فوج میں شامل کر کے انہیں برائے نام امیر رہنے دیا جائے۔"

"میں اب کسی سانپ کو قوم کی آستین میں نہیں پلنے دوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے اطلاعیں مل رہی کہ یہ شخص اپنے علاقے کے لوگوں کو ہماری فوج میں شامل ہونے سے روک رہا ہے اور وہ خلافت کے خلاف کارروائیاں کر رہا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ مرکز سے خود مختاری مانگنے والے یا در پردہ کوششوں سے الگ ہونے والے غدار ہوتے ہیں اور یہ غدار بہت خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ وہ قوم کے دشمن سے مدد لیتے اور اپنی قوم یعنی خلافت کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کا سر کچل دینا چاہتا ہوں تاکہ جب آپ کا اصل دشمن یعنی صلیبی آپ کے سامنے آئیں تو آپ کی پیٹھ پیچھے سے کوئی وار کرنے والا نہ ہو اور کوئی سانپ زمین سے نکل کر آپ کو ڈنک نہ مار سکے۔ دیار بکر اللہ کے سپاہیوں کا خطہ ہے۔ ہماری فوج کی ایک تہائی نفری اسی خطے کی ہے۔ اگر ہم نے ان جنگجوؤں کے غدار حکمران کو بخش دیا تو اس خطے کے لوگوں کا ایمان بھی تباہ ہو جائے گا اور فنِ سپاہ گری بھی....

"ساری قوم یا کسی ملک کے تمام لوگ غدار یا بے ایمان نہیں ہوا کرتے۔ حکمران اگر ایمان فروش ہو تو قوم کے جوہر ختم ہو جاتے ہیں۔ اچھی بھلی قومیں بے وقار ہو جاتی ہیں۔ جذبے مر جاتے ہیں اور پھر قومیں آزاد قوموں کی طرح زندہ نہیں رہتیں۔ ہمیں اپنے اس قسم کے حکمرانوں کو ختم کرنا ہے اور سلطنتِ اسلامیہ کا ایک مرکز بنانا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ خلافتِ بغداد مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر خلافت کا حکم چلتا تو ہمیں فوج کشی نہ کرنی پڑتی۔ یہ فوج کا فرض ہے کہ ملک کے اندر انتشار کو اور نااہل اور ایمان فروش حکمران کو ختم کرے۔ میں پھر وہی الفاظ دہراتا ہوں کہ تاریخ یہی کہے گی کہ چھٹی صدی ہجری کی فوج نکمی تھی جس نے نہ خلافت کا وقار بحال کیا نہ دشمن کو

☆

دیار بکر کا محاصرہ اتنی تیزی سے ہوا کہ اندر والوں کو مزاحمت کی مہلت نہ ملی۔ سلطان ایوبی نے ہدایت جاری کی تھی کہ شہریوں کا نقصان کم سے کم ہو۔ اندر اپنے جاسوس موجود تھے اور سلطان ایوبی خود بھی شہر سے اور حکمران کے محل اور ہیڈ کوارٹر سے واقف تھا۔ اس لیے منجنیقوں سے جو پتھر اور آتش گیر سیال کی جو ہانڈیاں پھینکی گئیں وہ سرکاری عمارتوں پر پھینکی گئیں۔ باہر سے اعلان کیے گئے کہ امیر ہتھیار ڈال کر باہر آجائے لیکن قلعے کی دیواروں پر کھڑے امیر نے جوابی اعلان کرایا کہ ہتھیار نہیں ڈالے جائیں گے۔ لڑو اور شہر لے لو۔

دیار بکر کی فوج نے جم کر مقابلہ کیا۔ سلطان ایوبی محاصروں کا ماہر تھا لیکن اُس نے مزاحمت دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ محاصرہ طول پکڑے گا اور اس کے لیے کچھ زیادہ ہی قربانی دینی پڑے گی۔ دیواریں توڑنے والے افراد رات کی تاریکی میں دیوار تک پہنچ گئے لیکن اوپر سے اُن پر آگ پھینکی گئی اور وزنی پتھر بھی پھینکے گئے۔ بڑے دروازے پر منجنیقوں سے آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینک کر فلیتے والے تیر مارے گئے جس سے دروازے کا لکڑی کا حصہ جل گیا مگر اُس کا لوہے کا ڈھانچہ کھڑا تھا جس میں سے گزرنا ممکن نہیں تھا تاہم گزرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ فضا میں تیر اُڑ رہے تھے۔

سلطان ایوبی حیران تھا کہ اندر والے ایسا سخت مقابلہ کیوں کر رہے ہیں۔ یہ راز بعد میں کھلا تھا کہ امیرِ دیار بکر نے محاصرے کی اطلاع ملتے ہی شہر میں اعلان کرا دیا تھا کہ صلیبیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اس اعلان پر شہر کے لوگ لڑنے اور مرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے اور انہوں نے فوج کے دوش بدوش شہر کی دیوار پر آ کر محاصرہ کرنے والوں پر تیروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا۔ یہ دیکھا گیا تھا کہ چاروں طرف دیوار پر فوج کے ساتھ شہری بھی تھے۔ شہر کے لوگوں کا حوصلہ بلند تھا لیکن سلطان ایوبی نے شہریوں کو لڑتے دیکھ کر بھی یہ حکم نہ دیا کہ شہر پر بھی آگ برسائی جائے۔

محاصرہ آٹھ روز جاری رہا۔ زیادہ تر نقصان سلطان ایوبی کی فوج کا ہو رہا تھا کیونکہ اس کی ٹولیاں آگے بڑھتی اور تیروں کا نشانہ بنتی تھیں۔ پھر ایک معجزہ ہوا۔ شہر کی دیوار نعرے گرجنے لگے ــــ "یہ صلیبی نہیں ہیں، یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ اُن کے جھنڈے دیکھو۔ مسلمانو! تم آپس میں لڑ رہے ہو۔" تب سلطان ایوبی کی فوج میں دیار بکر کے علاقے کے جو سپاہی اور کماندار تھے، انہوں نے بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا ــــ "ہم تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی ہیں۔ دروازے کھول دو۔"

یہ انکشاف بھی بعد میں ہوا تھا کہ شہر کے اندر سلطان ایوبی کے جو جاسوس اور زمین دوز کارندے تھے، انہوں نے بھاگ دوڑ کر لوگوں کو بتایا تھا کہ محاصرہ کرنے والے صلیبی نہیں مسلمان ہیں اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ یہ مہم آسان نہیں تھی۔ جاسوس آزادی سے لوگوں کو سرکاری اعلان کے خلاف کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ اس مہم میں دو جاسوس پکڑے بھی گئے تھے۔ انہوں نے کامیابی حاصل کر لی۔ نویں روز اندر کی فوج اور شہریوں کی سوچ اور جذبہ ہی بدل گیا۔ شہریوں نے حکمران اور اُس کے حاشیہ برداروں کی دھمکیوں اور چیخ و پکار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ جب سلطان ایوبی شہر میں داخل ہوا تو شہر کے لوگوں نے بے تابی سے نعرے لگا لگا کر اُس کا استقبال کیا۔ عورتوں نے منڈیروں اور دریچوں سے اُس پر اور اُس کی فوج پر اپنے دوپٹے اور رومال پھینکے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے دیار بکر کے امیر کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا اور یہ شہر نور الدین ابن قارا ارسلان اور ایک اور امیر کو دے دیا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے اس کا نام ابن نکن لکھا ہے جو نور الدین کے ہی خاندان کا فرد تھا۔ سلطان ایوبی نے انہیں ضروری ہدایات دیں۔ وہاں کی فوج کو اپنی فوج کا حصہ بنایا اور حکم دیا کہ

اس علاقے سے مزید فوج تیار کی جائے۔

مئی ۱۱۸۳ء (محرم الحرام ۵۷۹ھ) میں سلطان ایوبی نے دیار بکر کو اپنی عملداری میں لیا اور حلب کی سمت کوچ کیا۔ اس کے سب سے بڑے دشمن حلب کا والی عماد الدین اور موصل کا والی عز الدین تھے۔ اب وہ ان کی طرف توجہ دینا چاہتا تھا

☆

نہ میں تمہاری، نہ مصر تمہارا

فتح حاصل کر کے کون خوش نہیں ہوتا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کو کسی معرکے، محاصرے یا بڑی جنگ میں فتح ہوتی تھی تو اس کے چہرے پر نورانی سی رونق آجاتی تھی۔ اس کی فوج جشن مناتی، سپاہی رقص کرتے، گاتے اور راتوں کو سوتے نہ تھے۔ بکرے، دنبے اور اونٹ ذبح ہوتے۔ سپاہی خود پکاتے اور سلطان ایوبی اُن کے لیے شربت کے مٹکے کھول دیا کرتا تھا، مگر ۱۱۰۲ء (۵۰۹ ہجری) کے دوران اُس کے چہرے پر رونق نہیں تھی نہ ہی اس کی فوج جشن مناہی تھی حالانکہ اُس نے ایک سال کے عرصے میں متعدد قلعے سر کر لیے اور شاہ آرمینیا جیسے طاقتور حکمران سے شکست کے عہدنامے پر دستخط کرا کے اُس سے اپنی شرائط منوائی تھیں۔

مؤرخوں نے اِس دور کو سلطان ایوبی کی فتوحات کا دور کہا ہے مگر اس کی جذباتی کیفیت یہ تھی جیسے ہر فتح کے بعد اس کے چہرے پر بڑھاپے کی ایک لکیر کا اضافہ ہو گیا ہو۔ یہ لکیریں بڑھاپے اور اداسی کی تھیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک فتح اور کسی ایک کامیابی پر بھی خوش نہ تھا۔ اُسے جب چھاپہ ماروں کا سالار صارم مصری فاتحانہ انداز سے رپورٹ دیتا تھا کہ گزشتہ رات چھاپہ ماروں نے فلاں جگہ شب خون مار کر دشمن کو اتنا نقصان پہنچایا ہے تو سلطان ایوبی آہستہ سے سر ہلا کر اُسے خراجِ تحسین پیش کرتا اور پھر اس کا سر یوں جھک جاتا تھا جیسے اُس کے ضمیر پر ایسا بوجھ آپڑا ہو جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔

"مجھے مبارک باد اُس روز کہنا جس روز تم صلیبیوں کو شکست دو گے"۔ ایک روز سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔ وہ اُسے دیار بکر کی فتح کے بعد مبارک باد کہنے آئے تھے۔ اس روز تو اس کی آنکھیں لال ہو گئیں جیسے وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُس نے کہا۔ "تم محسوس نہیں کر رہے کہ ہم گھروں سے نکلے تھے صلیبیوں کو شکست دینے اور انہیں اپنی سرزمین سے نکالنے کے لیے مگر انگلیوں پر گنو کہ تم کتنے برسوں سے اپنے ہی بھائیوں سے لڑ رہے ہیں اور حساب کرو کہ ہم ایک دوسرے کا کتنا خون بہا چکے ہیں۔ کیا تم اُسے فتح کہتے ہو؟ میں اس خانہ جنگی میں جو بھی فتح حاصل کرتا ہوں وہ میری اور تمہاری نہیں وہ صلیبیوں کی فتح ہوتی ہے۔ جب دو بھائی آپس میں لڑتے ہیں تو خوشی اور کامیابی اُن کے دشمن کی ہوتی ہے۔ میں اُسے فتح نہیں کہتا جو ہم نے اپنے بھائیوں پر حاصل کی ہے"۔

"صلیبی کیوں دبک گئے ہیں؟"۔ ایک سالار نے کہا۔ "ہم آپ کو ان پر بھی فتح حاصل کر کے دکھا دیں گے"۔

"انہیں وہاں سے نکلنے اور لڑنے کی کیا ضرورت ہے جہاں وہ دبک کر بیٹھ گئے ہیں"۔ سلطان ایوبی نے

کہا۔ "جنگ کا پہلا اصول کیا ہے؟ ... دشمن کی عسکری قوت کو تباہ کرنا۔ صلیبیوں نے ہماری عسکری قوت کو ہمارے بھائیوں کے ہاتھوں تباہ کرنے کا کامیاب انتظام کر رکھا ہے۔ ہم آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور صلیبی ہماری صورت حال سے اور اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے ہیں۔ فلسطین پر اُن کا قبضہ مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ حکمرانی سدا اللہ کی ہے مگر حکمرانی کا نشہ جب انسان پر طاری ہوتا ہے تو مذہب اور ملت کا وقار تو دُور کی بات ہے، وہ اپنی بیٹیوں کو ننگا نچانے لگتا ہے۔ جھوٹ اور فریب کاری کو وہ جائز اور ضروری سمجھنے لگتا ہے۔ صلیبی اُمتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ریاستوں میں تقسیم کرتے چلے جا رہے ہیں اور اللہ کی فوج کو ان ریاستوں میں تقسیم کر کے اسلام کی عسکری قوت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔"

"ہمیں اِن علاقوں سے فوج کے لیے بہت بھرتی مل رہی ہے۔" ایک سالار نے کہا۔ "بڑے اچھے سپاہی اور سوار بڑی خوشی سے آ رہے ہیں۔"

"لیکن مجھے اس کی کوئی خوشی نہیں۔" سلطان ایوبی نے سب کو چونکا دیا۔ اس نے کہا۔ "یہ لوگ صرف اس لیے ہماری فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں کہ جس شہر کو فتح کیا جاتا ہے وہاں ہماری فوج لوٹ مار کرتی ہے اور وہاں سے حسین عورتیں ملتی ہیں۔"

"ہم نے اپنی فوج کو ایسی لوٹ مار اور آبرو ریزی کی اجازت کبھی نہیں دی۔" ایک اور سالار نے کہا۔

"مگر ہمارا دشمن ہماری فوج کے خلاف یہی مشہور کر رہا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو لوٹ مار کی اور مفتوحہ کی جوان لڑکیاں اٹھائے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ دشمن نے ہماری فوج کے خلاف یہ بے بنیاد باتیں اس لیے مشہور کر رکھی ہیں کہ خود مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی فوج کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور ہمیں کہیں سے بھی لوگوں کا تعاون نہ ملے بلکہ ہم جس شہر کا محاصرہ کریں وہاں کے لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہماری اس فوج کے خلاف لڑیں جو اسلامی فوج ہے اور جو ہر لحاظ سے حزب اللہ کہلانے کی حقدار ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! قوم بغیر فوج کے اور فوج قوم کے والہانہ تعاون کے بغیر دشمن کے لیے آسان ہوتی ہے۔ اپنے دشمن کو پہچانو۔ تمہارا دشمن دانشمند ہے۔ اُس نے ہماری قوم اور فوج میں منافرت پیدا کرنے کا بڑا اچھا اہتمام کیا ہے۔ قرآن نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کا حکم صرف قوم یا صرف فوج کو نہیں دیا۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار قوم اور فوج مل کر بنتی ہے۔ اس دیوار میں شگاف ڈالنے کا یہ طریقہ کارگر ہے کہ فوج کو نااہل، بزدل، زانی اور ڈاکو کہہ کر قوم کی نظروں سے گرا دیا جائے۔"

"دیار بکر کے لوگوں پر تو ایسا کوئی اثر نہیں دیکھا۔" صارم مصری نے کہا۔ "انہیں جونہی پتہ چلا کہ محاصرہ کرنے والے ہم ہیں اور اُن کا حکمران اپنی فوج کو اسلامی فوج کے خلاف لڑا رہا ہے تو لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے تھے۔"

"وہاں ہمارے جاسوس زیادہ تعداد میں تھے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہاں کی تمام بڑی مسجدوں کے امام ہمارے آدمی تھے۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو صرف نماز روزہ اور حج، زکوٰۃ کے وعظ نہیں دیئے۔ اس کے ساتھ وہ لوگوں کو صلیبیوں کے عزائم اور

اپنے ایمان فروش امراء اور حاکموں کے متعلق بھی بتاتے رہے ہیں اور یہ بھی کہ جب ایک مسلمان دوسرے کا خون بہاتا ہے تو عرش معلےٰ لرز جاتا ہے اور خدا اس بستی پر اپنا قہر نازل کرتا ہے جہاں کے مسلمان مسلمانوں کے خلاف لڑتے اور خون بہاتے ہیں۔ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ دیار بکر میں صلیبیوں کے جاسوس اور تخریب کار بھی درویشوں، صوفیوں اور عالموں کے بہروپ میں موجود تھے اور لطریاتی تخریب کاری کر رہے تھے لیکن ہمارے آدمیوں نے ان میں بعض کو خفیہ طریقوں سے اغوا اور قتل کیا اور اُن کی آواز کو بیکار کر دیا، مگر ہم اس وقت جس علاقے میں ہیں یہاں صلیبیوں کی تخریب کاری کامیاب ہو رہی ہے۔"

"یہ جو سپاہی اور سوار لوٹ مار کے لالچ سے بھرتی ہو رہے ہیں کیا یہ پوری فوج کو خراب نہیں کریں گے؟" سالار نے پوچھا۔

"تم نے دیکھا نہیں کہ انہیں کس قسم کی تربیت دی جا رہی ہے؟" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں نے تمہیں تربیت اور جنگی مشقوں کا جو نیا طریقہ بتایا ہے وہ انہیں صحیح سوچ پر لے آئے گا۔ میں فوج میں ان کی تقسیم ایسے طریقے سے کر رہا ہوں کہ یہ فوج پر نہیں بلکہ فوج ان پر اثر انداز ہوگی۔ تم بہت جلدی میرا یہ تحریری حکم بھی دیکھو گے کہ مفتوحہ علاقے میں اپنا کوئی سپاہی لوٹ مار کرتا یا کسی عورت پر ہاتھ ڈالتا دیکھا جائے تو اُسے تیر کا نشانہ بنا دیا جائے یا قریب جا کر اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ دشمن کے بے بنیاد الزامات کو غلط ثابت کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ فوج اپنے کردار سے مفتوح لوگوں پر اور اپنی قوم پر بھی دل موہ لینے والا اثر پیدا کرے۔ مجھے یہی خطرہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبی اور یہودی ہر زمانے میں اسلام کی فوج اور قوم کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ قوم کی کردار کُشی الگ اور فوج کی الگ کریں گے اور اس طرح دونوں کا ایمان اور قومی جذبہ برباد کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنائے رکھیں گے۔ یہ کام وہ مسلمانوں کے ہاتھوں کرائیں گے۔"

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اس نے کئی ایک چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کو مطیع بنا لیا اور متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ وہ مسلمان حکمران تھے جو درپردہ صلیبیوں کے دوست اور سلطان ایوبی کی مخالف تھے۔ سلطان ایوبی کی منزل بیت المقدس تھی جس پر صلیبیوں نے قبضہ کر کے اسے یروشلم کا نام دے رکھا تھا مگر اپنے مسلمان حکمران اور امراء سلطان ایوبی کے راستے میں حائل ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی فوج کو چند دن آرام دینے کے لیے فرات کے کنارے رک گیا تھا۔ وہاں گھوڑوں، خچروں، اونٹوں اور رسد کی کمی پوری کی جا رہی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی فرات کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ گھوڑسوار دستوں کا سالار اور چھاپہ مار دستوں کا سالار صارم مصری تھا۔ اُن سے کچھ دُور سفید چُغے میں ملبوس ایک آدمی کھڑا تھا جس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا رکھے تھے۔ سلطان ایوبی اُدھر چل پڑا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہاں چار قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے سرہانے ایک ڈنڈا گڑا تھا اور اس کے ساتھ لکڑی کی ایک تختی تھی جس پر لال رنگ سے

عربی زبان میں لکھا تھا:

عمر المملوک

اللہ تیری شہادت قبول کرے

نصر المملوک

اس کے ساتھ کی قبر پر بھی ایسی ہی تختی لگی ہوئی تھی جس پر اسی قسم کی لال تحریر تھی!

نصر المملوک

اللہ میری شہادت قبول کرے

سلطان ایوبی نے دونوں تحریریں پڑھیں اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو قبروں پر فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ وہ وضع اور لباس سے عالم فاضل لگتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس کی طرف دیکھا تو اُس نے ذرا جھک کر کہا۔۔۔ "میں اس گاؤں کا امام ہوں۔ جہاں کہیں پتہ چلتا ہے کہ شہید کی قبر ہے وہاں چلا جاتا ہوں اور فاتحہ پڑھتا ہوں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جس جگہ شہید کے خون کا قطرہ گرتا ہے وہ جگہ مسجد جتنی مقدس ہو جاتی ہے۔ میں لوگوں کو یہی بتایا کرتا ہوں کہ مجاہد وہ عظیم شخصیت ہے جس کے گھوڑے کے سموں کی اُڑائی ہوئی گرد کا احترام خدا نے بھی کیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو خدائے ذوالجلال نے افضل عبادت کہا ہے۔"

"مگر اللہ کے نام پر جانیں قربان کرنے والے ایسے ہی گمنام لوگ ہوتے ہیں جن کی قبریں آپ دیکھ رہے ہیں۔ تاریخ میں ان کا نہیں میرا نام آئے گا مگر مجھے عظمت دینے والے یہ لوگ تھے۔"۔۔۔ اُس نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا اور قبروں کی دونوں تختیوں کی تحریروں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔۔۔ "یہ الفاظ لال رنگ میں انگلی ڈبو کر لکھے گئے ہیں۔ لکھنے والا ایک ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"لال رنگ نہیں سلطان محترم!"۔۔۔ چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری نے کہا۔۔۔ "یہ خون ہے۔ عمر المملوک کی قبر کی تختی نصر المملوک نے اپنے خون سے لکھی تھی اور اس نے اپنے ہی خون سے اپنی قبر کی بھی تختی لکھی اور شہید ہو گیا تھا۔ سوا ستو دن گزرے رات کو دریا سے ہم نے ایک بہت بڑی کشتی پکڑی تھی جس میں دشمن کے چھاپہ ماروں کے لیے رسد جا رہی تھی۔ آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ یہ کشتی ہمارے آٹھ چھاپہ ماروں نے پکڑی تھی۔ ان میں سے یہ چار شہید ہو گئے تھے۔ ہمیں پہلے اطلاع مل گئی تھی کہ ایک بڑی کشتی رات کو گزرے گی جس میں دشمن کی رسد اور اسلحہ ہوگا۔ میں نے اپنے آٹھ چھاپہ مار بھیجے۔ یہ ایک چھوٹی سی کشتی میں تھے....

"آدھی رات دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ وہ کشتی جا رہی تھی۔ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ اس میں چار پانچ آدمی ہوں گے لیکن ہمارے چھاپہ ماروں کی کشتی اُس کے قریب گئی تو اُس میں کم و بیش بیس آدمی تھے۔ اس سے پہلے کہ ہمارے چھاپہ مار دشمن کی کشتی میں کُود جاتے۔ دشمن کے آدمی جو تلواروں سے مسلح تھے، ہماری کشتی میں کود آئے۔ ہمارے یہ چھاپہ مار دریائی چھاپوں کا تجربہ رکھتے تھے۔ وہ اپنی کشتی سے دریا میں کُودے اور دشمن کی کشتی پر چڑھ کر اس کے بادبانوں کے رسّے کاٹ دیئے۔ دونوں کشتیوں میں خونریز معرکہ لڑا گیا۔ ہمارے

چھاپہ ماروں نے بڑی کشتی سے اپنی کشتی پر تیر پھینکے جس میں دشمن کے آدمی تھے۔ بہر حال ہمارے جانباز عقل اور داؤ پیچ سے معرکہ لڑ کر دونوں کشتیاں لے آئے۔ دشمن کے آدمی جو مرے نہیں تھے دریا میں کود کر دوسرے کنارے پر چلے گئے....

"کشتیاں کنارے لگیں۔ مجھے اطلاع ملی تو میں انہیں دیکھنے گیا۔ صبح طلوع ہو رہی تھی۔ ایک کشتی میں عمر المملوک کی اور اس کے دو ساتھیوں کی لاشیں تھیں اور باقی سب زخمی تھے۔ نصر المملوک سب سے زیادہ زخمی تھا۔ دو گہرے زخم برچھی کے اور تین زخم تلوار کے تھے۔ وہ ہوش میں تھا۔ مرہم پٹی کے لیے لے گئے تو اُس نے مجھ سے کہا کہ اُسے ایک تختی دی جائے جو وہ اپنے دوست کی قبر پر لگانا چاہتا ہے۔ میں نے ترکھانوں سے اُسے تختی منگوا دی۔ اس دوران اُس نے اپنی مرہم پٹی نہ ہونے دی۔ تختی آئی تو اس نے اپنے خون میں شہادت کی انگلی ڈبو ڈبو کر عمر المملوک کا نام اور یہ تحریر لکھی اور تختی مجھے دے کر کہا کہ یہ عمر کی قبر پر لگا دی جائے۔ میں نے یہ تختی ایک ڈنڈے کے ساتھ لگا کر عمر المملوک کی قبر کے سرہانے لگا دی....

"نصر المملوک کے زخموں سے خون نکلتا رہا۔ بند نہیں ہو رہا تھا۔ تیسرے دن اُس کی حالت بگڑ گئی۔ میں اُسے دیکھنے آیا تو جراح نے مایوسی کا اظہار کیا۔ خود نصر المملوک کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اُس نے مجھے کہا کہ اُسے ویسی ہی ایک تختی دی جائے۔ میں نے تختی منگوا دی۔ اُس نے تختی اپنے پاس رکھ لی۔ رات کو مجھے اطلاع ملی کہ نصر شہید ہو گیا ہے۔ میں گیا تو اُس کے ایک زخمی ساتھی نے تختی مجھے دی اور بتایا کہ نصر نے اپنے ایک زخم سے پٹی کھول لی۔ خون نکل رہا تھا۔ اُس نے اپنے خون میں انگلی ڈبو ڈبو کر یہ تحریر لکھی۔۔۔ 'نصر المملوک۔ اللہ میری شہادت قبول کرے'۔۔۔ اُس کے ساتھی نے بتایا کہ نصر نے کہا تھا کہ اُسے اپنے دوست عمر المملوک کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ اس طرح یہ دونوں تختیاں ایک ہی شہید کے خون سے لکھی گئی ہیں۔"

"یہ دونوں مملوک تھے محترم امام!"۔۔۔ سلطان ایوبی نے امام سے کہا۔۔۔ "آپ جانتے ہوں گے کہ مملوک کس نسل سے ہیں۔ یہ اُن غلاموں کی نسل سے ہیں جنہیں آزاد کرا دیا گیا تھا۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا تھا کہ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ ذرا دیکھو ان غلاموں نے کیسا کارنامہ کر دکھایا ہے۔ یہ آٹھ تھے لیکن بیس آدمیوں سے اتنی بڑی کشتی چھین کر لے آئے ہیں۔ مجھے اپنی فوج میں مملوکوں اور ترکوں پر جتنا بھروسہ ہے اور کسی پر نہیں۔"

"اب انسان پھر انسان کا غلام بنتا جا رہا ہے۔"۔۔۔ امام نے کہا۔۔۔ "حکمرانی حاصل کرنے کے جتن اسی لیے کیے جاتے ہیں کہ انسانوں کو غلام بنایا جائے لیکن انسان سمجھتا نہیں کہ تخت و تاج نے کسی کے ساتھ کبھی وفا نہیں کی۔ فرعون بھی مٹی میں مل گئے۔ خدا نے ہر اُس انسان کو عبرتناک سزا دی ہے جس نے تخت و تاج سے پیار کیا اور ہر اُس انسان کا خون بہایا جس سے اُسے اپنی بادشاہی کے لیے خطرے کی بُو آئی۔"

سلطان ایوبی کے محافظ دستے کا کمانڈر ایک آدمی کو ساتھ لیے آ رہا تھا۔ اس آدمی کی حالت بتا رہی تھی کہ بڑے لمبے سفر سے آیا ہے۔ کمانڈر نے قریب آ کر کہا۔۔۔ "قاہرہ سے قاصد آیا ہے۔"

"کیا خبر لائے ہو؟"۔ سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

"خبر اچھی نہیں"۔ قاصد نے کہا اور کمربند سے ایک کاغذ نکال کر سلطان ایوبی کو دیا۔

سلطان ایوبی اپنے خیمے کو چل پڑا۔

☆

خیمے میں بیٹھ کر اس پیغام کو کھولا۔ یہ اس کے جاسوسی اور سراغرسانی کے سربراہ علی بن سفیان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ لکھا تھا۔" ہمارا سب سے زیادہ دیندار اور دلیر نائب سالار حبیب القدوس دس دنوں سے لاپتہ ہے۔ صلیبیوں کی تخریب کاری زوروں پر ہے۔ ہم یہاں زمین دوز جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایمان فروشوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس مسئلے پر آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دشمن کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ پریشانی حبیب القدوس نے پیدا کر دی ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کا صرف لاپتہ ہو جانا پریشان کن نہیں۔ ہم ایک اور خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حبیب القدوس کے ماتحت جتنے دستے ہیں، وہ ان میں اتنا ہردلعزیز ہے کہ سپاہی اس کے اشارے پر جانیں قربان کرتے ہیں۔ اگر وہ خود دشمن سے جا ملا ہے تو یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنے دستوں کو جو اس کے زیر اثر ہیں سلطنت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتا ہے۔ میں اُسے تلاش کرنے کی کوششوں سے دستبردار یا مایوس نہیں ہوا۔ میں آپ سے صرف یہ اجازت لینا چاہتا ہوں کہ اگر تلاش کے دوران وہ سامنے آ جائے اور ضرورت محسوس ہو کہ اُسے مار ڈالا جائے تو اُسے مار دیا جائے۔ آپ کے قائم مقام امیر مصر نے اس کی اجازت نہیں دی۔ صرف یہ اجازت دی ہے کہ میں آپ کو براہ راست خط لکھ کر اجازت لے لوں۔ اگر میں اسے تلاش نہ کر سکا تو آپ مجھ سے باز پرس کریں گے اور اگر وہ میرے ہاتھ سے مارا گیا تو بھی آپ پسند نہیں کریں گے۔ اس نائب سالار کا ہمارے دشمن کے پاس رہنا ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔"

سلطان ایوبی نے اُسی وقت کاتب کو بلایا اور پیغام کا جواب لکھوانے لگا:

"عزیز علی بن سفیان! تم پر خدا کی رحمت ہو۔ حبیب القدوس پر مجھے اتنا ہی اعتماد تھا جتنا تم پر ہے۔ جو انسان اپنا ایمان فروخت کرنے پر آ جائے وہ خدا سے نہیں ڈرتا وہ مجھ جیسے حقیر انسان سے کیوں ڈرے گا۔ تمہیں اس پہ حیران نہیں ہونا چاہیے کہ حبیب القدوس جیسا انسان بھی دھوکہ دے سکتا ہے...... ایمان ایک قوت ہے مگر یہ ہیرے اور جواہرات کی طرح چمکتا نہیں۔ اس میں عورت کے حسن و جمال کی کشش نہیں اور ایمان تخت اور تاج بھی نہیں۔ جب انسان پر دنیا کی لذتوں کا سرور اور زر و جواہرات کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے تو ایمان سے دستبردار ہونے میں کچھ وقت نہیں لگتا...... حبیب القدوس کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کبھی ضرورت محسوس ہو کہ اُسے قتل کر دیا جائے تو تمہیں میری طرف سے اجازت ہے، لیکن یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کرنا کہ اُسے اغوا تو نہیں کیا گیا؟ حالات تمہاری نظر میں ہیں۔ جو بہتر سمجھو وہ کرو۔ مفاد سلطنت اور مذہب مقدم ہے۔ ایک انسان کی زندگی اور موت اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ جہاں فوج کی اتنی زیادہ تعداد ماری جا رہی ہے،

سپاہی اپنی جانیں دے رہے ہیں وہاں ایک غدار حاکم کو مار دینے سے پہلے اتنا زیادہ نہ سوچو کہ تمہارا قیمتی وقت اس پہ صرف ہوتا رہے۔ اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہو۔ ہم سب گناہگار ہیں۔ پاک ذات صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ تم حق پر ہو تو اللہ تمہارا حافظ ہے۔"

سلطان ایوبی نے پیغام کے نیچے اپنی مہر لگائی اور پیغام قاصد کے حوالے کر دیا اور اُسے کہا کہ وہ رات بھر آرام کر کے علی الصبح روانہ ہو جائے۔

وہ تاریخ اسلام کا پُر آشوب دور تھا۔ ادھر سرزمین عرب مسلمانوں کے خون سے لال ہو رہی تھی۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں میں غدار اور سازشی پیدا کر کے مسلمانوں کو خانہ جنگی میں اُلجھا رکھا تھا۔ اُدھر مصر میں بھی کفار مسلمان حاکموں میں غدار پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کر رہے تھے اور سلطان ایوبی کی فوج پر بڑے ہی شرمناک الزامات کی تشہیر کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ مہم زمین دوز طریقے سے چلا رکھی تھی۔ علی بن سفیان اور قاہرہ کا کوتوال غیاث بلبیس اس مہم کے اثرات زائل کرنے اور مجرموں کو پکڑنے میں سرگرم رہتے تھے۔

ایک نائب سالار کا غائب ہو جانا معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اُس کا کچھ بھی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ حبیب القدوس کے متعلق کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے لیکن اس دور میں غداری ایک عام سی چیز بن کے رہ گئی تھی۔ حبیب القدوس لاپتہ ہوا تو سب نے یہی کہا کہ وہ کوئی فرشتہ تو نہیں تھا۔ اس کی تین بیویاں تھیں اور یہ کوئی معیوب امر نہیں تھا۔ اس کی حیثیت کے حاکموں نے چار چار بیویاں رکھی ہوئی تھیں اور جو ذرا زندہ دل تھے ان کے ہاں ایک دو داشتہ عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ حبیب القدوس کی زندگی میں شراب اور راگ رنگ کا ذرہ بھر دخل نہ تھا۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا اور میدان جنگ میں دشمن کے لیے سراپا قہر۔ شجاعت کے علاوہ فن حرب و ضرب میں مہارت رکھتا تھا۔ جنگی منصوبہ بندی ایسی کرتا کہ کم سے کم نفری سے کثیر تعداد دشمن کا ستیاناس کر دیتا تھا۔

اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنے دستوں میں ہردلعزیز تھا۔ اس کے ماتحت جو کماندار اور سپاہی تھے اُن کے لڑنے کا انداز یہ ہوتا تھا جیسے وہ حکم سے نہیں عقیدت سے لڑ رہے ہوں۔ بعض اوقات تو یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ دستے اُس کی ذاتی فوج ہیں اور یہ سلطان ایوبی کے حکم سے نہیں حبیب القدوس کے اشارے پر ہی لڑتے ہیں۔ اُن کی تربیت اُس نے اتنی سخت کر رکھی تھی اور انہیں اتنی جنگی مشقیں کراتا تھا کہ آج کی زبان میں یہ "کریک ٹروپس" بن گئے تھے۔ اُن کی نفری تین ہزار پیادہ اور دو ہزار سوار تھی۔ تیر اندازی میں اتنے ماہر جیسے اندھیرے میں آواز پہ تیر چلائیں تو تیر بولنے والے کے منہ میں لگے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور سراغرسانی کا ماہر تھا۔ غیاث بلبیس کوتوال تھا اور سول انٹیلی جنس میں مہارت رکھتا تھا۔ اِن دونوں کی رائے یہ تھی کہ حبیب القدوس کو دشمن نے اُس کی اسی خوبی کی وجہ سے اپنے جال میں لیا ہے کہ وہ اپنے پانچ ہزار نفری کے دستوں کو باغی کرے گا۔ پانچ ہزار نفری معمولی نفری نہیں تھی۔ ان دستوں

کو نہتہ کردینے کی بھی تجویز پیش ہوئی تھی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ دلیل دے کر مسترد کردی تھی کہ اس طرح یہ باغی نہ ہوئے تو بھی باغی ہو جائیں گے۔ اس کی بجائے انہوں نے اِن دستوں میں کسی نہ کسی بہروپ میں اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے جو بارکوں میں سپاہیوں کی گپ شپ سنتے رہتے تھے۔ کمانداروں پر بھی اُن کی نظر تھی۔

گہری نظر حبیب القدوس کے گھر پر رکھی گئی تھی۔ اس کی تین بیویوں میں ایک کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان تھی اور دو چوبیس پچیس سال کی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا۔ انہوں نے اتنا ہی بتایا تھا کہ ایک شام اس کے پاس دو آدمی آئے تھے۔ حبیب القدوس اُن کے ساتھ نکل گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔ ملازموں سے بھی بہت گہری تفتیش کی گئی۔ ان سے بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ بیویوں کے متعلق درپردہ معلوم کیا گیا۔ ان میں کوئی بھی مشکوک نہیں تھی۔ صرف اتنا پتہ چلا کہ چھوٹی عمر کی دو بیویوں میں سے ایک کے ساتھ جس کا نام زہرہ تھا اُسے سب سے زیادہ پیار تھا۔ یہ اُسی کے ایک سوار دستے کے کماندار کی بیٹی تھی۔

اس کماندار سے پوچھا گیا کہ اس نے اپنی عمر کے آدمی کو اپنی جوان بیٹی کیوں دی تھی؟ کیا حبیب القدوس نے اُسے ماتحت سمجھ کر مجبور کیا تھا؟

”نہیں“ کماندار نے جواب دیا — ”نائب سالار حبیب القدوس اسلام اور جہاد کے اتنے ہی متوالے ہیں جتنا میں ہوں۔ میں نے اُن کے ساتھ لڑائیاں لڑی ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مومن کی تلوار نیام سے نکل آئے تو نیام میں اس وقت تک نہیں آنی چاہیئے جب تک دشمن کا ایک بھی سپاہی سامنے موجود ہے اور وہ کہا کرتے تھے کہ کفر کا فتنہ ختم ہونے تک جہاد جاری رہنا ہے۔ غداروں سے وہ اتنی نفرت کرتے تھے کہ ایک سرحدی لڑائی میں سوڈانیوں نے اچانک حملہ کیا تو ہمارے دو سوار بھاگ اٹھے۔ نائب سالار نے دیکھ لیا۔ انہیں پکڑنے کا حکم دیا۔ انہیں پکڑ لائے۔ نائب سالار نے اُن سے کچھ پوچھے اور کہے بغیر دونوں کو انہی کے گھوڑوں کے پیچھے اپنے ہاتھوں باندھا اور گھوڑوں پر دو سوار بٹھا کر حکم دیا کہ گھوڑے دوڑاؤ اور رکو اُس وقت جب گھوڑے خود تھک کر رک جائیں۔۔۔۔

”جب گھوڑے واپس آئے تو اُن کا پسینہ بہہ رہا تھا اور سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اِن کے پیچھے بندھے ہوئے سپاہیوں کا یہ حال تھا کہ اُن کے جسم پر کپڑے نہیں تھے اور اُن کی کھالیں اُتر گئی تھیں۔ جسم پر گوشت بھی پورا نہیں تھا۔ لڑائی اس طرح ختم ہو گئی تھی کہ سوڈانیوں میں سے زیادہ مارے گئے، کچھ پکڑے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ حبیب القدوس نے تمام دستے کو اکٹھا کرکے ان سپاہیوں کی لاشیں دکھائیں اور کہا کہ اللہ کی راہ میں لڑنے سے بھاگنے والوں کی یہ سزا دنیاوی ہے، اگلے جہان اُن کے جسم سالم ہوں گے اور انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔۔۔۔

”ہم سب جہاد اور شہادت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ایک روز میری بیٹی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اپنی بیٹی کو بھی دینی تربیت دے رکھی ہے جو باپ نے مجھے دی تھی۔ میرا ایک بیٹا اس وقت سلطان کی فوج کے ساتھ شام میں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو بتایا کرتا تھا کہ ہمارے نائب سالار حبیب القدوس سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مجاہد ہیں۔

میری بیٹی کو اس روز نائب سالار نے دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ کون ہے۔ میں نے بتایا کہ میری بیٹی ہے اور یہ مجاہدہ ہے۔ بہت دنوں بعد انہوں نے مجھے کہا کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی کی اس سے بات کی تو اُس نے کہا کہ بیٹی پہلے ہی کہتی ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے جو اسلام کی پاسبانی میں اپنی جان کی بازی لگانے والا ہو۔ اس طرح میں نے بڑی خوشی سے اپنی بیٹی کی شادی نائب سالار سے کر دی اور میری بیٹی نے انہیں دلی طور پر قبول کر لیا۔ اب سنا ہے کہ وہ لاپتہ ہیں۔ میں آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اُن کے متعلق اگر دل سے کسی کو رنج ہے تو وہ صرف میری بیٹی ہے۔ وہ اسی کو زیادہ چاہتے تھے۔ باقی دو بیویاں کہتی ہیں کہ یہ مر گیا تو کسی اور کے ساتھ شادی کر لیں گی۔“

☆

”مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اُس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے“۔ یہ آواز قاہرہ سے بہت دُور اُن کھنڈروں سے اُبھری تھی جہاں کسی فرعون نے اپنے زمانے میں محل بنایا تھا۔ اُس زمانے میں یہ جگہ بہت خوبصورت اور سرسبز ہو گی۔ علاقہ پہاڑی تھا اور دریائے نیل کے کنارے پر تھا۔ پہاڑیوں پر درخت اور سبزہ تھا اور وہاں دریا کچھ اندر کو آ جاتا تھا۔ کسی فرعون نے یہ محل بنایا تھا۔ سلطان کے دَور میں یہ ڈراؤنا کھنڈر بن چکا تھا۔ دیواروں اور ستونوں پر کائی اُگی ہوئی تھی۔ چیلوں جتنے بڑے چمگادڑوں کے سیاہ بادل اس کھنڈر میں سمٹے رہتے تھے۔ کھنڈروں کے برآمدوں اور کمروں میں انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اُس دَور کے ہتھیار بھی اِدھر اُدھر پڑے نظر آتے ہیں۔ اُدھر اب کوئی نہیں جاتا تھا۔ مشہور ہو گیا تھا کہ وہاں جنوں، چڑیلوں اور بدروحوں کا بسیرا ہے جو زندہ انسانوں کا شکار کرتی ہیں۔

اس ہولناک کھنڈر میں جس کے میلوں دُور سے بھی کوئی نہیں گزرتا تھا، ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے۔ پھر اُس نے کہا۔ ”نہیں آئے گا تو یہاں سے زندہ نہیں نکلے گا۔“

”ہم اُسے اس لیے نہیں لائے کہ یہاں لا کر اُسے قتل کر دیں“۔ دوسرے نے کہا۔ ”اگر قتل کرنا ہوتا تو اُسے اُس کے گھر سے اٹھانے اور اتنی دُور لانے کی بجائے وہیں قتل نہ کر دیتے؟ اُسے اس کام کے لیے تیار کرنا ہے جس کے لیے اسے لائے ہیں۔“

”حشیش اپنا کام کر رہی ہے۔“

”تم کسی کو نشہ پلا کر اُس سے ایسی باتیں کرا سکتے ہو جن کا اُس کی عقل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حشیش سے تم کسی کے ایمان اور نظریئے کو نہیں بدل سکتے۔ یہ شخص پانچ ہزار نفری کی جنگی قوت کا حامل ہے۔ ہمیں صرف اُسے نہیں اُس کی پوری نفری کو اپنے ہاتھ میں لینا اور اسے مصر کی فوج کے خلاف لڑانا ہے۔ پھر مصر ہمارا ہو گا اور ہم صلاح الدین ایوبی کی حالت اُس شیر جیسی ہو گی جو بہت سے شکاریوں کے گھیرے میں ہو گا۔ وہ سب کو چیر پھاڑ دینے کو جھپٹے گا مگر اُسے صرف موت ملے گی۔۔۔۔ اگر سلطان ایوبی کا یہ نائب سالار حبیب القدوس اپنے دستوں کو اشارہ کر دے تو وہ کچھ سوچے بغیر اُس کا حکم مانیں گے۔“

حبیب القدس اسی کھنڈر کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا جسے صاف کر لیا گیا تھا۔ اُس کے نیچے نرم گدے بچھے ہوئے اور اس کے پیچھے گول تکیے تھے۔ آسائش کا سارا سامان موجود تھا۔ اس کے سامنے ایک آدمی بیٹھا تھا جس نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال رکھی تھیں اور وہ کہہ رہا تھا — "مصر میری مملکت ہے۔ صلاح الدین ایوبی عراقی کُرد ہے۔ اُس نے میری مملکت پر قبضہ کر رکھا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے میری مملکت کی حسین لڑکیوں سے اپنا حرم بھر رکھا ہے۔ میرے پانچ ہزار جانباز پورے مصر پر قبضہ کر لیں گے۔"

حبیب القدس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس کے چہرے پر رونق تھی۔ وہ بڑبڑانے کے لہجے میں کہنے لگا — "میری تلوار کہاں ہے؟ میرا گھوڑا تیار کرو۔ میں صلاح الدین ایوبی کو قتل کروں گا۔ میرے پانچ ہزار جانباز ایک دن میں مصر کی فوج سے ہتھیار ڈلوا لیں گے۔"

"صلیبی میرے دوست ہیں" — اُس آدمی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہا — "وہ میری مدد کو آئیں گے۔ دوست وہ جو بُرے وقت میں مدد دے۔"

"میری تلوار کہاں ہے؟" حبیب القدس صاف آواز میں بولنے لگا — "مصر بہت خوبصورت ہو گیا ہے۔ مصر کی لڑکیاں زیادہ حسین ہو گئی ہیں۔ مصر میرا ہے۔ مصر میرا ہے۔"

ایک لڑکی اندر آئی جس کا لباس ایسا تھا کہ برہنہ لگتی تھی۔ اُس کے بال ملائم اور کھلے ہوئے تھے۔ اس کا جسم ہلکے گلابی رنگ کا اور سڈول تھا۔ وہ حبیب القدس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اپنا ایک بازو حبیب القدس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ حبیب القدس اپنا گال اُس کے ریشمی بالوں سے مَس کرنے لگا۔ اُس نے مخمور لہجے میں کہا — "مصر بہت حسین ہو گیا ہے۔"

لڑکی ایک طرف ہٹ گئی اور بولی — "لیکن مجھ پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہے۔"

حبیب القدس نے لپک کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اپنے قریب گھسیٹ کر بولا — "تم پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ تم میری ہو، مصر میرا ہے۔"

"جب تک صلاح الدین ایوبی زندہ ہے یا جب تک مصر پر اُس کی بادشاہی ہے، نہ میں تمہاری ہوں نہ مصر تمہارا ہے۔"

"میں اُسے قتل کر دوں گا" حبیب القدس نے کہا — "میں اُسے قتل کر دوں گا۔"

"رُک جاؤ" ایک سخت غصیلی آواز کمرے میں گونجی۔ یہ ایک صلیبی تھا جو مصری زبان بول رہا تھا۔ یہ وہی تھا جسے کھنڈر میں کسی دوسری جگہ ایک مصری بتا رہا تھا کہ اب یقین ہونے لگا ہے کہ اس شخص (حبیب القدس) کا دماغ ہمارے قبضے میں آ رہا ہے اور اُس نے کہا تھا کہ اسے حشیش کے نشے کے بغیر اپنے کام میں لانا ہے۔ وہ اس کمرے میں آیا جہاں حبیب القدس کے دماغ کو حشیش کے نشے کے زیرِ اثر اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اُس نے غصے میں کہا — "تم حسن بن صباح کے پجاری حشیش اور خفیہ قتل کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے۔ لڑکی کو اس کے پاس رہنے دو اور تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ باہر لے جا کر اُسے کہا — "اب اُسے حشیش نہ دینا۔ اس کا نشہ اُتر جانے دو۔ ہمیں اس کے ہاتھوں صلاح الدین ایوبی کو قتل نہیں کرانا۔ ہمیں اس کے دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ میں بہت دیر سے پہنچا ورنہ اس کا یہ حال نہ ہونے دیتا۔ ہوش میں رکھ کر اسے صلاح الدین ایوبی کا دشمن بنانا ہے۔ تم لوگوں نے اُسے جس خوبی سے اغوا کیا ہے اُس کی میں دل سے تعریف کرتا ہوں اور اس کی تمہیں اتنی قیمت دی جا رہی ہے جو پہلے تمہیں کہیں سے نہیں ملی ہو گی مگر تم نے اسے حشیش دے دے کر ہمارا کام مشکل بنا دیا ہے۔ اسے اب وہ سفوف اور شربت دو جس سے نشے کا اثر اُتر جاتا ہے۔"

☆

صلیبیوں کی جاسوسی اور تخریب کاری اور مسلمان نوجوانوں کی کردار کُشی کے طریقے اناڑیوں والے نہیں تھے۔ اُن کے اُس فن کے ماہرین انسانی فطرت کی کمزوریوں اور مطالبات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اُن کی نظر سلطان ایوبی کی فوج اور انتظامیہ کے ہر افسر پر تھی۔ اُدھر عرب کے اُمراء وزراء اور مختلف ریاستوں کے مسلمان حکمرانوں کی خامیوں سے بھی وہ آگاہ تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ حکمران اور حاکم اُن کے زیرِ اثر ہو جائیں اور سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ یہودی اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کی صورت میں اُن کی پوری مدد کر رہے تھے۔ ان کفار کے ماہرین نے مسلمان حکمرانوں وغیرہ کو چند ایک زمروں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

ایک زمرے میں انہیں رکھا گیا تھا جو ایک دو خوبصورت اور شوخ لڑکیوں، شراب اور زر و جواہرات کے عوض اپنا ایمان بیچ ڈالتے تھے۔ دوسرے زمرے میں وہ تھے جو اپنی الگ ریاست بنا کر اس کے خود مختار بادشاہ بننے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ تیسرے میں وہ تھے جو ملک و ملّت کے وفادار اور پکے مسلمان تھے۔ ان میں سے صلیبی یہ دیکھتے تھے کہ کون اثر و رسوخ والا ہے جسے ہاتھ میں لیا جائے تو وہ سلطان ایوبی کی خفیہ پالیسیوں اور جنگی پروگراموں سے قبل از وقت اطلاعات دے سکتا ہو اور اُن میں کون ایسا ہے جس کا فوج کے کچھ حصے پر اثر ہو اور وہ اس حصے کو اپنی سلطنت کے خلاف باغی کر سکتا ہو۔ ان پکے دینداروں اور مجاہدوں کو ہاتھ میں لینے کے لیے ان کے پاس کچھ طریقے تھے جن میں ایک اغوا کرنا اور اسے اپنا اتحادی بنانا تھا۔ ایک طریقہ قتل کا بھی تھا لیکن قتل کم ہی کرائے جاتے تھے۔ اگر ضرورت پڑے تو قتل حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتلوں سے کرایا جاتا تھا۔

نائب سالار حبیب القدس ایسا حاکم تھا جس قتل کرانے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ہاتھ میں لینا تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مصر کی فوج کی پانچ ہزار نفری اس کی مرید تھی۔ صلیبیوں کے مسلمان ایجنٹوں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ شخص ایمان نہیں جان دینے والا ہے اور اس میں اتنا شدید جذبہ اور غیر معمولی اہلیت ہے کہ اگر اسے اپنے انہی دستوں کے ساتھ ایک لاکھ کے لشکر کے خلاف لڑایا جائے تو شام کا سورج اتنی جلدی افق میں نہیں گرے گا جتنی جلدی اس کے آگے دشمن کی لاشیں اور ہتھیار گریں گے۔

صلیبیوں نے تجربہ کر لیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے کبھی اس کے پاس کوئی نوجوان اور غیر معمولی طور پر

خوبصورت لڑکی ایک نادار، یتیم اور مظلوم لڑکی کے بہروپ میں مدد لینے کے لیے بھیجی۔ کبھی کسی لڑکی کو کسی اور ذاتی کام سے بھیجا۔ ضیافتوں اور کھیل تماشوں میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں اُس کے پیچھے ڈالیں مگر وہ اس جال میں نہ آیا جیسے پتھر ہو۔ مصر میں بغاوت کرانا صلیبیوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدّین ایوبی شام اور فلسطین کے علاقوں کے بکھرے ہوئے مسلمان امراء کو دلائل سے یا تلوار سے اپنا مطیع بناتا چلا جا رہا تھا اور اُس کے بعد اسے فلسطین کا رُخ کرنا تھا۔ اُس کی توجہ فلسطین سے ہٹانے کے لیے ایک طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ مصر میں اُس کی جو فوج ہے اُسے بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔

اس سے پہلے صلیبی سوڈانیوں کو مصری فوج کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ سوڈانی فوج نے حملہ کیا بھی تھا مگر سوڈانی فوج میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی تھی اور وہ توہم پرست تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ ہجوم کی صورت میں لڑتے اور ہجوم کی صورت میں بھاگ گئے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں مصر کے خلاف ہی رکھا، لیکن لڑنے کی نہ سوچی۔ اب بغاوت مصر کی فوج ہی سے کرائی جا سکتی تھی۔ اس کے لیے انہوں نے جو موزوں سالار دیکھا وہ حبیب القدوس تھا۔ جاسوسوں اور ماہرین نے اس کے اغوا کا فیصلہ کیا اور حسن بن صباح کے فرقے کے فدائیوں کو منہ مانگی اجرت دے کر اُن سے اغوا کرا لیا۔

اغوا کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک شام دو آدمی اس کے گھر گئے اور کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ وہاں کی مسجد کی چھت بیٹھ گئی ہے اور پوری مسجد از سرِ نو تعمیر کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رات کو گاؤں کے لوگ جمع ہو رہے ہیں اور وہ بھی چلیں تا کہ لوگ دل کھول کر مالی مدد دیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایسی جذباتی باتیں کیں کہ وہ اُن کے ساتھ چل پڑا۔ شہر سے باہر نکل گئے تو چار اور آدمی ملے۔ ان سب نے اُسے جکڑ لیا اور اس کھنڈر میں لے گئے۔ وہاں پہنچتے ہی اُسے دھوکے میں حشیش پلا دی۔ صلیبی جو اس سے بات کرنے اور اسے اپنا ہم خیال بنانے پر مامور تھا وہ کسی اور کام سے کہیں چلا گیا۔ اُسے اغوا کرنے والے کھنڈر میں موجود رہے۔ کھنڈر کے ایک کمرے میں اس کے لیے آسائش کی ہر چیز پہنچا دی گئی۔ دو لڑکیاں بھی تھیں جو حسین ہونے کے علاوہ دلوں کو موہ لینے اور پتھر جیسے پختہ کردار کے آدمیوں کو بھی حیوان بنا دینے کے فن کی ماہر تھیں۔

ان سب کو معلوم تھا کہ اس نائب سالار کو کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ انہوں نے انعام و اکرام کے لالچ میں از خود ہی اس کے ذہن کو اپنے مخصوص طریقے سے اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہ طریقہ حشیش کی ایک خاص قسم سے نشہ طاری کرنے کا تھا جس کے دوران مطلوبہ فرد کے ذہن میں باتوں کے ذریعے نہایت دلکش تصورات ڈالے جاتے تھے۔ یہ ایک قسم کا ہپناٹائز کرنے کا طریقہ تھا۔ اس میں نیم عُریاں خوبصورت لڑکیاں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ یہ گروہ کئی دنوں سے حبیب القدوس پر یہ طریقہ استعمال کر رہا تھا اور اس نے اُن کے ساتھ مطلب کی باتیں شروع کر دی تھیں جن سے انہیں اُمید بندھ چلی تھی کہ انہوں نے اُس کے دماغ کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔

☆

اُدھر قاہرہ میں مصری فوج اور کوتوالی کے جاسوس اس کی تلاش میں پریشان ہو رہے تھے۔ سب کا یہی خیال تھا کہ وہ سوڈانیوں یا صلیبیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ علی بن سفیان کو معلوم تھا کہ حبیب القدوس کا اثر اپنے دستوں پر کس قدر زیادہ ہے اس لیے اس نے مصر کے قائم مقام امیر کی اجازت سے سلطان ایوبی کو اطلاع بھیج دی تھی۔ توقع یہی تھی کہ وہ اپنے معتمد کمانداروں کو کوئی پیغام بھیجے گا۔ جاسوسوں اور سراغرسانوں نے ہر طرف نظر رکھی لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ اس کا پیغام کسی کی طرف نہیں آیا۔ یہ بھی دیکھا جا رہا تھا کہ ان دستوں میں سے کون سا کماندار غائب ہوتا ہے لیکن اتنے دنوں میں کوئی بھی غیر حاضر نہ ہوا۔

اتنے میں وہ صلیبی کھنڈرات میں آ گیا جسے حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرنی تھی۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ حشیش رکوائی اور حبیب القدوس کا نشہ اُترا۔ صلیبی نے پوری رات نشے کے اثرات اُترنے کا انتظار کیا۔ اگلے روز وہ حبیب القدوس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ ابھی سویا ہوا تھا۔ اس کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جب اُس کی نظر صلیبی پر پڑی تو وہ فوراً اُٹھ بیٹھا اور صلیبی کو بڑی غور سے دیکھنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ اتنے حیران اور پریشان نہ ہوں۔ یہ بدبخت آپ کو حشیش پلاتے رہے اور آپ کو بڑے خوبصورت خواب دکھاتے رہے ہیں۔ آپ حشیش اور فدائیوں کے اس طریقے سے یقیناً واقف ہوں گے۔ آپ کی توہین کی گئی ہے جس کی میں معافی چاہتا ہوں۔ میں آپ کو کوئی خواب نہیں دکھاؤں گا۔ بڑی خوبصورت حقیقت آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اپنے آپ کو قیدی نہ سمجھیں۔ میں آپ کا رتبہ اونچا کروں گا۔ کم نہیں ہونے دوں گا۔"

"یہ لوگ دھوکے میں مجھے یہاں لے آئے تھے۔" حبیب القدوس نے کہا۔ "پھر شاید یہ مجھے کہیں اور لے گئے تھے۔" اُس نے نگاہیں گھما کر ہر طرف دیکھا اور حیران سا ہو کے بولا۔ "وہ کوئی بہت ہی خوبصورت جگہ تھی..... مجھے یہاں کون لایا ہے؟"

"اپنے آپ کو بیدار کریں۔" صلیبی نے کہا۔ "یہ سب حشیش کا اثر تھا۔ آپ پہلے روز سے یہیں ہیں۔"

"مجھے اغوا کیا گیا تھا؟" حبیب القدوس نے حقیقت کو سمجھتے ہوئے ذرا رُعب سے کہا۔ "تم کون ہو؟"

"میں آپ کا ایک مسلمان بھائی ہوں۔" صلیبی نے کہا۔ "مجھے آپ سے لینا کچھ بھی نہیں، کچھ دینا ہے۔"

"اگر میں لینے دینے سے انکار کر دوں تو؟"

"تو زندہ واپس نہیں جا سکیں گے۔" صلیبی نے کہا۔ "آپ قاہرہ سے اتنی دُور ہیں کہ آپ کو میں نے آزاد کر دیا تو آپ راستے میں مر جائیں گے۔"

"مجھے وہ موت زیادہ پسند ہو گی۔" حبیب القدوس نے کہا۔ "میں اپنے دشمن کی قید میں نہیں مرنا چاہتا۔"

"نہ آپ قید میں ہیں نہ میں آپ کا دشمن ہوں۔" صلیبی نے کہا۔ "ان خبیثوں نے آپ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر کے آپ کو بدظن کر دیا ہے۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"ان باتوں کے لیے مجھے اغوا کر کے اتنی دُور لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اگر میں یہ باتیں قاہرہ میں آپ کے ساتھ کرتا تو ہم دونوں قید خانے کے تہہ خانے میں ہوتے۔" صلیبی نے کہا۔۔۔ "وہاں قدم قدم پر علی بن سفیان اور کوتوال غیاث بلبیس نے جاسوس کھڑے رکھے ہیں۔"

حبیب القدوس کا ذہن صاف ہو چکا تھا۔ اس کا دماغ سوچنے کے قابل ہو گیا تھا۔ وہ جان گیا کہ وہ صلیبی تخریب کاروں کے چنگل میں آ گیا ہے۔ اُس نے پوچھا۔۔۔ "تم صلیبیوں کے آدمی ہو یا سوڈانیوں کے؟"

"میں مصر کا آدمی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔۔۔ "اور آپ بھی مصری ہیں۔ آپ بغدادی، شامی یا عربی نہیں۔ مصر مصریوں کا ہے۔ یہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے خاندان کی جاگیر نہیں۔ یہ اسلامی ملک ہے۔ یہاں اللہ کی حکمرانی ہو گی اور اس کا انتظام اور کاروبار مصری مسلمان چلائیں گے۔ کیا آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ ہم پر حکومت کرنے والے بغداد اور دمشق سے آئے ہیں اور انہوں نے مصر کو شام کے ساتھ ملا کر ایک سلطنت بنا لیا ہے؟"

"تم مجھے مصر کو صلاح الدین ایوبی سے آزاد کرانے پر اکسا رہے ہو؟"

"میں جانتا ہوں کہ آپ صلاح الدین ایوبی کو پیغمبر نہیں تو پیر و مرشد ضرور سمجھتے ہیں۔" صلیبی نے کہا۔۔۔ "میں اس کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا۔ ایوبی میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ میں بھی اُسے اتنا ہی پسند کرتا ہوں جتنا آپ کرتے ہیں مگر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ اس کے بعد مصر اُس کے جس بھائی یا بیٹے کے ہاتھ آئے گا اس میں صلاح الدین ایوبی کی خوبیاں نہیں ہوں گی۔ مصر ایک اور فرعون کے قبضے میں آ جائے گا۔"

"مجھ سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟"

"اگر آپ میری بات سمجھ گئے ہیں تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ آپ کیا کر سکتے ہیں۔" صلیبی نے جواب دیا۔۔۔ "اگر آپ کے دل میں شک ہے تو مجھ سے پوچھیں۔ پہلے اپنا شک رفع کریں۔ آپ سوچ لیں۔ آپ ابھی ابھی جاگے ہیں۔ ان بدبختوں کی دی ہوئی حشیش کا ابھی آپ پر اثر ہے۔ میں آپ کے لیے ناشتہ بھجواتا ہوں۔ اتنے دنوں آپ کو کسی نے نہانے نہیں دیا۔ میں آپ کو ایک چشمے پر لے چلوں گا۔"

وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی آیا۔ اُس نے کہا۔۔۔ "میرے ساتھ چلیں۔ ناشتے سے پہلے نہا لیں۔"

☆

کھنڈر سے اُسے کسی ایسے راستے سے نکالا گیا جو پہاڑیوں میں چلا گیا تھا۔ کچھ آگے ایک چشمہ تھا جس کا شفاف پانی چھوٹے سے قدرتی تالاب میں جمع ہو رہا تھا۔ وہ پہاڑیوں سے گھوم کر چشمے کی طرف گئے تو وہاں دو لڑکیاں بالکل ننگی نہا رہی تھیں اور ایک دوسری پر ہاتھوں سے پانی پھینک رہی تھیں۔ حبیب القدوس رک گیا اور اُس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ لڑکیاں چیختی بھاگ اٹھیں۔ اُس ویرانے میں ایسی حسین اور برہنہ لڑکیاں جن اور چڑیلیں لگتی تھیں۔ حبیب القدوس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ہر طرف پہاڑیاں تھیں۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ کھنڈر ایک پہاڑی کے پیچھے آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو آدمی آیا تھا وہ اس کے آگے آگے جا رہا تھا۔

حبیب القدوس نے لپک کر ایک بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا اور بازو کا شکنجہ تنگ کر کے اُس نے

دوسرے ہاتھ سے اس کے پیٹ میں پوری طاقت سے تین چار گھونسے مارے۔ یہ آدمی دم گھٹنے سے مر گیا۔ حبیب القدوس نے اُسے گھسیٹ کر ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے پھینک دیا اور خود بھاگ اٹھا۔ اُس نے ایک پہاڑی میں سے راستہ دیکھ لیا تھا۔ وہاں پہنچا تو ایک آدمی برچھی تانے کھڑا تھا۔ اُس نے اتنا ہی کہا۔۔۔ "واپس۔" وہ نہتہ تھا سر جھکا کر پیچھے کو مڑا۔ چند قدم ہی چلا ہو گا کہ صلیبی اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"میں آپ کو دانشمند سمجھتا ہوں۔" صلیبی نے کہا۔۔۔ "آپ اس علاقے سے نکل نہیں سکتے۔ احمق نہ بنیں۔ نہا لیں۔ میرے ساتھ آئیں۔"

وہ جھیل سے نہا کر نکلا اور کپڑے پہنے۔ صلیبی اُسے اپنے ساتھ لے آیا۔ راستے میں اس نے صلیبی سے پوچھا۔۔۔ "یہ لڑکیاں تمہارے ساتھ ہیں؟"

"اس ویرانے میں ایسی رونق ساتھ رکھنا ضروری ہے۔" صلیبی نے کہا۔۔۔ "کیا آپ کی تین بیویاں نہیں؟.... اگر آپ کو ان کے ساتھ دلچسپی نہیں تو نہ سہی۔ اگر آپ تنہائی یا گھبراہٹ محسوس کریں تو ان لڑکیوں میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔"

اتنے میں ایک لڑکی ناشتہ لے کر آئی۔ حبیب القدوس اُسے دیکھتا ہی رہا۔ لڑکی اس کے پاس بیٹھ گئی اور صلیبی باہر نکل گیا۔ لڑکی نے باتوں اور اداؤں سے اُس پر طلسم طاری کر دیا۔ بہت دیر بعد جب صلیبی واپس آیا اور لڑکی چلی گئی تو حبیب القدوس کو افسوس سا ہوا۔

"آپ آزاد مصر کے سالارِ اعلیٰ ہوں گے۔" صلیبی نے اُسے کہا۔۔۔ "آپ کے دستوں میں جو تین ہزار پیادے اور دو ہزار سوار ہیں وہ آپ کے مرید ہیں۔ آپ اُن کی مدد سے مصر کی حکومت پر قبضہ کر سکتے ہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی حملہ کرے گا تو کیا میں انہی دستوں سے مصر کو اُس سے بچا لوں گا؟"

"سوڈانی مسلمان جو کبھی مصر کی فوج میں ہوا کرتے تھے ہمارے ساتھ ہوں گے۔" صلیبی نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جو مصری ہیں اُن تک ہم خبر پہنچائیں گے کہ یہ خانہ جنگی نہیں بلکہ مصری مصر کو آزاد کرانے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ آپ اپنے دستوں سے بغاوت کرائیں۔ آپ کو جنگی طاقت دینا ہمارا کام ہے۔"

اس آدمی نے لمبی تفصیل سے اُسے اپنا منصوبہ بتایا۔ حبیب القدوس اب انکار نہیں کر رہا تھا بلکہ یوں سوال کر رہا تھا جیسے وہ قائل ہو گیا ہو۔

"میں واپس قاہرہ نہیں جاؤں گا تو بغاوت کیسے کراؤں گا؟" حبیب القدوس نے پوچھا۔

"آپ واپس نہیں جائیں گے۔" صلیبی نے کہا۔۔۔ "آپ یہیں سے اپنے قابلِ اعتماد ساتھیوں کو پیغام دیں گے۔ اس کا انتظام ہم کریں گے.... آپ نے ہمارے ایک قیمتی آدمی کو مار ڈالا ہے۔ ہم آپ کو قتل کر سکتے ہیں۔ ہمارے بازو اتنے لمبے ہیں کہ آپ کے خاندان کے بچے بچے کو قتل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں دھوکہ دیا تو ہم ایسا کر کے دکھا بھی دیں گے۔"

"پھر مجھے یہاں لمبے عرصے کے لیے رہنا پڑے گا۔" حبیب القدوس نے کہا۔

"کچھ عرصہ تو لگے گا۔" صلیبی نے جواب دیا۔

"میری ایک مزدوت پوری کردو"۔ حبیب القدوس نے کہا۔ "تم نے مجھے دو لڑکیاں پیش کی ہیں۔ میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں اتنی حسین لڑکی میں اُلجھ کر اپنا اصل مقصد بھول جاؤں۔ اس کی بجائے یہ انتظام کردو کہ میری سب سے چھوٹی بیوی کو جس کا نام زہرہ ہے، یہاں لے آؤ۔ اُسے میں پیغام رسانی کے لیے بھی استعمال کرسکوں گا۔"

"اُسے اغوا کرنا پڑے گا"۔ صلیبی نے کہا۔ "اگر اُسے ہم یہ کہیں گے کہ آپ اسے بلا رہے ہیں تو وہ ہم پر اعتبار نہیں کرے گی۔ وہ ہمیں پکڑوا بھی سکتی ہے۔ ہم آپ کو اس کا جو نعم البدل دے رہے ہیں، اُسے آپ قبول کرلیں اور پیغام رسانی کے لیے اپنے کسی آدمی کا اتا پتہ دیں۔"

"پھر مجھ پر اعتماد کرو"۔ حبیب القدوس نے کہا۔ "مجھے قاہرہ پہنچا دو۔ میں ایک ماہ کے اندر بغاوت کرا دوں گا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا"۔ صلیبی نے کہا۔ "محترم! ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ مصر کے مفاد میں ہے اور اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے۔ میں یا میری تنظیم کا کوئی بھی فرد مصر کا حکمران بننے کا خواب نہیں دیکھ رہا۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"میں سمجھ گیا ہوں"۔ حبیب القدوس نے کہا۔ "اور میں سوچ سمجھ کر بات کر رہا ہوں۔ میری بیوی زہرہ تک میرا پیغام پہنچاؤ کہ میرے پاس آجائے۔ جو کام وہ کرسکتی ہے وہ کوئی اور نہیں کرسکتا۔ اس کے آنے کے بعد دیکھوں گا کہ اس منصوبے کو کس طرح کامیاب بنایا جاسکتا ہے۔"

وہ ایک بھکارن تھی جس نے زہرہ کو راستہ میں روک لیا تھا۔ وہ دو تین دنوں سے دیکھ رہی تھی کہ زہرہ حبیب القدوس کے گھر سے ہر روز بعد دوپہر اپنے ماں باپ کے گھر جاتی ہے۔ بھکارن نے اُس کے آگے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "نائب سالار حبیب القدوس نے آپ کو بلایا ہے۔ یہ اُن کے ہاتھ کی تحریر ہے"۔ زہرہ نے کاغذ ہاتھ میں لے کر تحریر پڑھی۔ یہ اس کے خاوند کے ہاتھ کی تھی۔ بھکارن نے کہا۔ "وہ جہاں کہیں بھی ہیں خود گئے ہیں۔ اتنے بڑے آدمی کو کوئی اٹھا کر نہیں لے جاسکتا۔ وہ صرف آپ کو چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زہرہ کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا..... اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ آپ نے مجھے پکڑوانے کی کوشش کی یا کوتوال کو اطلاع دی تو دونوں کو قتل کردیا جائے گا۔ حبیب القدوس کے پاس آپ کا جانا ضروری ہے۔"

"میں تم پر کس طرح اعتبار کرلوں؟" زہرہ نے پوچھا۔

"میں بھکارن نہیں"۔ عورت نے جواب دیا۔ "یہ میرا بہروپ ہے۔ میں بھی آپ کی طرح شہزادی ہوں۔ ہمارا مقصد نیک اور مقدس ہے۔ آپ دل میں کوئی وہم نہ رکھیں۔"

اس عورت نے اور بھی بہت سی باتیں کیں جن سے زہرہ متاثر ہوگئی۔ اُس نے اس عورت کے کہنے کے مطابق رات کو ایک جگہ چوری چھپے پہنچنے کا وعدہ کرلیا۔ اس نے اس ڈر سے کسی سے ذکر نہ کیا کہ اس عورت نے کہا تھا کہ اس کی اور اُس کے خاوند کی زندگی، [illegible] عزت کا اور [illegible] آزادی اور غلامی کا سوال تھا۔

اُسے رات مقرر کی ہوئی جگہ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ دو آدمی جنہیں وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچان نہ سکی، بھکارن کے ساتھ آئے۔ بھکارن کو اُس نے آواز سے پہچانا مگر وہ اب بھکارنوں کے بہروپ میں نہیں تھی۔ وہ کوئی جوان اور خوبصورت عورت تھی۔ اس نے زہرہ سے کہا۔ "اللہ کے بھروسے پر اُن کے ساتھ چلی جاؤ۔ دل میں کوئی ڈر نہ رکھنا۔" اُسے ایک گھوڑے پر بٹھایا گیا۔ وہ دونوں بھی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور زہرہ ایک ایسے سفر پر روانہ ہوگئی جس کی منزل کا اُسے علم نہ تھا۔ عورت وہیں کھڑی رہی۔ شہر سے دُور جا کر سواروں نے زہرہ سے کہا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنا ضروری ہے۔ زہرہ ان میں اکیلی تھی، مزاحمت نہیں کرسکتی تھی۔ اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔

دو روز بعد پتہ چلا کہ نائب سالار حبیب القدوس کی چھوٹی بیوی بھی لاپتہ ہوگئی ہے۔ سراغرسانوں نے ابتدائی تفتیش کی تو وہ ماننے کو تیار نہ ہوئے کہ اُسے اغوا کیا گیا ہے۔ حبیب القدوس کے متعلق ہر کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ صلیبیوں یا سوڈانیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ اب لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ اس کی بیوی بھی اُس کے پاس چلی گئی ہے۔ کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کس وقت اور کس طرح گئی ہے۔ اس وقت تک وہ حبیب القدوس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اُس کی آنکھیں اُس کمرے میں کھولی گئی تھیں جہاں اس کا خاوند اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ پوری رات اور اگلا دن آدھا دن سفر میں رہی تھی۔ راستے میں اُسے کھانے پلانے کے دوران آنکھوں سے پٹی کھولی گئی تھی اور اسے ساتھ لے جانے والے آدمیوں نے اُس کے ساتھ کوئی بلا ضرورت یا ایسی ویسی بات نہیں کی تھی۔ اُسے انہوں نے یقین بار بار دلایا تھا کہ اُسے ڈرنا نہیں چاہیئے۔

حبیب القدوس کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ اس کے ساتھ صلیبی بھی تھا۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا۔ "یہ ہمارا دوست ہے اور اپنے آپ کو یہاں قیدی نہ سمجھنا۔ تم بہت تھکی ہوئی ہو۔ آج رات آرام کرلو۔ کل صبح تمہیں بتائیں گے کہ ہم کیا کرنے والے ہیں۔ تم اکثر کہا کرتی ہو کہ تم مردوں کی طرح جہاد میں شریک ہونا چاہتی ہو۔ میرے اس دوست نے تمہارے لیے بڑا اچھا موقعہ پیدا کردیا ہے۔"

صلیبی انہیں اکیلا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

☆

زہرہ ابھی نوجوانی کی عمر میں تھی اور اُس کے حسن میں خاصی کشش تھی۔ جسم چھریرا اور طبیعت میں کچھ شوخی بھی تھی۔ شام سے ذرا پہلے وہ دو لڑکیاں جنہیں حبیب القدوس نے تالاب میں نہاتے دیکھا تھا اس کے کمرے میں آئیں اور زہرہ کو بے تکلف سہیلیوں کی طرح اپنے ساتھ لے گئیں۔ یہ تھا تو ہیبت ناک کھنڈر لیکن لڑکیاں جہاں رہتی تھیں وہ کمرہ سجا ہوا اور وہاں رنگین فانوس تھے۔ اس کمرے میں کھنڈر کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ زہرہ تھوڑے سے وقت میں اُن میں گھل مل گئی۔ اُن میں سے ایک لڑکی نے اُسے کہا۔ "تمہارے ماں باپ کتنے ظالم ہیں جنہوں نے تم جیسی نوخیز کلی کو اس بوڑھے کے قدموں میں پھینک دیا ہے۔ تمہیں اس نے خریدا تو نہیں تھا؟"

"ہاں!" زہرہ نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔ "اس نے مجھے خریدا تھا۔ میں بھاگ کر کہیں جا بھی تو نہیں سکتی۔"

"اگر کوئی پناہ مل جائے تو بھاگ جاؤ گی؟"

"اگر یہ پناہ میری موجودہ زندگی سے بہتر ہوئی تو میں ضرور بھاگوں گی" — زہرہ نے کہا اور پوچھا: "اس نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟ تم لوگ کون ہو؟ کیا یہ مجھے بیچ رہا ہے؟"

"اگر تم ہمارے پاس آجاؤ تو شہزادی بن کے رہو گی" — ایک لڑکی نے اُسے کہا — "ہم تمہیں بتا دیں گی کہ ہم کون ہیں لیکن اس سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تم ہمارے ساتھ رہنے کے قابل بھی ہو یا نہیں...... تم ہمارے ساتھ باہر جا کر ہماری طرح کپڑے اتار کر تالاب میں نہا سکو گی؟"

"اس حیوان سے مجھے آزاد کرا دو تو جو کہو گی کروں گی" — زہرہ نے کہا۔

ایک آدمی زہرہ کو کھانے کے لیے بلانے آگیا۔ اس نے کہا کہ نائب سالار کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔ زہرہ چلی گئی تو وہی صلیبی آگیا جو حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرتا رہا تھا۔ لڑکیوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے بتایا — "یہ لڑکی ہمارے کام کی ہے اور وہ اس بوڑھے خاوند سے سخت نفرت کرتی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو اُسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے یہ کتنی خوبصورت ہے۔ اس میں شوخی بھی ہے اور اس کا جسم سختی برداشت کر سکتا ہے۔ تربیت کی ضرورت ہے۔"

"لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ شخص تو یہ کہتا تھا کہ اسے اپنی اس بیوی پر اعتماد ہے اور وہی پیغام رسانی کا کام کر سکتی ہے" — صلیبی نے کہا — "اگر یہ لڑکی اس شخص سے نفرت کرتی ہے تو اسے دھوکہ دے گی اور ہم سب کو پکڑوائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اس معاملے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ آدمی ہمارے فریب میں آگیا ہے۔ مجھے مصری مسلمان اور وطن پرست سمجھتا ہے۔ ہمارا کام کرنے کو تیار ہو گیا ہے۔ اگر یہ لڑکی اُسے دھوکہ دینے کی سوچ سکتی ہے تو ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں اسے پرکھوں گا۔ تم رات کو تھوڑی دیر کے لیے اسے میرے پاس لے آنا کسی بہانے باہر چلی جانا۔"

کھانے کے کچھ دیر بعد لڑکیاں پھر اُسے ہنسنے کھیلنے اور گپ شپ کے لیے لے آئیں۔ اُسے پہلے سے زیادہ بے تکلف بلکہ کسی حد تک بے حیا کر دیا۔ صلیبی آگیا اور لڑکیاں کسی بہانے باہر نکل گئیں۔ صلیبی نے زہرہ سے وہی باتیں کیں جو لڑکیاں اس کے ساتھ کر چکی تھیں۔ صلیبی نے اُسے اپنے معیار کے مطابق پرکھا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کرنے لگا تو زہرہ نے اپنا بازو چھڑا کر کہا — "میں ایسی عام اور سستی چیز نہیں کہ ذرا سے اشارے پر آپ کی گود میں گر پڑوں گی۔"

صلیبی کو اس کی یہ بات پسند آئی۔ لڑکی ہر کسی کے ہاتھ آنے والی نظر نہیں آتی تھی۔ البتہ اُس نے یہ دیکھ لیا کہ زہرہ میں وہ جوہر موجود ہیں جو ان کی جاسوس اور تخریب کار لڑکیوں میں ہوتے تھے۔ ذرا تربیت کی ضرورت تھی۔ اُسے بھی زہرہ نے بتایا کہ اسے اپنے خاوند سے نفرت ہے لیکن وہ چونکہ مجبور ہے اور نفرت کا اظہار نہیں کر سکتی اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے چاہتی ہے۔

"اب بھی نفرت کا اظہار نہ کرنا" — صلیبی نے اُسے کہا — "میں تمہیں اس سے آزاد کرا لوں گا اور تم شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کرو گی...... تم یہیں بیٹھو، میں تمہاری سہیلیوں کو تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں۔"

وہ کمرے سے نکل گیا اور لڑکیوں کے پاس چلا گیا۔ انہیں کہا — "لڑکی کام کی ہے۔ اُسے اپنے سانچے میں لے لو۔ حبیب القدوس اسے بُری طرح چاہتا ہے۔ اس لڑکی کو ہم اس راستے پر لائیں گے کہ وہ اس کے ساتھ دیوانہ وار محبت کا عملی اظہار کرتی رہے تاکہ وہ اپنے قابل اعتماد کمانداروں وغیرہ کے ساتھ اس لڑکی کی معرفت رابطہ قائم کر سکے۔ یہ تمہارا کام ہے کہ لڑکی کو اپنے جال میں لے لو۔ اسے اپنی زندگی کا شاہانہ پہلو دکھاؤ اور تم جانتی ہو کہ اسے کس طرح اور کس مقصد کے لیے تیار کرنا ہے۔"

☆

زہرہ حبیب القدوس کے ساتھ والہانہ محبت کا اظہار کرتی رہی اور صلیبی اور اس کی ساتھی لڑکیوں کو بتاتی رہی کہ اسے حبیب القدوس سے نفرت ہے۔ دونوں لڑکیوں نے اسے اپنے ساتھ رکھنا اور باہر لے جانا شروع کر دیا۔ اسے چشمے کے تالاب پر لے گئیں تو اس نے بلا جھجک تمام کپڑے اتار دیئے اور لڑکیوں کے ساتھ پانی میں کھیلنے لگی۔ پھر یہ ان کا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ رات وہ حبیب القدوس کے ساتھ گزارتی تھی۔ دن کا زیادہ تر وقت دونوں لڑکیاں اسے اپنے ساتھ رکھتیں اور کبھی صلیبی بھی اس کے ساتھ دوستانہ باتیں کرتا تھا۔ زہرہ چار پانچ دنوں میں ان لڑکیوں جیسی ہو گئی۔ اس کی شوخیاں بے حیائی کا رنگ اختیار کرنے لگیں اور لڑکیاں آہستہ آہستہ اُسے اپنی پُراسرار زندگی کے متعلق بتانے لگیں۔

اس دوران صلیبی نے حبیب القدوس کے ساتھ بغاوت کا منصوبہ تیار کر لیا۔ حبیب القدوس نے یہ منصوبہ تیار کرنے میں بہت مدد دی۔ اب صلیبی کو اس پر اعتبار آگیا تھا۔ اس نے حبیب القدوس کو مصری فوج کے ایک دو اعلیٰ حکام اور دو انتظامیہ کے حاکموں کے نام بتائے جو درپردہ سلطان صلاح الدین کے خلاف تھے اور بغاوت کی سوچ رہے تھے۔ انہوں نے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی طرح اسے ہاتھ میں لیا جائے۔ صلیبی نے اسے یہ نہ بتایا کہ وہ صلیبی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مصری وطن پرست ہی بتاتا رہا۔ اس کا مقصد بغاوت کرانا تھا۔

زہرہ ان دونوں لڑکیوں میں اس قدر شیر و شکر ہو گئی تھی کہ اب یہ کہنا کہ وہ کسی شریف باپ کی بیٹی یا ایک مسلمان نائب سالار کی بیوی ہے غلط تھا۔ حبیب القدوس اسے اپنی وفادار بیوی سمجھتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اس کھنڈر سے اور پہاڑیوں میں گھری ہوئی دنیا سے تنگ آگئی ہے۔ لڑکیوں نے اسے کہا کہ وہ اُسے ان پہاڑیوں سے پرے کی دنیا دکھا لائیں گی۔ چنانچہ وہ اسے ایک پہاڑی راستے سے گزار کر ایک جھیل کے کنارے لے گئیں اور اس کے کنارے کنارے جب وہ اور آگے گئیں تو اسے دریائے نیل نظر آیا۔ اسی کا پانی پہاڑی کے اندر آکر جھیل بنا ہوا تھا۔ ایک جگہ پہاڑی کی اوٹ میں ایک کشتی چھپی ہوئی تھی جس میں دو چپو تھے۔ یہ جگہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ زہرہ ان لڑکیوں کے ساتھ وہاں ہنستی کھیلتی رہی۔

"یہاں فرعونوں کی شہزادیاں کھیلا کرتی تھیں" — ایک لڑکی نے کہا۔

"اور تم دونوں اُن کی بدروحیں لگتی ہو" — زہرہ نے ہنس کر کہا۔

"تمہارے مقابلے میں ہم دونوں واقعی بدروحیں لگتی ہیں" — دوسری لڑکی نے کہا۔

"سنو زہرہ!" ــــ ایک لڑکی نے اس سے کہا ــــ "تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ تمہارا یہ بوڑھا خاوند یہاں کیوں چھپا بیٹھا ہے اور تمہیں کیوں لایا گیا ہے؟"

"وہ تو پہلے روز ہی اس نے بتا دیا تھا" ــــ زہرہ نے کہا ــــ "میں یہ کام کر دوں گی مگر کہتے ہیں کہ چند دن رُک جاؤ۔"

"اور تم جانتی ہو کہ ہم آزاد مصر کی شہزادیاں ہوں گی؟"

"مجھے اس خاوند سے آزاد کرا دیا تو میں اپنے آپ کو شہزادی سمجھنے لگوں گی" ــ زہرہ نے کہا۔

"یہ طے ہو چکا ہے لیکن تمہارے خاوند کو معلوم نہیں" ــ لڑکی نے کہا ــــ "کیا تم اس کام کے لیے تیار ہو جو اس سلسلے میں تمہیں کرنا ہو گا؟"

"وقت آئے گا تو دیکھنا" ــــ زہرہ نے کہا ــــ "اگر مجھے یہ کام نہ کرنا ہوتا تو اپنے خاوند کو یہاں قتل کر چکی ہوتی۔ یہاں اچھا موقعہ تھا۔"

☆

دوسرے دن بھی وہ لڑکیوں کے ساتھ دریا کے کنارے چلی گئی۔ لڑکیاں اُسے جس راستے دریا تک لے جاتی تھیں، وہ ایسا راستہ تھا کہ وہ اکیلی جاتی تو اُسے یہ راستہ کبھی نہ ملتا۔ یہ راستہ قدرتی تھا لیکن خفیہ۔ زہرہ نے انہیں ایک دو بار کہا تھا کہ کشتی پر دریا میں چلیں لیکن لڑکیوں نے اُسے روک دیا تھا۔ حبیب القدوس پر بھی اب پہلے جیسی پلیدی نہیں رہی تھی۔ اس نے یقین دلا دیا تھا کہ وہ آزاد مصر کا حامی ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا تختہ اُلٹ کر دم لے گا۔ اب اس کا یہ حال تھا کہ صلیبی اس کے ساتھ اس موضوع پر اتنی باتیں نہیں کرتا تھا جتنی وہ خود کرنے لگا تھا۔ اس شخص میں انقلاب آگیا تھا۔

ایک دو روز بعد اس کھنڈر میں دو اور آدمی آئے۔ ان میں ایک سوڈانی تھا اور دوسرا مصری۔ انہیں حبیب القدوس سے ملایا گیا۔ وہ ان دونوں کو نہیں جانتا تھا۔ اُن کے پاس مصر، سوڈان اور عرب کے نقشے تھے۔ کچھ اور کاغذات بھی تھے۔ انہوں نے حبیب القدوس کے ساتھ بغاوت کے حقیقی پہلوؤں پر بڑی طویل بات کی۔ حبیب القدوس نے نہ صرف دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ انہیں ایسے مشورے دیئے جو اُن کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے حبیب القدوس کو چند اور لوگوں کے نام بتائے جو مصر کی فوج اور انتظامیہ میں تھے اور درپردہ سلطان ایوبی کے خلاف زمین ہموار کر رہے تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے یہ بھی بتایا کہ مصر کی سرحد پر مصری فوج کے جو دستے ہیں انہیں غلط احکام دے کر سرحدی دفاع میں انتشار پیدا کر لیا جائے گا جس سے سوڈان کی فوج کے کچھ دستے اندر آ کر بغاوت میں جان ڈال سکیں گے۔

"بغاوت کامیاب ہونے کی صورت میں مصر کا امیر کون ہو گا؟" ــــ حبیب القدوس نے پوچھا۔

"چونکہ تنظیم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سالارِ اعلیٰ آپ ہوں گے اس لیے سب نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ امیر آپ ہی ہوں گے" ــ مصری نے کہا ــــ "صلاح الدین ایوبی یقیناً حملہ کرے گا اور جنگ طول پکڑ سکتی ہے اس لیے آزاد مصر کا پہلا امیر سالار ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جنگی حالات میں کسی غیر عسکری کو امارت کی گدی پر بٹھانا مناسب نہیں ہو گا۔ آپ میں جو خوبیاں ہیں وہ اور کسی سالار میں نہیں۔"

حبیب القدوس کا سینہ اور زیادہ پھیل گیا اور اس کی گردن تن گئی۔

"امید ہے آپ کو اس پر اعتراض نہیں ہو گا کہ ضرورت پڑنے پر ہم نے صلیبیوں سے بھی مدد لینے کا انتظام کر لیا ہے" ــ سوڈانی نے کہا۔

"انہیں معاوضہ کس شکل میں دیا جائے گا؟" ــــ حبیب القدوس نے پوچھا۔

"ان کے لیے یہی معاوضہ کافی ہے کہ ہم صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑیں گے اور مصر کو آزاد کرائیں گے" ــ مصری نے کہا ــ "انہیں مصر نہیں چاہیئے۔ وہ فلسطین کو ایوبی سے بچانے کی فکر میں ہیں۔ مصر ایوبی کے ہاتھ سے نکل گیا تو اس فوج سے جو مصر میں موجود ہے، محروم ہو جائے گا اور اُسے یہاں سے جو رسد اور دیگر جنگی امداد ملتی ہے وہ بند ہو جائے گی اور اگر اس نے مصر پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ جو مصری سپاہی ہیں وہ اپنے مصری بھائیوں کے خلاف نہیں لڑیں گے۔"

حبیب القدوس نے انہیں نہایت اچھی ترکیبیں بتائیں اور یقین دلایا کہ اس کے ماتحت پانچ ہزار لشکری کے جو دستے ہیں وہ اس کے اشارے پر بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اب یہ طے کرنا تھا کہ ان دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے کیا کیا طریقے اور ذریعے اختیار کیے جائیں۔

"صورت ایک ہی بہتر ہے کہ میں واپس چلا جاؤں" ــــ حبیب القدوس نے کہا ــــ "مگر مجھے واپس نہیں جانا چاہیئے کیونکہ مجھ سے پوچھا جائے گا کہ میں کہاں رہا۔ مجھے اپنی بیوی نے بتایا ہے کہ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنی مرضی سے دشمن کے پاس چلا گیا ہوں۔ اس شک کی بنا پر وہ مجھے حراست میں لے لیں گے پھر سارا کھیل شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔ میں نے دراصل یہ غلطی کی ہے کہ بیوی کو یہاں بلا لیا ہے۔ اُسے اگر واپس بھیجا تو اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں ہو گا۔ مجھے یہیں رہنا چاہیئے۔ ذرا مجھے سوچنے دیں کہ میں اپنے کن کن سے کمانداروں سے آپ کا رابطہ کراؤں۔"

اب حبیب القدوس کی وفاداری پر کوئی شک نہ رہا۔

☆

"حلب کا محاصرہ کھیل نہیں ہو گا" ــــ سلطان صلاح الدین ایوبی فرات کے کنارے خیمے میں بیٹھا اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا ــــ "تم سب کو یاد ہو گا کہ ہم نے پہلے بھی ایک بار اس شہر کو محاصرے میں لیا تھا لیکن حلب والے ایسی بے جگری سے لڑے تھے کہ ہمیں محاصرہ اٹھانا پڑا تھا۔ یہ حلب والوں کی بہادری تھی جس نے ہمیں آنے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ حالات نہیں ہیں، پھر بھی ہمیں ہر خطرے کی پیش بندی کر لینی چاہیئے۔ یہاں سے فوج میں جو بھرتی لی گئی ہے اس پر ابھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ مصر سے کمک منگوانی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے میں نائب سالار حبیب القدوس کے دستوں کو بلاؤں" ــــ یہ کہہ کر سلطان ایوبی خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے دبی دبی سی آواز میں کہا ــ "میں مان نہیں سکتا کہ حبیب القدوس مجھے دھوکہ دے گیا ہے ..... وہ آخر کہاں گیا؟ ..... میں جب مصر سے روانہ ہوا تھا

تھا تو اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ مصر کا غم دل سے نکال دیں، صلیبیوں یا سوڈانیوں نے آپ کی غیر حاضری میں مصر پر حملہ کیا تو صرف میرے تین ہزار پیادے اور دو ہزار سوار اُن کے حملے کو پسپا کر دیں گے اور اگر کسی نے مصر کے اندر سر اٹھایا تو اس کا سر اُس کے دھڑ کے ساتھ نہیں رہے گا..... ہم اللہ کے سپاہی ہیں لیکن وہ اللہ کا شیر ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے اس کی انہی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے دشمن نے اسے غائب کر دیا ہے۔" ایک سالار نے کہا۔ "اس کا آدھی فوج پر بڑا گہرا اثر ہے۔ اس لحاظ وہ اپنی ذات میں ایک طاقت ہے۔ دشمن نے ہمیں اس طاقت سے محروم کیا ہے۔"

"اگر وہ نہ ملا تو اُس کے دستوں کو یہاں بلاؤں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن اتنی جلدی نہیں بلاؤں گا۔ مصر کا دفاع زیادہ ضروری ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ مصر کو باہر سے اتنا خطرہ نہیں جتنا اندر سے ہے۔ ایمان فروش ہمارے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے فلسطین کو ہم سے بہت دُور کر دیا ہے۔"

اور اس وقت قاہرہ سے دُور پہاڑیوں میں گھرے ہوئے ایک ڈراؤنے کھنڈر میں سلطان ایوبی کا قابل اعتماد اور بڑا ہی قابل نائب سالار مصر میں بغاوت کا اہتمام کر چکا تھا۔ کھنڈر میں اس رات جشن منایا جا رہا تھا۔ اگر باہر کے لوگ اس رات کھنڈر میں آتے تو ڈر کر بھاگ جاتے۔ وہ ان چند ایک انسانوں اور اتنی حسین لڑکیوں کو جنّات یا بدروحیں سمجھتے۔ صحیح معنوں میں جنگل میں منگل بنا ہُوا تھا۔ آٹھ دس آدمی تھے۔ ان میں سے حبیب القدوس صرف اس صلیبی کو جو پہلے دن سے اس کے ساتھ تھا، مصری اور سوڈانی کو جن کے ساتھ اس نے بغاوت کے منصوبے کو آخری شکل دی تھی، جانتا تھا۔ دوسروں کو اس نے پہلی بار دیکھا۔ یہ سب اسی کھنڈر میں حبیب القدوس کے آنے سے پہلے موجود تھے لیکن پہاڑیوں کے اندر اور اوپر چھپ چھپ کر پہرہ دیتے رہتے تھے۔ وہ انہی کا ایک ساتھی تھا جسے حبیب القدوس نے فرار کی کوشش میں قتل کر دیا تھا۔ اب پہرے کی ضرورت نہیں تھی۔ حبیب القدوس اُن کا قابلِ اعتماد دوست بن چکا تھا۔ اسے انہوں نے خفیہ طریقوں سے آزما بھی لیا تھا۔

آج رات یہ پورا گروہ جشن میں شامل تھا۔ ضیافت کا ویسا ہی انتظام تھا جیسا کسی محل میں ہوتا ہے۔ شراب کی صراحیاں خالی ہو رہی تھیں۔ ان کی دونوں لڑکیوں نے رقص بھی کیا تھا۔ حبیب القدوس جشن میں شریک تھا لیکن اس نے شراب پینے سے انکار کر دیا تھا۔ اُسے مجبور نہ کیا گیا۔ زہرہ نے دوسری لڑکیوں کی طرح شراب پیش کی لیکن خود نہ پی۔ صلیبی نے مصری اور سوڈانی سے کہہ دیا تھا کہ زہرہ کے متعلق محتاط رہیں ورنہ حبیب القدوس بگڑ جائے گا۔ زہرہ نے دوسری لڑکیوں کی طرح بے حیائی کا مظاہرہ نہ کیا لیکن جشن میں دل چسپی اور جوش و خروش سے حصہ لے رہی تھی۔

آدھی رات تک سب شراب میں مدہوش ہو چکے تھے۔ مصری اور صلیبی دونوں لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بعض تو بے ہوش ہو گئے تھے۔ زہرہ نے حبیب القدوس کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ وہاں سے اُٹھ گیا۔ زہرہ نے اس کمرے میں جا کر جھانکا جہاں مصری اور سوڈانی لڑکیوں کو لے گئے تھے۔ وہ دونوں آدمی اور لڑکیاں برہنہ حالت میں پڑی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی ہوش میں نہیں تھا۔ زہرہ کو معلوم تھا کہ ہتھیار کہاں رکھے ہیں۔ وہ ایک برچھی، ایک تلوار، دو کمانیں اور تیروں سے بھرے دو ترکش اٹھا لائی۔ حبیب القدوس اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ اس نے زہرہ کے ہاتھ

سے تلوار لے لی۔ ایک کمان اور ترکش اپنے کندھوں سے لٹکایا اور دوسری زہرہ کے کندھوں سے لٹکا دی اور برچھی اسی کے پاس رہنے دی۔

"ان سب کو قتل نہ کر دیا جائے؟" زہرہ نے حبیب القدوس سے پوچھا۔

"یہاں سے فوراً نکلنا زیادہ ضروری ہے۔" حبیب القدوس نے کہا۔ "مجھے دریا تک لے چلو۔"

زہرہ نے دریا تک راستہ دیکھ رکھا تھا۔ اگر پہلے یہ راستہ نہ دیکھا ہوتا تو وہ دونوں وہاں سے کبھی نہ نکل سکتے۔ زہرہ آگے آگے چل پڑی۔ وہ دبے پاؤں جا رہے تھے اور ان کے کان اِدھر اُدھر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ حبیب القدوس نے تلوار اور زہرہ نے برچھی تان رکھی تھی۔ زہرہ حبیب القدوس کو کشتی تک لے گئی جو چھپا کر رکھی گئی تھی۔ دونوں نے کشتی کھولی۔ اس میں بیٹھے اور نہایت آہستہ آہستہ چپو مارنے لگے تاکہ آواز پیدا نہ ہو۔ ہر لمحہ ڈر تھا کہ کہیں نہ کہیں سے کوئی آدمی نکل آئے گا یا کہیں سے تیر آئے گا..... کچھ بھی نہ ہُوا۔ کشتی پہاڑیوں کے تنگ راستے سے نکل گئی اور دریا کا شور شروع ہو گیا۔

"اللہ کا نام لو اور ایک چپو تم سنبھال لو۔" حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا۔ "تم جہاد میں حصہ لینے کی خواہش مند رہتی تھی۔ اللہ نے تمہیں موقعہ دے دیا ہے۔ ہم ابھی خطرے سے نکلے نہیں۔ کشتی کو دریا کے درمیان لے چلتے ہیں۔"

ایک چپو زہرہ نے اور دوسرا حبیب القدوس نے لے لیا اور دونوں کشتی کھینے لگے۔ پہاڑیاں کے سیاہ بھوت پیچھے ہٹنے اور چھوٹے ہونے لگے۔

☆

اُن دنوں دریائے نیل کنارے سے کنارے تک بھرا ہُوا اور پورے جوبن پر تھا۔ کناروں کے ساتھ ساتھ بہاؤ پُرسکون تھا، درمیان میں بہت تیز اور سرکش لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ حبیب القدوس کو وہاں تک نہیں جانا چاہیے تھا لیکن کنارے کے ساتھ ساتھ جانا بھی پُرخطر تھا۔ جونہی کشتی تیز بہاؤ میں پہنچی، یوں لگا جیسے کسی قوت نے اسے اپنی طرف گھسیٹ لیا ہو۔ کشتی تیزی سے بہنے، اوپر اٹھنے اور گرنے لگی۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا۔ "گھبرا نہ جانا۔ ہم ڈوبیں گے نہیں۔ میں ذرا سمت دیکھ لوں۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔" زہرہ نے کہا۔ "ڈوب گئے تو کیا ہو جائے گا۔ ان کافروں کی قید سے تو نکل آئے ہیں۔"

حبیب القدوس نے آنکھیں سکیڑ کر پہاڑوں کی طرف دیکھا جو اب زمین کے اُبھار کی طرح نظر آ رہے تھے۔ پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور پُرجوش لہجے میں بولا۔ "میں اس جگہ کو پہچانتا ہوں۔ اس پہاڑی خطے کی صحرا والی طرف اپنے دستوں کو پہاڑی جنگ کی مشق کرا چکا ہوں۔ اِدھر دریا والی طرف سے میں واقف نہیں تھا۔ ہم سیدھے قاہرہ جا رہے ہیں۔ نیل ہمیں بڑی تیزی سے قاہرہ لے جا رہا ہے..... اللہ کا شکر ادا کرو زہرہ! یہ خدائی مدد ہے۔ اللہ مجھے... کو پہچانتا ہے..... لیکن ہمیں قاہرہ سے پہلے ایک اور جگہ رکنا ہے۔ کچھ دور آگے دریا کا موڑ ہے۔ اس کے قریب ہماری فوج کی ایک چوکی ہے۔ دریائی گشت کے لیے اُن کے پاس کشتیاں ہیں۔ اس چوکی کی نفری سے میں ان سب

آدمیوں کو پکڑ سکوں گا، مگر وہ بیدار ہو جائیں گے؟"

"مجھے اُمید ہے کہ کل دوپہر تک ان میں سے کوئی بھی بیدار نہیں ہو سکے گا" — زہرہ نے کہا — "میرے ہاتھ سے انہوں نے شراب خاصی زیادہ پی لی تھی اور میں نے آخری بھری ہوئی صراحی سے انہیں جو ایک پیالہ پلایا تھا، اس میں خاکی سے رنگ کا تھوڑا سا سفوف ملا دیا تھا؟"

"وہ کیا تھا؟"

"ان لڑکیوں پر میں نے جس طرح اعتماد پیدا کر لیا تھا، وہ تو آپ کو ہر رات تنہائی میں بتاتی رہی ہوں" — زہرہ نے کہا — "کل کی بات ہے کہ انہوں نے حشیش دکھائی اور اس کا استعمال سکھایا، پھر انہوں نے مجھے ایک ڈبیہ کھول کر یہ سفوف دکھایا اور کہا کہ بعض آدمیوں کو بیہوش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ چٹکی بھر سفوف شربت یا پانی یا کھانے میں ملا دو تو آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اُسے جہاں جی چاہے اٹھا لے جاؤ..... آج رات جب میں شراب کے مٹکے سے آخری صراحی بھرنے گئی تو اس ڈبیہ میں سے آدھا سفوف اس میں ملا دیا۔ اگر اس کا اثر ویسا ہی ہے جیسا لڑکیوں نے بتایا ہے تو انہیں کل شام تک ہوش میں نہیں آنا چاہیے۔"

حبیب القدوس نے آنکھیں سکیڑ کر پہاڑوں کی طرف دیکھا اور پُر جوش لہجے میں بولا — "میں اس جگہ کو پہچانتا ہوں!" اس کے آنسو پھوٹ آئے۔ یہ جذبات کی شدت اور خراجِ تحسین کے آنسو تھے۔ اُس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں نے تمہیں بہت سخت آزمائش میں ڈال دیا تھا زہرہ! میں نے تمہیں جس دنیا کا بھید لینے کو کہا تھا وہ گناہوں کی غلیظ مگر بڑی حسین دنیا ہے۔ تم نے میرے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے۔"

"آپ کے لیے نہیں اسلام کی عظمت کے لیے" — زہرہ نے کہا — "میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ مقدس فرض ادا کرنے کا موقعہ دیا۔ آپ شاید مجھ پر اعتبار نہ کریں۔ گناہوں کی پُر کشش دنیا میں جا کر بھی اپنا دامن گناہ سے پاک رکھا ہے۔ یہ بھی اچھا ہُوا کہ مجھے یہاں لایا گیا تو انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ تنہا رہنے دیا ورنہ آپ مجھے بتا نہ سکتے کہ یہ لوگ آپ کو بغاوت کرانے کے لیے اغوا کر کے لائے ہیں اور مجھے ان لڑکیوں میں بے حیا اور شوخ لڑکی بن کر یہ ظاہر کرنا ہے کہ مجھے آپ سے نفرت ہے اور میں اس سے بھاگنا چاہتی ہوں۔ آپ نے جب مجھے ان لڑکیوں کی خصلتیں اور ان کے کمالات بتائے اور کہا کہ میں بھی ایسی ہی بن جاؤں تو میں گھبرا گئی تھی کیونکہ میں تو تصور میں بھی ایسا نہیں کر سکتی لیکن یہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ یہ حرکتیں اور یہ سب باتیں مجھ سے بغیر کوشش کے ہو گئیں اور خدا نے مجھے کامیابی عطا فرمائی۔ اگر یہ لڑکیاں مجھے دریا تک کا راستہ نہ دکھاتیں تو ہم وہاں سے کبھی نہ نکل سکتے..... کیا آپ نے مجھے اسی کام کے لیے یہاں بلایا تھا؟"

"نہیں!" — حبیب القدوس نے کہا — "یہ صورت تمہارے آنے سے از خود پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے کچھ اور سوچا تھا۔ تمہیں استعمال اپنی رہائی کے لیے ہی کرنا تھا۔ تمہیں قرمطی پیغام رساں بنانا تھا لیکن ان لڑکیوں نے تم میں کسی اور دلچسپی کا اظہار کیا تو میرے دماغ میں یہ ترکیب آ گئی جس پر تم نے نہایت خوبی سے عمل کیا اور اب ہم آزاد ہیں..... میں نے ان لوگوں پر اعتماد کر لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ غیر معمولی طور پر چالاک ہوتے ہیں لیکن ہم لوگ اپنے

ہوش اور ایمان قائم رکھیں تو یہ لوگ احمق ہیں۔ میرے ساتھ جس آدمی کو تم نے دیکھا تھا، اپنے آپ کو مصری مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ میں پہلے روز ہی جان گیا تھا کہ یہ صلیبی ہے اور میں صلیبیوں کے جال میں آ گیا ہوں۔"

☆

وہ پہاڑی خطہ بہت دُور رہ گیا تھا۔ نیل کے دریا کی رو بہت ہی تیز ہو گئی اور زیادہ جوش میں آ گئی تھی۔ کشتی اس کے رحم و کرم پر اوپر اٹھتی، گرتی اور اٹھتی جا رہی تھی۔ چپّو بیکار تھے۔ دریا کے جوش اور قہر میں جو اضافہ ہو گیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دریا تنگ ہو گیا ہے اور آگے موڑ ہے۔ یہ وہی موڑ تھا جس سے کچھ آگے فوج کی چوکی تھی..... اچانک کشتی رُکی اور گھوم گئی۔ حبیب القدوس نے چپّو تھام لیے۔ دریا کا شور بہت بڑھ گیا تھا۔ کشتی ایک چکّر میں گھومنے لگی۔ کشتی بھنور میں آ گئی تھی۔ حبیب القدوس نے پوری طاقت سے چپّو مارے مگر بھنور کے چکّر کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ کشتی قابو میں نہیں رہی تھی۔ اُسے اپنے دونوں مسافروں سمیت دریا کی تہہ میں جانا تھا۔

"زہرہ!" — حبیب القدوس نے چلّا کر کہا — "میری پیٹھ پر آ جاؤ۔"

زہرہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گئی اور بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ لیے۔ حبیب القدوس نے اُسے کہا "مجھے اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لو اور مجھ سے الگ نہ ہونا" — یہ کہہ کر اس نے چکّر میں بھنور کے زور پر تیرتی کشتی سے دریا میں اس طرح چھلانگ لگائی کہ بھنور سے باہر پہنچ جائے۔

وہ زہرہ کے ساتھ پانی کے اندر چلا گیا اور جسم کی تمام تر قوتیں مرکوز کر کے اُبھر آیا۔ وہ بھنور کی زد سے نکل گیا لیکن یہ موڑ تھا اور دونوں طرف چٹانیں تھیں۔ پانی سکڑ گیا تھا اور موجیں زیادہ اونچی اور غضبناک ہو گئی تھیں۔ زہرہ تیرنا نہیں جانتی تھی۔ اس نے خدا سے مدد مانگنی شروع کر دی۔ حبیب القدوس اس کے بوجھ تلے سیلابی موجوں سے لڑ رہا تھا۔ وہ اُسے چٹان کے ساتھ پٹختی تھیں اور وہ چٹان سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ اپنا اور زہرہ کا منہ پانی سے باہر رکھے لیکن موجیں اُسے بار بار ڈبو کر اوپر سے گزر جاتی تھیں۔

پھر موجیں اُسے موڑ سے نکال لے گئیں اور دریا چوڑا ہو گیا۔ حبیب القدوس کے بازو اور ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ اس نے طاقت کے آخری ذرّے یکجا کیے اور اس تُند رَو سے نکلنے کو زور لگایا۔ اس نے محسوس کیا کہ زہرہ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی ہے۔ اس نے زہرہ کو پکارا مگر وہ نہ بولی۔ اس کے بازو بالکل ڈھیلے ہو گئے..... حبیب القدوس سمجھ گیا کہ زہرہ کے منہ اور ناک کے راستے پانی اندر چلا گیا ہے۔ اُسے بچانا اور تیرنا بہت مشکل ہو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالا اور زور لگایا تو تُند رَو سے نکل گیا۔ کنارا ابھی دُور تھا۔ اب تیرنا آسان تھا۔ اس نے مدد کے لیے چلّانا شروع کر دیا۔

اُس کا جسم اکڑ چکا تھا اور زہرہ گری جا رہی تھی کہ ایک کشتی اُس کے قریب آئی۔ اُسے آواز سنائی دی — "کون ہو؟" — اُس نے آخری بار بازو مارے اور لپک کر کشتی کا کنارا پکڑ لیا۔ اُس نے کہا — "اسے میرے اُوپر سے

اٹھالو"۔ زہرہ کو کشتی والوں نے اوپر گھسیٹ لیا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ کشتی میں اُس کی فوج کے سپاہی تھے۔ اُن کی چوکی بیس تھی۔ وہ حبیب القدس کی پکار پر اِدھر آئے تھے۔

چوکی میں جا کر اس نے بتایا کہ وہ نائب سالار حبیب القدس ہے۔ چوکی کے کماندار نے اُسے پہچان لیا اور بہت حیران ہُوا۔ زہرہ بے ہوش پڑی تھی۔ حبیب القدس نے اُسے پیٹ کے بل لٹا کر بیٹھ اور پہلوؤں پر اپنا وزن ڈالا تو اس کے منہ اور ناک سے بہت پانی نکلا۔ وہ ابھی ہوش میں نہیں آئی تھی۔ حبیب القدس نے کماندار سے کہا کہ دو بڑی کشتیوں میں دس دس سپاہی سوار کرو اور پہاڑی خطّے تک چلو۔ اس نے بتایا کہ پہاڑیوں کے اندر جو کھنڈر ہے اس میں دس بارہ صلیبی تخریب کار بے ہوش پڑے ہیں انہیں لانا ہے اور ہو سکتا ہے وہاں کچھ اور آدمی پہنچ چکے ہوں۔ مجھے خشکی کی طرف سے اندر جانے کے راستے کا علم نہیں۔

"میں ایک راستہ جانتا ہوں"۔ کماندار نے کہا۔ "خشکی سے آسان رہے گا"۔

☆

بیس گھوڑ سواروں کے آگے حبیب القدس اور چوکی کا کماندار تھا۔ صبح کی روشنی ابھی دُھندلی تھی جب وہ پہاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ خاموشی کی خاطر انہوں نے گھوڑے باہر ہی رہنے دیئے اور پیدل آگے گئے۔ حبیب القدس کی جسمانی حالت کو دریا نے چوس لیا تھا، پھر بھی چلا جا رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں چوکی میں چھوڑ آیا تھا۔ اُس کے لیے زیادہ ضروری تخریب کاروں کی گرفتاری تھی۔ وہ پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان بھُول بھلیوں جیسے راستوں سے گزرتے گئے۔ کچھ دیر بعد انہیں کھنڈر نظر آنے لگا۔

سب سے پہلے حبیب القدس کو صلیبی نظر آیا۔ اُس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور سر ڈول رہا تھا۔ اُسے پکڑا گیا تو وہ کچھ بڑبڑایا۔ سات آٹھ آدمی وہیں بے ہوش پڑے تھے جہاں رات کو گرے تھے۔ کمرے میں مصری اور سوڈانی اور دونوں لڑکیاں برہنہ اور بے ہوش پڑی تھیں۔ ان سب کو سپاہیوں نے اٹھا لیا۔ اُن کا سامان بھی اٹھا لیا گیا اور ان سب کو گھوڑوں پر ڈال کر چوکی میں لے گئے۔ اُس وقت تک زہرہ ہوش میں آ چکی تھی۔

دن کا پچھلا پہر تھا جب یہ تخریب کار ہوش میں آنے لگے۔ اس وقت قاہرہ کے راستے میں تھے۔ وہ گھوڑوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بیس سپاہیوں کی حراست میں تھے۔ حبیب القدس نے ان کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ قافلہ چلتا رہا۔

آدھی رات کے بعد علی بن سفیان کے ملازم نے اُسے جگایا اور کہا کہ امیر بلاتے ہیں۔ وہ فوراً پہنچا۔ وہاں غیاث بلبیس بھی موجود تھا۔ علی بن سفیان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حبیب القدس بھی بیٹھا تھا۔ اُس نے اُن تمام فوجی اور غیر فوجی حاکموں کے نام بتائے جو اُسے کھنڈر سے معلوم ہوئے تھے۔ یہ غدّار تھے۔ انہیں بغاوت میں شامل ہونا اور کامیاب کرانا تھا۔ قائم مقام امیر کے حکم سے اسی وقت اُن سب کے گھروں پر چھاپے مارے گئے اور سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُن کے گھروں سے جو زر و جواہرات برآمد ہوئے وہ اُن کے جرم کو ثابت کر رہے تھے۔

☆

اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی حلب کو محاصرے میں لینے کے لیے اس شہر کے قریب ایک مقام میدان الاخضر پر خیمہ زن تھا۔ اُس نے شام اور دوسرے مقامات سے اپنی فوج کے تھوڑے تھوڑے دستے بلا لیے تھے۔ حلب کے متعلق وہ اپنے سالاروں سے کہہ چکا تھا کہ اس شہر کے لوگ اسی طرح بے جگری سے لڑیں گے جس طرح وہ پہلے محاصرے میں لڑے تھے۔ مگر اُس کے جاسوسوں نے جو حلب کے اندر تھے اُسے یہ اطلاع دی تھی کہ اب اتنے برسوں کی خانہ جنگی سے حلب کے لوگوں کے خیالات بدل گئے ہیں۔ خیالات بدلنے کے سلطان ایوبی نے بھی زمین دوز اہتمام کیا تھا۔ اب وہاں کا حکمران سلطان عماد الدین تھا جسے لوگ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے، پھر بھی سلطان ایوبی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہُوا۔ اس نے اِدھر اُدھر سے دستے میدان الاخضر جمع کر لیے۔

وہ اپنے سالاروں کو آخری ہدایات دے رہا تھا کہ قاہرہ کا قاصد پہنچا۔ اُس نے جو پیغام دیا اُسے پڑھ کر اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "میرا دل کہہ رہا تھا کہ حبیب القدس مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔ اللہ اسلام کی ہر بیٹی کو زہرہ کا جذبہ اور ایمان دے"۔ علی بن سفیان نے اسے نائب سالار حبیب القدس کی واپسی کی ساری روئیداد لکھی تھی جس میں اس کی بیوی زہرہ کا تفصیلی ذکر تھا۔ اُس نے اسی وقت پیغام کا جواب لکھوایا جس میں ان غدّاروں کے لیے جو پکڑے گئے تھے یہ سزا لکھی کہ انہیں گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر گھوڑے شہر میں دوڑائے جائیں اور گھوڑے اس وقت روکے جائیں جب ان غدّاروں کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہو جائے۔

دو روز بعد سلطان ایوبی نے حلب پر چڑھائی کر دی جو محاصرہ نہیں یلغار تھی۔ بڑی منجنیقوں سے شہر کے دروازوں پر پتھر اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں ماری گئیں۔ شہر کی دیواروں پر اور اندر بھی ہانڈیاں پھینک کر آتشیں تیروں کا مینہ برسا دیا گیا۔ دیواریں توڑنے والے جیش دیواریں توڑنے لگے لیکن شہر والوں اور فوج کی طرف سے مزاحمت میں اتنی شدت نہیں تھی۔ قاضی بہاؤ الدین شدّاد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ حلب کے حکمران عماد الدین کے امراء و وزراء اُس کی خامیوں سے آگاہ تھے۔ اس نے صلیبیوں سے جنگی امداد کے علاوہ سونے کی صورت میں دولت بہت لی تھی۔ اس کے امراء و وزراء کی نظر اس پر تھی۔ انہوں نے ایسے مطالبات پیش کیے کہ عماد الدین جو پہلے ہی سلطان ایوبی کی طوفانی یلغار سے خوفزدہ تھا، ان مطالبات سے گھبرا گیا۔

اس نے حلب کے قلعہ دار (گورنر) حسام الدین کو سلطان ایوبی کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ اسے موصل کا تھوڑا سا علاقہ دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے اس کی یہ شرط مان لی۔ یہ خبر جب شہر کے لوگوں نے سنی تو وہ عماد الدین کے محل کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔ عماد الدین نے اعلان کیا کہ یہ خبر صحیح ہے کہ وہ حلب سے دستبردار ہو کر جا رہا ہے اور لوگ اپنا کوئی نمائندہ سلطان ایوبی کے پاس بھیج کر اس کے ساتھ صلح کر لیں یا جو کارروائی وہ کرنا چاہتے ہیں کریں۔

شہر کے معززین نے عزالدین جردوک النوری اور زین الدین کو اپنی نمائندگی کے لیے سلطان ایوبی کے پاس بھیجا۔ جردوک النوری مملوک تھا۔ وہ ۱۱ رجون ۱۱۸۲ء (۱۷ صفر ۵۷۹ ہجری) کے روز سلطان ایوبی کے پاس گئے اور اپنی تمام فوج کو شہر کے باہر بلا کر سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا۔ فوج کے ساتھ حلب کے معززین اور امراء و وزراء

بھی آئے تھے۔ سلطان ایوؔبی نے سب کو بیش قیمت لباس پیش کیے۔

چھٹے روز جب سلطان ایوؔبی اس فتح سے مسرور تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ اس کا بھائی تاج الملوک جو اسی جنگ میں زخمی ہوگیا تھا چل بسا ہے۔ سلطان ایوؔبی کی مسرّت گہرے غم میں بدل گئی۔ تاج الملوک کے جنازے میں عماد الدّین بھی شامل ہُوا۔ اس کے بعد عماد الدّین حلب سے نکل گیا۔ سلطان ایوؔبی نے حلب کی حکومت سنبھال لی۔ بہاؤ الدّین شدّاد کے بیان کے مطابق، اُس نے اپنی تمام فوج کو جو لمبے عرصے سے مسلسل لڑ رہی تھی، رخصت پر گھروں کو بھیج دیا اور خود حلب کے انتظامی امور میں مصروف ہوگیا۔ اُس کی منزل بیت المقدس تھی۔

☆

ایوبی نے قسم کھائی تھی

صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر اس روز رونق تھی اور آنکھوں میں وہ چمک جسے اُس کی ہائی کمانڈ کے سالار اور اس کے قریب رہنے والے سویل حکام بڑی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اس کے چہرے پر ایسی رونق اور آنکھوں میں ایسی چمک اُس وقت آیا کرتی تھی جب وہ کوئی تاریخی فیصلہ کر چکا ہوتا تھا۔ وہ محرم ۵۸۳ ہجری (مارچ ۱۱۸۷ء) کا مہینہ تھا۔ سلطان ایوبی دمشق میں تھا۔ وہ اُن تمام مسلمان اُمراء، حکمرانوں اور قلعے داروں کو اپنا مطیع اور اتحادی بنا چکا تھا جو صلیبیوں کے دوست بن کر اس کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم حلب اور موصل کے والی عزالدین اور عمادالدین تھے۔ اُنہوں نے برسوں پر پھیلی ہوئی خانہ جنگی کے بعد سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ان کی فوجیں سلطان ایوبی کی مشترکہ کمان کے تحت آ گئی تھیں۔

وہ دمشق اُس وقت گیا تھا جب اس نے یہ عہد پورا کر لیا تھا کہ فلسطین کی طرف پیش قدمی سے پہلے ایمان فروشوں کو گھٹنوں بٹھاؤں گا تاکہ ان میں سے کوئی بھی اس کے اور قبلۂ اوّل کے درمیان حائل نہ ہو سکے۔ ان غداروں کو بزورِ شمشیر راہِ راست پر لا کر سلطان ایوبی نے اپنی زبان سے یہ نہیں کہا تھا کہ فاتح ہوں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اسلام کی تاریخ کا یہ باب بڑا ہی شرمناک ہو گا جس میں یہ واقعات بیان کیے جائیں گے کہ صلاح الدین کا دور سیاہ دور تھا جب صلیبی بیت المقدس پر قابض تھے اور مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے۔ البتہ وہ یہ ضرور کہا کرتا تھا کہ غداروں کو اپنا اتحادی بنا کر ہم نے صلیبیوں کے عزائم تباہ کر دیئے ہیں۔

اُس روز دمشق میں اس نے اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں، مشیروں اور فوج سے تعلق رکھنے والے غیر فوجی حکام کو کانفرنس کے لیے بلایا تو سب نے سلطان کے چہرے پر مخصوص رونق اور آنکھوں میں وہ چمک دیکھی جو کبھی کبھی دیکھنے میں آیا کرتی تھی۔ سب سمجھ گئے کہ ان کے سلطان نے اپنی منزل کو روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس میں کسی کو شک نہ تھا کہ اُس کی منزل بیت المقدس ہے۔ اب انہیں اس کی زبان سے یہ سننا تھا کہ کس روز اور کس وقت کوچ ہو گا اور کوچ کس ترتیب سے ہو گا اور راستہ کون سا ہو گا۔

"میرے دوستو! میرے رفیقو!" — سلطان صلاح الدین ایوبی ٹھہری ہوئی آواز میں اُن سے مخاطب ہوا۔ "آپ سب یقیناً میری تائید کریں گے کہ ہم بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کے لیے تیار ہیں۔ آج میں آپ سے جو باتیں کروں گا اور آپ اپنے شکوک رفع کرنے کے لیے مجھ سے جو سوال پوچھیں گے اور جو اعتراض کریں گے وہ ہماری تاریخ ہو گی۔ ہمارے الفاظ اور ہمارے عہد تاریخ کی تحریر بنیں گے اور یہ تحریر ہماری آخری نسل تک جائے گی۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہم اس دنیا میں یہ تحریر چھوڑ کر جائیں گے اور خدا کے حضور اپنے اعمال لے کر جائیں گے۔ یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کے آگے اور خدائے ذوالجلال کے آگے شرمسار ہونا ہے یا سرخرو۔ فتح کی ضمانت ہم میں سے کوئی بھی نہیں

دے سکتا مگر ہم سب یہ عہد کر سکتے ہیں کہ ہم لڑیں گے، مریں گے، واپس نہیں آئیں گے۔"

سلطان ایوبی نے سب کو دیکھا۔ اس کی نگاہیں سب پر گھومیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے کہا "میں تمہیں خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں کروں گا لیکن آپ میں سے کسی کے دل میں یہ ڈر ہو کہ صلیبیوں کے پاس جتنی فوج ہے ہم اس سے آدھی فوج تیار کر سکے ہیں اور ہم اتنی دور لڑنے جا رہے ہیں۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم ہمیشہ تھوڑی سی کم نہیں بلکہ بہت کم تعداد سے کئی گنا زیادہ دشمن سے لڑے اور فتح پائی ہے۔ جنگ تعداد سے نہیں جذبے اور عقل سے لڑی جاتی ہے۔ ایمان مضبوط ہو تو بازو، تلواریں اور دل بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پاس ایمان کی کمی نہیں، عقل کی بھی کمی نہیں۔ اپنے ایمان کو مضبوط رکھیں اور عقل کو استعمال کریں۔"

"ہم میں کوئی ایک بھی نہیں جو اپنی اور دشمن کی فوجی طاقت کا موازنہ کر رہا ہو" — چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری نے اٹھ کر کہا اور اپنے ساتھیوں پر نظریں دوڑائیں۔ ہر ایک نے اس کی تائید کی۔ صارم مصری نے کہا۔ "البتہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہم بیت المقدس تک کس طرف سے اور کس انداز سے پہنچیں گے۔ احتیاط لازمی ہے۔ ہم تکبر سے گریز اور حقیقت کو تسلیم کریں گے۔"

"میں نے آپ کو یہی بتانے کے لیے بلایا ہے" — سلطان ایوبی نے کہا — "میں نے پیش قدمی اور جنگ کا منصوبہ آپ کے مشوروں سے تیار کیا ہے اور میں نے کئی راتوں کی سوچ کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ ہماری پہلی منزل حطین ہوگی۔ آپ سب حطین کی جنگی اہمیت سے آگاہ ہیں۔ وہاں مجھے وہ زمین مل جائے گی جہاں میں صلیبیوں کو لڑانا چاہتا ہوں۔ جنگ کا یہ اصول جو میں آپ کو پہلے بھی کئی بار بتا چکا ہوں، اپنے ذہن پر نقش کر لو کہ جنگ میں آپ کی بہترین دوست وہ زمین ہے جس پر آپ دشمن کو لا کر لڑاتے ہیں۔ زمین ایسی منتخب کرو جو آپ کو فائدہ اور دشمن کو نقصان دے۔ یہ زمین ہمیں حطین کے علاقے میں میسر آئے گی، بشرطیکہ آپ برق رفتاری، رازداری اور چپل کاری سے اس زمین تک پہنچ جائیں اور دشمن کو تمام فائدوں سے محروم کر دیں۔۔۔۔

"حطین کے علاقے میں بلندیاں بھی ہیں اور پانی بھی۔ آپ بلندیوں اور پانیوں پر قبضہ کر لیں تو سمجھ لیں کہ آپ آدھی جنگ جیت گئے، لیکن دشمن کو ایسی زمین پر لانا آسان کام نہیں۔ اگر ہمارے منصوبے کی ایک بھی کڑی پر عمل نہ ہو سکا تو سارا منصوبہ تباہ ہو جائے گا اور تباہی ہمیں وہاں تک لے جائے گی جہاں سے واپسی ناممکن ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس ماہ کے وسط تک دمشق سے کوچ کر سکیں گے۔ میں نے حلب اور مصر قاصد بھیج دیے ہیں۔ انہیں تیز رفتاری سے، کم سے کم پڑاؤ کر کے، فوجیں بھیجنی ہیں جو ہمیں راستے میں ملیں گی۔ ہمیں اپنی تمام فوجوں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے۔ باہر سے آنے والی فوج اور یہاں کی فوج کو ملا کر اور ان کے سالاروں کو مکمل منصوبہ بتا کر فوجوں کی تقسیم کرنی ہے۔ ہماری پیش قدمی فوج کے مختلف حصوں کی پیش قدمی ہوگی۔ ہر حصے کا راستہ الگ ہوگا۔۔۔۔

"میں نے رازداری برقرار رکھنے کا انتظام حسب معمول کر دیا ہے۔ آپ کے سوا کسی اور کو، کسی کماندار اور کسی سپاہی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ ہمارے جاسوس دشمن کے علاقے میں موجود ہیں۔ وہ دشمن کی ذرا ذرا سی حرکت کی اطلاعیں باقاعدگی سے بھیج رہے ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ دشمن کے ان جاسوسوں کو اندھا بہرہ اور

گونگا کر دیا جائے جو ہمارے علاقے میں موجود ہیں۔ حسن بن عبداللہ نے اس کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ ایک بات میں آپ کو ابھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ میرے ساتھ ہوگا جسے میں الگ لے جاؤں گا۔"

سلطان ایوبی اچانک خاموش ہو گیا۔ اس کا سر جھک گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر کو جھٹکا دے کر اوپر کیا اور بولا۔ "چار سال گزرے، میں نے ایک قسم کھائی تھی۔ مجھے یہ قسم پوری کرنی ہے۔"

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کی یہ قسم ایک تاریخی واقعہ تھا۔ اس نے کانفرنس میں چار سال پہلے کا یہ واقعہ سب کو یاد دلایا۔ اس سلسلے کی پہلی کہانیوں میں تفصیل سے سنایا جا چکا ہے کہ صلیبی حکمران اخلاق اور کردار سے ایسے عاری تھے کہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ یہ کام ان کی فوج کیا کرتی تھی۔ جن دنوں حاجیوں کے قافلے حجاز کو جاتے اور واپس آتے تھے ان دنوں صلیبی فوج کے دستے ان قافلوں کو لوٹنے کے لیے راستوں میں گھات لگاتے تھے۔

ایک صلیبی حکمران ارناط جو اس وقت کرک پر قابض تھا یہ کام اپنے حکم اور اپنے خاص دستوں سے کرایا کرتا تھا۔ اپنے اس جرم پر وہ ناز بھی کیا کرتا اور حاجیوں کے قافلے کو لوٹ کر فخر سے اس کا ذکر کیا کرتا تھا جیسے اس نے مسلمانوں پر بہت بڑی فتح حاصل کی ہو۔ اس کی اس رہزنی کا ذکر صرف مسلمان مؤرخوں نے ہی نہیں کیا۔ یورپی مؤرخوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ قافلوں کو لوٹنے کا انتظام کس طرح کیا کرتا تھا۔

۱۱۸۲-۸۴ء میں اس کے ایک دستے نے حجاز سے مصر کو واپس جانے والے حاجیوں کے ایک قافلے پر حملہ کیا اور لوٹ لیا تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے لکھا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی بیٹی بھی اس قافلے میں تھی۔ لیکن اور کسی مؤرخ یا اس وقت کے وقائع نگار نے یہ نہیں لکھا کہ اس قافلے میں سلطان ایوبی کی بیٹی تھی۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی ڈائری مستند دستاویز ہے کیونکہ وہ ان واقعات کا عینی شاہد ہے۔ البتہ ایک اشارہ ایک وقائع نگار کی تحریر سے ملتا ہے جو اس طرح ہے کہ جب سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ ارناط کی فوج نے مصر کے ایک قافلے کو لوٹ لیا ہے تو سلطان ایوبی کی غضب ناک اور گرجدار آواز سنائی دی تھی — "وہ میری بیٹی تھی۔ میں اس کا انتقام لوں گا۔ وہ میری بیٹی تھی۔"

قافلے میں کوئی نوجوان لڑکی تھی جسے صلیبی اٹھا لے گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے اسی وقت قسم کھائی تھی۔

"ارناط کو میں آج سے اپنا ذاتی دشمن سمجھتا ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اس سے اپنے ہاتھوں انتقام لوں گا۔"

سب جانتے ہیں کہ ان کے سلطان نے اس آواز اور اس لب و لہجے میں کبھی بات نہیں کی۔ وہ بھڑک کر بات کرنے اور بڑ مارنے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی ہر بات فیصلہ ہوا کرتی تھی۔ اس نے جب انتقام کی قسم کھائی تو سب سمجھ گئے کہ یہ سلطان کا عزم اور فیصلہ ہے۔ یوں تو ہر صلیبی حکمران اسلام کا دشمن تھا لیکن ارناط اسلام کی اور رسول کریمؐ کی توہین کرتا رہتا تھا۔ مسلمان قیدیوں کو سامنے کھڑا کر کے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وہ دشنام طرازی کرتا اور کہا کرتا — "بلاؤ اپنے رب کعبہ کو، تمہاری مدد کرے۔ پڑھو اپنے رسول کا کلمہ کہ تم آزاد ہو جاؤ" — اور وہ قہقہے لگایا کرتا تھا۔ اس کی اس عادت سے سلطان ایوبی بھی واقف تھا، اس لیے وہ ارناط کا جب نام لیتا تو نفرت کا بھرپور

اظہار کیا کرتا تھا۔

آج چار سال بعد سلطان ایوبی جب صلیبیوں کے خلاف فوج کشی کی ہدایات اپنے سالاروں کو دے رہا تھا تو اس نے یہ سارا واقعہ یاد دلا کر کہا۔ "اس بدبخت کافر (ارناط) سے مجھے اپنے ہاتھوں سے انتقام لینا ہے۔ اللہ مجھے یہ موقعہ اور ہمت عطا فرمائے کہ میں اپنے رسول ﷺ کی ہتک کا انتقام لے سکوں"۔۔۔ اس نے سالاروں کو مزید ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ ہم تین ماہ بعد اُس موسم میں حطین کے علاقے میں پہنچیں گے جب سورج کے شعلے پانی کے قطروں کو ریت کے ذرّوں میں بدل دیتے ہیں، اور جب ریت کے یہ جلتے ہوئے ذرّے انسانوں کو بھون ڈالتے ہیں اور جب ریگزار میں سراب اور آسمانوں کو اٹھنے والے ریت کے بگولوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں صلیبیوں کو اس وقت لڑاؤں گا جب سورج سر پر ہو گا۔ صلیبی لوہے کے خودوں اور زرہ بکتر میں جل جائیں گے۔ لوہے کا جو لباس وہ تیروں، تلواروں اور برچھیوں سے بچنے کے لیے پہنتے ہیں وہ ہر صلیبی کا اپنا اپنا جہنم بن جائے گا۔"

مؤرخوں اور جنگ کے یورپی ماہرین اور مبصروں نے سلطان ایوبی کے اس اقدام کی تعریف کی ہے کہ اس نے جنگ کے لیے جس موسم کا انتخاب کیا وہ جون جولائی کے دن تھے جب ریگزار بھٹی سے نکالی ہوئی سِل کی طرح گرم ہوتا ہے۔ صلیبی فوجی آہنی چادروں کے لباس سے محفوظ ہوتے تھے۔ ان کے نائٹ (سردار) سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ملبوس ہوتے تھے۔ تیر اور تلوار کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا مگر سلطان ایوبی نے لوہے کا یہ لباس اُن کی بہت بڑی کمزوری بنا دیا تھا۔ ایک تو وہ چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑتا تھا۔ تھوڑی سی نفری سے پہلوؤں پر برق رفتار حملے کرتا اور حملہ آور دستے ضرب لگا کر وہاں رکتے نہیں تھے۔ اس چال سے صلیبی فوج کو پھیلنا پڑتا اور رفتار تیز کرنی پڑتی لیکن زرہ بکتر کا وزن رفتار اتنی تیز نہیں ہونے دیتا تھا، جتنی سلطان ایوبی کے دستوں کی ہوتی تھی۔

سلطان ایوبی نے زرہ بکتر کا دوسرا توڑ یہ سوچا کہ وہ اُس وقت جنگ شروع کرتا تھا جب سورج سر پر اور ریگستان شعلہ بنا ہوتا تھا۔ زرہ بکتر تنور کی طرح تپ جاتی تھی۔ پیاس سے جسم خشک ہو جاتا تھا اور پانی پر سلطان ایوبی جنگ سے پہلے قبضہ کر لیتا تھا۔ ریگستان کی جھلسا دینے والی تپش اسلامی فوج کے لیے بھی دشواریاں پیدا کرتی تھی۔ لیکن اس کے لباس ہلکے پھلکے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سلطان ایوبی کی ٹریننگ بڑی سخت تھی۔ وہ گھوڑوں، اونٹوں اور تمام فوج کو لمبے لمبے عرصے کے لیے ریگستان میں رکھتا اور خود بھی ان کے ساتھ رہتا تھا۔ اس نے فوج کو بھوکا پیاسا رہنے کی ٹریننگ بھی دے رکھی تھی۔ رمضان کے مہینے میں وہ ٹریننگ اور جنگی مشقیں زیادہ کیا کرتا اور کہا کرتا تھا کہ اس مبارک مہینے میں خدائے ذوالجلال اپنے ہاتھوں ہماری تربیت کرتے ہیں۔

جسمانی ٹریننگ کے علاوہ اس نے سپاہیوں کی ذہنی بلکہ روحانی تربیت کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ سپاہیوں کو یہ ذہن نشین کرایا جاتا تھا کہ وہ اللہ کے سپاہی اور دینِ اسلام کے محافظ ہیں، کسی بادشاہ یا سلطان کی فوج کے ملازم نہیں۔ وہ مالِ غنیمت سپاہیوں میں تقسیم کرتا تھا لیکن انہیں تاثر یہ دیا جاتا تھا کہ جنگ مالِ غنیمت کے لیے نہیں لڑی جاتی اور مالِ غنیمت جہاد کا انعام بھی نہیں۔ انعام اللہ دیتا ہے۔ سب سے بڑی چیز غیرت تھی جو اُس نے ساری فوج

میں پیدا کر رکھی تھی۔ وہ سب سے زیادہ ذکر اُن مسلمان لڑکیوں کا کرتا تھا جنہیں صلیبی اُٹھا لے جاتے تھے اور اُن خواتین کا بھی جو صلیبیوں کے مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں کی درندگی کا شکار ہو رہی تھیں۔

"قوم کے شہیدوں کو اور قوم کی مظلوم بیٹیوں کو بھول جانے والی قوم کی قسمت میں کفار کی غلامی لکھ دی جاتی ہے"۔ یہ الفاظ سلطان ایوبی کی زبان پر رہتے تھے۔ وہ سپاہیوں میں گھومتا پھرتا رہتا تھا، ان کی گپ شپ اور ان کی کھیل کود میں شامل ہو جایا کرتا تھا۔ ان سے وہ کہا کرتا تھا۔ "انتقام فوج لیا کرتی ہے۔ اگر فوج نے فرض ادا نہ کیا تو اس کے لیے اس دنیا میں بھی ذلت ہے اور اگلی دنیا میں بھی۔"

☆

سامنے صلیب الصلبوت رکھی تھی اور اس کے پاس اس صلیب کا محافظ، کھڑا تھا جو عکرہ کا بڑا پادری تھا۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہ وہ اصل صلیب تھی جس پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس چوبی صلیب پر ابھی تک حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خون کے نشان موجود ہیں۔ اسے صلیبِ اعظم بھی کہتے ہیں۔ اسی لیے عکرہ کا پادری "محافظ صلیب اعظم" کہلاتا تھا اور اس کا حکم بادشاہوں کے حکم سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ بادشاہ بھی اس کے حکم کے پابند ہوتے تھے۔ عیسائیوں اور یہودی لڑکیوں کو اسی کی اجازت سے مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی، کردار کشی اور نظریاتی تخریب کاری کے لیے بھیجا جاتا تھا جو لڑکی اس کام کی ٹریننگ مکمل کر کے باہر بھیجی جاتی اسے صلیب کا محافظِ اعظم اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا کرتا تھا۔

ان لڑکیوں سے صلیب الصلبوت پر ہاتھ رکھوا کر وفاداری کا اور صلیب کو دھوکہ نہ دینے کا حلف لیا جاتا تھا۔ ایسا ہی حلف صلیبی فوج کے ہر افسر اور ہر سپاہی سے بھی لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ایسی ہی ایک چھوٹی سی صلیب اس کے گلے میں لٹکا دی جاتی تھی۔

ناصرہ کے مقام پر صلیبی حکمران جمع تھے۔ ان میں گائی آف لوزینان، ریمانڈ آف تریپولی، گرینڈ ماسٹر گراؤڈ، ماؤنٹ فیرٹ، ہمفرے آف تورن، امالرک اور شہزادہ ارناط آف کرک قابلِ ذکر ہیں۔۔۔ اور وہاں عکرہ کا پادری "محافظ صلیبِ اعظم" بھی موجود تھا۔ ان کے لیے جو شامیانے اور قناتیں لگائی گئی تھیں وہ کپڑوں کا ایک خوشنما محل تھا۔ محل کی طرح اس کے کمرے، برآمدے اور غلام گردشیں تھیں۔ رنگا رنگ روشنی والے فانوسوں کی روشنی نے اسے مرمر اور خارا محلات سے زیادہ حسین بنا رکھا تھا۔ اس کے اردگرد ریشمی شامیانوں اور قناتوں کے کمرے تھے اور ان کے اردگرد صلیبی نائٹوں کے خیمے اور ان کی فوج کے منتخب دستے خیمہ زن تھے۔ شراب کے مشکوں کے ساتھ ان حسین اور دلکش لڑکیوں کی کچھ تعداد بھی موجود تھی جن کا طلسماتی حسن اور شوخیاں بھائی کو بھائی کا اور باپ کو بیٹے کا دشمن بنا دیتی تھیں۔

ایک شامیانے تلے جس پر پختہ محل کے کمرے کا گمان ہوتا تھا، صلیب الصلبوت رکھی ہوئی تھی اور اس کے پاس عکرہ کا پادری کھڑا تھا۔ اس کے سامنے صلیبی حکمران اور ان کے جرنیل اور منتخب نائٹ بیٹھے تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ یہ ایک تاریخی اجتماع ہے اور تاریخ کا ایک نیا باب لکھا جانے لگا ہے۔ اس باب کا عنوان تھا۔ "صلاح الدین کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دو۔"

"صلیب کے محافظو!" عکرہ کے پادری نے کہا۔ "یہ ہے وہ صلیب جس پر تم سب نے ہاتھ رکھ کر حلف اٹھایا تھا۔ آج یہ صلیب تمہارے سامنے اس لیے عکرہ سے لا کر رکھی گئی ہے کہ اس کے ساتھ تم نے جو عہد کیا تھا وہ تمہارے دلوں میں تازہ ہو جائے۔ اب تمہیں ایک خونریز اور فیصلہ کُن جنگ کے لیے تیار ہونا ہے۔ یہ جنگ تمہیں لڑنی ہے۔ تم سب جنگجو ہو، جرنیل ہو، تمہاری عمر میدانِ جنگ میں گزر گئی ہے۔ میں اس میدان کا آدمی نہیں ہوں۔ میں تمہارے مذہب کا پیشوا ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر دنیائے عرب پر صلیب کی حکمرانی قائم کرنی ہے۔ یروشلم تو ہے ہی ہمارا، یہ مت بھولو کہ مکہ اور مدینہ پر بھی قبضہ کرنا ہے اور اس مقدس صلیب کو مسلمانوں کے خانۂ کعبہ کے اُوپر گاڑنا اور اسے یسوع مسیح کی عبادت گاہ بنانا ہے....

"یاد رکھو کہ تم مدینہ سے تین میل دُور تک پہنچ گئے تھے مگر مسلمانوں نے تمہیں اس سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ تمہیں بھی اسی جنون سے لڑنا ہے جس جنون سے مسلمان اپنے کعبے کے تحفظ کے لیے لڑے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کی نظریں یروشلم پر لگی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بیت المقدس ہے اور یہاں ان کا قبلۂ اوّل ہے۔ اگر اس سے یروشلم کو بچانا چاہتے ہو تو نظریں مکّہ پر رکھو۔ ذہن میں یہ یاد رکھو کہ ہماری جنگ صلاح الدین ایوبی سے نہیں، یہ صلیب اور اسلام کی جنگ ہے۔ یہ دو مذہبوں کی، دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ جنگ ہم نہ جیت سکے تو ہماری اگلی نسل لڑے گی۔ وہ اسلام کا خاتمہ نہ کر سکی تو اس سے اگلی نسل لڑے گی، تاآنکہ دونوں میں سے ایک مذہب ختم ہو جائے گا۔ خاتمہ اسلام کا ہو گا اور ساری دنیا پر صلیب کی حکمرانی ہو گی....

"ہم نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے دوسرے طریقے بھی اختیار کیے ہیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ تم سب کو یاد ہو گا کہ ہم اس مہم میں کتنی لڑکیاں ضائع کر چکے ہیں۔ ہم بے شمار دولت اور اسلحہ بھی ضائع کر چکے ہیں جو مسلمان امراء کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف دیتے رہے ہیں۔ ہم نے ان لڑکیوں اور زر و جواہرات سے یہ حاصل کیا ہے کہ مسلمانوں میں شراب اور عیاشی کی عادت پیدا کر دی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہم چھ سات سال انہیں آپس میں لڑاتے رہے ہیں۔ ان کی اس خانہ جنگی سے ہم نے یہ فائدہ ضرور اٹھایا ہے کہ مسلمانوں کی جنگی قوت خاصی حد تک ضائع کر دی ہے اور سلطان ایوبی کے بہترین اور تجربہ کار سپاہی اور ان کے کمانڈر خانہ جنگی میں مروا دیئے ہیں۔ اس خانہ جنگی سے ہم نے یہ فائدہ بھی اٹھایا ہے کہ سات آٹھ سال صلاح الدین ایوبی کو اس کے اپنے علاقوں سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ اس عرصے میں ہم نے جنگی تیاریاں مکمل کر لیں اور یروشلم کا دفاع اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے لیے ان راستوں تک پہنچنا جو یروشلم کو جاتے ہیں، ناممکن ہو گیا ہے.....

"مگر اس نے وہ کیفیت پھر حاصل کر لی ہے جو اُن کی خانہ جنگی سے پہلے تھی۔ حلب اور موصل کی فوجیں بھی اسے مل گئی ہیں۔ تمام مسلمان امراء اس کے حامی ہو گئے ہیں۔ مظفر الدین اور گوکبوری جیسے سالار جو اس کے خلاف لڑے اور ہمارے دوست بن گئے تھے اس کے پاس چلے گئے ہیں۔ غداروں کو اس نے اتنا کمزور اور بے بس کر دیا ہے کہ وہ اب ہمارے کسی کام کے نہیں رہے۔ اب کوئی مسلمان حکمران ایسا نہیں رہا جو صلاح الدین ایوبی پر عقب سے حملہ کرے۔ ہم نے حشیشین کو بھی آزما دیکھا ہے۔ وہ چار یا پانچ قاتلانہ حملوں میں بھی اُسے قتل نہیں کر سکے۔ اب اس کے

سوا کوئی چارۂ کار اور کوئی حل اور راستہ نہیں رہا کہ ہم مل کر سلطان صلاح الدین ایوبی پر یلغار کریں لیکن اپنے جرنیلوں نے یہ مشورہ دیا ہے کہ حملے میں پہل اُسے کرنے دیں۔ اس کی جو دو وجوہات بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی فوجوں کو اتنی دُور نہیں لے جانا چاہیے کہ رسد کے راستے مسدود اور خطرناک ہو جائیں اور دوسری وجہ یہ کہ صلاح الدین ایوبی جس طریقے کی جنگ لڑتا ہے اس سے ہمیں اپنی فوج دُور دُور تک پھیلانی پڑتی ہے۔ اب جب کہ دشمن کے علاقے میں ہمارا کوئی حامی نہیں رہا، اس لیے ہمیں حملے کا خطرہ سوچ سمجھ کر مول لینا چاہیے....

"ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق صلاح الدین ایوبی یروشلم کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یہ تمہیں دیکھنا ہے کہ اس کی پیش قدمی کا راستہ کون سا ہو گا اور وہ سیدھا یروشلم کی طرف آئے گا یا کیا کرے گا۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیے کہ ہم اکیلے اکیلے اُس کے خلاف نہیں لڑ سکتے۔ اب تم متحد ہو گئے ہو۔ صلیبِ اعظم کو یہاں اٹھا لانے کا مقصد یہ ہے کہ تم سب ایک ہی بار صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھاؤ کہ تم دشمن کے خلاف ایک جان ہو کر لڑو گے اور ذاتی رنجشوں اور ذاتی مفادات کو نظر انداز کر کے متحدہ مفاد کے لیے لڑو گے اور یہ مفاد صلیبِ اعظم اور یسوع مسیح کے عقیدے کا ہو گا اور تم سب اسلام کے خاتمے کے لیے لڑو گے۔"

سب اٹھے۔ انہوں نے صلیب پر ہاتھ رکھے اور عکرہ کے پادری نے حلف کے جو الفاظ کہے وہ سب نے دہرائے۔

☆

دوسرے دن سب بہت دیر سے جاگے۔ رات جب پادری نے انہیں چھٹی دی تو وہ شراب اور رقص میں مگن ہو گئے۔ وہ اپنی اپنی پسند کی لڑکیاں ساتھ لائے تھے۔ ان کے حسن و جمال، نیم عریاں جسموں، کھلے بکھرے ہوئے ریشمی بالوں، ناز و ادا اور شراب نے اس خطے کو جنتِ ارضی بنائے رکھا۔ دوسرے دن کا سورج طلوع ہو چکا تھا مگر صلیبیوں کے اس شاہانہ کیمپ میں نیند نے موت کا سکوت طاری کر رکھا تھا۔

شہزادہ ارناط کے خیمے سے ایک جواں سال لڑکی نکلی۔ بہت ہی خوبصورت اور لمبے قد کی لڑکی تھی۔ اس کا رنگ دلکش تھا اور اس کی آنکھوں میں سحر تھا لیکن یہ رنگ اور یہ آنکھیں صلیبی یا یہودی لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ یہ سوڈان، مصر یا دمشق جیسے علاقوں کی پیداوار معلوم ہوتی تھی۔ اس کے حسن کی یہی ضمانت کافی تھی کہ ارناط اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔

اسے دیکھ کر ایک بوڑھی خادمہ دوڑتی اس تک پہنچی۔ وہاں جو فوج ان حکمرانوں کے ساتھ گئی تھی اس کی اتنی نفری نہیں تھی جتنی تعداد نوکروں اور نوکرانیوں کی ساتھ تھی۔ اس لڑکی کو ارناط پرنسس للی کہا کرتا تھا۔ وہ شکل و صورت اور قد بُت سے شہزادی ہی لگتی تھی۔ اس نے خادمہ سے کہا کہ صرف میرے لیے ناشتہ جلدی لاؤ اور بگھی تیار کرو، میں اس علاقے کی سیر کو جا رہی ہوں۔

ارناط گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اسے جاگنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہاں تو صرف پادری صبح سویرے جاگا اور عبادت کر کے پھر سو گیا تھا۔ للی کے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ ناشتہ آنے تک وہ تیار ہو گئی اور جب ناشتہ کر چکی تھی تو بگھی آ چکی تھی۔ یہ دو گھوڑوں کی خوبصورت بگھی تھی۔ کرک سے ارناط کے ساتھ وہ اسی بگھی میں آئی تھی۔

بگھی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے بگھی بان سے کہا۔ "یہ علاقہ بہت خوبصورت لگتا ہے۔ میں سیر کے لیے جانا چاہتی ہوں۔ تم اس جگہ سے واقف تو نہیں ہو گے؟"

"اچھی طرح واقف ہوں شہزادی محترمہ!" بگھی بان نے جواب دیا۔ "اگر آپ سیر کے لیے جانا چاہتی ہیں تو میں کمان اور ترکش لیے چلتا ہوں۔ آپ شکار بھی کھیل سکتی ہیں۔ یہاں ہرن زیادہ تو نہیں لیکن کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ خرگوش عام ہیں۔ پرندے ہیں۔"

للی نے مسکرا کر کہا۔ "کیا تم مجھے تیر انداز سمجھتے ہو؟ ... جاؤ۔ لے آؤ۔"

"کوئی خلل نہیں،" بگھی بان نے کہا۔ "آپ لڑائی پر تو نہیں جا رہیں۔ شکار پر چلایا ہوا تیر خطا گیا تو کیا ہو جائے گا؟"

وہ دوڑتا گیا اور کمان اور ترکش اٹھا لایا۔

بگھی خیمہ گاہ سے بہت دور چلی گئی۔ یہ خطہ سرسبز تھا۔ درخت بھی خاصے تھے اور اونچی نیچی ٹیکریاں تھیں۔ مارچ اپریل کے دن تھے۔ بہار کا موسم تھا۔ اس سے یہ خطہ اور زیادہ خوبصورت ہو گیا تھا۔ بگھی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ ایک جھنڈ کے نیچے للی کے کہنے پر بگھی رک گئی اور وہ اتری۔ اُس کا بگھی بان سیبل نام کا عیسائی تھا اور انہی علاقوں کا رہنے والا تھا۔ اُس کی عمر تیس سال سے کچھ اوپر ہو گی۔ خوبرو اور دراز قد جوان تھا۔ اسی لیے اُسے ارناط نے بگھی کے لیے منتخب کیا تھا۔ للی کو بھی یہ آدمی پسند تھا۔ زندہ دل اور فرمانبردار تھا۔ للی جب ارناط کے پاس آئی، اس سے ایک سال بعد سیبل اُن کے پاس آیا تھا۔

"مسلمانوں کی سرحد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟" للی نے بگھی سے اُتر کر پوچھا۔

"جہاں تک کسی کی فوج پہنچ کر ڈیرے ڈال دے وہ اُس کی سرحد بن جاتی ہے۔" بگھی بان نے جواب دیا۔ "میں آپ کو اتنا بتا سکتا ہوں کہ یہاں سے آٹھ دس میل دُور سمندر کی طرح ایک وسیع جھیل ہے جس کا نام گلیلی ہے۔ اس کے کنارے طبریہ نام کا ایک قصبہ ہے۔ اس سے کچھ ادھر حطین نام کا ایک مشہور گاؤں ہے۔ اس جھیل سے آگے سے مسلمانوں کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔"

"یعنی مسلمانوں کا علاقہ یہاں سے دُور نہیں،" للی نے کہا۔ "کیا ہم بگھی پر جھیل تک جا سکتے ہیں؟"

"ہم کرک سے بگھی پر آئے ہیں،" سیبل نے کہا۔ "جھیل تو یہ قریب ہے۔ یہ دو گھوڑے بغیر تھکے وہاں تک پہنچا سکتے ہیں۔"

للی نے بچوں کی طرح اُس سے راستہ پوچھنا شروع کر دیا اور بگھی بان زمین پر لکیریں ڈال ڈال کر اُسے راستہ سمجھانے لگا۔

"دمشق کو بھی راستہ جاتا ہو گا؟" للی نے پوچھا۔

بگھی بان نے اُسے دمشق تک کا راستہ سمجھا دیا۔

☆

للی نے ترکش سے تیر نکالا اور درختوں میں پرندے دیکھنے لگی۔ اُس نے ایک پرندے پر تیر چلایا جو خطا گیا۔ للی

نے قہقہہ لگایا۔ بگھی بان نے اُسے نشست لینے کا طریقہ سمجھایا۔ اس نے کچھ تیر اِدھر اُدھر چلائے۔

"اور آگے چلو،" للی نے بگھی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اُس جگہ چلو جہاں ہرن ہوں۔ میں ہرن کو تیر ماروں گی۔"

سیبل اُسے ڈیڑھ دو میل دُور لے گیا۔ ایک جگہ بگھی روک کر اس نے کہا کہ تھوڑا سا انتظار کریں۔ شاید کوئی ہرن یا خرگوش نظر آجائے۔ وہ خود ایک طرف کو چل پڑا۔ کوئی بیس قدم دُور ایک درخت تھا۔ سیبل اس کے ساتھ کندھا لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شہزادی للی کے لیے ہرن یا خرگوش دیکھ رہا تھا۔ للی کی طرف اُس کی پیٹھ تھی۔ للی نے کمان میں تیر ڈالا اور سیبل کی پیٹھ کا نشانہ لیا۔ اُسے کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ للی مذاق کر رہی ہے۔ اُس نے کمان کھینچی۔ اُس کے ہاتھ میں کمان کانپ رہی تھی۔ ایک آنکھ بند کیے وہ سیبل کی پیٹھ کا نشانہ لیے ہوئے تھی۔

اس نے کمان اور زیادہ کھینچی اور تیر چلا دیا۔ تیر سیبل کے کندھے کے بالکل قریب درخت کے تنے میں لگا۔ سیبل گھبرا کر ہٹا اور مُڑا۔ اُس نے درخت میں اُترے ہوئے تیر کو پھر للی کو دیکھا، مگر للی ہنس نہیں رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ایسی سنجیدگی تھی جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر بھی اُس نے ہنس کر کہا۔ "آپ مجھ پر تیر اندازی کی مشق کر رہی ہیں؟" ... اور وہ للی کی طرف چل پڑا۔

للی نے ترکش سے ایک اور تیر نکال کر کمان میں ڈال لیا اور بولی۔ "وہیں رک جاؤ اور اِدھر نہ آنا۔"

سیبل رُک گیا اور للی نے کمان سامنے کر کے ایک بار پھر کھینچی۔ سیبل نے چلا کر کہا۔ "شہزادی! آپ کیا کر رہی ہیں؟"

شہزادی کی کمان سے تیر نکلا۔ سیبل کی نظریں اُسی پر تھیں۔ وہ بیٹھ گیا اور تیر زناٹے سے اُس کے قریب سے گزر گیا۔ سیبل شہزادی کا احترام اور اپنی حیثیت کو بھول گیا۔ للی ترکش سے ایک اور تیر نکال رہی تھی۔ سیبل بڑی ہی تیزی سے اس کی طرف دوڑا۔ للی اتنی جلدی تیر نکال کر کمان میں نہ ڈال سکی۔ سیبل اس پر لپکا تو للی دوڑ کر پرے ہو گئی لیکن سیبل مرد تھا اور جوان بھی تھا۔ دوڑ کر للی تک پہنچا اور اُسے پکڑ لیا۔ اُس سے کمان چھین لی اور اُس کے کندھوں سے ترکش بھی اُتار لی۔

"میں اُن غلاموں میں سے نہیں ہوں جن پر اُن کے آقا ہر طرح کا ظلم کرتے ہیں،" سیبل نے کہا اور ایک تیر کمان میں ڈال کر کمان للی پر تانی۔ بولا۔ "کیا تم مجھ پر مشق کرنا چاہتی ہو؟ کیا میری خدمات اور فرمانبرداری کا یہ صلہ ہے؟"

للی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہونٹ کانپے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ سیبل نے کمان پرے پھینک دی اور آہستہ آہستہ اُس کے قریب گیا۔

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا کہ آپ نے مجھ پر تیر کیوں چلائے اور آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آگئے ہیں؟" سیبل نے پوچھا۔

"تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟" للی نے ایسے لہجے میں کہا جو کسی شہزادی کا نہیں ایک ڈری ہوئی لڑکی کا لہجہ تھا۔

"میں آپ کی خاطر جان تک دے سکتا ہوں،" سیبل نے کہا۔ "کیسی مدد؟"

"انعام سے مالا مال کر دوں گی،" للی نے کہا۔ "مجھے انعام کے طور پر مانگو گے تو یہ بھی قبول کر لوں گی۔ مجھے جھیل گلیلی

سے آگے مسلمانوں کے علاقے میں لے چلو.... دمشق تک چلو۔ وہاں یہ بگھی اور دونوں گھوڑے تمہارے ہوں گے۔ انعام الگ دلواؤں گی۔"

"مجھے شک ہے آپ کے دماغ پر کوئی اثر ہو گیا ہے۔" سبیل نے کہا۔ "چلیے۔ واپس چلیں۔"

"اگر میری بات نہیں مانو گے تو واپس جا کر شہزادہ ارناط سے کہوں گی کہ تم نے یہاں مجھ پر دست درازی کی تھی۔" للی نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا آپ نے بتا دیا۔" سبیل نے کہا۔ "اب آپ واپس نہیں جائیں گی، نہ میں واپس جا رہا ہوں۔ آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر میں بگھی میں ڈال لوں گا اور کسی شہر میں جا کر آپ کو بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ ڈالوں گا.... مجھے بتاؤ مسلمانوں کے پاس کیوں جانا چاہتی ہو؟"

تب للی کو احساس ہوا کہ وہ ایک جال میں پھنس گئی ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور سر گھٹنوں میں دے کر سسکنے لگی۔ سبیل اسے دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی اس کے لیے اجنبی نہیں تھی لیکن اب وہ اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ اُس کے بال، اس کی رنگت اور اُس کی ڈیل ڈول صلیبی لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ صلیبیوں کے پاس مسلمانوں کی اغوا کی ہوئی لڑکیاں بھی ہیں۔ یہ بھی شاید مغویہ ہو گی لیکن اُسے تو وہ تین سالوں سے خوش و خرم دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس کے پاس بیٹھ گیا۔

"اگر مسلمان ہو تو بتا دو۔" سبیل نے کہا۔ "تمہیں شاید اغوا کیا گیا تھا۔"

"اور تم شہزادہ ارناط کو بتا کر انعام لو گے۔" للی نے کہا۔ "اور اُسے بتاؤ گے کہ میں نے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔" اُسے سبیل کے گلے میں ایک ڈوری سی لٹکتی نظر آئی۔ اس نے یہ ڈوری کھینچی تو چھوٹی سی صلیب ڈوری سے بندھی ہوئی باہر آگئی۔ للی نے کہا۔ "اسے ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤ کہ مجھے دھوکہ نہیں دو گے، ارناط کو نہیں بتاؤ گے کہ میں نے تم پر تیر کیوں چلائے تھے۔"

سبیل اُس کی اصلیت سمجھ گیا اور بولا۔ "صلیب پر کھائی ہوئی قسم جھوٹی ہو گی۔" اُس نے صلیب کی ڈوری گلے سے اتاری اور صلیب پرے پھینک دی۔ کہنے لگا۔ "مسلمان صلیب پر قسم نہیں کھایا کرتے۔"

للی نے چونک کر سبیل کو دیکھا جیسے اُسے سبیل کے الفاظ پر یقین نہ آ رہا ہو۔ اُس نے صلیب کو دیکھا جو پرے زمین پر پڑی تھی۔ کوئی صلیبی کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو صلیب کی توہین نہیں کرتا۔ سبیل کو ہر حال یقین آگیا تھا کہ للی کسی مسلمان کی بیٹی ہے۔

"میں نے تم پر اپنا راز فاش کر دیا ہے۔" سبیل نے کہا۔ "اب تم مجھے بتا دو کہ تمہیں کب اور کہاں سے اغوا کیا گیا تھا۔"

"میں حج کعبہ سے اپنے والدین کے ساتھ مصر کو واپس جا رہی تھی۔" للی نے ڈرے ہوئے بچے کی طرح کہا۔ "بہت بڑا قافلہ تھا۔ اس وقت میری عمر سولہ سترہ سال تھی۔ چار ساڑھے چار سال گزر گئے ہیں۔ کرک کے قریب اِن کافروں نے قافلے پر حملہ کیا اور مال و اسباب لوٹ لیا۔ انہوں نے بہت کشت و خون کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے والدین مارے گئے تھے یا زندہ ہیں۔ یہ کافر مجھے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ یہ شاید میری بدقسمتی تھی کہ میں اتنی خوبصورت تھی کہ والیٔ کرک

شہزادہ ارناط نے مجھے پسند کر لیا اور اپنے لیے رکھ لیا۔ اگر میں اتنی خوبصورت نہ ہوتی تو معلوم نہیں کیسے کیسے درندوں کے ہاتھوں اب تک مر چکی ہوتی.....

"شہزادہ ارناط کے آگے میں بہت روئی مگر بیکار تھا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی بادشاہی چھوڑ دوں گا تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ پھر اُس نے مجھے شہزادیوں کی طرح رکھا۔ اُس نے میرے ساتھ شادی نہیں کی اور مجھے اپنا مذہب قبول کرنے کو بھی نہیں کہا۔ میں اس کی عیاشی کا ذریعہ بنی رہی۔ اس کے پاس کئی اور جوان لڑکیاں تھیں۔ وہ میری دشمن بن گئیں لیکن ارناط صرف مجھے ساتھ رکھتا اور میری بات مانتا تھا۔ میں نے اپنی اس حالت کو قبول کر لیا۔ میں اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ عورت کی قسمت یہی ہوتی ہے کہ جس کے قبضے میں آجائے اسی کی ملکیت اور اسی کی غلام ہوتی ہے۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ سبیل کو غور سے دیکھ کر بولی۔ "کیا تم یہ ساری باتیں شہزادہ ارناط کو سنا دو گے؟ پھر وہ مجھے کیا سزا دے گا؟"

"اگر میں واقعی سبیل ہوتا تو یہی کرتا جو تمہیں ڈر ہے۔" بگھی بان نے کہا۔ "میں شامی مسلمان ہوں۔ میرا نام بکر بن محمد ہے۔"

"تم اُن جاسوسوں میں سے تو نہیں ہو جن کے متعلق ارناط کہا کرتا ہے کہ ہمارے ملک میں چھپے ہوئے ہیں؟" لڑکی نے پوچھا اور بولی۔ "میرا نام کلثوم ہوا کرتا تھا۔"

"میں جو کچھ بھی ہوں۔" بکر نے جواب دیا۔ "مسلمان ہوں۔ میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ ایک اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکی کی ملاقات کسی ایسے مسلمان سے ہو گئی جو صلیبیوں کے پاس عیسائیوں کے بہروپ میں ملازم تھا۔ ایسے واقعات پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ یہاں تک بھی ہوا ہے کہ بھائی جاسوس بن کر صلیبیوں کے کسی شہر میں گیا تو وہاں اُس کی ملاقات اپنی اس بہن سے ہو گئی جو بہت عرصہ پہلے تمہاری طرح اغوا ہوئی تھی۔ حیران نہ ہو کلثوم! تم حج کعبہ سے واپس آ رہی تھیں۔ خدا نے تمہارا حج قبول کر لیا ہے۔ میں عالم فاضل نہیں کہ تمہیں بتاؤں کہ خدا نے تمہیں یہ سزا کیوں دی ہے۔ البتہ اب یوں نظر آتا ہے جیسے خدا نے تم سے کوئی نیکی کا کام کرانے کے لیے اس جہنم میں پھینکا تھا.... تم صرف فرار ہونا چاہتی ہو یا فرار کا کوئی مقصد بھی ہے؟"

"بہت بڑا مقصد۔" کلثوم نے کہا۔ "تم شاید نہیں جانتے کہ عکرہ کے پادری نے اِن صلیبیوں کو یہاں کیوں بلایا ہے۔ رات ارناط جب اپنے خیمے میں آیا تو وہ نشے میں جھوم رہا تھا۔ اُس نے مجھے بازوؤں پر اٹھا لیا اور بولا۔ "تم بہت بڑے ملک کی ملکہ بننے والی ہو۔ صلاح الدین ایوبی چند دنوں کا مہمان ہے۔ وہ ہمارے جال میں آ رہا ہے۔ بہت جلدی آ رہا ہے۔" میں نے خوشی کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا کہ اُن کا منصوبہ کیا ہے۔ اُس نے مجھے پوری تفصیل سے بتا دیا کہ یہاں جتنے صلیبی حکمران آئے ہیں انہوں نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر اتحاد اور ایک دوسرے سے وفاداری کا حلف اٹھایا ہے۔"

"کیا یہ صلاح الدین ایوبی کے کسی علاقے پر حملہ کریں گے؟"

"میرے فرار کا مقصد یہی ہے کہ سلطان ایوبی تک یہ خبر پہنچاؤں کہ صلیبیوں کے ارادے اور منصوبے کیا ہیں

اور انہوں نے کتنی فوج جمع کرلی ہے اور اسے کہاں کہاں تقسیم کرکے پھیلایا ہے۔ ارناط نے مجھے بتایا ہے کہ یہ لوگ حملہ کرنے نہیں جائیں گے بلکہ سلطان ایوبی کو حملے کا موقعہ دیں گے تاکہ وہ اپنے مستقر سے دُور آ جائے اور اس کی رسد کے راستے لیے جا سکیں۔ ان کا ارادہ یہ بھی ہے کہ اگر سلطان ایوبی نے کچھ عرصے تک حملہ نہ کیا تو یہ لوگ تین اطراف سے پیشقدمی اور یلغار کریں گے۔"

"تمہیں اچانک یہ خیال کیوں آیا ہے کہ یہ خبر سلطان ایوبی تک پہنچنی چاہیے؟" بکر بن محمد نے پوچھا اور اسے بتایا — "کلثوم! میں اسی میدان کا مجاہد ہوں۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ تم ارناط کے کہنے پر سلطان ایوبی کو غلط خبر دینے جا رہی ہو تاکہ وہ گمراہ ہو جائے تو اس کا کیا جواب دوگی؟"

"یہ کہ تم کم عقل آدمی ہو" — کلثوم نے جواب دیا — "اگر تم سلطان ایوبی کے جاسوس ہو تو تم بیوقوف جاسوس ہو۔ تم اپنی فوجوں کو صلیبیوں کے ہاتھوں مروا دو گے۔ اگر ارناط سلطان ایوبی کو گمراہ کرنے کی سوچتا تو وہ کوئی اور ذریعہ اختیار نہیں کر سکتا تھا؟ اگر وہ یہ کام مجھ سے ہی کرانا چاہتا تو مجھے رات کو بگھی پر بٹھا کر مسلمانوں کے علاقوں کے قریب نہ چھوڑ آتا؟ ... سنو بکر! غور سے سنو۔ میں نے تم پر پہلا جو تیر چلایا تھا اس کا ارادہ اچانک بجلی کی طرح میرے دماغ میں آیا تھا۔ میں تو صرف سیر کے لیے نکلی تھی۔ یہ تم تھے جس نے کہا تھا کہ تیر و کمان ساتھ لے چلیں، یہاں شکار ہوگا۔

"یہاں آ کر میں نے تم سے مسلمانوں کی سرحد اور دمشق کے جو راستے پوچھے وہ یہ معلوم کرنے کے لیے پوچھے تھے کہ میں اس سرحد سے کتنی دُور ہوں اور کیا میں آسانی سے وہاں تک پہنچ سکتی ہوں؟ تم نے جب بتایا کہ وہ علاقہ چند میل دُور ہے تو میں سوچنے لگی کہ تمہیں کوئی لالچ دے کر ساتھ لے چلوں لیکن تمہیں میں عیسائی سمجھتی رہی اور بالکل اُمید نہیں رکھتی تھی کہ تم میری مدد کرو گے بلکہ اُمید یہ تھی کہ تم ارناط سے انعام لینے کے لیے اسے بتا دو گے کہ یہ لڑکی مسلمانوں کی جاسوس ہے۔ میرے لیے کوئی راستہ نہیں تھا۔ تم مجھ سے تھوڑی دُور درخت کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے تو میں نے درخت پر ایک پرندے پر تیر چلانے کے لیے تیر کمان میں ڈالا۔ اس وقت میری نظریں تمہاری پیٹھ پر جم گئیں ...

"تب مجھے اچانک خیال آیا کہ تم اتنے قریب ہو کہ تیر تمہاری پیٹھ میں گہرا اتر جائے گا اور مجھے دوسرا تیر چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم مر جاؤ گے تو میں بگھی بھگا کر اس راستے پر ہو لوں گی جو تم نے مجھے سمجھا دیا تھا۔ میں نے کوئی اور خطرہ سوچا ہی نہیں تھا۔ شاید مجھ میں عقل کم اور جذبات زیادہ تھے اور ان جذبات میں انتقام کا جذبہ زیادہ تھا۔ میں نے کانپتے ہاتھوں سے تیر چلا دیا۔ مجھ میں یہ اتنی سی بھی عقل نہ رہی کہ تمہیں کہہ دیتی کہ تیر غلطی سے نکل گیا ہے۔ تم فوراً مان لیتے کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں نے کبھی کمان ہاتھ میں نہیں لی تھی۔ میں نے یہی راہ نجات دیکھی کہ تمہیں مار ہی ڈالوں اور مسلمانوں کے علاقے کی طرف بھاگ جاؤں، مگر میں کامیاب نہ ہو سکی۔"

"اس سے پہلے تمہیں کبھی بھاگنے کا خیال نہیں آیا تھا؟" بکر نے پوچھا۔

"ابتدا میں بھاگنے کا ہی خیال میرے دماغ پر سوار رہا مگر مجھے حقیقت کو قبول کرنا پڑا کہ میں بھاگ نہیں سکتی۔" اس نے جواب دیا — "اس میں کوئی شک نہیں کہ ارناط نے مجھے صحیح معنوں میں شہزادی بنا رکھا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مجھے کسی لڑکی سے کبھی ایسی محبت نہیں ہوئی تھی جیسی تم سے ہوئی ہے۔ میں اس کے ساتھ شراب بھی پیتی رہی۔ اس سے میں بچ نہیں سکتی تھی۔ جسمانی طور پر میں اس زندگی میں تحلیل ہو چکی تھی۔ ایسی شاہانہ زندگی تو میں کبھی خواب میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لیکن تنہائی میں میرا دل مسلمان ہو جاتا تھا اور یہ خیال مجھے تڑپا دیتا تھا کہ میں کہاں سے کہاں آ گئی ہوں۔ کبھی کبھی میں خدا سے گلے شکوے بھی کیا کرتی تھی اور اکثر یوں ہوتا کہ میں خدا کو بھول جاتی تھی ....

"اسی دوران سلطان ایوبی نے کرک کا محاصرہ کیا اور آتشیں گولے پھینک کر شہر کا بہت سا حصہ تباہ کر دیا تھا۔ میں تیار ہو گئی تھی کہ اپنی فوج شہر میں داخل ہو جائے گی اور میں ارناط کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گی مگر ہُوا یوں کہ ایک ماہ بعد سلطان ایوبی نے محاصرہ اٹھا لیا اور واپس چلا گیا۔ ارناط قہقہے لگاتا میرے پاس آیا اور بولا — 'میں نے اُسے پھر بیوقوف بنا لیا ہے۔ میں نے اُس کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے کہ آئندہ حاجیوں کے قافلوں پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا اور میں نے اس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا بھی معاہدہ کر لیا ہے' ....

"میرے دل کو بہت صدمہ ہُوا۔ سلطان ایوبی کو واپس نہیں جانا چاہیے تھا۔ مجھے رہا کرائے بغیر اسے محاصرہ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔"

"سلطان ایوبی کے سامنے اس سے زیادہ بڑی مہم ہے۔" بکر نے کہا — "اُسے بلکہ ہمیں بیت المقدس آزاد کرانا ہے جہاں ہمارا قبلۂ اوّل ہے۔ ہمیں ارضِ فلسطین کو آزاد کرانا ہے جو ہمارے نبیوں اور پیغمبروں کی سرزمین ہے۔ اگر سلطان ایوبی ایک ایک مسلمان لڑکی کو آزاد کرانے نکل کھڑا ہُوا تو وہ اپنی مقدس منزل سے دُور بھٹک جائے گا اور لڑتا ختم ہو جائے گا۔ قومیں اتنے مقدس مقصد کی خاطر اپنے بچوں کو قربان کر دیا کرتی ہیں۔"

"ارناط کی ایک بُری عادت نے مجھے یہ فراموش نہ کرنے دیا کہ میں مسلمان ہوں۔" کلثوم نے کہا — "وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا رہتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ سلطان ایوبی اپنے قبلۂ اوّل تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور ہم اُس کے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے اور اپنی عبادت گاہ بنانے کے لیے جا رہے ہیں۔"

صلیبیوں کے ان عزائم کا تذکرہ یورپی مؤرخوں نے بھی کیا ہے کہ صلیبیوں نے خانہ کعبہ اور رسولِ مقبول صلعم کا روضۂ مبارک مسمار کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا اور ایک بار وہ مدینہ منورہ سے تین میل دُور تک پہنچ بھی گئے تھے۔ کرک کا جو محاصرہ سلطان ایوبی نے کیا اور ایک ماہ بعد اٹھا لیا تھا یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے۔ محاصرہ اٹھانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ارناط نے جنگ نہ کرنے اور آئندہ حاجیوں کے قافلوں پر حملے نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا۔ وہ تو سلطان ایوبی کو معلوم تھا کہ صلیبی معاہدے توڑنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ محاصرہ اٹھانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ بیت المقدس کی فتح کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ارناط نے اس معاہدے کے دو ہی سال بعد حاجیوں کے ایک اور قافلے پر حملہ کیا تھا۔ اس معاہدے کی میعاد ۱۱۸۰ء تک تھی۔ سلطان ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں حطین کی طرف پیشقدمی کی تھی اور اس عہد کے ساتھ وہ دمشق سے نکلا تھا کہ ارناط کو اپنے ہاتھوں قتل کرے گا۔

☆

کلثوم بکر کو بتا رہی تھی — "ارناط کے ساتھ میں خوش بھی رہی اور میرے دل میں انتقام بھی موجود رہا۔ وہ کبھی کبھی مجھے بتایا کرتا تھا کہ سلطان ایوبی کے جاسوس بھیس بدل کر آ جاتے ہیں اور یہاں کے راز لے جاتے ہیں۔ اس

نے یہ بھی بتایا تھا کہ بڑی ہی حسین صلیبی اور یہودی لڑکیاں مسلمانوں کے علاقوں میں مسلمانوں کی طرح کے ناموں سے اونچے رُتبوں اور عہدوں والے حاکموں کو جال میں پھانس لیتی اور انہیں صلیب کے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ارناط مجھے ان لڑکیوں کی کہانیاں سُنایا کرتا تھا۔ یہ سن کر مجھے کئی بار خیال آیا کہ یہ لڑکیاں اپنے مذہب کے لیے اپنی آبرو قربان کر دیتی ہیں۔ عصمت ہی وہ شے ہے جس کے تحفظ کے لیے عورت جان پر کھیل جاتی ہے لیکن یہ لڑکیاں اتنی بڑی قربانیاں دے ڈالتی ہیں ....

"میری آبرو تو لُٹ ہی چکی تھی۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اپنے مذہب کے لیے قربانی دوں گی مگر مجھے موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اب یہاں آ کر ارناط نے مجھے ایسا راز دے دیا ہے جو سلطان تک پہنچنا چاہیے۔ شاید خدا نے مجھے اسی نیکی کے لیے اس جہنم میں بھیجا تھا! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اس خبر سے سلطان ایوبی کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟"

"بہت زیادہ؟" بکر نے کہا۔ "لیکن یہ خبر تم لے کر نہیں جاؤ گی۔ اگر تم یا ہم دونوں یہاں سے غائب ہو گئے تو شہزادہ ارناط فوراً سمجھ لے گا کہ ہم دونوں جاسوس تھے۔ اس طرح یہ اپنے منصوبوں میں ردّ و بدل کر دیں گے اور ہم سلطان ایوبی تک جو خبر پہنچائیں گے وہ اس کی شکست کا باعث بن سکتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اتنی اہم خبر سلطان ایوبی تک نہیں پہنچ سکتی؟" کلثوم نے کہا۔

"پہنچ سکتی ہے اور پہنچائی جائے گی۔" بکر نے کہا۔ "لیکن کرک واپس جا کر یہ انتظام ہوگا۔"

"تم جاؤ گے؟" کلثوم نے پوچھا۔ "میں یہاں سے بھاگنا بھی چاہتی ہوں۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔" بکر نے کہا۔ "تم بھی نہیں جاؤ گی۔ کرک میں میرے ساتھی موجود ہیں۔ خبریں لے جانے کا کام اُن کی ذمہ داری ہے۔ میرا کام خبریں حاصل کرنا ہے۔ اب یہ کام تم کرو گی۔ تمہارا کام ختم نہیں ہوا، ابھی شروع ہوا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ سلطان کو کس قسم کی معلومات کی ضرورت ہے۔ یہ معلومات تم مجھے دو گی اور میں انہیں دمشق تک پہنچاؤں گا۔"

"تو مجھے اس جہنم میں ہی رہنا پڑے گا؟" کلثوم نے اُداس سا ہو کے پوچھا۔

"ہاں!" بکر نے جواب دیا۔ "تمہیں اس جہنم میں اور موت کے منہ میں موجود رہنا پڑے گا .... کلثوم! تمہیں یہ قربانی دینی پڑے گی۔ سلطان کہا کرتے ہیں کہ ایک جاسوس یا ایک چھاپہ مار اپنی پوری فوج کی فتح یا شکست کا باعث بن سکتا ہے لیکن جاسوس ہر لمحہ موت کے منہ میں کھڑا رہتا ہے۔ جاسوس جب دشمن کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو فوراً قتل نہیں کر دیا جاتا۔ اسے اذیتیں دی جاتی ہیں۔ اس کی کھال آہستہ آہستہ اتاری جاتی ہے۔ اُسے مرنے نہیں دیا جاتا، اُسے جینے بھی نہیں دیا جاتا، لیکن اپنے مذہب اور اپنے وطن کے لیے کسی نہ کسی کو اپنی زندہ کھال اتروانی ہی پڑتی ہے۔ قوموں کا نام و نشان اس وقت مٹنا شروع ہوتا ہے جب ان میں قربانی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے .... تم نے جہاں چار سال گزار دیے ہیں وہاں چار مہینے اور گزار دو۔ تم اب ارناط کو اپنا آقا نہ سمجھو۔ اُس کے ساتھ پہلے سے زیادہ محبت کا اظہار کرو لیکن دل میں یہ سمجھو کہ تم نے ایک ایسے زہریلے ناگ پر قبضہ کر رکھا ہے جو تمہارے ہاتھ سے آزاد ہو گیا تو عالمِ اسلام کو ڈس لے گا۔"

"مجھے بتاؤ!" کلثوم نے بے تاب ہو کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھے بتاتے رہو کہ میں اپنے خدا کے حضور کس طرح سرخرو ہو سکتی ہوں۔"

بکر نے اُسے بتانا شروع کر دیا۔ اُسے مکمل ہدایات دیں اور کہا۔ "سب کے سامنے یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ میرا اور تمہارا کوئی اور تعلق بھی ہے۔ یہاں ہمارے جاسوسوں کا سراغ لگانے والے صلیبی جاسوس بھیس بدل کر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ صرف ہم دونوں جاسوس نہیں، ہمارے اور بھی بہت سے ساتھی ہیں۔ وہ ہر اُس شہر میں موجود ہیں جہاں صلیبی حکمران اور جرنیل موجود ہیں۔ ان میں ایک سے ایک بہادر اور عقلمند ہے۔ دل میں یہ خوش فہمی نہ رکھنا کہ ہم دونوں کوئی بہت بڑا کارنامہ کر رہے ہیں۔ خدا پر احسان نہ کرنا۔ یہ ہمارا فرض ہے جو ہمیں ادا کرنا ہے خواہ ہمیں کیسی ہی اذیت میں کیوں نہ ڈال دیا جائے۔"

کلثوم جب خیمہ گاہ میں اپنے خیمے کے سامنے بگھی سے اُتری اُس وقت وہ شہزادی بنی تھی اور بکر بن محمد سائیس تھا۔ کلثوم جب بگھی سے اُتر رہی تھی اس وقت سائیس بگھی کے پاس کھڑا غلاموں کی طرح جھکا ہوا تھا۔ خیمے میں گئی تو ارناط ایک نقشے پر جھکا ہوا تھا۔ کلثوم نے اُسے کہا کہ وہ سیر کے لیے نکل گئی اور شکار بھی کھیلا تھا۔

"کیا مارا؟" ارناط نے نقشے سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" کلثوم نے جواب دیا۔ "سب تیر خطا گئے لیکن جلدی ہی شکار مارنے کے قابل ہو جاؤں گی۔" یہ کہہ کر وہ بھی نقشے پر جھک گئی۔ اس نے پوچھا۔ "پیش قدمی کا نقشہ ہے یا دفاع کا؟"

"پیش قدمی صلاح الدین ایوبی کرے گا۔" ارناط نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔ "اور دفاع بھی اسی کو کرنا پڑے گا کیونکہ ہم اُسے جال میں لا رہے ہیں۔ اس کا دم ختم کر کے ہم پیش قدمی کریں گے۔ ہمیں روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔ تم اپنے خیمے میں جاؤ بلی! مجھے بہت کچھ سوچنا ہے۔ آج رات ہماری جو کانفرنس ہوگی اس میں جنگ کا منصوبہ اور نقشہ بنایا جائے گا۔ مجھے جو مشورے دینے ہیں ان میں کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔"

☆

"اس کا نام کلثوم ہے اور بکر بن محمد اس کے ساتھ ہے۔ وہ ارناط کا بگھی بان ہے۔" سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا نائب سربراہ حسن بن عبداللہ اُسے کرک کے جاسوسوں کی بھیجی ہوئی پوری خبر سنا چکا تھا۔

سلطان کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ اس نے کہا۔ "کون بتا سکتا ہے کہ ہماری کتنی بیٹیاں ان کفار کے قبضے میں ہیں اور ان کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ میں ارناط کو نہیں بخشوں گا۔ خیال رکھنا حسن! اس لڑکی کو وہاں سے نکالنا ہے لیکن ابھی نہیں۔"

"کرک میں ہمارے جو آدمی ہیں وہ اسے موزوں وقت پر نکال لائیں گے۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔

عکرہ کا پادری اور یہ صلیبی اتحادی ناصرہ میں تین روز رہے اور انہوں نے پلان اور نقشہ تیار کر لیا تھا۔ کلثوم نے ارناط سے سب کچھ معلوم کر لیا تھا اور بکر کو بتا دیا۔ صلیبیوں کو بھی سلطان ایوبی کے کئی راز معلوم ہو گئے تھے۔ اُن کے جاسوس موصل، حلب، دمشق، قاہرہ اور ہر جگہ موجود تھے۔ انہوں نے صلیبیوں کو جو اطلاعیں بھیجی تھیں، صلیبیوں کو یہ بھی

پتہ چل گیا تھا کہ مصر سے بھی فوج آرہی ہے۔ صلیبیوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی بہت جلدی پیش قدمی کرنے والا ہے، لہٰذا انہوں نے دفاع میں لڑنے پھر سلطان ایوبی کو گھیرے میں لینے کا پلان تیار کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مختلف جگہوں پر فوج خیمہ زن کر دی تھی۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ سلطان ایوبی کدھر سے آئے گا اور میدانِ جنگ کون سا ہوگا۔ اپنے اندازے کے مطابق انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کی نفری، پیادہ اور سوار کا حساب لگا لیا تھا۔

حسن بن عبداللہ نے کرک سے آئے ہوئے اپنے آدمی سے تفصیلی رپورٹ لی۔ اس جاسوس نے کلثوم اور بچے کے متعلق بھی بتایا۔ حسن بن عبداللہ نے یہ رپورٹ سلطان ایوبی کو دی۔

"یہ اطلاع ان تمام اطلاعوں کی تصدیق کرتی ہے جو ہمیں دوسری جگہوں کے جاسوسوں نے بھیجی ہیں" — سلطان ایوبی نے کہا — "یہ تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ صلیبی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اب کرک کی اطلاع نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ اس میں نئی بات یہ ہے کہ چند ایک صلیبیوں نے اتحاد کر لیا ہے اور مجھے ان کی متحدہ فوج سے لڑنا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ اطلاع نئی ہے کہ جنگی طاقت کتنی ہے۔ ان کے ساتھ دو ہزار دو سو نائٹ ہوں گے۔ یہ بلاشبہ بہت بڑی طاقت ہے۔ نائٹ سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ملبوس اور محفوظ ہوتا ہے۔ نائٹوں کے گھوڑے عام جنگی گھوڑوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور پھرتیلے ہوتے ہیں۔ انہیں گرمیوں کے عروج میں لڑاؤں گا۔"

"اور ان زرہ پوش نائٹوں کے ساتھ آٹھ ہزار سوار ہوں گے۔" حسن بن عبداللہ نے کہا — "پیادہ فوج کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے۔"

"میرے لیے یہ خبر بھی نئی ہے کہ شاہ آرمینیا کی فوج بھی صلیبیوں کے پاس آرہی ہے" — سلطان ایوبی نے کہا — "یہ صلیبیوں کی تیس بتیس ہزار فوج کے علاوہ ہوگی۔ یہ ملا کر دشمن کی نفری چالیس ہزار ہو جائے گی۔ کرک کی اطلاع اور دوسری جگہوں سے آنے والی اطلاعوں سے یہ یقین ہو گیا ہے کہ صلیبی دفاعی جنگ لڑیں گے اور مجھے گھیرے میں لے لیں گے۔ اس کے مطابق میرا یہ فیصلہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ میں حطین کے مضافات میں لڑوں گا۔ اس علاقے سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔"

☆

"میرے رفیقو! اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس فرض کی ادائیگی کے لیے نکل کھڑے ہوں جو خدائے ذوالجلال نے ہمیں سونپا ہے" — سلطان صلاح الدین ایوبی نے دمشق میں اپنے بڑے کمرے میں سالاروں اور نائب سالاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا — "ہم اقتدار کے لیے آپس میں لڑنے اور مرنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے تھے۔ ہم نے آپس میں بہت کشت و خون کر لیا ہے جس سے دشمن نے ارضِ فلسطین میں اپنے پنجے گہرے اتار لیے ہیں۔ قوم نے ہمارے ہاتھ میں تلوار دی ہے اور اس اعتماد کے ساتھ دی ہے کہ ہم دشمنانِ دین کا خاتمہ کریں گے اور عرب کی مقدس سرزمین کو کفر کے ناپاک وجود سے پاک کریں گے...

"آپ کئی برسوں سے مسلسل لڑ رہے ہیں لیکن اصل جنگ اب شروع ہو رہی ہے۔ اپنے ذہنوں میں اس جنگ کے مقصد کو تازہ کر لو۔ یہ فیصلہ کر لو کہ ہمیں ایک آزاد اور باوقار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے اور ہمیں اپنے خدا کے عظیم مذہب کو کفر کے گھناؤنے سائے سے آزاد رکھنا ہے۔ ہمیں سلطنتِ اسلامیہ کو وہاں تک لے جانا ہے، جہاں تک محمد بن قاسم لے گیا تھا اور جہاں تک طارق بن زیاد لے گیا تھا۔ ان کے بعد آنے والوں کا فرض یہ تھا کہ اللہ کا پیغام وہاں سے بھی آگے لے جاتے جہاں تک قوم کے یہ بیٹے لے گئے تھے مگر اللہ کی سلطنت ایسی سکڑی کہ ہمارے دین کے دشمن ہمارے گھر میں آن بیٹھے ہیں اور وہ خانۂ کعبہ اور روضۂ مبارک کو مسمار کرنے کے منصوبے بنائے ہوئے ہیں۔ کیوں؟ ... یہ کیوں کر ممکن ہوا؟ ... جہاں بادشاہی کا جنون دماغوں پر قابض ہوتا ہے وہاں سرحدیں سکڑتی ہیں اور تخت و تاج کی خاطر امراء اپنے مذہب اور اپنی غیرت کو بھی ترک کر دیا کرتے ہیں....

"ہمارے زوال کا باعث تخت و تاج کا نشہ اور زر و جواہرات کی محبت ہے۔ کہاں وہ وقت کہ ہم دنیا پر چھا گئے تھے اور کہاں یہ وقت کہ دنیا ہم پر چھا گئی ہے اور ہم آخرت کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ ہم میں دوست اور دشمن کی پہچان نہیں رہی۔ عسکری جذبے پر فانی دنیا کی جھوٹی لذتوں کا جادو چل گیا ہے۔ یاد رکھو میرے رفیقو! میں تم کو کئی بار کہہ چکا ہوں کہ قوم کی قسمت تلوار کی نوک سے لکھی جاتی ہے اور یہ تحریر ان مجاہدوں کی ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے۔ جب سالار تخت پر بیٹھ کر سر پہ تاج رکھ لیتے ہیں تو ان کے ہاتھوں میں طاقت نہیں رہتی کہ تلوار نیام سے باہر کھینچ سکیں۔ ان کے دلوں میں اپنے عقیدے اور اپنی قوم کے وقار کے تحفظ کا جذبہ نہیں رہتا، پھر مذہب کا استعمال یہی رہ جاتا ہے کہ اپنی رعایا کو مذہب کے نام پر دھوکے دو اور دشمن کے ساتھ درپردہ دوستی کر لو تاکہ آرام سے اللہ کے نیک اور سادہ لوح بندوں پر حکومت کر سکو....

"ہم آج اسلام کی عظمت کی خاطر صرف اس لیے گھروں کو خیرباد کہنے اور دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے قابل ہوئے ہیں کہ ہم نے اقتدار کے پجاریوں کو ختم کر دیا ہے۔ ہم نے آستین کے سانپوں کا سر کچل ڈالا ہے۔ اگر ہم ہار گئے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہماری نیت میں فتور تھا۔"

سلطان ایوبی ایسی جذباتی اور لمبی تقریر کرنے کا عادی نہیں تھا لیکن جس مہم کے لیے وہ نکل رہا تھا اس کے لیے سب کو ذہنی اور روحانی طور پر تیار کرنا ضروری تھا۔ یہ اس کے وفادار اور قابلِ اعتماد سالار اور نائب سالار تھے۔ ان میں مظفرالدین جیسا قابل اور دلیر سالار بھی تھا جو کسی وقت اس کا ساتھ چھوڑ کر اس کے مخالف کیمپ میں چلا گیا اور اس کے خلاف لڑا بھی تھا۔ اس کے ساتھ تقی الدین اور افضل الدین، فرخ شاہ اور ملک العادل جیسے سالار بھی تھے جو اس کے اپنے خاندان اور اپنے خون کے رشتے کے تھے۔ سالار گکبوری اس کا دستِ راست تھا لیکن ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو فنی، تکنیکی اور جذباتی لحاظ سے کمتر ہوتا، لیکن سلطان ایوبی پہلی بار ارضِ فلسطین پر حملے کے لیے جا رہا تھا اور اس کی منزل بیت المقدس تھی۔

یہ مہم آسان نہیں تھی۔ صلیبیوں کی جنگی قوت زیادہ بھی تھی اور برتر بھی۔ صلیبیوں کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ انہیں دفاع میں اپنی زمین پر لڑنا تھا جہاں انہیں رسد کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا اور وہ اپنے مستقر کے قریب تھے

سلطان ایوبی اپنے مستقر سے دُور جا رہا تھا جہاں تک رسد کے راستے مخدوش تھے۔ جنگی فنون کے مطابق زیادہ دشواریاں حملہ آور کو پیش آتی ہیں اور حملہ آور کی لشکری دشمن سے اگر سہ گنا نہیں تو دوگنی ضرور ہونی چاہیے مگر سلطان ایوبی کی لشکری کم تھی۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ یہ جنگ بہت طول پکڑے گی اور گھروں کو واپس آنا ممکن نہیں ہوگا، اس لیے اس نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے سالاروں کو بتا دے کہ وہ طارق بن زیاد کی اس کارروائی کو ذہن میں رکھیں جس میں اُس نے بحیرۂ روم پار کر کے کشتیاں جلا ڈالی تھیں کہ واپسی کا خیال ہی ذہن سے نکل جائے۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں بعنوان "سلطان (صلاح الدین) پر کیا افتاد پڑی" میں لکھا ہے —
"سلطان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا نے کفار کے خلاف لڑنے کا جو حکم دیا ہے یہ اس کا فرض اولین ہے جسے دنیا کے ہر کام اور ہر فرض پر فوقیت حاصل ہے۔ کفار سے لڑنا اور اللہ کی حکمرانی قائم کرنا اس کا ایسا فرض ہے جو خدا کے حکم سے اسے سونپا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ملکوں کو اللہ کی سلطنت میں شامل کرنا اور بنی نوع انسان کو اطاعت الٰہی کی طرف لانا... اس نے تمام فوجوں کو، جہاں جہاں وہ تھیں، ایشترا کے مقام پر جمع ہونے کا جو حکم بھیجا اس میں اللہ کے حکم کے الفاظ بھی لکھے۔"

☆

سلطان ایوبی کی نظریں مستقبل کی تاریکیوں میں جھانک رہی تھیں۔ اس نے حطین کے مقام کو میدانِ جنگ بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ حطین فلسطین کا ایک گمنام سا گاؤں تھا لیکن سلطان ایوبی نے اُسے وہ عظمت بخشی کہ عیسائی دنیا کے جنگی مبصر آج بھی تجزیے کرتے نظر آتے ہیں کہ صلیبی جنگوں کے اس ہیرو نے کس قسم کی چالوں اور سٹریٹیجی سے اتنے طاقتور اور برتر اسلحہ والے دشمن کو ایسی شرمناک شکست دی تھی کہ صلیبیوں کے ایک کے سوا باقی تمام حکمران جنگی قیدی ہو گئے تھے۔

جنگی علوم کی باریکیاں سمجھنے والے مبصروں اور مؤرخوں نے سلطان ایوبی کی دیگر خوبیوں کے علاوہ اس کے انٹیلی جنس اور کاؤنٹر انٹیلی جنس اور کمانڈو آپریشن کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ یہ ہے بھی حقیقت کہ بکر بن محمد جیسے جاسوس اپنی جانیں موت کے منہ میں رکھ کر اہم معلومات حاصل کر رہے تھے اور سلطان ایوبی تک پہنچا رہے تھے۔ کلثوم جیسی مظلوم لڑکیاں شاہانہ زندگی، عیش و عشرت کو ٹھکرا کر اپنے طور پر اسلامی فوج کی مدد کر رہی تھیں۔ تاریخ ان گمنام غازیوں اور شہیدوں کے نام بتانے سے قاصر ہے جنہوں نے پس پردہ اور زیر زمین جہاد کیا اور حطین کو تاریخِ اسلام کی عظمت کا نشان بنا دیا۔

سلطان ایوبی ہمیشہ جمعہ کے مبارک دن لڑائی کے لیے کوچ کیا کرتا تھا کہ یہ قبولیت کا دن ہے۔ اس مبارک روز ہر مسلمان خدا کے حضور جھکا ہوا ہوتا ہے اور جب سپاہی اپنی قوم کو عبادت میں مصروف چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلتا ہے تو ساری قوم کی دعائیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ حطین کو کوچ کرنے کے لیے بھی اس نے جمعہ کا دن منتخب کیا۔ ۱۳ مارچ ۱۱۸۷ء کا دن تھا۔ اس نے فوج کا صرف ایک حصہ ساتھ لیا اور کرک کے قریب جا خیمہ زن ہوا۔

صلیبی جاسوسوں نے فوراً اپنی اتحادی فوج کو خبر پہنچا دی کہ سلطان ایوبی کرک کے قریب خیمہ زن ہو گیا ہے۔ اس سے یہ مطلب لیا گیا کہ وہ کرک کا محاصرہ کرے گا لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ مصر اور شام کے قافلے حج کعبہ سے واپس آ رہے

تھے۔ ان پر کرک کے قریب ہی حملے ہوا کرتے تھے۔ والیٔ کرک شہزادہ ارناط اس معاملے میں بڑا ہی بدطینت تھا۔ سلطان ایوبی ان قافلوں کو خیریت سے وہاں سے گزارنے کے لیے اس علاقے میں چلا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صلیبیوں کو دھوکہ دے اور وہ اپنا دفاع پھیلا دینے پر مجبور ہو جائیں۔ اس نے اپنے سالاروں کو بتا دیا کہ قافلے گزار کر وہ کہاں جائے گا۔

☆

کرک کے محل میں تو جیسے زلزلہ آگیا تھا۔ شہزادہ ارناط کو نصف شب کے بعد جگا کر بتایا گیا کہ کوئی بہت بڑی فوج شہر سے کچھ دور خیمے گاڑ رہی ہے۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھا۔ یہ سلطان ایوبی کے سوا کون ہو سکتا تھا۔ کلثوم اس کی خواب گاہ میں تھی۔ وہ ارناط کے ساتھ دوڑتی شہر کے بڑے دروازے کی اوپر والی دیوار پر گئی۔ وہاں سے سینکڑوں مشعلیں نظر آرہی تھیں۔ زیادہ تر مشعلیں متحرک تھیں۔ خیمے گاڑے جا رہے تھے۔ رات کی خاموشی میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

ارناط نے اپنی فوج کو محاصرے میں لڑنے کے لیے دیواروں پر مورچہ بند کر دیا۔ دروازوں پر دفاعی انتظامات مضبوط کر دیئے گئے۔ ارناط بھاگ دوڑ رہا تھا۔ اسے کلثوم کا کوئی خیال نہیں تھا۔ کلثوم واپس گئی تو ارناط کا محافظ دستہ بیدار ہو کر حکم کا منتظر کھڑا تھا اور ایک جگہ وہ شاہی بگھی کھڑی تھی جس پر کلثوم ناصرہ گئی اور سیر کے لیے بھی گئی تھی۔ اس کے پاس بکر بن محمد چاک و چوبند کھڑا تھا۔ وہاں ہر آدمی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا تھا۔

کلثوم نے حکم کے لہجے میں بکر سے کہا — "سیس! بگھی ادھر لاؤ۔"
بکر بگھی لایا تو کلثوم اس میں بیٹھ گئی اور اسے کسی طرف لے گئی۔ ارناط کے حرم کی عورتیں بھی جاگ کر باہر آگئی تھیں۔ انہوں نے کلثوم کو جو اُن کے لیے پرنسس بنی ہوئی تھی، بگھی بان کو حکم دیتے اور بگھی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تو اُن میں سے ایک نے دانت پیس کر کہا — "یہ بدبخت کسی مسلمان کی اولاد اپنے آپ کو ملکہ سمجھنے لگی ہے۔ اُسے ٹھکانے لگانا ہی پڑے گا۔"
"وقت آگیا ہے۔" دوسری نے کہا — "صلاح الدین ایوبی کا محاصرہ بہت خوفناک ہوتا ہے۔ وہ آگ پھینکے گا، منجنیقوں سے پتھر پھینکے گا، اندر بھگدڑ اور تباہی مچے گی اور یہ وقت ہوگا جب ہم اس منہ چڑھی ناگن کو ٹھکانے لگا دیں گی۔"

"تمہارا چاہنے والا وہ جرنیل بھی تو کچھ نہیں کر سکا۔" تیسری نے کہا۔
"اور بہت ہیں کچھ کرنے والے۔" اس نے جواب دیا۔ "کل شام تک شہر کی حالت دیکھنا۔ پھر شہزادہ ارناط کسی اور شہزادی بلی کو تلاش کرے گا۔"
اُس وقت کلثوم نے بگھی ایک اندھیری جگہ رکوا رکھی تھی۔ بکر بگھی کے ساتھ کھڑا تھا۔ کلثوم اس سے پوچھ رہی تھی — "ہمارے آدمی اندر سے کوئی دروازہ کھولنے کا انتظام کر سکیں گے؟"
"کوشش کی جائے گی۔" بکر نے کہا — "اگر یہ فوج ہماری ہے تو میں حیران ہوں کہ ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی گئی۔ سلطان ایوبی ایسی غلطی نہیں کیا کرتے۔ مجھے کچھ شک ہے۔ یہ صبح پتہ چلے گا یہ کس کی فوج ہے۔"
"کیا ہم یہاں سے فرار ہو سکیں گے؟" کلثوم نے پوچھا۔

"مساوات پر منحصر ہے۔"

"میں اس ناتوانی میں ارناط کو آسانی سے قتل کر سکتی ہوں۔"

"ایسی حرکت نہ کرنا۔" مکرچن موسے نے کہا۔ "فوج شہر میں داخل ہو گئی تو ہم نظر رکھیں گے کہ وہ فرار ہونے کی کوشش نہ کرے.... کوئی نئی خبر؟"

"ارناط سلطان ایوبی کو دیکھ رہا تھا کہ کس طرح پیش قدمی کرتا ہے۔" کلثوم نے کہا۔ "اب حالات کچھ اور ہو گئے ہیں۔ پتہ چلا تھا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ جھیل گیلیلی کو جا رہا ہے۔"

"زیادہ دیر نہ رکو۔" بلو نے کہا۔ "چلو واپس چلیں۔"

★

صبح طلوع ہوئی تو کرک کی دیواروں پر دور مار کمانوں والے تیر انداز مستعد کھڑے تھے۔ پتھر اور آگ کی ہانڈیاں پھینکنے والی منجنیقیں نصب ہو چکی تھیں۔ فوج تیاری کی حالت میں کھڑی تھی اور شہزادہ ارناط دیوار پر کھڑا سلطان ایوبی کی فوج کو دیکھ رہا تھا۔ یہ یقین ہو گیا کہ یہ سلطان ایوبی کی فوج ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ سلطان خود بھی ساتھ ہے۔ مگر اس فوج میں محاصرے والی کوئی حرکت اور سرگرمی نہیں تھی۔ خیمے لگے ہوئے تھے اور سپاہی روزمرہ معمول میں لگے ہوئے تھے۔

یہ دن گزر گیا، پھر پانچ چھ دن گزر گئے۔ ارناط پر انتظار اور اضطراب کی کیفیت طاری رہی۔ اسے جو نظر نہیں آ رہا تھا وہ یہ تھا کہ رات کو سلطان ایوبی نے اپنے گھوڑ سوار چھاپہ مار اُس راستے پر دور تک پھیلا دیئے تھے جس پر حجاج کے قافلوں کو گزرنا تھا۔ چند دنوں بعد پہلا قافلہ آتا نظر آیا۔ یہ مصر کا قافلہ تھا۔ گھوڑ سوار اس کے ساتھ ہو گئے۔ قافلہ سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کے قریب پہنچا تو سلطان دوڑ کر آگے بڑھا اور حجاج سے مصافحہ کیا۔ اُس نے عقیدت و احترام سے سب کے ہاتھ چومے اور اپنی خیمہ گاہ میں انہیں آرام اور کھانے کے لیے روکا اور اس کے چھاپہ مار دور تک حجاج کے ساتھ گئے۔ ایک ہی روز بعد شامی حجاج کا قافلہ بھی آ گیا۔ اس کا بھی سلطان ایوبی نے استقبال کیا، کھانا کھلایا اور اپنے حفاظتی انتظامات میں اسے رخصت کیا۔

اتنے دن کرک کے سامنے صلیبی فوج تیاری کی حالت میں رہی اور شہر پر خوف طاری رہا۔ سلطان ایوبی کے جاسوس اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ایک صبح ارناط کو اطلاع ملی کہ سلطان ایوبی کی فوج جا رہی ہے۔ ارناط اس کے سوا کچھ بھی نہ دیکھ سکا کہ حجاج کے دونوں قافلے سلطان ایوبی کی فوج کی حفاظت میں گزر گئے ہیں۔ سلطان ایوبی کے صرف جاسوسوں کو معلوم تھا کہ اصل قصد کیا تھا۔ اس نے کرک سے پہلے انہیں اطلاع بھجوا دی تھی کہ فوج کہیں اور جا رہی ہے اور وہ (جاسوس) ارناط کی نقل و حرکت کی اطلاعیں دیتے رہیں۔

۲۷ مئی ۱۱۸۷ء (۱۷ ربیع الاوّل) کے روز سلطان العُشترہ کے مقام پر جا خیمہ زن ہوا۔ وہاں مصر اور شام کی فوجیں اس سے جا ملیں۔ اُس کا سب سے بڑا بیٹا الملک الافضل جس کی عمر سولہ سال تھی ایک مشہور سالار مظفر الدین کے ساتھ جا ملا۔ اس طرح اس کی ساری فوج جمع ہو گئی۔ اس نے تمام سالاروں، نائب سالاروں کو آخری ہدایات

کے لیے جمع کیا اور کہا۔ "میرے رفیقو! اللہ تمہارا مددگار ہو۔ دلوں سے اپنے عزیزوں اور اپنے گھروں کا خیال نکال دو اور دلوں میں قبلۂ اوّل کو بسا لو اور دلوں میں خدائے ذوالجلال کا اسم مبارک نقش کر لو جس نے ہمیں یہ سعادت بخشی ہے کہ قبلۂ اوّل کو آزاد کرائیں اور اپنی بیٹیوں کی بے عزتی کا انتقام لیں جو کفار کے ہاتھوں بے آبرو ہوئیں....

"اب ہم جو باتیں کریں گے وہ حقیقت کی کریں گے۔ ہماری تعداد دشمن کے مقابلے میں کم ہے اور آپ کا مقابلہ سات صلیبی بادشاہوں کی متحدہ فوج کے ساتھ ہے جس میں دو ہزار دو سو سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ڈھکے ہوئے نائٹ ہیں۔ ان کی دوسری فوج نیم زرہ پوش ہے۔ اس فوج کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اپنے مستقر کے قریب ہے اور یہ سارا علاقہ اس کا اپنا ہے جہاں اُسے رسد کی کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ ہمیں دو جنگیں لڑنی ہیں۔ ایک براہِ راست دشمن کے خلاف اور دوسری ان دشواریوں کے خلاف جو ہمیں درپیش ہیں۔ یہ دشواریاں دشمن کی طرف منتقل کرنی ہیں۔"

اُس نے نقشہ پھیلا کر اپنی تلوار کی نوک سے سب کو بتایا کہ اس کا میدانِ جنگ کون سا ہو گا۔ جو سالار اس جگہ سے واقف تھے انہوں نے چونک کر سلطان ایوبی کی طرف دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ سلطان ایوبی ان کے استعجاب کو سمجھ گیا اور مسکرایا۔

"یہ حطین کے مضافات کا میدان ہے۔" اس نے کہا۔ "آپ سوچ رہے ہیں کہ یہ زمین سوکھے ہوئے درخت کی کھال کی طرح خشک، اونچی نیچی اور موسم کی بے رحمی سے کئی جگہ پھٹی ہے اور یہ زمین اتنی پیاسی ہے کہ انسانوں اور ہمارے گھوڑوں کا خون پی جائے گی۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ اس کے اردگرد اونچی نیچی ٹیکریاں ہیں۔ ہاں، یہ سب بے آب و گیاہ اور پیاسی ہیں۔ یہ لوہے کی طرح تپ رہی ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں جو سوال ہے وہ میں سمجھتا ہوں۔ وہ کون سی فوج ہے جو اس جہنم نما علاقے میں لڑے گی؟ ___ وہ بھاری فوج ہو گی۔ آپ کے ہلکے پھلکے سواروں کے دستے (لائٹ کیولری) یہاں تنکوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور وہ لوہے کے لباس میں ملبوس نائٹوں اور نیم زرہ پوش صلیبی سواروں کو نچاتے پھریں گے۔ دشمن کے یہ سوار اور پیادے لوہے کی تپش سے بہت جلدی پیاس سے بے حال ہو جائیں گے اور لوہے کا وزن انہیں اتنی پھرتی سے حرکت نہیں کرنے دے گا جس تیزی سے ہمارے سوار بھاگیں دوڑیں گے....

"آپ جانتے ہیں کہ میں ہر کارروائی جمعہ کے مبارک روز کیا کرتا ہوں۔ میں اس وقت آگے بڑھوں گا جب مسجدوں میں قوم خطبہ سُن رہی ہو گی۔ یہ وقت قبولیت کا ہوتا ہے۔ میں نے ہر قصبے اور ہر گاؤں میں اطلاع بھجوا دی تھی کہ جمعہ کے روز دعاؤں میں اپنے ان مجاہدین کو شامل رکھا کریں جو جمعہ کی نماز سے محروم ہو کر میدانِ جنگ میں زخمی ہو کر گرتے ہیں۔ اٹھتے ہیں اور جمعہ نہ پڑھ سکنے کا خراج لہو کے نذرانوں سے ادا کرتے ہیں۔ یہ وہ ہو گا جب سورج سر پہ ہو گا اور لوہے کو بھٹی کی طرح گرم کر دے گا....

"اور یہ دیکھو۔ یہ گیلیلی کی جھیل ہے اور یہ دریا ہے۔" اس نے تلوار کو چھڑی کی طرح نقشے پر مار کر بتایا۔

"اور یہ واحد تالاب ہے جس میں پانی ہے۔ باقی تمام تالاب خشک ہو گئے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جسے صلیبی کے بجائے

جولی کیا کرتے ہیں۔ ہمیں پانی اور دشمن کے درمیان آنا ہے۔ میں ان الفاظ میں دشمن کو پانی سے محروم کر چکا ہوں۔ اُس کو عملی طور پر پیاسا مارنا آپ کا کام ہے۔ دشمن حطین کے میدان میں لڑنے سے گریز کرے گا، میں اُسے یہیں لڑاؤں گا۔ فوج کو میں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مظفر الدین اور میرا بیٹا الافضل ہم میں نہیں ہیں۔ وہ ایک حصے کو ساتھ لے کر دریائے اردن جھیل گیلیلی کے جنوب سے پار کر گئے ہیں۔ یہ دستے طبریہ (جبل طور) تک پہنچیں گے، شاید پہنچ چکے ہوں گے۔ یہ ایک دھوکہ ہے جو میں دشمن کو دے رہا ہوں۔"

اس نے فوج کے باقی تین حصوں کی تفصیلات اور اُن کے مشن بتائے۔ ان تین میں سے ایک حصہ (ریزرو) اپنی کمان میں رکھا۔ مؤرخین کے مطابق یہی حصہ ریزرو اور ٹاسک فورس کے طور پر استعمال کرنا تھا۔ یہ فیصلہ کن کارروائی کے لیے تھا۔ ان حصوں کو مختلف مقامات سے دریا پار کرایا گیا۔ صلیبی اپنے مخبروں اور دیکھ بھال کے دستوں کے ذریعے یہ نقل و حرکت دیکھ رہے تھے لیکن وہ نہ سمجھ سکے کہ سلطان ایوبی کا پلان کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے جھیل گیلیلی کے مغربی کنارے پر طبریہ کے مقام پر ایک پہاڑی پر جا ڈیرے ڈالے۔

☆

صلیبیوں کو ایک اور دھوکہ بھی ہوا۔ سلطان ایوبی اکثر چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑا کرتا تھا شبخون زیادہ مارتا تھا۔ کم سے کم نفری سے دشمن کی زیادہ تعداد پر "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر حملے کرتا اور دشمن کو بکھیر دیتا تھا۔ صلیبی اس کی اسی جنگ کے لیے تیار تھے۔ اس کی فوج کا جو حصہ مظفر الدین اور الافضل کی زیر کمان دریا پار کر گیا تھا اس نے صلیبیوں کی فوج کی چوکیوں (آؤٹ پوسٹوں) پر شبخون مارنے شروع کر دیے تھے۔ اس سے صلیبیوں کو یہ دھوکہ ہوا کہ سلطان ایوبی اپنے مخصوص انداز سے لڑے گا لیکن اب اس نے کوئی اور ہی انداز سوچ رکھا تھا۔ چھاپہ ماروں کو اس نے حسب معمول وہی مشن دیے جو ہر جنگ میں دیا کرتا تھا۔

صلیبی فوج قلعہ بندیوں میں تھی اور باہر بھی تھی۔ سلطان ایوبی نے تیز رفتاری سے فوج کو اس طرح پھیلا دیا کہ جھیل گیلیلی اور جو ایک دو پانی کے تالاب تھے وہ اس کے قبضے میں آگئے۔ صلیبیوں کی فوج کے ایک حصے (فرنگیوں) نے سیفوریہ کے مقام پر اجتماع کیا لیکن سلطان ایوبی آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کی بجائے طبریہ کے مقام پر رُکا رہا۔ وہ صلیبیوں کو حطین کے قریب لانا چاہتا تھا۔ صلیبی آگے آتے نظر نہ آئے تو اُس نے پیادہ دستے ذرا سا آگے بڑھا دیے اور خود ہلکا رسالہ (لائٹ کیولری) لے کر طبریہ پر حملہ کر دیا اور حکم دیا کہ طبریہ کو تباہ و برباد کر کے شہر کو آگ لگا دی جائے۔ اس حکم پر عمل کیا گیا۔

طبریہ کا قلعہ خاصا مضبوط تھا۔ فوج قلعہ میں تھی۔ شہر کو بچانے کے لیے فوج قلعے سے نکل کر شہر کو روانہ ہوئی۔ سلطان ایوبی نے اس کا راستہ روک لیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے دوسرے حصے مختلف سمتوں کو روانہ کر دیے تھے۔ صلیبیوں کی فوج جو قلعے سے آئی تھی اس کی کمان شاہ ریمانڈ کے ہاتھ میں تھی۔ طبریہ کی ٹیکریوں پر اس کی اور سلطان ایوبی کی آمنے سامنے کی لڑائی ہوئی۔ قاضی بہاؤالدین شداد اس لڑائی کا آنکھوں دیکھا حال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: "دونوں فوجوں کے سواروں نے ایک دوسرے پر ہلہ بولا۔ ہراول کے سوار تیر چلاتے آرہے تھے۔ پھر پیادہ دستوں کو بھی میدان میں اتار دیا گیا۔ صلیبیوں کو موت نظر آنے لگی تھی اور مسلمانوں کو پیچھے دریا اور سامنے دشمن نظر

آرہا تھا۔ پیچھے ہٹنے کے یہاں ان کے پاس کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس لیے دونوں فوجیں اتنے قہر سے لڑیں جس کی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔"

سارا دن لڑائی جاری رہی۔ رات مسلمان چھاپہ ماروں نے دشمن کو پریشان رکھا۔ دشمن کی فوج دو گھونٹ پانی سے بھی محروم تھی لیکن پانی پر مسلمان قابض تھے۔ چھاپہ مار دشمن کو پانی کی تلاش میں جانے ہی نہیں دیتے تھے۔ الصبح صلیبیوں نے ٹیکریوں پر چڑھ کر لڑائی لڑی۔ مسلمان بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے مگر صلیبی جرنیلوں سے صاف انتشار ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کا رسالہ چونکہ ہلکا تھا اس لیے انہوں نے ٹیکریوں کا گھیرا کر کے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ صلیبی تیر اندازوں نے اُن کے سروں کے اوپر سے تیر برسائے۔ اتنے میں صلیبیوں نے دیکھا کہ ان کے کمانڈر کا جھنڈا نظر نہیں آرہا۔ یہ فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ ان کا بادشاہ ریمانڈ میدان جنگ سے بھاگ گیا ہے۔ حالانکہ اس نے صلیب اعظم پر ہاتھ رکھ کر اپنے اتحادیوں کا وفادار رہنے اور پیٹھ نہ دکھانے کا حلف اٹھایا تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ صلیب اعظم حطین کی اس جنگ میں ساتھ لائی گئی تھی۔

صلیبیوں کے بھاگنے کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ وہ اب دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ بلندیاں اُن کی مدد کر رہی تھیں۔ یہ دن بھی گزر گیا۔ مسلمان فوج نے بے اندازہ خشک گھاس اور لکڑیاں جمع کر کے صلیبیوں کو آگ لگا دی۔ رات کو سلطان ایوبی کی فوج گھاس اور لکڑیاں جمع کرتی اور آگ تیز کرتی رہی۔ دن بھر کے پیاسے اور جلتے ہوئے صلیبی ٹیکریوں پر جھلسنے لگے۔ ان میں سے ایک دستے نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیا۔ دوسرے دن صلیبی فوج نے ہتھیار ڈال دیے اور جرنیلوں سمیت سلطان ایوبی کی قید میں آگئی۔

☆

سلطان ایوبی کی فوج کے دوسرے تین حصے مختلف جگہوں پر اس قسم کی جنگ لڑ رہے تھے کہ کبھی صلیبی کے پہلو پر حملہ کرتے اور نکل جاتے اور کبھی عقب پر حملہ کر کے اِدھر اُدھر ہو جاتے۔ ایک دو پیادہ دستے اس انداز سے دشمن کے سامنے رہے کہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹ آتے۔ اس طرح دشمن حطین کے میدان میں آگیا مگر اُس وقت تک وہ اور اس کے گھوڑے پیاس سے ادھ موئے ہو چکے تھے۔

۳ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی نے اپنے پلان کی اس کڑی پر کارروائی شروع کی جو اُس نے حطین کے لیے بنایا تھا۔ یہ بھی جمعہ کا مبارک دن تھا۔ اسے پہلے سے جاسوسوں نے جن میں کلثوم اور گرتا قابل ذکر ہیں بتا دیا تھا کہ سات صلیبیوں نے اتحاد کر لیا ہے، لہٰذا سلطان ایوبی کی جنگی طاقت جو بھی سو تھی، اس حصہ اپنی چالوں، فوج کی تقسیم، چھاپہ ماروں کے استعمال، دیکھ بھال کے انتظام اور میدان جنگ میں برق رفتار نقل و حرکت کے انداز میں تبدیلی اور کارگر طریقے اور داؤ سوچ لیے تھے۔ دشمن کو وہ بڑی خوبی سے حطین میں لے آیا تھا اور گرد کی قلعہ بندیوں اور آبادیوں پر وہ قابض ہو چکا تھا۔ پانی اس کے قبضے میں تھا اور ماہ جولائی کا موسم قہر اُس کے حق میں تھا۔

دشمن جب حطین میں آیا تو وہ جان نہ سکا کہ وہ سلطان ایوبی کی نہایت عمدگی سے تقسیم اور ڈسپلن کی ہوئی

فوج کے نرغے میں آ گیا ہے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے دشمن کی دیکھ بھال کی چوکیوں اور گشتی جیشوں، آؤٹ پوسٹوں اور رسد کے لیے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ رات کو وہ دشمن کو نہ آرام کرنے دیتے تھے نہ جرنیلوں کو سوچنے کی مہلت دیتے تھے۔

۴ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی کی فوج کے درمیانی حصے نے آمنے سامنے حملہ کیا۔ ٹیکریوں کی وجہ سے میدانِ جنگ تنگ تھا۔ صلیبی ادھر اُدھر سے اُٹھ کر بڑھنے کی کوشش کرتے تو مسلمانوں کا لائٹ رسالہ حرکت میں آ جاتا۔ تیر انداز بلندیوں پر تھے جہاں سے وہ صلیبیوں پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ سلطان ایوبی کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی اوپر جاتا کبھی نیچے آتا اور اُس کے سوار شتر قاصد پیغام لا اور لے جا رہے تھے۔ صلیبی نائٹوں کو زرہ بکتر جلا رہی تھی۔ ان کے گھوڑے پیاسے تھے۔ پانی سامنے نظر آ رہا تھا جو پیاس کو بڑھا رہا تھا۔

صلیبیوں نے کمک منگوا کر ایک جوابی حملہ کیا جو اُن کی آخری اُمید تھی۔ جہاں انہوں نے حملہ کیا وہاں کی کمان تقی الدین کے ہاتھ تھی۔ اُس نے حملہ روکنے کے لیے اپنے دستوں کو نیم دائرے کی شکل میں کر دیا۔ دشمن سیدھا اندر چلا آیا۔ تقی الدین نے نیم دائرے کے سرے بند کر دیئے اور صلیبی گھیرے میں آ گئے۔ مسلمان سواروں نے انہیں کاٹ اور کچل ڈالا۔

اب جنگ کی یہ صورت تھی کہ صلیبی حطین کے میدان میں دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ حطین سے دور ان کا اگر کوئی دستہ رہ گیا تھا تو اُسے مسلمانوں نے وہیں بیکار کر دیا جہاں وہ تھا۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ عکرہ کا پادری "محافظ صلیب اعظم" صلیب الصلبوت کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا یعنی جس صلیب پر صلیبیوں نے اسلام کو ختم کرنے کے حلف اٹھائے تھے وہ صلیب میدانِ جنگ میں لائی گئی تھی مگر صلیبی بادشاہوں نے پیٹھ دکھانی شروع کر دی۔ گائی آف لوزینان اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بھاگ رہا تھا کہ اُسے مسلمان سواروں نے دیکھ لیا اور انہیں زندہ پکڑ لیا۔

عکرہ کا پادری مارا گیا اور صلیب اعظم مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔ مشہور مؤرخوں اس صلیب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اُس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد سلطان ایوبی نے صلیب وہاں کے عیسائیوں احترام سے لوٹا دی تھی۔

شام تک جنگِ حطین کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ صلیبیوں کے جانی نقصان کا کوئی شمار نہ تھا۔ باقی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سلطان ایوبی کے سامنے جو قیدی لائے گئے ان میں ریمانڈ کے سوا باقی چھ اتحادی تھے اور اُن میں کرک کا شہزادہ ارناط بھی تھا جسے اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی قسم سلطان ایوبی نے کھائی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں۔ (اور اس کا تفصیلی ذکر قاضی بہاؤ الدین شداد نے کیا ہے) کہ سلطان ایوبی نے صلیبی بادشاہ جیفرے کو شربت پیش کیا۔ جیفرے نے آدھا شربت پی کر گلاس ارناط کو دے دیا۔

ارناط شربت پینے لگا تو سلطان ایوبی نے اپنے ترجمان سے گرج کر کہا — "اُسے (ارناط سے) کہو کہ اسے ہم نے نہیں اپنے بادشاہ نے شربت دیا ہے۔ عربی میزبان صرف اس دشمن کو شربت پیش کرتے ہیں جس کی وہ جان

بخش دیتے ہیں۔ میں نے ارناط کو شربت پیش نہیں کیا۔" بہاؤ الدین شداد لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔

سلطان نے ملازموں سے کہا کہ مہمان سب کو کھانے پر بٹھاؤ۔ جب سب کھانے والے خیمے میں جا کر کھانا کھا چکے تو سلطان نے پھر جیفرے اور ارناط کو اپنے خیمے میں بلایا۔ اس نے ارناط سے کہا کہ تم ہمیشہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرتے رہے ہو۔ تمہاری نجات اس میں ہے کہ اسلام قبول کر لو۔ ارناط نے انکار کر دیا۔ سلطان ایوبی کو یہی توقع تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے تلوار نکالی اور ایک ہی وار سے ارناط کا ایک بازو جسم سے الگ کر دیا اور چلا کر کہا — "مردود! تو نے میرے رسولؐ کی توہین کی۔ اگر یہ گالیاں مجھے دیتا تو آج تو زندہ ہوتا۔" مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کے خیمے میں اس کے جو دو تین سالار تھے، انہوں نے تلواروں سے ارناط کو ختم کر دیا۔ سلطان نے نفرت کے لہجے میں حکم دیا — "اس ناپاک لاش کو باہر پھینک دو۔"

قاضی بہاؤ الدین شداد لکھتا ہے — "سلطان ایوبی نے اس کی لاش خیمے سے باہر اور اس کی روح جہنم کے اندر پھینک دی۔"

بادشاہ جیفرے نے اپنے اتحادی کا یہ انجام دیکھا تو اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ سمجھ گیا کہ اب اس کی باری ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے دیکھا تو آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور تحمل سے کہا — "بادشاہ بادشاہوں کو قتل نہیں کیا کرتے لیکن اس کے گناہ ایسے تھے کہ مجھے اسے اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی قسم کھانی پڑی۔ آپ نہ ڈریں۔"

قیدی بادشاہوں کو قیدیوں کے خیموں میں بھیج دیا گیا اور سلطان ایوبی سجدے میں گر پڑا۔

☆

کرک کے محل میں رات خاموش تھی۔ وہاں ارناط بھی نہیں تھا اور اس کے جرنیل اور درباری بھی نہیں تھے۔ وہاں اس کے حرم کی عورتیں تھیں، کلثوم تھی اور ان کے نوکر اور نوکرانیاں تھیں اور قلعے میں مختصر سی فوج تھی۔ وہاں ابھی ارناط کی موت کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ اس وقت تک کلثوم سو جاتی تھی۔

ایک عورت دبے پاؤں کلثوم کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ کلثوم کے پلنگ تک پہنچی۔ کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی۔ عورت نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور پوری طاقت سے خنجر کا وار کیا لیکن اسے کوئی چیخ نہ سنائی دی۔ خنجر پلنگ میں اتر گیا تھا۔ اس نے بستر پہ ہاتھ پھیرا۔ وہاں کلثوم نہیں تھی۔ عورت یہ سمجھ کر کہ کلثوم کہیں نکل گئی ہو گی، پلنگ کے ساتھ چھپ کر بیٹھ گئی۔

ذرا سی دیر بعد کمرے میں دبے پاؤں کسی کی آہٹ سنائی دی جو پلنگ تک گئی۔ عورت نے اُٹھ کر اس پر خنجر کا وار کیا۔ فوراً بعد اس کے اپنے پیٹ میں خنجر اُتر گیا۔ پھر دونوں طرف سے خنجروں کے وار ہوتے، اور دونوں باہر کو دوڑیں اور باہر جا کر گر پڑیں۔ حرم کی دوسری عورتوں نے دیکھا کہ ان میں کلثوم نہیں تھی۔ یہ دونوں حرم کی عورتیں تھیں جو کلثوم کو قتل کرنے گئی تھیں۔ اسی روز دونوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا مگر یہ غلط فہمی رہی کہ قتل

کرنے کون جائے گی۔ اندھیرے کمرے میں دونوں نے ایک دوسری کو کلثوم سمجھا۔

اُس وقت کلثوم محل سے ہی نہیں کرک سے ہی نکل گئی تھی۔ اسی روز بکر کو اپنے جاسوس ساتھیوں کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ حطین میں صلیبیوں کو بہت بڑی شکست ہو رہی ہے۔ کرک کے جاسوسوں نے ہی بکر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کلثوم کو لے کر نکل جائے۔ کلثوم کے لیے رات قلعے کا دروازہ کھلوانا مشکل نہیں تھا۔ سب جانتے تھے کہ یہ شہزادہ ارناط کی چہیتی ہے۔ بکر بن محمد جمیل کے روپ میں اس کے ساتھ اور اُسے شاہی بگھی میں لے جا رہا تھا۔ حرم کی کوئی عورت کلثوم کو جاتے نہیں دیکھ سکی تھی۔

شہر سے دُور جا کر انہیں وہ دو گھوڑے مل گئے جو جاسوسوں کے انتظام کے تحت وہاں انتظار میں کھڑے تھے۔ بگھی وہیں چھوڑ دی گئی۔ کلثوم اور بکر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور غائب ہو گئے۔ دوسرے دن راستے میں انہیں اپنی فوج کے ایک قاصد نے بتایا کہ صلیبیوں کو شکست ہو چکی ہے، ارناط مارا جا چکا ہے اور سلطان ایوبی ابھی حطین اور ناصرہ کے علاقے میں ہے۔ کلثوم سلطان کے پاس جانا چاہتی تھی۔

وہ جھیل گیلیلی پہنچ گئے ___ اور جب کلثوم کو سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا تو وہ سلطان کے پاؤں پر گر پڑی۔

"میری بیٹی!" ___ سلطان ایوبی نے اُسے اُٹھا کر شفقت سے گلے لگایا اور کہا ___ "میری اس فتح میں تم جیسی نہ جانے کتنی بیٹیوں کا ہاتھ ہے۔"

"میں اُس کی لاش دیکھنا چاہتی ہوں۔" ___ کلثوم نے کہا۔

"سب کی لاشیں دریا میں پھینک دی گئی ہیں" ___ سلطان ایوبی نے کہا ___ "اُسے میں نے اپنے ہاتھوں سزا دی ہے.... تمہیں کل دمشق بھجوا دیا جائے گا۔ مجھے ابھی بہت دُور جانا ہے۔ جہاں بھی رہو بیٹی! میرے لیے دُعا کرتی رہنا کہ میں آگے ہی آگے دُور ہی دُور جاتا رہوں اور جہاں شام کو سورج ڈوب جاتا ہے وہاں تک اللہ اور اُس کے رسولؐ کا پیغام پہنچا دوں۔"

حطین کی فتح اس لیے بہت اہم تھی کہ اس سے سُلطان ایوبی نے ارضِ فلسطین کا دروازہ توڑ لیا اور اُس میں داخل ہو گیا تھا۔ اتنا وسیع علاقہ لے کر اس کے لیے بیت المقدس کی فتح آسان ہو گئی تھی۔ اس نے اس علاقے کو فوجی مستقر بنا لیا اور بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی تیاری اور اسلحہ اور رسد ذخیرہ کرنے لگا۔

☆

فصلِ صلیبی جس نے کاٹی تھی

حطین میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے جو فتح حاصل کی تھی وہ معمولی نوعیت کی نہیں تھی۔ سات صلیبی حکمران متحد ہو کر سلطان ایوبی کی جنگی قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے اور اس کے بعد مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کرنے آئے تھے لیکن وہ اپنی جنگی قوت کا یہ حشر کرا بیٹھے جیسے صحرا کا ٹیلا آندھی سے ریت کے ذروں کی صورت میں صحرا میں بکھر جاتا ہے۔ چار مشہور اور طاقت ور حکمران جنگی قیدی بنے جن میں یروشلم (بیت المقدس) کا حکمران گائی آف لوزینان قابلِ ذکر ہے۔ صلیبی فوج کا مورال ٹوٹ گیا اور سلطان ایوبی کی فوج کا مورال بلند ہو گیا۔

جنگ ختم ہو چکی تھی۔ چھاپہ ماروں کی جنگ جاری تھی۔ وہ بھاگنے والے صلیبی سپاہیوں کو پکڑ رہے تھے۔ صلیبیوں کے حوصلے اس حد تک پست ہو چکے تھے کہ قاضی بہاؤالدین شدّاد کے الفاظ میں "ایک شخص نے جس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ سچ بولتا ہے، مجھے بتایا کہ اس نے اپنی فوج کے سپاہی کو دیکھا جو تیس صلیبی سپاہیوں کو خیمے کی ایک ہی رسّی سے باندھے ہوئے لا رہا تھا۔" ایسے مناظر تو کئی ایک دیکھنے میں آئے کہ ایک ایک مسلمان سپاہی کئی کئی صلیبی سپاہیوں کو نہتہ کر کے ہانک کر لا رہا ہے۔ بعض یورپی مؤرخوں نے صلیبیوں کی اس شکست کے اسی قسم کے کئی واقعات لکھے ہیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی جنگی اہمیت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

بحیرۂ روم کے ساحل پر اسرائیل کے شمال میں عکرہ ایک مشہور شہر تھا جسے بعض نے عکہ بھی لکھا ہے۔ اس شہر کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں صلیبِ اعظم کا محافظ پادری رہتا تھا۔ پچھلی قسط میں سنایا جا چکا ہے کہ وہ صلیب عکرہ کے بڑے گرجے میں رکھی تھی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو اسی پر مصلوب کیا گیا تھا۔ اسے صلیب الصلبوت کہتے تھے۔ سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے والے بلکہ دنیائے عرب پر قبضہ کرنے کے لیے لڑنے والے عیسائی اسی صلیب پر حلف اٹھاتے تھے۔ اسی لیے انہیں صلیبی کہا گیا تھا۔ حلف اٹھانے والے ہر صلیبی کے گلے میں لکڑی کی چھوٹی سی صلیب تعویذ کی طرح ڈال دی جاتی تھی۔ لہٰذا جتنے صلیبی فوجی جنگ میں مرتے تھے اتنی ہی صلیبیں گرتی تھیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس کو فصلِ صلیبی کہا ہے۔

حطین اور اس کے گرد و نواح کے میل ہا میل علاقے میں اور اس سے بھی دُور دُور جہاں جہاں جنگ لڑی گئی تھی صلیبیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ مرنے والے تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے۔ بیشتر طور پر زخمی ہونے والے بھی مر گئے تھے جس کی وجہ زخم نہیں پیاس تھی۔ آہن پوش نائٹوں کے پیے ان کا بکتر تنور بن گئی اور ان کی موت کا باعث بنی تھی۔ زخمیوں کو پانی پلانے والا کوئی نہ تھا، نہ کوئی ان کی مرہم پٹی کرنے والا تھا۔ ان میں مسلمان زخمی اور شہید بھی

تھے۔ انہیں رات مشعلوں کی روشنی میں اُٹھا لیا گیا تھا۔

آج کے دور کا ایک مؤرخ انتونی ویسٹ اُس دور کے مؤرخوں کے حوالے سے لکھتا ہے کہ حطین کے میدانِ جنگ میں لاشوں کی تعداد تیس ہزار سے اوپر تھی۔ لاشیں اٹھانے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ اُن کے جو ساتھی زندہ رہے وہ جنگی قیدی ہو گئے یا تتر بتر ہو کر بھاگ گئے تھے۔ انتونی ویسٹ نے لکھا ہے کہ ان لاشوں کو مردار خور پرندوں اور درندوں نے کھایا۔ مردار خور اتنے نہیں تھے جتنی لاشیں تھیں۔ بہت سی لاشیں چند دنوں میں ہڈیوں کے سالم ڈھانچوں میں بدل گئیں۔ بلندی سے دیکھنے والوں کو حدِ نگاہ تک زمین ہڈیوں کی وجہ سے سفید نظر آتی تھی۔ ان ہڈیوں میں بڑی اور چھوٹی چھوٹی صلیبیں بکھری ہوئی تھیں جیسے پکے ہوئے فصل سے پھل گر کر خشک ہو گیا ہو۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ فصل کاٹ ڈالی تھی۔ اسے اس علاقے کو لاشوں سے صاف کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اسے وہاں رُکنا نہیں تھا۔ اس کی منزل بیت المقدس تھی لیکن وہ باتیں عکرہ کی کر رہا تھا۔ عکرہ کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ صلیب الصلبوت کی بدولت اسے وہی مقام حاصل ہو گیا تھا جو ہمارے لیے مکہ معظمہ کا ہے۔ تمام صلیبی حکمران عکرہ جا کر صلیب کے محافظِ اعظم سے دعا لیتے اور صلیبِ اعظم کو چوم کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے، لیکن اب یہ صلیب سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے باہر پڑی تھی۔ اُس کا محافظِ اعظم پادری مارا جا چکا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ صلیبی دل چھوڑ بیٹھے تھے۔

☆

"ہمیں اب سیدھا عکرہ پر یلغار کرنی ہے"۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور نائب سالاروں سے کہا۔ "اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے پورا لشکر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی"۔ اس نے سب پر نگاہیں دوڑائیں اور مسکرا کر کہا۔ "یہ نہ سمجھو کہ مجھے آپ کی اور آپ کے دوستوں کی تھکن کا احساس نہیں۔ اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔ تمہارا حج مسجدِ اقصیٰ میں ہوگا۔ اگر ہم یہاں آرام کرنے بیٹھ گئے تو صلیبی کہیں جمع ہو کر تازہ دم ہو جائیں گے۔ میں انہیں سنبھلنے کی بھی مہلت نہیں دینا چاہتا"۔

سالار تھوڑے سے حیران ہوئے۔ انہیں توقع تھی کہ سلطان ایوبی بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کا حکم دے گا مگر اس نے عکرہ پر چڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس کے پیچھے صلیب الصلبوت رکھی تھی۔ اُس نے صلیب کو دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا رہا۔ حاضرین پر خاموشی طاری رہی۔ اس نے اچانک تیزی سے سالاروں کی طرف گھوم کر کہا۔ "میرے رفیقو! یہ دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ حق اور باطل کا تصادم ہے۔ اس صلیب پر جما ہوا خون دیکھو۔ یہ خون حضرت عیسیٰؑ کا نہیں۔ یہ خون اس پادری کا نہیں جسے عیسائی دنیا اس صلیب کا محافظ مانتی تھی اور یہ خون ان راہبوں کا بھی نہیں جنہوں نے یہ آتی ہوئی صلیب میدانِ جنگ میں اُٹھا رکھی تھی۔ وہ سب اللہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں لیکن یہ خون اُن میں سے کسی کا بھی نہیں۔ یہ باطل کا خون ہے، بے بنیاد عقیدے کا اور انسانوں کے بنائے ہوئے نظریئے کا خون ہے"۔

سلطان ایوبی کی آواز میں جذبات کا جوش پیدا ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ "میں ہر جنگی مہم جمعہ کے روز شروع کرتا ہوں۔

پیش قدمی جمعہ کے روز کرتا ہوں۔ جمعہ مبارک دن ہے۔ میں ہر مہم کی ابتدا جمعہ کے خطبے کے وقت کیا کرتا ہوں۔ یہ وقت قبولیتِ ایزدی کا ہوتا ہے اور جب تم دشمن سے لڑ رہے ہوتے ہو، تم پر تیروں کا مینہ برس رہا ہوتا ہے، منجنیقیں تم پر آگ اور پتھر برسا رہی ہوتی ہیں، اُس وقت قوم کے ہزاروں افراد کے ہاتھ اللہ کے حضور تمہاری سلامتی اور فتح کے لیے اٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے کوچ جمعہ کے روز کیا تھا اور اس جنگ کی ابتدا بھی جمعہ کے روز کی تھی، اور تم فاتح ہو۔ تمہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہے۔ یہ ہمارے عظیم عقیدے اور نظریے کی فتح ہے۔ یہ چاند ستارے اور چوبی صلیب کا معرکہ تھا جو چاند ستارے نے جیت لیا..... میں تم سے یہ باتیں کیوں کہہ رہا ہوں؟ اس لیے کہ تم میں سے کسی کے دل میں اپنے عقیدے کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ رفع ہو جائے اور تم اللہ کی رسی کو اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لو.....

"تم شاید حیران ہو رہے ہو کہ میں نے عکرہ پر حملے کا فیصلہ کیوں کیا ہے۔ جذباتی لحاظ سے اس کی وجہ یہ ہے کہ صلیبیوں نے ایک بار مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ شہزادہ ارناط کا دستہ مدینہ اور مکہ معظمہ سے صرف دو کوس دُور رہ گیا تھا۔ میں نے ارناط سے مکہ معظمہ کو بُری نظر سے دیکھنے کا انتقام لے لیا۔ اب مجھے صلیبیوں کے حکمرانوں اور نائٹوں سے انتقام لینا ہے۔ عکرہ ان کا مکہ ہے۔ میں اُسے تہ تیغ کروں گا۔ مسجدِ اقصیٰ کی جو بے حرمتی ہو رہی ہے میں اس کا انتقام لوں گا..... اور جنگی لحاظ سے بیت المقدس سے پہلے عکرہ پر قبضہ کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے صلیبیوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے"۔

سلطان ایوبی نے بہت بڑا نقشہ جو اس نے اپنے ہاتھ سے بنا رکھا تھا، کھول کر سب کے آگے پھیلایا اور حطین پر انگلی رکھ کر کہا۔ "تم اس وقت یہاں ہو"۔ وہ اپنی انگلی اس طرح عکرہ تک تیزی سے لے گیا جیسے اُس نے کچھ کاٹنے کے لیے خنجر کی نوک چلائی ہو۔ کہنے لگا۔ "میں صلیبیوں کی حکمرانی کو دو حصوں میں کاٹ کر ان حصوں کے درمیان آ جاؤں گا۔ عکرہ پر قبضہ کر کے میں ٹائر، بیروت، حیفہ، عسقلان اور جیسے بڑے بڑے تمام ساحلی شہروں اور قصبوں کو تباہ و برباد کروں گا۔ کسی بھی صلیبی کو خواہ وہ فوجی ہے یا غیر فوجی ان علاقوں میں نہیں رہنے دوں گا۔ ساحلی علاقوں پر قبضہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ یورپ کی کچھ اور بادشاہیاں اپنے صلیبی بھائیوں کی مدد کے لیے اپنی فوجیں، مال و دولت اور جنگی سامان بھیجیں گی۔ ساحل تمہارا ہوگا تو دشمن کا کوئی بحری جہاز ساحل کے قریب نہیں آ سکے گا۔ یہاں سے ہم بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ ہمیں جنگ جاری رکھنی چاہیئے"۔

اگر آپ فلسطین (موجودہ اسرائیل) اور لبنان کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو جھیل گلیلی کے کنارے پر حطین اور اس کے بالمقابل سمندر کے کنارے عکرہ نظر آئیں گے۔ جنوب میں یروشلم (بیت المقدس) ہے۔ حطین سے عکرہ چھبیس میل اور حطین سے بیت المقدس ستر میل ہے۔ آج کے لبنان اور فلسطین پر صلیبی قابض تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے پلان بنایا تھا کہ حطین سے عکرہ تک اس طرح پیشقدمی کرے گا کہ راستے میں آنے والے علاقوں پر قبضہ کرتا جائے گا، اور وہاں کے صرف مسلمان باشندوں کو وہاں رہنے دے گا اور صلیبیوں کو وہاں سے نکال دے گا۔ جنگی علوم کے ماہرین نے اسے نہایت عمدہ پلان کہا ہے۔ سلطان ایوبی نے یہ پلان صلیبیوں کی جنگی قوت کو دو حصوں میں کاٹنے

کے لیے ہی بنایا تھا۔ اس کی فوج صلیبیوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے اتنے زیادہ جانی نقصان کے باوجود کم تھی، لیکن اُس کی جنگی چالیں صلیبیوں سے برتر اور نقل و حرکت کی رفتار بہت تیز تھی۔

☆

"عکرہ کا دفاع بہت مضبوط ہے"۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔ "ہمارے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ وہاں جوان اور تندرست مسلمان باشندے قید میں پڑے ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی قید میں ہیں۔ وہاں کے عیسائی شہری شہر کے دفاع میں جان کی بازی لگا کر لڑیں گے۔ چونکہ مسلمان قید میں ہیں اس لیے وہ اندر سے ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ میں لمبا محاصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ تمہاری یلغار طوفانی ہونی چاہیے۔ عکرہ تک ہماری پیشقدمی کی حفاظت چھاپہ مار کریں گے۔ پیشقدمی جھپٹ کر ہوگی۔ راستے میں کوئی بستی آباد نہ رہے مگر سپاہی مالِ غنیمت کے لیے نہ رکیں۔ اس کام کے لیے الگ جیش مقرر کر دیئے گئے ہیں۔"

عکرہ میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ کوئی بوڑھا یا اپاہج مسلمان آزاد ہوگا۔ باقی سب دہشت زدگی کی زندگی گزار رہے تھے۔ بہاؤالدین شداد نے ان مسلمانوں کی تعداد جو قید میں تھے چار ہزار سے زائد لکھی ہے۔ شداد کے علاوہ اُس دور کے دو وقائع نگاروں نے پانچ اور چھ ہزار کے درمیان لکھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ عکرہ مسلمانوں کے لیے قید خانہ تھا۔ کسی مسلمان کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ صلیبیوں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان چلتی پھرتی لاشیں بن کے رہ جائیں اور اُن کے بچوں میں مذہب اور قومیت کا احساس ہی پیدا نہ ہو۔ وہاں کی مسجدیں ویران ہو گئی تھیں۔

۴ر جولائی ۱۱۹۰ء کے بعد وہاں کے مسلمانوں پر صلیبیوں نے ظلم و تشدد کا اضافہ کر دیا۔ گھروں میں جو مسلمان تھے، انہیں بھی ہانک کر کھلے قید خانے میں لے گئے۔ یہ ایک طرح کا بیگار کیمپ تھا۔ وہاں مسلمانوں سے مویشیوں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ ۵ر جولائی ۱۱۹۰ء کے بعد انہیں کام کے لیے باہر نہ نکالا گیا اور اُن پر پہرہ اور سخت کر دیا گیا۔ اس سے ان بدنصیبوں نے اندازہ لگا لیا کہ صلیبیوں کو کہیں شکست ہوئی ہے یا اسلامی فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ عورتیں خدا کے حضور گڑگڑانے لگیں۔ سجدوں پہ سجدے کرنے لگیں۔ قید خانے میں سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ ماؤں نے ننھے ننھے بچوں کے ہاتھ پکڑ کر دعا کے لیے اُٹھائے اور کہا۔ "بیٹا! کہو اللہ اسلام کو فتح دے۔ کہو، میرے اللہ، باہر کے مسلمانوں کو ہمت دے کہ ہمیں ظالموں کی بستی سے نکال لے جائیں۔"

سینکڑوں بچے اور سینکڑوں عورتیں اللہ کے حضور دستِ بدعا تھیں۔ بچے اپنی ماؤں کو سسکتا دیکھ کر رونے لگے تھے۔ انہیں آہ و بکا سنائی دی اور اس کے ساتھ کوڑوں کے زناٹے بھی سنائی دینے لگے۔ سب سہم گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بہت سے قیدی لائے جا رہے تھے۔ یہ شہر کے وہ باشندے تھے جو گھروں میں تھے۔ اُن کی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے آئے تھے۔ اُن پر کوڑے برسائے جا رہے تھے۔

۶/۷ جولائی کی درمیانی رات آدھی گزر گئی تھی جب شہر میں ہڑبونگ بپا ہو گئی اور آگ کے شعلے کہیں کہیں سے بلند ہونے لگے۔ تیروں کے گچھے قید خانوں میں بھی گرنے لگے۔ ان قیدیوں کے اردگرد خشک خاردار جھاڑیوں کی گھنی

باڑ بچھی ہوئی تھی اور رسوں کے جال بھی تنے ہوئے تھے۔ رات کو قید خانے کے اردگرد بڑی بڑی مشعلیں جلا رکھی گئیں تاکہ قیدیوں پر نظر رکھی جا سکے۔ کسی قیدی نے باہر سے آیا ہوا ایک تیر اُٹھا کر مشعل کی روشنی میں دیکھا تو چلا کر کہا۔ "میں اس تیر کو پہچانتا ہوں۔ یہ اسلامی فوج کا تیر ہے۔"

رسوں کے جال میں سے ایک تیر سنسناتا آیا جو اس قیدی کے سینے میں اُتر گیا۔ کسی صلیبی سنتری نے اس اعلان کو خاموش کرنے کے لیے چلایا تھا۔ شہر جاگ اُٹھا تھا۔ شہر اور قلعے کی دیواروں پر بھاگ دوڑ اور شور میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور کمانوں سے تیر نکلنے کی آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ باہر اللہ اکبر کے نعرے گرجنے لگے تھے۔ دھمک دھمک کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ یہ بڑے بڑے پتھر تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کی منجنیقیں دیوار کے کسی ایک مقام پر پھینک رہی تھیں۔

☆

یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا محاصرہ تھا جو محاصرہ کم اور یلغار زیادہ تھی۔ شہر میں آگ پھینکنے والی منجنیقوں کے علاوہ دروازوں اور دیوار پر وزنی پتھر پھینکنے والی بڑی منجنیقیں بھی استعمال کی جا رہی تھیں۔ بلند مچانیں ساتھ لائی گئی تھیں۔ ہر ایک مچان میں دس اور بیس تک سپاہی کھڑے ہو سکتے تھے۔ ان کے نیچے پہیئے تھے۔ انہیں گھوڑے یا اونٹ کھینچتے تھے۔ یہ متحرک مچانیں دیوار تک لے جائی جاتی تھیں مگر صلیبی شہر کے دفاع میں بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ شہری بھی اپنی فوج کے دوش بدوش لڑ رہے تھے۔ وہ سلطان ایوبی کی متحرک مچانوں پر تیروں کی بوچھاڑیں مار کر مسلمان سپاہیوں کو ختم کر دیتے تھے۔ بعض مچانیں جو دیوار کے قریب چلی گئی تھیں، ان پر صلیبیوں نے جلتی ہوئی مشعلیں پھینکیں اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینک کر انہیں جلا ڈالا۔

اندر قیدی کیمپ میں اب یہ کیفیت تھی کہ ہزارہا قیدی ایک ہی آواز میں لا الٰہ الا اللہ کا بلند ورد کر رہے تھے۔ عورتوں نے جھولیاں پھیلا رکھی تھیں اور بہتے آنسوؤں سے مردوں کے ساتھ آواز ملا کر شریف کا ورد کر رہی تھیں۔ پھر کسی نے بلند آواز سے کہا۔ "نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب"۔ فوراً ہی تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کی آوازیں ایک آواز بن گئیں جو جنگ کے شور و غل سے زیادہ بلند تھیں اور سارے شہر میں سنائی دے رہی تھی۔

دو تین سنتری اندر آ گئے۔ وہ قیدیوں کو خاموش کرانے کی کوشش کرنے لگے۔ تین چار جوشیلے جوان اُٹھے اور سنتریوں پر ٹوٹ پڑے۔ پھاٹک کھلا تھا۔ باقی قیدی باہر کو دوڑے مگر تیروں کی بوچھاڑ نے آگے والوں کو گرا دیا۔ پھر گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔ سواروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ قیدی اندر کو بھاگے اور جو پیچھے رہ گئے تھے وہ سواروں کی برچھیوں سے شہید ہو گئے۔ فرار کامیاب نہ ہو سکا۔ عورتیں اور بچے اللہ کے حضور سجدے کرنے لگے اور پھر سب ایک ہی آواز میں کلام پاک کا ورد کرنے لگے۔

رات بھر سلطان ایوبی کے جانباز جیش دیوار تک پہنچنے اور شگاف ڈالنے یا سرنگ کھودنے کے لیے آگے بڑھتے رہے اور اوپر سے صلیبی ان پر تیر، پتھر اور آگ پھینکتے رہے۔ سلطان ایوبی بے دریغ قربانی دے رہا تھا۔ شہر کی دیوار کے ایک مقام پر بڑی منجنیقوں سے وزنی پتھر مارے جا رہے تھے۔ صبح طلوع ہوئی تو دیوار پر ہر طرف عکرہ کے شہری اور فوجی

کھمبیوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ وہ تیر برسا رہے تھے۔ یہ بھی نظر آیا کہ دیوار ایک جگہ سے پھٹ رہی تھی۔ سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار فصیل کے پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ جہاں سے دیوار پھٹ رہی ہے اس کے اوپر اور دائیں بائیں سے دشمن پر تیروں کا مینہ برسا دو۔ اس نے دوسری طرف سے بھی تیر انداز بلا کر اسی مقام پر مرکوز کر دیئے۔ اس نے سرنگیں کھودنے والے جیش سے کہا کہ دوڑ کر دیوار تک پہنچیں۔

جانبازوں کا جیش پہنچ گیا۔ دیوار کے اوپر اتنے زیادہ اور اتنے تیز تیر برسائے جا رہے تھے کہ اوپر والوں کے لیے سر اٹھانا محال ہو گیا۔ جانبازوں نے دیوار میں اتنا شگاف ڈال لیا جس میں سے دو آدمی بیک وقت گزر سکتے تھے۔ سپاہیوں میں اس قدر جوش و خروش تھا کہ وہ حکم کے بغیر شگاف کی طرف اٹھ دوڑے اور ایک دوسرے کے پیچھے اندر چلے گئے۔ صلیبیوں نے دیوار کے اوپر سے نیچے آتے آتے اتنا وقت لگا دیا کہ بہت سے مسلمان سپاہی اندر چلے گئے۔ صلیبیوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا مگر ان مسلمان عورتوں اور معصوم بچوں کی دعائیں جو اندر قید میں پڑے کفار کا ظلم و ستم سہہ رہے تھے، عرش تک پہنچ چکی تھیں۔ سلطان ایوبی کی دراصل قوت تو یہ تھی۔

✡

شہر کے اندر بھگدڑ بپا ہو گئی۔ وہاں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ صلیب الصلبوت مسلمانوں کے قبضے میں چلی گئی ہے اور اس کا محافظ اعظم مارا گیا ہے۔ حطین کی جنگ سے بھاگے ہوئے صلیبی سپاہی بھی اس شہر میں آئے تھے۔ کچھ زخمی بھی پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی شکست اور پسپائی کو برحق ثابت کرنے کے لیے بڑی دہشت ناک افواہیں پھیلائی تھیں۔ ان کے اثرات اس وقت سامنے آئے جب سلطان ایوبی کے جانبازوں نے دیوار توڑ ڈالی اور رکے ہوئے سیلاب کی طرح اندر چلے گئے۔ صلیبیوں نے مقابلہ تو کیا لیکن شہریوں میں بھگدڑ بپا ہو گئی۔ وہ شہر سے بھاگنے کے لیے دروازوں پر ٹوٹ پڑے اور سپاہیوں کے روکنے کے باوجود دو تین دروازے کھول دیئے۔

شہریوں کا ہجوم دروازوں میں پھنس گیا۔ مسلمان سواروں نے اپنے کمانداروں کے حکم سے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑے شہریوں کو کچلتے ہوئے اندر چلے گئے۔ پھر مجاہدین کے سیلاب کو کوئی نہ روک سکا۔ تمام دروازے کھل گئے اور صلیبی ہتھیار ڈالنے لگے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے عکرہ کا حکمران سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے صلیبی فوج کے جرنیلوں اور دیگر کمانڈروں کو الگ کر دیا اور اس جگہ چلا گیا جہاں مسلمانوں کے پورے پورے کنبے قید میں پڑے تھے۔ ان کے سنتری بھاگ گئے تھے اور قیدی پھاٹک اور رسوں کا جال توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سلطان ایوبی ان سے دور ہی رک گیا۔ یہ تو انسانی لاشیں تھیں۔ اس نے عورتوں اور بچوں کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"جاؤ۔ رسے کاٹ دو۔ انہیں آزاد کر دو۔" سلطان ایوبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اور انہیں یہ نہ بتانا کہ میں یہاں شہر میں موجود ہوں۔ میں ان کا سامنا نہیں کر سکتا۔"

سلطان ایوبی کے حکم پر چند ایک سوار سرپٹ گھوڑے دوڑا کر پہنچے۔ انہوں نے لکڑی کا پھاٹک توڑ دیا کئی

جگہوں سے رسوں کا جال کاٹ کر جھاڑیاں ہٹا دیں۔ قیدیوں کا ہجوم بھگدڑ کے انداز سے نکل رہا تھا۔ سواروں نے ان پر قابو پانے کے لیے چلا چلا کر کہا۔ "آرام سے نکلو۔ اب تمہیں پکڑنے کوئی نہیں آئے گا۔ وہ دیکھو، قلعے پر تمہارا جھنڈا لہرا رہا ہے۔"

"انہوں نے ہمارے گناہوں کی سزا بھگتی ہے۔" سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے ایک سالار سے کہا۔ "یہ غداروں کے گناہ تھے جن کی سزا ان معصوموں کو ملی۔ اپنے دین کے دشمنوں کو دوست بنانے والوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ قوم کا کیا حشر ہو گا۔ اگر میرا راستہ حشمت و تاج کے شیدائی اور غدار نہ روک لیتے تو ہمارے ان بچوں اور بیٹیوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔ ... حضرت عیسیٰؑ نے محبت اور امن کا سبق دیا تھا لیکن صلیب کے پجاریوں میں مسلمانوں کے خلاف اتنی نفرت بھری ہوئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے فرمان کی بھی پروا نہیں کرتے۔ دنیا میں صرف دو مذہب باقی رہیں گے۔ اسلام اور عیسائیت۔ اگر ہم نے دل سے دنیا کی چھوٹی لذتوں کو نہ نکالا تو عیسائیت ہماری اس کمزوری سے اسلام کا خاتمہ کر دے گی۔"

سلطان ایوبی اس جگہ گیا جہاں صلیبی جرنیل اور دیگر کمانڈر الگ کھڑے تھے۔ اس نے کہا۔ "ان سب کو ساحل پر لے جاؤ اور سب کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دو۔ دوسرے جنگی قیدیوں میں سے چھانٹی کر لو۔ جنہیں تم رکھنا چاہتے ہو انہیں دمشق بھیج دو اور باقی سب کو ختم کر دو۔ کسی نہتے شہری پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ ان میں سے جو شہر سے جانا چاہتے ہیں انہیں مت روکو، جو یہاں رہنا چاہتے ہیں انہیں عزت سے رہنے دو۔"

۸ جولائی ۱۱۸۷ء عکرہ پر قبضہ مکمل ہو چکا تھا۔

رات جب سلطان ایوبی کھانے سے فارغ ہوا تو اسے اطلاع دی گئی کہ ایک نہایت اہم قیدی اس کے سامنے لایا جا رہا ہے۔

"کون ہے وہ؟"

"ہرمن۔" سلطان کو بتایا گیا۔ "صلیبیوں کا علی بن سفیان۔"

قارئین نے اس سلسلے کی پچھلی کہانیوں میں ہرمن کا نام کئی بار پڑھا ہو گا۔ یہ علی بن سفیان کی طرح صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا اور کردار کشی کا ماہر۔ جو صلیبی اور یہودی لڑکیاں مسلمان علاقوں میں جاسوسی اور کردار کشی کے لیے بھیجی جاتی تھیں انہیں ٹریننگ دینے والا ہرمن تھا۔ وہ اپنی بہت سی لڑکیوں کے ساتھ عکرہ میں تھا۔ پکڑا گیا۔ وہ شہر سے نکل رہا تھا لیکن ایوبی کا ایک جاسوس اس کے تعاقب میں تھا۔ اس نے ہرمن کو اس کے بہروپ میں بھی پہچان لیا۔ وہ لڑکیوں کو کسان عورتوں جیسا لباس پہنا کر ساتھ لے جا رہا تھا۔ جاسوس نے ایک کماندار کو بتایا۔ کماندار نے دو تین سپاہیوں کے ساتھ ہرمن اور اس کے زنانہ قافلے کو گھیر لیا۔ ہرمن لڑکیوں کے علاوہ اپنے ساتھ سونا بھی لے جا رہا تھا۔ اس نے لڑکیاں کماندار اور اس کے سپاہیوں کے سامنے کھڑی کر دیں اور سونا ان کے آگے رکھ دیا۔ بولا۔ "جسے جو لڑکی پسند ہے لے لے اور یہ سونا بھی آپس میں بانٹ لو۔"

"مجھے تمام لڑکیاں پسند ہیں۔" کماندار نے کہا۔ "اور میں سارا سونا لے لوں گا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

وہ ان سب کو ساتھ لے آیا اور ان سب کو سونے سمیت سلطان ایوبی کے ذاتی عملے کے حوالے کر دیا۔
ہرمن سلطان ایوبی کے لیے اہم اور قیمتی قیدی تھا۔ اُسے سلطان ایوبی کے کمرے میں داخل کر دیا گیا۔

"تم میری زبان جانتے ہو ہرمن!"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "اس لیے میری زبان میں بات کرو۔ میں تمہارے فن اور تمہاری دانشمندی کا اعتراف کرتا ہوں۔ تمہاری قدر جتنی میں کر سکتا ہوں اتنی تمہارے حکمران نہیں کر سکے۔ میں تمہارے ساتھ کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

"اگر آپ مجھ سے باتیں کیے بغیر میرے قتل کا حکم دے دیں تو زیادہ اچھا ہوگا"۔ ہرمن نے کہا۔ "اگر مجھے عکرہ کی فوج کے جرنیلوں اور کمانڈروں کی طرح قتل ہونا اور میری لاش کو مچھلیوں کی خوراک بننا ہے تو باتیں کرنے سے کیا حاصل؟"

"تم قتل نہیں ہوگے ہرمن!"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں جسے قتل کرایا کرتا ہوں اس کی صرف صورت دیکھا کرتا ہوں، اُس سے کبھی بات نہیں کی"۔

سلطان نے دربان کو بلایا اور اُسے کہا کہ ہرمن کو شربت پیش کرے۔ ہرمن کے چہرے پر رونق آ گئی۔ وہ عرب کے اس رواج سے واقف تھا کہ عربی میزبان دشمن کو پانی یا شربت پیش کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے دل سے دشمنی نکال دی ہے اور اُس نے جاں بخشی کر دی ہے۔ دربان نے شربت پیش کیا جو ہرمن نے پی لیا۔

"آپ مجھ سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کون کون سے علاقے میں ہماری کتنی کتنی فوج ہے"۔ ہرمن نے کہا۔ "اور آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ اُن کی لڑنے کی اہلیت کیسی ہے"۔

"نہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ تم مجھ سے پوچھو کہ تمہارے کس علاقے میں کتنی فوج ہے۔ میرے جاسوس تمہارے سینے کے اندر بیٹھے رہے ہیں..... اور اب مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کہاں کتنی فوج ہے۔ حطین میں تمہاری فوج تھوڑی نہیں تھی۔ تھوڑی فوج میری تھی۔ اب اور تھوڑی رہ گئی ہے۔ ارضِ مقدس سے اب مجھے کوئی فوج نہیں نکال سکتی تم یہ خبر سنو گے کہ صلاح الدین ایوبی مر گیا ہے، پسپا نہیں ہوا"۔

"اگر آپ کے تمام کماندار اس کماندار کے کردار کے ہیں جو مجھے پکڑ کر لایا ہے تو میں آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کو بڑی سے بڑی فوج بھی یہاں سے نہیں نکال سکتی"۔ ہرمن نے کہا۔ "میں نے اسے جو لڑکیاں پیش کی تھیں انہوں نے آپ کے چھوٹوں جیسے سالاروں اور قلعہ داروں کو موم کیا اور صلیب کے سانچے میں ڈھالا ہے اور سونا ایسی چیز ہے جس کی چمک آنکھوں کو نہیں عقل کو اندھا کر دیتی ہے۔ میں سونے کو شیطان کی پیداوار کہا کرتا ہوں۔ آپ کے کماندار نے سونے کی طرف دیکھا تک نہیں۔ میری نظر انسانی فطرت کی کمزوریوں پر رہتی ہے۔ لذت اور ذہنی عیاشی ایمان کو کھا جاتی ہے۔ میں نے آپ کے خلاف یہی ہتھیار استعمال کیا ہے۔ جب یہ کمزوریاں کسی جرنیل میں پیدا ہو جاتی ہیں یا پیدا کر دی جاتی ہیں تو شکست اس کے ماتھے پر لکھ دی جاتی ہے۔ میں نے آپ کے ہاں جتنے غدار پیدا کیے ہیں ان میں پہلے ہی کمزوریاں پیدا کی تھیں۔ حکومت کرنے کا

نشہ انسانوں کو لے ڈوبتا ہے"۔

"میری فوج کے کردار کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"۔ سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"اگر آپ کی فوج کا کردار ویسا ہی ہوتا جیسا میں بنانے کی کوشش کر رہا تھا تو آج آپ کی یہ حالت نہ ہوتی"۔ ہرمن نے کہا۔ "اگر آپ بدکردار حکمرانوں، امیروں، وزیروں اور سالاروں کو ختم نہ کر چکے ہوتے تو وہ آپ کو کبھی کے ہماری قید میں ڈال چکے ہوتے۔ میں آپ کی تعریف کروں گا کہ آپ نے دل میں حکومت کی خواہش نہیں رکھی"۔

"ہرمن!"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں نے تمہاری جان بخشی کی ہے۔ تمہیں اپنا دوست کہا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں اپنی فوج کے کردار کو کس طرح مضبوط اور بلند رکھ سکتا ہوں اور میرے مرنے کے بعد یہ کردار کس طرح مضبوط رہ سکتا ہے"۔

"محترم سلطان!"۔ ہرمن نے کہا۔ "میں آپ کو جاسوسی اور سراغرسانی کا استاد سمجھتا ہوں۔ آپ صحیح مقام پر ضرب لگاتے ہیں۔ آپ کا جاسوسی کا انتظام نہایت کارگر ہے۔ علی بن سفیان، حسن بن عبداللہ اور بلبیس جیسے جاسوسی کے ماہرین کی موجودگی میں آپ ناکام نہیں ہو سکتے، مگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ یہ آپ کی زندگی تک ہے۔ ہم نے آپ کے ہاں جو بیج بو دیا ہے وہ ضائع نہیں ہوگا۔ آپ چونکہ ایمان والے ہیں اس لیے آپ نے بے دین عناصر کو دبا لیا ہے۔ خانہ جنگی کس نے کرائی تھی؟..... ہم نے۔ ہم نے آپ کے امراء کے دلوں میں حکومت، دولت، لذت اور عورت کا نشہ بھر دیا ہے۔ آپ کے جانشین اس نشے کو اُتار نہیں سکیں گے۔ میرے جانشین اس نشے کو تیز کرتے رہیں گے.....

"محترم سلطان! یہ جنگ جو ہم لڑ رہے ہیں یہ میری اور آپ کی، یا ہمارے بادشاہوں کی اور آپ کی جنگ نہیں۔ یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگ ہے جو ہمارے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی۔ ہم میدانِ جنگ میں نہیں لڑیں گے۔ ہم کوئی ملک فتح نہیں کریں گے۔ ہم مسلمانوں کے دل و دماغ کو فتح کریں گے۔ ہم مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا محاصرہ کریں گے۔ ہماری یہ لڑکیاں، ہماری دولت اور ہماری تہذیب کی کشش جسے آپ بے حیائی کہتے ہیں، اسلام کی دیواروں میں شگاف ڈالیں گی۔ پھر مسلمان اپنی تہذیب سے نفرت اور یورپ کے طور طریقوں سے محبت کریں گے۔ وہ وقت آپ نہیں دیکھیں گے، میں نہیں دیکھوں گا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی"۔

سلطان ایوبی جرمن نژاد ہرمن کی باتیں بڑی غور سے سُن رہا تھا۔ ہرمن کہہ رہا تھا۔ "ہم نے فارس، افغانستان یا ہندوستان پر جا قبضہ کیوں نہیں جمایا؟ ہم نے عرب کو کیوں میدانِ جنگ بنایا ہے؟..... صرف اس لیے کہ ساری دنیا کے مسلمان اسی خطے کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور یہاں مسلمانوں کا کعبہ ہے۔ ہم مسلمانوں کے اس مرکز کو ختم کر رہے ہیں۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ آپ کے رسول مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر گئے تھے۔ ہم نے اس کی منڈیر پر صلیب رکھ دی ہے اور وہاں کے مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ اُن کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ اُن کے رسولؐ کبھی یہاں آئے اور یہاں سے معراج کو گئے تھے"۔

"ہرمن!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہارے نظریے اور عزائم کی تعریف کرتا ہوں۔ اپنے مذہب کے ساتھ کسی کو اسی طرح وفادار رہنا چاہیے جیسے تم ہو۔ زندہ وہی قوم رہتی ہے جو اپنے مذہب اور اپنی معاشرتی اقدار کی پاسبانی کرے اور اُن کے گرد ایسا حصار کھینچے کہ کوئی باطل نظریہ انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ میں جانتا ہوں کہ یہودی ہمارے ہاں نظریاتی تخریب کاری کر رہے ہیں اور وہ تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں بیت المقدس جا رہا ہوں اور اسی غرض سے جا رہا ہوں جس غرض سے تم یہاں آئے ہو۔ یہ ہمارے عقیدوں کا مرکز ہے میرے رسولؐ کو اللہ تعالیٰ نے یہاں سے معراج کی سعادت بخشی تھی۔ میں اسے صلیب کے قبضے سے چھڑاؤں گا۔"

"پھر کیا ہوگا؟" ہرمن نے کہا۔ "پھر آپ اس دنیا سے اُٹھ جائیں گے۔ مسجد اقصیٰ پھر ہماری عبادت گاہ بن جائے گی۔ میں جو پیشین گوئی کر رہا ہوں یہ اپنی اور آپ کی قوم کی فطرت کو بڑی غور سے دیکھ کر کر رہا ہوں۔ ہم آپ کی قوم کو ریاستوں اور ملکوں میں تقسیم کرکے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیں گے اور فلسطین کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ یہودیوں نے آپ کی قوم کے لڑکوں اور لڑکیوں میں لذت پرستی کا بیج بونا شروع کر دیا ہے۔ ان میں سے اب کوئی نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی پیدا نہیں ہوگا۔"

سلطان ایوبی کا ذہن فارغ نہیں تھا۔ اس نے ہرمن سے مسکرا کر ہاتھ ملایا اور کہا۔ "تمہاری باتیں بہت قیمتی ہیں۔ میں تمہیں دمشق بھیج رہا ہوں۔ وہاں تمہیں معزز قیدیوں میں رکھا جائے گا۔"

"اور یہ لڑکیاں جو میرے ساتھ ہیں؟"

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد بولا۔ "میں عورتوں کو جنگی قیدی نہیں بنایا کرتا۔ انہیں قتل کرکے سمندر میں پھینک سکتا ہوں۔"

"محترم سلطان! یہ بہت ہی خوبصورت لڑکیاں ہیں۔" ہرمن نے کہا۔ "آپ انہیں ایک نظر دیکھیں تو آپ انہیں قتل نہیں کریں گے، قید میں بھی نہیں ڈالیں گے۔ آپ کے مذہب میں لونڈی کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت ہے۔ لونڈیوں کو حرم میں رکھا جاسکتا ہے۔"

"میرے مذہب نے ایسی عیاشی کی اجازت کبھی نہیں دی۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں اپنے گھر میں یا کسی بھی مسلمان کے گھر سانپ نہیں پال سکتا۔"

"مگر اُن کا کوئی قصور نہیں۔" ہرمن نے کہا۔ "انہیں اس کام کے لیے بچپن سے تیار کیا گیا تھا۔"

"اسی لیے میں ان کے قتل کا حکم نہیں دے رہا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں انہیں چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں تمہاری اس سوچ کی تعریف کرتا ہوں کہ تم یہ شیریں زہر میری قوم میں پھیلانا چاہتے ہو، لیکن میں بھی تمہاری طرح سوچ سکتا ہوں۔ انہیں کہہ دو کہ عکرہ سے نکل جائیں۔ ان میں کوئی بھی یہاں کہیں یا جہاں کہیں میں گیا نظر آگئی، اُسے قتل کر دیا جائے گا۔"

☆

سلطان ایوبی نے دو تین دنوں میں عکرہ میں اپنی حکومت قائم کر دی۔ مسجدوں کو صاف کرایا۔ جو مالِ غنیمت

ہاتھ آیا تھا اس میں سے خاصا حصہ اپنی فوج میں تقسیم کیا۔ کچھ اُن مسلمان گھرانوں کو دیا جو قید میں پڑے رہے تھے۔ اس کی دلچسپیوں کا مرکز فلسطین کا نقشہ تھا۔ اُس کی انگلی آج کے لبنان اور اسرائیل کے ساحل کے ساتھ ساتھ نقشے پر چل رہی تھی اور اس کے دل و دماغ پر بیت المقدس غالب تھا۔ اُسے اِدھر اُدھر کی کوئی ہوش نہیں تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اس کا کون سا دستہ کہاں ہے۔ چھاپہ مار دستوں کی تقسیم نہایت اچھی تھی۔ اُن کا دوسرے دستوں کے ساتھ باقاعدہ رابطہ تھا۔

"سلطان عالی مقام!" سلطان ایوبی کو حسن بن عبداللہ کی آواز سنائی دی۔

"حسن!" سلطان نے نقشے سے آنکھیں ہٹائے بغیر کہا۔ "جو کہنا ہوتا ہے فوراً کہہ دیا کرو۔ ہمارے پاس وقت نہیں کہ ہر بات سرکاری طور طریقوں سے کریں۔ میرا مقام اُس روز عالی ہوگا جس روز میں فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہوں گا۔"

"تریپولی سے اطلاع آئی ہے کہ ریمانڈ مر گیا ہے۔"

"زخمی تھا؟"

"نہیں سلطان!" حسن بن عبداللہ نے جواب دیا۔ "وہ صحیح و سلامت تریپولی پہنچا تھا۔ دوسرے دن اپنے کمرے میں مرا ہوا پایا گیا۔ ہوسکتا ہے اُس نے خودکشی کی ہو۔"

"وہ اتنا خوددار اور غیرت مند نہیں تھا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہ پہلے بھی کئی بار شکست کھا کر میدان سے بھاگ چکا ہے۔ بہرحال مجھے اُس کے مرنے کا افسوس ہے۔ اس نے مجھے قتل کرانے کے لیے حشیشین سے تین حملے کرائے تھے۔"

مؤرخین نے ریمانڈ آف تریپولی (موجودہ لبنان) کی موت کی مختلف وجوہات لکھی ہیں۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے پھیپھڑوں کی بیماری لکھی ہے لیکن زیادہ تر نے لکھا ہے کہ اُسے حشیشین نے زہر دے دیا تھا۔ ریمانڈ دوغلے کردار کا اور سازشی ذہن کا صلیبی حکمران تھا۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کرانے میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ صلیبی حکمرانوں میں منافرت پھیلانے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ اُس کا یارانہ حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی پر اُس نے ایک دو قاتلانہ حملے کرائے تھے۔ اُس نے ایک دو صلیبی حکمرانوں کو بھی فدائی حشیشین سے قتل کرانے کی کوشش کی تھی مگر نہ صرف ناکام رہا بلکہ جنہیں وہ قتل کرانا چاہتا تھا انہیں اس کے منصوبے کا علم بھی ہوگیا تھا۔ اُس دور کے کاتبوں اور وقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں میں ایسے اشارے ملتے ہیں کہ ریمانڈ اتحادیوں کے ساتھ صلیب العلبوت پر حلف اُٹھا کر حطین کے میدان میں گیا تھا لیکن بھاگ آیا۔ تریپولی پہنچا تو اگلے ہی روز اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ زندگی کی آخری رات حشیشین کا سردار شیخ سنان اُس کے پاس گیا تھا۔

اس سے پہلے ایک اور مشہور صلیبی حکمران بالڈون مر گیا تھا۔ یہ فرنگیوں (فرینکس) کا جنگجو بادشاہ تھا۔ آپ نے اس کا ذکر ان کہانیوں میں کئی بار پڑھا ہوگا۔ بیت المقدس اس کی عملداری میں تھا۔ بالڈون جنگی امور کا ماہر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سلطان ایوبی بیت المقدس کو فتح کرنا چاہتا ہے۔ بالڈون نے بیت المقدس کو بچانے کا

کا ثبوت ہے کہ اس کی تابعیت اور یہ اس لڑتا رہا ار اپنی فوجیں مسلمان علاقوں میں گھماتا پھرتا اور اہتمام کیے رکھا کہ نے عزالدین، سیف الدین اور گمشتگین کو متحد کر کے سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا کر دیا تھا اور اس محاذ کو وہ جنگی ساز و سامان، شراب، زر و جواہرات اور حسین لڑکیوں سے مستحکم کرتا رہتا تھا۔ بوڑھا آدمی تھا۔ جنگِ حطین سے چند روز پہلے مر گیا۔ اس کی جگہ گائی آف لوزینان نے بیت المقدس کی حکومت سنبھال لی تھی۔

☆

تاریخ آج تک کمانڈو اور گوریلا آپریشن کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکی جیسی سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دستوں نے کی تھی۔ چھاپہ مار دشمن کے ہاں تباہی بپا کر سکتے ہیں لیکن کسی علاقے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ قبضہ فوج کیا کرتی ہے بشرطیکہ وہ فوج تیز ہو اور چھاپہ ماروں کی بپا کی ہوئی افراتفری اور تباہی کے فوراً بعد حملہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں اور فوج کو مشن دے دیا تھا جو مختصراً یوں تھا کہ بیت المقدس کے اردگرد، دُور دُور تک کے علاقوں سے صلیبی فوج کو بے دخل اور تباہ کرنا، ساحلی علاقوں کی قلعہ بندیوں پر قبضہ کرنا اور دشمن کا جس قدر اسلحہ اور رسد ہاتھ آئے اُسے محفوظ مقامات پر ذخیرہ کرنا۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو واضح مقصد دے رکھا تھا۔ یہی اُس کی اصل قوت تھی سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہہ رکھا تھا کہ جس شہر اور قصبے پر قبضہ کرو وہاں کے مسلمانوں کی حالت اپنے سپاہیوں کو دکھاؤ۔ انہیں وہ مسجدیں دکھاؤ جنہیں صلیبیوں نے ویران کیا اور بے حرمتی کی تھی۔ انہیں وہ مسلمان خواتین دکھاؤ جو صلیبیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہوتی رہیں۔ انہیں اچھی طرح دکھاؤ کہ ہمارا دشمن کیسا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کا چھوٹے سے چھوٹا دستہ بڑے سے بڑے دستے پر قہر بن کر ٹوٹا۔ سپاہیوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو سلطان ایوبی انہیں دکھانا چاہتا تھا۔ یہ دیوانگی کی کیفیت تھی، ایک جنون تھا۔ سلطان ایوبی کے کانوں میں ایک ہی آواز پڑتی تھی ۔۔ "فلاں قصبے پر قبضہ کر لیا گیا ہے ۔۔۔۔ فلاں مورچے سے صلیبی پسپا ہو گئے ہیں"۔ سپاہی آرام کے بغیر مسلسل لڑ اور بڑھ رہے تھے مگر ایک روز سلطان ایوبی سر سے پاؤں تک ہل گیا۔

وہ اپنے کمرے میں نقشے پر جھکا ہوا اپنی ہائی کمان کے سالاروں اور مشیروں سے اگلا پلان تیار کر رہا تھا باہر شور اُٹھا۔ "میں تمہارے سلطان کو بھی قتل کر دوں گا۔ تم صلیب کے پجاری ہو۔ چھوڑ دو مجھے ۔۔۔۔ نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر"۔۔ یہ ایک ہی آدمی کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ کئی اور آوازیں سنائی دے رہی تھیں ۔۔ "یہاں سے لے جاؤ اُسے ۔۔۔۔ سلطان خفا ہوں گے ۔۔۔۔ مار دو۔ جان سے مار دو اسے ۔۔۔۔ اس کے منہ پر پانی پھینکو ۔۔۔۔ پاگل ہو گیا ہے"۔

سلطان ایوبی دوڑ کر باہر نکلا۔ اُسے توقع تھی کہ کوئی صلیبی سپاہی ہو گا مگر وہ اس کی اپنی فوج کا ایک کماندار تھا جس کے دونوں ہاتھ خون سے لال تھے اور اُس کے کپڑوں پر خون ہی خون تھا۔ اُس کی آنکھیں خون کی طرح گہری لال تھیں اور اُس کے ہونٹوں کے کونوں سے جھاگ پھوٹ رہی تھی۔ اُسے چار آدمیوں نے بازوؤں سے جکڑ رکھا تھا وہ قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

"چھوڑ دو اُسے"۔ سلطان ایوبی نے گرج کر کہا۔

"سلطان!" اس کماندار نے قہر بھری آواز میں کہا۔ "یہاں آکر تمہاری سب فوج بے غیرت ہو گئی ہے۔ کفار کیوں زندہ نکل رہے ہیں۔ تم ہمارے سلطان بنے پھرتے ہو۔ تم نے ان مسلمان عورتوں اور بچوں کو دیکھا تھا جو قید میں پڑے تھے؟"

سلطان کے محافظ دستے کے کمانڈر نے لپک کر اس کماندار کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کماندار نے اس کمانڈر کے بازو کو پکڑ کر اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ کمانڈر اس کے کندھوں کے اوپر سے ہوتا سلطان ایوبی کے سامنے جا پڑا۔

"مت روکو اسے بولنے سے"۔ سلطان ایوبی نے ایک بار پھر گرج کر کہا۔ "آگے آؤ دوست! مجھے بتاؤ انہوں نے تمہیں کیوں پکڑ لیا ہے؟"

بات یہ کھلی کہ وہ ایک جیش کا کماندار تھا۔ اسے یہ فرض سونپا گیا تھا کہ جو مسلمان کنبے قید میں پڑے رہے تھے ان کے گھروں میں اناج وغیرہ پہنچائے اور ان میں جو بیمار ہیں انہیں فوج کے طبیبوں کے پاس بھیجے۔ اس کام کے لیے سو سو سپاہیوں کے دو جیش مقرر کیے گئے تھے۔ یہ کماندار مظلوم مسلمانوں کے گھروں میں جاتا رہا۔ ان سے اُسے معلوم ہوتا رہا کہ عیسائیوں نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ یہ تفصیلات بڑی ہی دردناک اور بڑی ہی شرمناک تھیں۔ اس کماندار نے اپنی فوج کے سپاہیوں کو مسجدیں صاف کرتے دیکھا۔ ایک مسجد میں دو عورتوں کی برہنہ لاشیں نکلیں جو گل سڑ رہی تھیں۔ یہ اس کماندار نے دیکھ لیں۔

لاشیں نکالنے اور مسجد کو صاف کرنے والے سپاہیوں کے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی یہ حالت ہوتی رہی اور ہمارے سلطان نے کفار کو اجازت دے دی ہے کہ جو یہاں سے جانا چاہے اپنے کنبے کو لے کر چلا جائے"۔

اس کماندار کا خون کھول اُٹھا۔ وہ آگے گیا تو پندرہ بیس لڑکیاں اُسے جاتی نظر آئیں۔ ان کے ساتھ اس کا ایک ساتھی کماندار چند ایک سپاہیوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں۔ کماندار نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہ لڑکیاں کون ہیں اور اُن کے ساتھ سپاہی کیوں جا رہے ہیں؟

"یہ وہ لڑکیاں ہیں جنہوں نے مصر اور شام میں غدار پیدا کیے تھے"۔ کماندار نے اُسے بتایا۔ وہ اس قافلے کے ساتھ چل پڑا۔ اُس کے ساتھی نے اُسے سنایا۔ "اُن کی کارستانیاں تم سنتے رہے ہو۔ ان کا سردار ہرمن پکڑا گیا ہے۔ یہ سب صلیبی ہیں۔ سلطان نے ان کے سردار کو قید میں ڈال دیا ہے اور لڑکیوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ انہیں شہر سے دُور لے جا کر اُن عیسائیوں کے حوالے کر دو جو عکرہ سے جا رہے ہیں"۔

"اور تم انہیں زندہ چھوڑ آؤ گے؟" کماندار نے پوچھا۔

"ہاں، حکم یہی ملا ہے"۔

"کیا یہ ہماری اُن بہنوں سے زیادہ پاک اور مقدس ہیں جن کی برہنہ لاشیں مسجدوں سے نکل رہی ہیں اور جنہیں قید میں رکھ کر بے آبرو کیا جا رہا ہے؟"

اس کے ساتھی نے آہ بھر کر کہا۔ "میں حکم کا پابند ہوں۔"

کماندار رک گیا اور اس قافلے کو جاتے دیکھتا رہا۔ اچانک اُس نے تلوار نکال لی اور اُن کی طرف دوڑ پڑا۔ اُس نے نعرہ لگایا ــ "میں کسی کا پابند نہیں۔" اس نے تلوار اس قدر تیز چلائی کہ پلک جھپکتے تین چار لڑکیوں کے سر کاٹ ڈالے۔ ان کا محافظ کماندار اُسے پکڑنے کو دوڑا۔ لڑکیاں چیختی چلاتی اِدھر اُدھر بھاگیں۔ کماندار ایک لڑکی کے پیچھے گیا اور مزید تین چار لڑکیوں کو ختم کر دیا۔ ایک سپاہی اُسے پکڑنے کے لیے قریب گیا تو اُس نے اس سپاہی کے پیٹ میں تلوار برچھی کی طرح گھونپ دی۔ پھر اُس کے قریب کوئی نہیں جاتا تھا۔ اُس نے باقی لڑکیوں کو دیکھا جو اِدھر اُدھر بھاگ گئی تھیں۔

اس طرح وہ شہر سے باہر نکل گئے۔ اُسے کچھ عیسائی شہر سے جاتے نظر آئے۔ کماندار نے ان پر حملہ کر دیا۔ اُس کے سامنے جو آیا اُسے اُس نے قتل کیا اور یہی نعرہ لگاتا رہا ــ "میں بے غیرت نہیں ہوں۔ اللہ اکبر۔"

اُس کے ساتھی کماندار کے واویلے پر کئی ایک سپاہی اکٹھے ہو گئے جنہوں نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اُسے گھسیٹ کر لا رہے تھے کہ اُس عمارت کے قریب سے گزرے جہاں سلطان ایوبی اپنے عملے کے ساتھ قیام پذیر تھا۔ کسی نے کہا کہ اسے سلطان کے عملے کے حوالے کر دو۔ وہ ڈرتے تھے کہ سلطان کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ کسی نہتے شہری پر ہاتھ اٹھانے کو جرم قرار دیا گیا تھا۔ یہ کماندار چلا رہا تھا۔ اُس کا شور سُن کر سلطان ایوبی باہر نکل آیا۔

سلطان ایوبی نے یہ واردات سُنی اور کماندار کی لعن طعن بھی سُنی۔ سب ڈر رہے تھے کہ سلطان اسے قید میں ڈال دے گا لیکن سلطان نے اُسے گلے لگا لیا اور اندر لے گیا۔ اُسے شربت پلایا اور اُسے ذہن نشین کرایا کہ اُن کا مقصد صلیبیوں کا قتل نہیں بلکہ اپنے قبلۂ اوّل کو آزاد کر کے اس تمام سرزمینِ عرب سے صلیبیوں کو نکالنا ہے۔ کماندار کی ذہنی حالت ٹھکانے نہیں تھی۔ اُسے سلطان ایوبی نے اپنے طبیب کے حوالے کر دیا۔

"فوج کو اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔" سلطان ایوبی نے سالاروں اور مشیروں سے کہا۔ "لیکن ایمان دیوانگی کی حد تک ہی پختہ ہونا چاہیے۔ ہمارا یہ کماندار ہوش اور عقل کھو بیٹھا ہے۔ اگر مسلمان اپنے دین کے دشمن کو دیکھ کر دیوانے ہو جائیں تو اسلام کا پرچم وہاں تک پہنچ جائے جہاں یہ زمین ختم ہو جاتی ہے۔"

ہرن کی جو لڑکیاں اس کماندار سے بچ کر بھاگ گئی تھیں ان میں سے دو سمندر کے کنارے جا پہنچیں۔ سمندر دُور نہیں تھا۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھیں اور پناہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئیں۔ فوراً بعد ایک کشتی کنارے آ لگی۔ اس میں دو ملاح تھے اور تیسرا کوئی افسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی بحریہ کا ایک افسر تھا جس کا نام الفارس بیدین لکھا گیا ہے۔ بحریہ کا سب سے بڑا کمانڈر عبدالمحسن تھا جو رئیس البحرین (دو سمندروں، بحیرۂ روم، بحیرۂ احمر) کا "نائب ایڈمرل" کہلاتا تھا۔ اس کے نیچے امیر البحر حسام الدین لولو تھا۔

سلطان ایوبی کے حکم سے بحری بیڑہ جس کا ہیڈکوارٹر سکندریہ میں تھا، بحیرۂ روم میں گشت کرتا تھا کہ یورپ سے صلیبیوں کے لیے کمک اور سامان وغیرہ آئے تو اُن کے جہازوں کو راستے میں ہی روکا جا سکے۔ حسام الدین لولو بحیرۂ احمر میں تھا۔ سلطان ایوبی چونکہ ساحلی علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اس لیے مصری بیڑے کو حکم بھیجا تھا کہ چھ بحری جہاز ساحل کے ساتھ ساتھ بھیج دیے جائیں۔ یہ جنگی جہاز تھے جن میں منجنیقوں کے علاوہ دور مار تیر انداز اور لڑاکا دستے بھی تھے۔

رئیس البحرین نے الفارس بیدین کی کمانڈ میں چھ جہاز بھیجے تھے اور الفارس اپنے بحری جہاز سے کشتی میں آیا تھا۔ وہ احکام لینے کے لیے سلطان ایوبی کے پاس جا رہا تھا۔ ساحل پر اُسے یہ دو حلبی لڑکیاں نظر آئیں جو کسانوں کے لباس میں تھیں۔ الفارس اُن کے قریب چلا گیا اور پوچھا کہ وہ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟ لڑکیوں نے بتایا کہ وہ خانہ بدوش قبیلے کی ہیں جو جنگ کی زد میں آ گیا تھا۔ ان کے بہت سے مرد مارے گئے اور باقی اِدھر اُدھر بھاگ گئے ہیں۔

"... اور ہم چھپتی پھر رہی ہیں۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "عیسائیوں سے ہم اس لیے ڈرتی ہیں کہ وہ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں اور مسلمان ہمیں عیسائی سمجھتے ہیں۔"

"تم مسلمان ہو یا عیسائی؟"

"ہمارا مذہب وہی ہے جو ہمارے مالک کا ہوگا۔" دوسری لڑکی نے کہا۔ "ہمیں کسی نہ کسی کے ہاتھ فروخت ہی ہونا ہے۔"

الفارس بیدین بحری لڑائی کا ماہر اور غیر معمولی طور پر دلیر کمانڈر تھا۔ ان خوبیوں کے علاوہ اُسے اس لیے بھی پسند کیا جاتا ہے کہ وہ شگفتہ طبیعت کا زندہ مزاج آدمی تھا۔ اُس دور میں اس کی حیثیت کے آدمی بیک وقت دو دو تین تین بیویاں رکھتے تھے لیکن اُس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ وہ جنگ و جدل کا زمانہ تھا بحریہ کو کئی کئی مہینے سمندر میں رہنا پڑتا اور خشکی دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ ہر بحری جہاز کا کپتان اپنی بیوی یا بیویوں کو ساتھ رکھتا تھا۔

الفارس کو ان لڑکیوں کے حُسن نے ایسا متاثر کیا کہ اُس کے اندر یہ احساس بیدار ہو گیا کہ وہ تین مہینوں سے زیادہ عرصے سے سمندر میں گھوم پھر رہا ہے۔ اُس نے لڑکیوں سے پوچھا کہ وہ اس کے ساتھ رہنا پسند کریں تو انہیں اپنے جہاز میں رکھے گا۔

"ہم بے بس اور کمزور لڑکیاں ہیں۔ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں تمہیں فروخت نہیں کروں گا۔" الفارس نے کہا۔ "مصر لے جاؤں گا اور دونوں کے ساتھ شادی کر لوں گا۔"

لڑکیوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے کیا اور الفارس کے ساتھ چلنے کی رضامندی ظاہر کر دی۔ الفارس نے اپنی کشتی کے ملاحوں سے کہا۔ "انہیں میرے جہاز میں لے جاؤ۔ انہیں میرے

کمرے میں کھانا دو اور انہیں وہیں چھوڑ کر واپس یہیں آجاؤ اور میرا انتظار کرو۔"

لڑکیوں کو کشتی میں بٹھا کر الفارس رومانی گیت گنگناتا عکرہ کو چل دیا۔

☆

"الفارس!" سلطان ایوبی نے اُسے کہا۔ "میں تمہارے نام سے واقف ہوں۔ تمہارے کارنامے بھی سنے ہیں، لیکن اب صورتِ حال کچھ اور ہے۔ پہلے تم اکا دکا معرکہ لڑتے رہے ہو۔ اب بڑے پیمانے کی بحری جنگ کا امکان ہے۔ میں بیت المقدس فتح کرنے آیا ہوں لیکن اس سے پہلے میں تمام بڑی بڑی بندرگاہوں پر قبضہ کرنا اور شمال سے جنوب تک کے ساحلی علاقوں کو اپنی تحویل میں لینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان ساحلی شہروں میں بیروت، ٹائر اور عسقلان بہت اہم ہیں۔ تمہارے ساتھ میرا رابطہ قاصدوں سے ہوگا۔ تمہاری دو تین کشتیاں ساحل کے ساتھ موجود رہنی چاہئیں۔ میں خشکی پر جدھر جاؤں گا تمہیں اطلاع دیتا رہوں گا۔ تمہارے جہاز سمندر میں گشت کرتے رہیں گے ... تمہارے جہازوں میں اسلحہ اور رسد کی کمی تو نہیں؟"

"ہم ہر لحاظ سے تیار ہو کر آئے ہیں۔" الفارس بیدبن نے جواب دیا۔

"بڑے پیمانے کی جنگ کا بھی امکان ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "صلیبیوں نے حطین میں جو شکست کھائی ہے اور جس بُرے طریقے سے یہ بھاگے ہیں یہ دنیائے صلیب کے لیے معمولی سا واقعہ نہیں۔ ان کے چار حکمران میری قید میں ہیں۔ ایک کو میں نے قتل کر دیا ہے۔ ریمانڈ مر گیا ہے۔ اُن کا بڑا ہی قابل اور دلیر بادشاہ بالڈون بھی مر گیا ہے۔ اُس کے فرنگی بہت بڑی طاقت ہیں۔ مجھے قاہرہ سے علی بن سفیان نے اطلاع دی ہے کہ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اور جرمنی کا بادشاہ فریڈرک ارضِ فلسطین پر صلیب کی حکمرانی قائم رکھنے کے لیے اپنی فوجوں اور بحری بیڑے کے ساتھ آنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ آئے تو میں فیصلہ کر سکوں گا کہ انہیں خشکی پر آنے دوں یا سمندر میں ہی روکنے کی کوشش کروں۔ انگلستان کے بحری بیڑے کے متعلق سنا ہے کہ زیادہ طاقت ور ہے۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے بارود تیار کیا ہے اور ایسی نلکیوں میں بھرا ہے جنہیں آگ لگاؤ تو نلکیاں اُڑتی ہوئی آتی اور جہازوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔ میں ایسی نلکیاں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہم خود بنا لیں گے .... بہرحال تم ساحل کے ساتھ اپنے جہازوں کو رکھنا۔ رئیس البحرین الحسن کھلے سمندر میں رہے گا۔"

الفارس نے مزید احکامات لیے اور چلا گیا۔ کشتی اُس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اپنے بحری جہاز میں جا کر اُس نے دوسرے جہازوں کے کپتانوں کو بلایا، انہیں ہدایات اور احکامات دے کر رخصت کر دیا اور اپنے کیبن میں چلا گیا جہاں دو لڑکیاں اُس کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ وہ بھولی بھالی بنی رہیں اور اس سے پوچھتی رہیں کہ وہ سمندر میں کیا کرتا ہے۔ الفارس لمبے عرصے سے سمندر میں تھا۔ اس پر ہنسنے کھیلنے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ان لڑکیوں کو مردوں کی اس کیفیت میں لوٹنے اور انہیں اپنے رنگ میں استعمال کرنے کی مہارت حاصل تھی۔

۲۰ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان صلاح الدین ایوبی عکرہ سے نکلا۔ اُس کے چھاپہ مار دستوں نے اُس کے لیے راستہ صاف کر رکھا تھا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ اُس نے کئی ایک قلعے اور قصبے فتح کر لیے۔ ۳۰ جولائی ۱۱۸۷ء

کے روز اُس نے بیروت کا محاصرہ کیا۔ صلیبیوں نے اس اہم شہر کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن سلطان ایوبی نے بے دریغ قربانی دے کر بیروت لے لیا۔ وہاں بھی مسلمانوں کی وہی حالت تھی جو عکرہ میں تھی۔

۲۹ جولائی تک بیروت کو اپنی عملداری میں لے کر سلطان ایوبی نے ایک اور مشہور ساحلی شہر ٹائر کا رُخ کیا۔ وہ جاسوسوں اور دیکھ بھال کے جیشوں سے رپورٹیں لیے بغیر پیش قدمی نہیں کیا کرتا تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ اپنی فوج بہت دُور علاقے میں پھیل گئی ہے اور اِدھر اُدھر سے بھاگے ہوئے صلیبی ٹائر میں جمع ہو کر منظم ہو رہے ہیں۔ تمام فرنگی بھی ساحلی علاقے سے پسپا ہو کر ٹائر چلے گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے ٹائر پر حملے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ بیت المقدس کے لیے فوج بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

اس دوران الفارس بیدبن کے بحری جہاز ساحل سے دُور گشت اور دیکھ بھال کرتے رہے۔ دونوں لڑکیاں اُس کے جہاز میں رہیں۔ وہ اُس کے دل پر غالب آ گئی تھیں لیکن اُس نے اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کی۔ جب کوئی بحری جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتا تھا، چھوٹی چھوٹی کشتیاں اس کے ارد گرد گھومنے لگتی تھیں۔ یہ غریب دیہاتیوں کی کشتیاں تھیں جو پھل، انڈے اور مکھن وغیرہ ملاحوں اور فوجی دستوں کے پاس بیچتے تھے۔ جہازوں کے کپتان اُن میں سے کسی کو رسّہ پھینک کر جہاز میں اُٹھا لیتے اور اُس سے خشکی کی دنیا کی خبریں سنتے تھے۔

ایک روز الفارس کا جہاز ساحل پر چلا گیا۔ اُسے وہاں سے بری فوج کے کسی کمانڈر سے کچھ پوچھنا تھا۔ دونوں لڑکیاں جہاز کے عرشے پر جنگلے کا سہارا لیے کھڑی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی تین چار کشتیاں آ گئیں۔ ان میں پھل وغیرہ تھا۔ ان کے ملاح جہاز والوں کی منتیں کرنے لگے کہ وہ ان سے کچھ لے لیں۔ ایک کشتی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا، جس کے جسم پر تہبند کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ بہت غریب معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے دونوں لڑکیوں کو جہاز میں کھڑے دیکھا تو کشتی قریب لے گیا۔

"کچھ لے لو شہزادی!" اس نے کہا۔ "بہت غریب آدمی ہوں۔"

لڑکیوں نے اُسے نظر بھر کر دیکھا تو اُس نے بائیں آنکھ سے خفیف سا اشارہ کر دیا۔ دونوں نے حیران سا ہو کے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ اس آدمی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سینے پر انگلی اوپر نیچے اور پھر دائیں بائیں چلا کر صلیب کا نشان بنایا۔ ایک لڑکی نے اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی پر دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی رکھ کر کراس بنایا۔ آدمی مسکرایا۔ ایک لڑکی نے جہاز کے ملاح سے کہا کہ اس آدمی کو اوپر لاؤ۔

ملاحوں کو معلوم تھا کہ یہ لڑکیاں ان کے جہاز کے کپتان کی ہیں جو تمام جہازوں کا کمانڈر ہے۔ انہوں نے فوراً رسّوں کی سیڑھی پھینکی۔ وہ آدمی ٹوکری میں مختلف چیزیں رکھ کر اوپر لے آیا اور ٹوکری لڑکیوں کے آگے رکھ دی۔ لڑکیاں چیزیں دیکھنے لگیں۔ کسی اور کو اُن کے قریب آنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

"تم یہاں کیسے پہنچ گئی ہو؟" کشتی کے ملاح نے پوچھا۔

"اتفاق کی بات ہے۔" ایک لڑکی نے جواب دیا۔ "ہرمن پکڑا گیا ہے۔" اُس نے اس آدمی کو سارا واقعہ سنا دیا اور الفارس کے متعلق بتایا کہ وہ انہیں خانہ بدوش سمجھ کر اپنے ساتھ لے آیا ہے۔

"کچھ سوچا ہے کیا کرو گی؟" ملاح نے پوچھا۔ "جاؤ گی کہاں؟"
"ابھی تو صرف جان بچانے کا بندوبست کیا ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "کمانڈر الفارس کی رگوں پر۔ ہم
نے قبضہ کر لیا ہے۔ کہیں موقعہ ملا تو بھاگنے کی کوشش کریں گی۔ اگر تم رہنمائی کرو تو یہیں رہ کر کچھ اور کریں گی۔"
یہ غریب سا ماہی گیر ملاح صلیبیوں کا جاسوس تھا اور وہ ان لڑکیوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بھی اسے جانتی
تھیں۔ اس نے کہا۔ "ساحل پر اُتر کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ بہت بُری موت مرو گی۔ بیروت تک مسلمانوں کا قبضہ
ہو گیا ہے۔ ہماری صلیبی فوج ہر جگہ سے پسپا ہو رہی ہے۔ اب ٹائر ایک جگہ رہ گئی ہے جہاں تمہیں پناہ مل سکتی ہے۔
ابھی اسی جہاز میں رہو۔ میں تمہیں اتاروں گا۔ ہمارے لیے حالات بہت ہی خطرناک ہو گئے ہیں۔ ہر طرف مسلمان
سپاہی دندناتے پھر رہے ہیں۔"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"صلیب پر ہاتھ رکھ کر جو حلف اٹھایا تھا وہ پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "ان
جہازوں کی نقل و حرکت دیکھ رہا ہوں۔ انہیں تباہ کرانے کا انتظام کروں گا۔"

"اپنے جہاز کہاں ہیں؟"

"ٹائر کے قریب۔" اُس نے بتایا۔ "یہ جہاز اُدھر گئے تو اپنے جہازوں کو پہلے سے اطلاع کر دوں گا۔ اب
اتفاق سے تم کمانڈر کے جہاز میں آ گئی ہو۔ تم میری مدد کر سکو گی اور میں تمہیں اس جہاز سے نکال کر ٹائر پہنچا سکوں گا۔
مجھے اب جانا چاہیے۔ اشارے مقرر کر لو۔ میں ان جہازوں کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہوں۔ یہ جہاز کہیں بھی ساحل
کے قریب لنگر ڈالے گا، وہاں اسی بھیس میں موجود ہوں گا۔"

انہوں نے اشارے مقرر کر لیے۔ لڑکیوں نے اُس کی ٹوکری میں سے کچھ چیزیں اٹھا لیں۔ اُسے پیسے دیئے اور
وہ رسوں کی سیڑھی سے اپنی کشتی میں اُتر گیا۔

☆

۱۰ستمبر ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی نے ایک اور مشہور ساحلی شہر عسقلان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں بھی وزنی
پتھر پھینکنے والی منجنیقیں اور پہیوں پر چلنے والی مچانیں استعمال کی گئیں۔ سرنگیں کھودنے والے جیش رات کو
دیوار توڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ قریب ہی ایک بلندی تھی۔ وہاں سے منجنیقوں سے شہر کے اندر پتھر اور آتشیں
گولے پھینکے گئے۔ دوسرے دن محصورین نے گھبرا کر شہر کے دروازے کھول دیئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔

اس شہر پر فرینکس نے ۱۹ستمبر ۱۱۵۳ء میں قبضہ کیا تھا۔ پورے چونتیس برس بعد یہ شہر آزاد کرایا گیا۔

عسقلان سے بیت المقدس چالیس میل مشرق کی سمت واقع ہے۔ سلطان ایوبی کے تیز رفتار دستوں کے
لیے یہ دو دن کا سفر تھا۔ اُس کے بعض دستے اور چھاپہ مار جیش پہلے ہی بیت المقدس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ انہوں
نے صلیبیوں کی بیرونی چوکیاں تباہ کر دی تھیں۔ بچے کھچے صلیبی بیت المقدس پہنچ رہے تھے۔ سلطان ایوبی
نے اپنے بکھرے ہوئے دستوں کو عسقلان میں اکٹھا ہونے کا حکم دیا اور بیت المقدس پر حملے کی تیاری
کرنے لگا۔

سلطان ایوبی کی فتوحات اور طوفانی پیشقدمی کی خبریں دمشق، بغداد، حلب، موصل اور اُدھر
قاہرہ تک پہنچ چکی تھیں۔ آخری خبر یہ پہنچی کہ سلطان عسقلان میں ہے اور بیت المقدس پر حملہ کرنے والا
ہے۔ قاضی بہاؤالدین شداد جو اس حملے میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا
ہے کہ سلطان ایوبی کی فوج مسلسل فتوحات کی بدولت تھکن کے احساس سے بیگانہ تھی۔ وہ جوں جوں ان
مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی حالت دیکھتی گئی قہر بنتی گئی جو بیت المقدس پر ٹوٹنے کو بیتاب تھا۔ یہ تو سلطان
ایوبی کی جنگی قوت تھی۔ قاضی شداد لکھتا ہے کہ عسقلان میں سلطان ایوبی کے پاس روحانی قوت بھی پہنچ گئی۔
یہ دمشق، بغداد اور دیگر بڑے شہروں کے علماء، درویش اور صوفی منش لوگ تھے۔ وہ سلطان ایوبی کے ساتھ
بیت المقدس میں داخل ہونے آئے تھے۔ انہوں نے آکر سلطان ایوبی کو دعائیں دیں اور اُس کی فوج کو
بیت المقدس کی اہمیت اور تقدس بتایا اور سپاہیوں کو آگ بگولا کر دیا۔ سلطان ایوبی علماء اور درویشوں کا بہت
احترام کیا کرتا تھا۔ انہیں اپنے ساتھ دیکھ کر اُس کی تھکن ختم ہو گئی اور اس نے جوشِ جذبات سے کہا۔ "اب
دنیا کی کوئی طاقت مجھے شکست نہیں دے سکتی۔"

عسقلان سے کُوچ سے دو، چار روز پہلے سلطان ایوبی کے پاس حلب سے ایک مہمان آیا جسے دیکھ
کر سلطان حیران رہ گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ رضیع خاتون
تھی جس نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ کُود کر گھوڑے سے اُتری اور دوڑ
کر سلطان ایوبی کو گلے لگا لیا۔ دونوں کے جذبات اُبھر آئے اور اُن پر رقت طاری ہو گئی۔

ذرا دیر بعد اونٹوں کی ایک لمبی قطار آ گئی۔ ان پر کم و بیش دو سَو لڑکیاں سوار تھیں۔

"یہ کیا؟" سلطان ایوبی نے رضیع خاتون سے پوچھا۔

"زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے تربیت یافتہ لڑکیاں۔" رضیع خاتون نے جواب دیا۔ "میں نے انہیں لڑائی
کی تربیت بھی دے رکھی ہے۔ تیر اندازی کی بھی انہیں خاصی مشق ہے۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ تم عورت کو میدان
جنگ میں نہیں دیکھنا چاہتے لیکن میرے اور اُن کے جذبے کو کچلنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم نہیں جانتے کہ شام میں
جوان لڑکیوں پر قابو پانا محال ہو رہا ہے۔ جسے دیکھو وہ محاذ پر پہنچنے کے لیے بے تاب ہے۔ اگر تم اجازت دو تو
میں ایک ہزار لڑکیاں محاذ پر بھیج دوں۔ سپاہیوں کی طرح لڑیں گی۔ جن ماؤں کے بیٹے یہاں لڑ رہے ہیں، وہ
مائیں اُن کی خیریت کی نہیں فتح کی خبر سننا چاہتی ہیں۔ آبادیوں میں ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے — "محاذ کی
کیا خبر ہے؟" — کہو صلاح الدین! کتنی لڑکیاں بھیجوں؟"

"میں انہیں اپنے ساتھ رکھ لوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اور کسی کو نہ بھیجنا۔"

"اس اونٹ پر ایک منبر لدا ہوا ہے۔" رضیع خاتون نے کہا۔ یہ کہتے ہی اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ذرا
خاموش رہنے کے بعد کہنے لگی۔ "تمہیں شاید یاد نہیں، میرے مرحوم شوہر (نورالدین زنگی) نے یہ منبر اس عہد کے ساتھ
بنوا کر پاس رکھ لیا تھا کہ بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرائے گا تو یہ منبر مسجد اقصیٰ میں رکھے گا۔ بہت خوبصورت

منبر ہے۔ یہ دمشق میں رکھا تھا۔ اٹھا لائی ہوں۔ اللہ تمہیں فتح دے صلاح الدین اور میں دیکھوں کہ تم نے یہ منبر مسجدِ اقصیٰ میں رکھ کر میرے مرحوم شوہر کا عہد پورا کر دیا ہے۔"

سلطان ایوبی پر رقت طاری ہو گئی۔ اُس کے منہ سے سسکی سی نکلی۔ "اللہ یہ عہد مجھ سے پورا کرائے۔"

ایک جوان سال لڑکی اُن کے قریب آ کھڑی ہوئی اور سلطان ایوبی کو مسکرا کر سلام کیا۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "پہچانا نہیں صلاح الدین؟ یہ میری بیٹی شمس النساء ہے۔" سلطان ایوبی نے لپک کر اسے گلے لگا لیا اور بےحد اپنے آنسو نہ روک سکا۔ اس نے اس لڑکی کو اس وقت دیکھا تھا جب یہ بہت چھوٹی تھی۔

"یہ تمہارے ساتھ محاذ پر رہے گی۔" رضیع خاتون نے کہا۔ "لڑکیاں اس کی کمان میں رہیں گی۔ مجھے واپس جانا ہے۔"

☆

وہ علماء اور درویش وغیرہ جو سلطان ایوبی کے پاس آ گئے تھے، ورد، وظیفے اور دعاؤں میں مصروف رہتے یا سپاہیوں میں گھومتے پھرتے اور انہیں روحانی حوصلہ دیتے رہتے۔ وہ عسقلان سے باہر وہاں تک بھی گئے جہاں دستے اور جیش موجود تھے۔ اُن کے وعظ اور خطبوں کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے۔ "نوّے سال سے کفار تمہارے قبلۂ اوّل پر قابض ہیں۔ قرآن کے احکام پڑھو تو قبلۂ اوّل کو کفار کے ناپاک قبضے سے چھڑانے تک کسی مسلمان کو نیند نہیں آنی چاہیے تھی۔ وہ مسجدِ اقصیٰ جہاں سے ہمارے رسول اللہ ﷺ کے بلاوے پر معراج پر تشریف لے گئے تھے کفار کی عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ رسولِ مقبول ﷺ کی رُوحِ مقدس ہم پر لعنت بھیج رہی ہے۔ ہم پر نیند، کھانا پینا اور ہم پر اپنی بیویاں حرام ہونی چاہئیں تھیں مگر نوّے سال سے ہم گہری نیند سو رہے ہیں اور عیش و عشرت میں مگن ہیں....

"اللہ کے سپاہیو! ہمارے حکمرانوں نے صلیبیوں اور یہودیوں کے خوبصورت جال میں پھنس کر اُن کے خلاف خانہ جنگی کی جنہوں نے قبلۂ اوّل کو آزاد کرانے کا عہد کیا تھا۔ بیت المقدس وہ پاک جگہ ہے جہاں ہمارے رسول ﷺ کے مبارک قدم آئے اور اُن کی جبینِ مبارک نے یہاں سجدے کیے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت عمرؓ اور ہمارے جانے کتنے انبیاءؑ نے یہاں ورود فرمایا، مگر نوّے سال سے یہاں مسلمانوں پر جو قہر ٹوٹ رہا ہے وہ تم شہر میں جا کر دیکھو گے۔ مسجدِ اقصیٰ پر صلیب کھڑی ہے۔ مسجدیں اصطبل بنی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کا قتلِ عام اس طرح ہوا ہے کہ گلیوں میں خون ندی کی طرح چلتا رہا۔ مسلمان قید و بند کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہماری بیٹیاں کفار کی لونڈیاں بنا دی گئی ہیں....

"اپنے رسول ﷺ کی ناموس پر مر مٹنے والو! اللہ نے یہ سعادت تمہیں عطا کی ہے کہ بیت المقدس کو آزاد کراؤ، پاک کرو اور اگر تم ناکام رہو تو وہاں سے تمہاری لاشیں اٹھائی جائیں۔ ــــ اور تم سن کر حیران ہو گے کہ جس بیت المقدس میں حضرت عیسیٰؑ نے بنی نوعِ انسان سے محبت کا سبق دیا تھا وہاں صلیب کے پجاریوں نے یہاں تک درندگی کی ہے کہ جب انہیں کسی محاذ پہ فتح ہوتی وہ بیت المقدس میں جشن مناتے جس میں ہماری

بیٹیوں کو برہنہ کر کے نچاتے اور چند ایک تندرست و توانا مسلمانوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھاتے....

اب تمہیں ایک ایک معصوم کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لینا ہے۔ دمشق سے سلطان نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ وہ منبر لائی ہے جو مرحوم نے مسجدِ اقصیٰ میں رکھنے کے لیے بنوایا تھا۔ یہ خاتون دو سو لڑکیوں کے ساتھ بہت دُور کا سفر کر کے آئی ہے۔ یہ عہد تمہیں پورا کرنا ہے۔"

اس دوران سلطان ایوبی اپنے دستوں کو یکجا کر کے اُن کی تقسیم کرتا رہا اور جاسوسوں کی رپورٹوں کے مطابق بیت المقدس کے محاصرے کا پلان بناتا رہا۔

☆

ایوبی مسجدِ اقصیٰ کی دہلیز پر

لڑکیاں جو بحریہ کے کمانڈر الفارس بیدرون کے جہاز میں تھیں اُسی کی طرح شگفتہ مزاج اور خوش طبع تھیں۔ سمندر کی تنہائی میں یہ دونوں لڑکیاں الفارس کے دل کو نئی زندگی دے رہی تھیں لیکن یہ اس کے لیے معمہ سا بن گئی تھیں اور اُن کے لیے الفارس عجیب آدمی بنا ہوا تھا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ خانہ بدوش ہیں۔ اُن کا قبیلہ جنگ کی زد میں آگیا تھا اور وہ دونوں بڑی مشکل سے چھپتی چھپاتی ساحل تک پہنچی ہیں۔ مگر الفارس دیکھ رہا تھا کہ دونوں کی عادتیں اور طور طریقے خانہ بدوشوں والے نہیں۔ خانہ بدوش حسین ہو سکتی تھیں مگر ان میں یہ شائستگی نہیں ہو سکتی تھی جو ان دونوں میں تھی۔ ان دونوں لڑکیوں میں کسی حد تک بے حیائی بھی تھی جو خانہ بدوش عورتوں میں عموماً نہیں ہُوا کرتی تھی۔

لڑکیوں کے لیے الفارس عجیب آدمی تھا۔ لڑکیوں کو توقع تھی کہ وہ اُن کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو ہر اُس مرد نے اُن کے ساتھ کیا ہے جس کے ذہن پر قبضہ کرنے کے لیے انہیں بھیجا گیا تھا۔ الفارس نے ان میں اس قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا جس سے یہ لڑکیاں ابتدا میں مایوس ہوئیں لیکن انہوں نے اس کی ایک اور کمزوری بھانپ لی۔ وہ یہ تھی کہ وہ فرض کے معاملے میں جہاں بڑا ہی سخت گیر اور سخت کوش تھا وہاں فراغت کے وقت کھلنڈرا بچہ بن جایا کرتا تھا۔ ان لڑکیوں کے ساتھ وہ ہمراز سہیلیوں کی طرح کھیلتا اور اُن کے حُسن اور اُن کی شوخیوں سے لطف اٹھاتا تھا۔ اُن کے بکھرے بکھرے ریشمی بالوں سے کھیلتا اور اُن میں مگن ہو کر دنیا کو بھول جاتا تھا۔

ایک روز ایک لڑکی نے جب دوسری لڑکی کمرے میں نہیں تھی، اس کے جذبات کو مشتعل کرنے کی یا یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ اس آدمی کے اندر جذبات ہیں بھی یا نہیں تو الفارس نے یہ کھلے اشارے سمجھتے ہوئے کہا۔ "میں نے جب تمہیں پہلے روز ساحل پر کہا کہ میں تمہیں اپنے جہاز میں پناہ دے سکتا ہوں تو تم نے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا تھا کہ تمہیں مصر لے جاؤں گا اور شادی کروں گا.... میں اپنے اس وعدے پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔ شادی سے پہلے میں کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا جس سے تمہیں یہ شک ہو کہ میں وقتی طور پر دل بہلانے کے لیے تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میں تمہاری مجبوری اور بے بسی سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ مصر جانے تک تم سوچ لو۔ اگر میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کرو گی تو جہاں کہو گی وہاں بھیج دوں گا۔"

لڑکی نے بے تابی سے بازو اس کے گلے میں ڈال دیئے اور گال اس کے گال کے ساتھ لگا کر کہا۔ "ہم دونوں

نہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔ تم پہلے مرد ملے ہو جس کے دل میں انسانیت کی پاکیزگی ہے، شیطانیت اور حیوانیت نہیں۔"

لڑکی نے والہانہ محبت کا اظہار ایسے الفاظ میں اور ایسے انداز سے کیا کہ الفارس کو پانی پر تیرنے والا بحری جہاز فضا کی وسعتوں میں اڑتا محسوس ہونے لگا۔ یہی اس کی کمزوری تھی جو انسانی فطرت کی سب سے زیادہ خطرناک کمزوری ہے۔ سمندر میں اتنا طویل عرصہ دن رات گشت کرتے رہنے سے اور وقتاً فوقتاً چھوٹی موٹی جھڑپیں لڑنے سے اُس کے اعصاب پر جو تھکن اور ذہن پر جو کوفت تھی وہ ختم ہو گئی۔ اعصاب پُرسکون ہو گئے۔ اب تو اُس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھ جہازوں کی کمانڈ تھی اور وہ فلسطین کے ساحل سے کچھ دُور گشت کرتا رہتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بجلی کی طرح ارضِ فلسطین پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس نے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اب عسقلان میں بیت المقدس پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ الفارس بیدرون کی ذمہ داری یہ تھی کہ سمندر کی طرف سے صلیبیوں کے لیے مدد اور رسد وغیرہ آئے تو اُسے ساحل تک نہ پہنچنے دے۔ اس ذمہ داری نے اس کی نیندیں بھی حرام کر رکھی تھیں۔ یہ دو لڑکیاں اس کے اعصاب کو سہلایا کرتی تھیں۔

الفارس نے ان لڑکیوں سے ایک روز کہا کہ ان میں خانہ بدوشوں والی عادتیں نہیں، اُن کی بجائے ان میں شائستگی اور نفاست ہے۔ یہ ان میں کہاں سے آگئی ہے۔

"ہم بڑے بڑے عیسائی گھروں میں نوکری کرتی رہی ہیں"۔۔۔ ایک لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ "انہوں نے ہمیں میزبانی کے آداب اور اونچے درجے کے مہمانوں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے طور طریقے سکھا دیئے تھے۔ اگر آپ معمولی آدمی ہوتے تو ہم آپ کے ساتھ خانہ بدوشوں جیسا سلوک کرتیں۔ ہماری باتیں اور حرکتیں خانہ بدوشوں جیسی ہوتیں۔ آپ بحریہ کے اتنے بڑے کمانڈر ہیں اور آپ کے دل میں ہماری اتنی زیادہ محبت ہے۔ ہم آپ کے ساتھ اجڈوں جیسا سلوک نہیں کر سکتیں۔"

دوسرے پانچ جہازوں کے کپتانوں کو پتہ چل چکا تھا کہ اُن کا کمانڈر الفارس اپنے جہاز میں دو لڑکیاں لایا ہے۔ سب یہ خبر سن کر ہنسے یا مسکرائے تھے، لیکن سب نے محسوس کیا تھا کہ جہاز میں جنگ کے دوران اپنی بیوی کو تو رکھا جا سکتا ہے اجنبی لڑکیوں کو رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ انہوں نے الفارس سے بات کی تھی اور اس نے سب کو مطمئن کر دیا تھا۔ سب اس لیے جلدی مطمئن ہو گئے تھے کہ وہ الفارس کو عرصے سے جانتے تھے۔ وہ بدکار آدمی نہیں تھا۔ فرائض سے کوتاہی برداشت نہیں کرتا تھا۔

☆

بیت المقدس کے اندر کی کیفیت غیر معمولی تھی۔ یہاں مسلمانوں پر جو ظلم و تشدد ہو رہا تھا اس کی مثال کم از کم فلسطین کے مقبوضہ علاقوں میں نہیں ملتی تھی۔ اس ظلم و تشدد کی تاریخ پرانی تھی۔ ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی بے اتفاقی اور اقتدار کی خاطر غداری کرنے والوں کا کرشمہ تھا۔ تاریخ میں حملہ آوروں نے اس سے زیادہ بڑے اور اہم شہر فتح کیے ہیں لیکن صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو اُسے اس قدر اہمیت دی

جیسے انہوں نے آدھی دنیا فتح کر لی ہو۔ سارے یورپ بلکہ تمام تر عیسائی دنیا اور کلیسا کی نظریں بیت المقدس پر لگی ہوئی تھیں۔

اس اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ بیت المقدس کو عیسائی اپنا مقدس مقام سمجھتے تھے۔ اُن کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو اسی علاقے میں کہیں مصلوب کیا گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہے۔ رسول اللہؐ یہیں سے معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اس لحاظ سے مسجدِ اقصیٰ کا تقدس خانہ کعبہ سے کم نہ تھا۔ مسلمان بیت المقدس کو اپنا نظریاتی مرکز سمجھتے تھے۔ یہ ہمارے عقیدوں کا مرکز تھا (اور اب بھی ہے) عیسائی مسلمانوں کے اس نظریاتی سرچشمے پر قبضہ کر کے ہمارے نظریات اور عقائد کو باطل قرار دینا چاہتے تھے۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے سربراہ ہرمن نے غلط نہیں کہا تھا کہ صلیبی جنگیں مسلمانوں اور عیسائیوں کے بادشاہوں کی نہیں، یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگیں ہیں جو اُس وقت تک لڑی جاتی رہیں گی جب تک دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہو جاتا۔

جس طرح ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کو اور مسلمانوں کو شکست دینے کو اور مسلمانوں کو نہ صرف میدانِ جنگ میں بلکہ دھوکے سے بھی قتل کرنے کو مذہبی فریضہ قرار دے رکھا ہے، اسی طرح عیسائیوں کے پادریوں نے بھی مسلمان کے قتل کو کارِ ثواب قرار دے رکھا تھا۔ عیسائیوں کو جنگ کے احکام بڑے پادری (پوپ) کی طرف سے ملتے تھے۔ آپ نے پڑھ لیا ہے کہ حطین کی جنگ میں عکرہ کا پادری اُس صلیب کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا جس پر حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہ ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ کعبہ کے خلاف جنگ کلیسا نے شروع کی تھی اور یہ دو مذہبوں اور دو نظریات کی جنگ تھی۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ صلیبی جنگوں میں شامل ہونے والے بادشاہوں، جرنیلوں اور ادنیٰ سپاہیوں تک سے صلیب الصلیبوت پر صلیب سے وفاداری اور جان و مال کی قربانی کا حلف لیا جاتا تھا۔ اس حلف سے وہ صلیبی کہلاتے اور بیت المقدس کے لیے جو جنگیں لڑی گئیں انہیں صلیبی جنگیں کہا گیا۔ عیسائی دنیا میں مسلمانوں کے خلاف جنگ اور سرزمینِ عرب پر قبضہ کرنے کو ایسا جنون بنا دیا گیا تھا کہ عورتیں اپنے زیورات اور مال و دولت کلیسا کے حوالے کر دیتی تھیں۔ جنون کی انتہا یہ تھی کہ جوان لڑکیوں نے اپنی عصمتیں صلیب کی فتح اور مسلمانوں کی شکست کے لیے پیش کر دیں۔ کلیسا نے کھلی اجازت دے دی کہ مسلمانوں کی کردارکشی اور نظریاتی تخریب کاری کے لیے عیسائی لڑکیوں کو استعمال کیا جائے۔ لڑکیوں کو یقین دلایا گیا کہ کلیسا کے مقاصد اور عزائم کی خاطر عصمت قربان کرنے والی لڑکی بہشت میں جائے گی۔

اسی عقیدے کے تحت خوبصورت لڑکیوں کو باقاعدہ تربیت دے کر مسلمانوں کے علاقوں میں بھیجا گیا۔ یہ مسلمان امراء کے حرموں میں داخل ہوئیں اور وہ تباہی بپا کی جو آپ اس سلسلے کی کہانیوں میں پوری تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ اس مقابلے میں مسلمان آپس میں ٹکراتے رہے اور صلیبیوں کے پھیلائے ہوئے اس حسین جال میں ایسے آئے کہ مذہبی نظریات اور عقائد کو نظر انداز کر کے تخت و تاج کے شیدائی ہو گئے۔ انہوں نے ایمان نیلام کر دیئے پھر بھی کچھ لوگ ابھی زندہ تھے جن کی روحیں ایمان کے نور سے منور تھیں۔ وہ بیت المقدس کی پاسبانی کرتے اور

لہر کے غدا نے دیتے رہے مگر یہ قانونِ فطرت ہے کہ ایک غدار ساری قوم کو بے وقار کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور جب غدار صاحبِ اقتدار ہو تو دشمن سے دس گنا زیادہ فوج بھی شکست کھا جاتی ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ صلیبی ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء (۲۳ شعبان ۴۹۲ ہجری) کے روز بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔

اس فتح میں جن مسلمان امراء اور ریاستوں کے حکمرانوں نے صلیبیوں کو مدد دی اور جس طرح مدد دی وہ ایک طویل اور شرمناک کہانی ہے۔ مثال کے طور پر اتنا ہی بتانا کافی ہوگا کہ جب صلیبی فوج بیت المقدس کی طرف بڑھ رہی تھی شہزاد کے امیر نے نہ صرف یہ کہ اس فوج کو نہ روکا بلکہ اُسے رسد بھی دی اور رہبر (گائیڈ) بھی دیئے۔ حماۃ اور تریپولی کے مسلمان امراء نے بھی صلیبی فوج کو راستہ دے کر رسد بلکہ تحائف بھی دیئے اور اسے قبلۂ اوّل کی طرف روانہ کیا۔ راستے میں کئی ایک مسلمان ریاستیں آتی تھیں۔ انہوں نے اپنی ریاست اور حکومت کے تحفظ کی خاطر صلیبیوں کے دل کش اور حسین تحفے قبول کیے اور ان کے عوض صلیبی فوج کی ضروریات پوری کیں۔

عرقہ کا امیر مردِ مومن تھا جس کی جنگی طاقت صلیبیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی لیکن اس نے صلیبی فوج کے جرنیلوں کے مطالبے پر بھی انہیں کچھ نہ دیا بلکہ اُن کے چیلنج کو قبول کر کے انہیں مقابلے کے لیے للکارا۔ صلیبی فوج نے عرقہ کو محاصرے میں لے لیا۔ ۱۴ فروری سے ۱۳ مئی ۱۰۹۹ء تک عرقہ کے مسلمانوں نے ایسی بے جگری سے مقابلہ کیا کہ صلیبی فوج نے بہت سا جانی نقصان اٹھا کر محاصرہ اٹھا لیا اور راستہ بدل کر آگے چلی گئی۔ اگر یہ تمام مسلمان امراء اپنے اپنے علاقے میں بیت المقدس کی طرف بڑھتی ہوئی صلیبی فوج کے سامنے مزاحم ہوتے رہتے تو اُن کا اپنا نقصان تو مزید ہوتا لیکن صلیبی فوج کا خون قطرہ قطرہ بہہ کر ختم ہو جاتا۔ یہ فوج اپنے پلان سے دو اڑھائی سال تاخیر سے بیت المقدس پہنچتی اور اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ نہ ہوتا۔

☆

یہ کہنا غلط نہیں کہ صلیبیوں کو بیت المقدس تک مسلمان امراء نے تازہ دم اور رسد سے مالا مال کر کے پہنچایا۔ اس کی سزا اُن مسلمانوں کو ملی جو بیت المقدس میں آباد تھے۔ وہاں مسلمان زائرین بھی گئے ہوئے تھے وہ بھی کچلے گئے۔ ۷ جون ۱۰۹۹ء کے روز صلیبیوں نے اس عظیم اور مقدس شہر کا محاصرہ کیا۔ وہاں حکومتِ مصر کا گورنر افتخار الدولہ تھا۔ جس نے محاصرے میں بے مثال شجاعت اور عسکری ذہانت سے مقابلہ کیا۔ شہر کے جیش قلعے سے نکال کر صلیبیوں پر حملہ کرائے گئے مگر صلیبیوں کے پاس سازو سامان کی افراط تھی اور فوج تو بے شمار تھی۔ ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء صلیبی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔

تمام تر یورپ اور ہر عیسائی ملک میں جشن منائے گئے مگر بھیانک اور ہولناک جشن وہ تھا جو فاتح صلیبیوں نے بیت المقدس کے اندر منایا۔ صلیبی سپاہی مسلمانوں کے گھروں میں گھس گئے۔ لوٹ مار کی۔ کسی گھر میں کسی فرد کو، خواہ وہ بوڑھا تھا یا دودھ پیتا بچہ، زندہ نہ چھوڑا۔ زندہ رہنے دیا تو صرف جوان لڑکیوں کو جو اُن کی درندگی کی اذیتوں سے مریں۔ گلیوں میں بھاگتے ہوئے مسلمان بچوں، عورتوں اور مردوں کو وحشیانہ طریقے سے قتل کیا گیا۔ صلیبی ننھے ننھے بچوں کو برچھیوں کی انیوں میں اُڑس کر اوپر اُٹھاتے اور چیخ چیخ کر قہقہے لگاتے تھے۔ کھلے عام

آبرو ریزی اور مقتولین کے سر کاٹ کر انہیں ٹھڈے مارنا صلیبیوں کا من پسند کھیل بن گیا تھا۔

مسلمانوں کو ایک ہی پناہ نظر آتی تھی جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ وہاں کی امان ملے گی اور کسی بھی مذہب کا پیروکار وہاں اُن پر زیادتی کرنے کو گناہ سمجھے گا۔ یہ تھی مسجدِ اقصیٰ۔ مسلمان اپنے بال بچوں کو لے کے مسجدِ اقصیٰ میں چلے گئے۔ جنہیں وہاں پاؤں رکھنے کو بھی جگہ نہ ملی وہ باب داؤد اور دوسری مسجدوں میں چلے گئے۔ خود عیسائی مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان پناہ گزین مسلمانوں کی تعداد ستر ہزار کے لگ بھگ تھی۔ صلیبی جو مسجدِ اقصیٰ کو اپنی عبادت گاہ کہتے تھے اُس کے احترام کا ذرہ بھر خیال نہ کیا۔ وہ پناہ گزینوں پر ٹوٹ پڑے۔ کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑا۔ مسجدِ اقصیٰ، باب داؤد اور تمام مسجدیں لاشوں سے اَٹ گئیں اور خون باہر بہنے لگا۔ مؤرخین نے ان الفاظ میں یہ کیفیت بیان کی ہے۔ ”صلیبیوں کے گھوڑوں کے پاؤں ٹخنوں تک مسلمان شہریوں کے خون میں ڈوب گئے تھے“

لڑکیوں کو مسجدوں اور مسلمانوں کے دیگر مقدس مقامات میں لے جا کر بے آبرو کیا جاتا تھا۔ سب سے زیادہ بدنصیب یہ لڑکیاں تھیں اور اُن کے جنگی قیدی۔ جنگی قیدیوں کو مویشی بنا لیا گیا تھا۔ انہیں کھانے کو کم دیا جاتا اور مشقت زیادہ لی جاتی۔ جن کاموں میں پہلے گھوڑے اور اونٹ استعمال ہوتے تھے ان میں اب جنگی قیدی استعمال ہونے لگے۔ اُن کے ہاتھوں مسجدیں مسمار کرائی گئیں۔ جنہوں نے انکار کیا انہیں بے دردی سے قتل کیا گیا۔ کسی وحشی صلیبی نے ایک جنگی قیدی کو قتل کر کے اس کے جسم کا گوشت کاٹا اور پکا کر کھا گیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گوشت لذیذ ہے۔ اس کے بعد صلیبیوں نے انسان خوری (بلکہ مسلمان خوری) شروع کر دی۔ جب کبھی کوئی جشن یا تقریب مناتے ایک دو تندرست اور توانا مسلمانوں کو قتل کر کے ان کا گوشت کھاتے تھے۔

اس کی تردید عیسائی مؤرخین نے کی ہے لیکن انسان خوری کے واقعات خود یورپین مؤرخوں نے ہی اپنی تحریروں میں بیان کیے ہیں۔

مسجدوں کو حرام کاری کے لیے استعمال کرنے کے علاوہ صلیبیوں نے اِن میں گھوڑے باندھے۔ مسجدِ اقصیٰ میں مختلف مسلمان سلاطین اور دیگر دولت مند زائرین نے سونے اور چاندی کے فانوس اور قندیلیں لگوائی تھیں۔ تحفے کے طور پر سونے اور چاندی کی کئی ایک اشیاء رکھی تھیں۔ صلیبیوں نے یہ تمام فانوس، قندیلیں اور بیش قیمت اشیاء اٹھا لیں اور مسجد کی منڈیر پر صلیب نصب کر دی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کو بیت المقدس کی بے حرمتی اور وہاں کے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کی یہ روئیداد اُس کے باپ نجم الدین ایوب نے بچپن سے سنانی شروع کر دی تھی۔ نجم الدین ایوب کو یہ روئیداد اس کے باپ (سلطان ایوبی کے دادا) شادی نے سنائی تھی۔ یہ روئیداد سلطان ایوبی کے خون میں شامل ہو گئی تھی۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ بیت المقدس کو آزاد کرائے گا۔ اب جبکہ وہ اس مقدس شہر کو فتح کرنے نکلا تھا تو اُس کے دو بیٹے، الملک الافضل اور الملک الظاہر جوان تھے اور اس کی فوج میں تھے۔ بیت المقدس کے متعلق جو باتیں اُسے اپنے باپ نے سنائی تھیں وہ اس نے اپنے بیٹوں کو یوں سنا دی تھیں جیسے ایک قیمتی ورثہ اُن کے حوالے کیا ہو۔

بے مقصد جینے سے قبل از وقت مر جانا بہتر ہے۔" اُس نے اپنے بیٹوں کی جنگی تربیت مکمل کر کے انہیں اپنی فوج میں شامل کرتے وقت کہا تھا۔" یہ الفاظ تمہارے دادا مرحوم کے ہیں جو انہوں نے مجھے اُس وقت کہے تھے جب میں چچا شیرکوہ کے ساتھ صلیبیوں کے خلاف پہلی جنگ لڑنے کے لیے چلا تھا۔ انہوں نے کہا تھا، مجھے نظر آ رہا ہے کہ تم کسی جگہ کے حکمران بنو گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم سلطان بن جاؤ۔ یاد رکھو بیٹے! تم آج سے میرے بیٹے نہیں قوم کے بیٹے ہو۔ قرآن کا حکم ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرو۔ اب تمہارے ماں باپ قوم اور سلطنت ہے۔ اولاد کو ماں باپ پر حکم چلانے اور اُن کا دل دکھانے سے اللہ نے منع کیا ہے۔ خیال رکھنا دوست! قوم کا دل نہ دکھانا۔ دیکھنا کہ تم پر قوم کے کیا کیا حقوق ہیں۔ یہ ادا کرنا!...

"اور میرے عزیز بیٹو! تمہارے دادا نے کہا تھا کہ جو لوگ قوم کی آن پر اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں انہیں نہ بھولنا۔ جو قوم اپنے شہیدوں کو بھول جاتی ہے اُس قوم کو خدا بھول جاتا ہے۔ جس قوم سے خدا نظریں پھیر لیتا ہے! تم نہیں جانتے کہ یہ دنیا اُس کے لیے جہنم بن جاتی ہے۔ اُس کی عبادت گاہیں اصطبل اور اُس کی بیٹیاں دشمن کی عیاشی کا سامان بن جاتی ہیں۔ اُس قوم کی تقدیر اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے... جب تمہیں حکومت کی مسند پر بٹھایا جائے گا تو قوم کو رعایا نہ سمجھنا۔ بندوں پر حکومت کا حق صرف اللہ کا ہے، بندوں پر حکومت کر کے اللہ کی برابری کا گناہ کرو گے تو انجام مصر کے فرعونوں والا ہوگا۔ حکومت کا مطلب وہ ذمہ داری ہوتی ہے جو قوم کی طرف سے اللہ اُس کے حکمران پر عائد کرتا ہے۔ حکمران کی اپنی کوئی ذات نہیں رہتی۔ وہ فرد کی حیثیت سے مر جاتا ہے۔ وہ قوم کا امین اور قوم کا حصہ بن جاتا ہے۔ قوم کو فاقے کرنے پڑیں تو حکمران کو اپنا پیٹ نہیں بھرنا چاہیے۔ وہ اپنے منہ میں نوالہ ڈالے تو اُسے یقین کر لینا چاہیے کہ قوم کے ہر فرد کے منہ میں ایسا ہی نوالہ جا رہا ہے۔ وہ جب گھوڑے پر سوار ہو تو دیکھے کہ اُس کی گردن مسجد کے مینار کی طرح اکڑ کر سیدھی تو نہیں ہو گئی؟...

"اور میرے عزیز بیٹو! تمہارے دادا نے کہا تھا کہ گردن اُس روز اونچی کرنا جس روز مسجدِ اقصیٰ کو کفار سے آزاد کرا لو گے۔ اطمینان کی نیند اُس رات سونا جس رات مسجدِ اقصیٰ میں فتح کے نفل پڑھ لو گے اور اس مسجد کی دہلیز جہاں سے ہمارے رسولؐ معراج کے لیے اللہ کے حضور گئے تھے، اپنے آنسوؤں سے دھو دو گے ... اور میرے بیٹو! وہ بچے جو بیت المقدس کی گلیوں اور مسجدوں میں قتل ہوئے تھے اور قوم کی وہ بیٹیاں جو وہاں بے آبرو ہوئی تھیں، مجھے راتوں کو سونے نہیں دیتیں۔ جس مسجد میں میرے اللہ کے رسولؐ کے مبارک قدم گئے اور جس مسجد میں رسولِ پاکؐ کی مبارک جبیں نے سجدے کیے تھے، اس مسجد کی اینٹیں رات بھر میرے اوپر گرتی رہتی ہیں۔ میں بلک بلک جاتا ہوں۔ کبھی درد سے کراہتی ہوئی ایسی صدائیں سنائی دیتی ہیں جیسے مسجدِ اقصیٰ میں قتل ہونے والے بچے بزبانِ گریہ اذانیں دے رہے ہوں ... وہ تمہیں پکار رہے ہیں میرے بیٹو! وہ مجھے پکار رہے ہیں...

"اور تمہارے دادا نے بڑھاپے سے کانپتے ہوئے ہاتھ مجھے دکھا کر کہا تھا کہ میں نے اپنی جوانی تمہیں دے دی ہے۔ جو کام میں نہیں کر سکا وہ تم کرو۔ بیت المقدس جاؤ اور یہی تمہارے جینے کا مقصد ہوگا۔ سلطنت کی مسند پر بیٹھ کر اپنے دشمن کو اس لیے نظر انداز کیے رکھو گے کہ اطمینان سے قوم پر حکومت کر سکو تو اس مسند کی عمر طویل نہیں ہو گی۔ شہیدوں کی روحیں جنات بن کر تمہاری مسند کو اُلٹ دیں گی۔ جینے کا مقصد رکھو جو خدا کو عزیز ہو اور جس میں قرآن کا حکم شامل ہو....

"میرے عزیز بیٹو! آج میں اپنے باپ کا ورثہ تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ آج سے تم میرے نہیں ملتِ اسلامیہ کے بیٹے ہو۔ میں نے تمہاری ماں سے کہہ دیا کہ بھول جا تیری کوکھ نے کوئی بیٹے جنے تھے۔ اگر انہیں بھول سکی تو ان کی زندگی کی دعا نہ کرنا۔ میں انہیں وہاں ذبح کرانے لے جا رہا ہوں جہاں ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ قربان کرنے کے لیے اس کی گردن پر چھری رکھی تھی۔ اگر دعا کرنی ہے تو اللہ سے یہ التجا کر کہ تو نے جو دودھ ان بچوں کو پلایا ہے یہ نُور سے سُرخ خون بن کر مسجدِ اقصیٰ کا فرش دھو ڈالے ... اور اللہ کرے گا ایسا ہی ہوگا۔ عہد کرو میرے بیٹو! میں زندہ نہ رہا تو بیت المقدس کو تم آزاد کراؤ گے۔"

اُس نے دونوں بیٹوں کو ۱۰۹۹ء کی خونچکاں داستان سنائی اور جب اُس نے بیٹوں کو جانے کی اجازت دی تو انہوں نے سلطان ایوبی کو اُس طرح سلام نہ کیا جس طرح بیٹے اپنے باپ کو کیا کرتے ہیں۔ وہ اُٹھے اور الافضل جو بڑا تھا، بولا — "سلطانِ عالی مقام! صرف شہید ہونا کوئی کارنامہ نہیں۔ ہم شہادت سے پہلے بیت المقدس کی گلیوں میں دشمنوں کا اتنا خون بہائیں گے کہ آپ کے گھوڑے کے پاؤں پھسلیں گے اور ہم دیکھیں گے کہ آپ مسجدِ اقصیٰ سے صلیب اپنے ہاتھوں اُتار کر صلیبیوں کے غلیظ خون میں پھینک رہے ہیں۔"

"مگر یہ خون نہتے شہریوں کا نہیں ہوگا الافضل" — سلطان ایوبی نے کہا۔

"یہ خون زرہ پوش صلیبیوں کا ہوگا" — الافضل نے کہا — "یہ خون اس لوہے سے ٹپکے گا جس سے صلیبیوں نے اپنے جسم ڈھانپ رکھے ہیں۔ ایمان کی تلوار باطل کے فولاد کو کاٹنے کی طاقت رکھتی ہے۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے" — سلطان ایوبی نے کہا۔

بیٹوں نے فوجی انداز سے باپ کو سلام کیا اور باہر نکل گئے۔

☆

اب سلطان ایوبی بیت المقدس سے چالیس میل دُور بحیرۂ روم کے کنارے عسقلان میں اُس چیتے کی طرح بیٹھا تھا جو اپنے شکار پر جھپٹنے کے لیے تیار ہو۔ جذباتی طور پر وہ فوراً بیت المقدس کی طرف پیشقدمی کرنے کو تیار تھا۔ لیکن وہ جنگ کے حقائق کو دیکھ رہا تھا۔ یہ چالیس میل کا فاصلہ تو جیسے آتش فشاں چٹانوں سے بھرا پڑا تھا۔ بیت المقدس کا دفاع ہی ایسا تھا۔ صرف شہر کے اردگرد ہی دیوار نہیں تھی بلکہ اس شہر کے اردگرد دُور دُور تک کے علاقے میں چھوٹی چھوٹی قلعہ بندیاں اور صلیبی فوج کی چوکیاں (آؤٹ پوسٹیں) تھیں۔ گشتی پہرے کا انتظام بھی تھا۔ گھوڑ سوار پارٹیاں اُن راستوں پر گھومتی پھرتی رہتی تھیں جن سے بیت المقدس تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اب یہ دفاعی انتظامات پہلے سے زیادہ سخت کر دیئے گئے تھے۔ بیت المقدس کے اندر جو فوج تھی اس کے جرنیلوں کو سلطان ایوبی کی ہر ایک نقل و حرکت کا علم تھا مگر اُن میں اب اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ سلطان

ایّوبی کو عسقلان میں روک لیتے یا اُس پر جوابی حملہ کرتے۔ حطین سے عسقلان تک سلطان ایوبی نے اُن کی عسکری قوت کا بہت زیادہ خون نکال لیا تھا۔

بیت المقدس کا حکمران گائی آف لوزینان تھا جو حطین میں جنگی قیدی ہو گیا اور اب دمشق کے قید خانے میں تھا۔ وہ جو فوج اپنے ساتھ لے گیا تھا اس کا کچھ حصہ مارا گیا۔ کچھ جنگی قیدی ہُوا اور باقی فوج ایسی بھاگی کہ اب اُس کے افسر، سپاہی اور زرہ پوش نائٹ زخمی یا خوفزدگی کی حالت میں بیت المقدس میں آ رہے تھے۔ نائٹوں کے مورال میں کچھ جان تھی کیونکہ انہیں اپنے رتبے اور اعزاز کا پاس تھا۔ دیگر فوج نے شہر میں جا کر دہشت پھیلا دی۔ جرنیلوں نے نائٹوں کو از سرِ نو منظم کر لیا۔ اس طرح بیت المقدس کے اندر کی تعداد ساٹھ ہزار ہو گئی تھی۔ چونکہ یہ تمام آبادی کو معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی شہر پر شہر فتح کرتا آ رہا ہے اس لیے شہری بھی لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شہر کے دفاع کو اور زیادہ مستحکم کر لیا گیا۔

شہر کے ایک دو دروازوں کو دن کے دوران کُھلا رکھنا پڑتا تھا کیونکہ میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے صلیبی اکیلے اکیلے اور دو دو چار چار کی ٹولیوں میں آتے رہتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوس پہلے ہی شہر میں موجود تھے، اب بھاگے ہوئے صلیبیوں کے بھیس میں چند اور جاسوس اندر چلے گئے اور شہر کے دفاعی انتظامات اور دیوار کو اچھی طرح دیکھ کر نکل بھی آئے۔ مسلمانوں پر پابندیاں پہلے سے زیادہ سخت کر دی گئیں۔

☆

بیت المقدس سے دس بارہ میل عسقلان کی طرف صلیبیوں کی ایک چوکی تھی جس میں ایک سَو کے قریب صلیبی فوجی رہتے تھے انہوں نے خیمے نصب کر رکھے تھے۔ ستمبر ۱۱۰ء کی ایک رات اُن کی چوکی کے قریب ایک دھماکا سا ہُوا، پھر دو تین اور ایسے ہی دھماکے ہوئے۔ اُن کے فوراً بعد شعلے اٹھے اور تین چار خیمے جلنے لگے۔ سپاہی جاگ کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ جونہی فوجیوں میں ہلچل مچی، اُن پر ہر طرف سے تیر آنے لگے۔ جلتے خیموں کی روشنی میں وہ نظر آ رہے تھے۔ یہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کے ایک چھاپہ مار جیش نے چھوٹی منجنیق سے پھینکی تھیں۔ یہ چوکی میں گر کر ٹوٹیں تو جہاں یہ گری تھیں وہاں جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے گئے۔ آتش گیر سیال جل اُٹھا۔

صلیبی اِدھر اُدھر بھاگے تو انہیں پتہ چلا کہ وہ گھیرے میں آئے ہوئے ہیں اور زندہ نکل نہیں سکیں گے۔ چھاپہ ماروں نے للکارنا شروع کر دیا۔ "زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال کر ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔" شعلوں کی دہشت اور تباہ کاری تو اپنی جگہ تھی، سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی للکار نے صلیبیوں کا رہا سہا دم خم بھی ختم کر دیا۔ وہ ہتھیار ڈال کر چھاپہ ماروں کی حراست میں آ گئے۔ اُن کی تعداد پچیس تیس رہ گئی تھی۔ اُن سے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ لے کر پیچھے بھیج دیا گیا۔

صبح طلوع ہوئی تو اس جلی ہوئی چوکی میں سلطان ایوبی کے ہراول دستے کا ایک جیش پہنچ چکا تھا۔ اس سے فوج کی پیش قدمی خاصے دُور علاقے تک محفوظ ہو گئی۔ چھاپہ ماروں کی حالت جنگل کے درندوں کی

سی ہو گئی تھی۔ دو دو جانباز جھاڑیوں، ٹیکریوں اور چٹانوں میں چھپ چھپ کر گھومتے پھرتے رہتے تھے جہاں انہیں گشتی سواروں یا پیادہ سپاہیوں کی آواز آتی وہ چھپ جاتے اور جب صلیبی قریب آتے یہ اُن پر ٹوٹ پڑتے۔ دو آدمی اگر چھ آدمیوں پر ٹوٹ پڑیں تو دو کا کیا حشر ہوتا ہو گا۔ اس سے چھاپہ مار شہید بھی ہو رہے تھے زخمی بھی۔

یہ اُن کی انفرادی جنگ تھی۔ انہیں کوئی کمانڈ نہیں کر رہا تھا۔ وہ کہیں اِدھر اُدھر چھپے رہتے تو کوئی پوچھنے والا نہیں تھا لیکن جسمانی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ انہیں جو روحانی اور ذہنی ٹریننگ دی گئی تھی اس نے انہیں آگ بگولا کر رکھا تھا۔ حطین کی فتح کے بعد سلطان ایوبی نے جو بڑے شہر فتح کیے تھے وہاں کے مسلمانوں کی حالت فوج کو دکھائی گئی تھی۔ انہیں مسجدوں کی بربادی اور بے حرمتی دکھائی گئی تھی اور انہیں بتایا گیا تھا کہ یہ جنگ کسی بادشاہ کی بادشاہی کے تحفظ کے لیے نہیں لڑی جا رہی بلکہ یہ اسلام کے تحفظ اور اس عظیم مذہب کے دشمن کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔ اس ٹریننگ سے یہ جنگ اُن کے ایمان کا جزو بن گئی تھی۔

عسقلان میں سلطان ایوبی رات کو سوتا بھی کم ہی تھا۔ چھاپہ ماروں کی طرف سے قاصد آتے رہتے تھے اور بیت المقدس سے کوئی جاسوس بھی آ جاتا تھا۔ یہ رات کو بھی آتے تھے۔ سلطان ایوبی نے حکم دے رکھا تھا کہ کہیں سے کوئی پیغام کسی بھی وقت آئے اُسے اسی وقت دیا جائے خواہ وہ گہری نیند سو رہا ہو۔ چھاپہ ماروں کی رپورٹیں یہی ہوتی تھیں کہ فلاں مقام پر صلیبیوں کی ایک چوکی پر حملہ کیا گیا۔ اتنے صلیبی مارے گئے اور اتنے چھاپہ مار شہید اور زخمی ہوئے ہیں اور فلاں راستہ صاف کر لیا گیا ہے۔ اس کے مطابق سلطان ایوبی نقشے پر پیش قدمی کے راستے کی لکیر میں رد و بدل کرتا رہتا تھا۔

☆

سلطان ایوبی نے سالاروں اور نائب سالاروں کی آخری کانفرنس منعقد کی۔ اس میں بحریہ کے کپتان الفارس بیدرون کو بھی بلایا گیا۔ الفارس کے پاس جب قاصد پہنچا اُس وقت اس کا جہاز عسقلان سے بیس میل دُور کھلے سمندر میں تھا۔ کشتی اُس تک پہنچتے آدھا دن لگ گیا اور الفارس اسی کشتی میں رات کو عسقلان پہنچا۔ قاصد نے اُسے بتایا تھا کہ سلطان نے تمام سالاروں کو بلایا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بیت المقدس پر حملے کے متعلق اجلاس ہو گا۔ جہاز سے قاصد کے ساتھ روانہ ہوتے وقت اس نے دونوں لڑکیوں کو بتایا کہ وہ عسقلان جا رہا ہے۔

"سلطان نے بلایا ہے؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔

"کیوں بلایا ہے؟" دوسری نے پوچھا۔

"میرے سرکاری فرائض کے متعلق تم پوچھنا کیوں ضروری سمجھتی ہو؟" الفارس نے انہیں کہا۔ "تمہیں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میری ذات کے سوا کچھ اور نہ پوچھا کرو۔"

دونوں ہنس پڑیں۔ ایک بولی۔ "اگر ہم اس قابل ہوتیں تو آپ کی غیر حاضری میں آپ کے جہاز کو سنبھالے رکھتیں اور دشمن کے جہاز آجاتے تو اُن سے لڑائی کرتیں۔"

"تم جس قابل ہو میں تم سے وہی کام لوں گا۔" الفارس نے کہا۔ "میری غیر حاضری میں زیادہ وقت نیچے ہی گزارنا۔ اوپر جا کر ملاحوں اور سپاہیوں کے کام میں دخل نہ دینا۔"

"آپ کب واپس آئیں گے؟"

"آج رات شاید نہ آسکوں۔" الفارس نے جواب دیا۔ "کل شام تک آسکوں گا۔"

الفارس لڑکیوں میں پوری طرح گھل مل گیا تھا۔ وہ اُس سے سلطان ایوبی کے آئندہ اقدامات کے متعلق اکثر پوچھتی تھیں۔ یہ بھی پوچھا کرتیں کہ بحیرۂ روم میں مصر اور شام کا بحری بیڑہ بندرگاہوں میں ہے یا سمندر میں اور کل کتنے جہاز ہیں، ان میں فوج کتنی ہے۔ الفارس نے انہیں ٹالنے کی بجائے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے ایسے سوال نہ پوچھا کریں۔ اس کے باوجود وہ اپنے حسن اور ناز و ادا کا طلسم طاری کر کے اُس سے کوئی ایسی بات پوچھ بیٹھتیں تھیں جو فوجی راز ہوتا تھا۔ الفارس جذباتی مدہوشی سے فوراً بیدار ہو جاتا اور انہیں پیار سے ڈانٹ دیا کرتا تھا۔

نشے کی حالت میں انسان دل میں چھپائی ہوئی بات اُگل دیا کرتا ہے۔ نشہ خواہ شراب کا ہو یا کسی دوائی کا مگر الفارس شراب نہیں پیتا تھا، نہ جہاز میں کسی کو شراب یا کوئی اور نشہ آور چیز رکھنے کی اجازت تھی۔ الفارس بدکار بھی نہیں تھا مگر وہ اپنے آپ پر ان لڑکیوں کا نشہ طاری کر لیا کرتا تھا جس سے اُس کی تھکن دور ہو جاتی اور وہ تازہ دم ہو جایا کرتا تھا۔ یہ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ الفارس میں نہ شراب کی عادت ہے نہ اُس کے جذبات سفلی اور حیوانی ہیں تو انہوں نے اس پر پیار اور محبت کا نشہ طاری کرنا شروع کر دیا تھا، مگر الفارس اپنے فرائض اور ذمہ داری کا اتنا پکا تھا کہ جذبات پر مدہوشی طاری ہوتی تو بھی اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرتا تھا۔

☆

ایک رات الفارس گہری نیند سویا ہوا تھا۔ لڑکیاں اپنے کیبن میں تھیں۔ دونوں اوپر چلی گئیں اور عرشے کے جنگلے کے سہارے سمندر پر چاندنی کے بکھرے اور چمکتے ہوئے موتیوں سے لطف اٹھانے لگیں۔

"روزی!" ایک لڑکی نے دوسری سے کہا۔ "مجھے اپنے سامنے گہرا اندھیرا نظر آتا ہے۔ الفارس لگتا موم ہے لیکن کوئی ایسی ویسی بات پوچھو تو پتھر بن جاتا ہے۔ میرا خیال ہے ہم اپنا یہاں کام نہیں کر سکیں گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اینڈریو آئے تو اُسے کہیں کہ ممکن ہو تو ہمیں یہاں سے لے جائے؟"

اینڈریو وہ آدمی تھا جو چھوٹی سی کشتی جہازوں کے قریب لے جا کر کھانے پینے اور ضروریات کی اشیاء جہاز کے ملاحوں اور سپاہیوں کے ہاتھ بیچتا تھا۔ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہے کہ یہ آدمی ان لڑکیوں کو اتفاق سے ملا تھا۔ وہ غریب ماہی گیروں کے بہروپ میں اپنی کشتی پر الفارس کے جہاز کے قریب چیزیں بیچنے آیا تھا۔ اس نے لڑکیوں کو اور لڑکیوں نے اُسے پہچان لیا تھا اور انہوں نے رسّیوں کی سیڑھی نیچے کروا کے اُسے چیزیں

خریدنے کے بہانے اوپر بلا لیا تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو بتایا تھا کہ وہ الفارس سے ان چھ جہازوں کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہے اور وہ موقع ملتے ہی ان جہازوں کو تباہ کروا دے گا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ کس طرح الفارس سے ملی تھیں اور انہوں نے خانہ بدوش بن کر اس جہاز میں پناہ لے لی ہے۔ لڑکیوں نے اُسے یہ بھی بتایا کہ وہ پناہ کے بہانے جاسوسی اور تباہ کاری کریں گی۔

اس آدمی کا نام اینڈریو تھا اور وہ تخریب کار جاسوس تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد وہ دوبارہ اپنے بہروپ میں آیا اور لڑکیوں سے ملا تھا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ الفارس اُن کے جال میں نہیں آ رہا اور وہ کوئی راز نہیں دیتا۔ اینڈریو یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ جہاز کب تک اس ڈیوٹی پر رہیں گے اور یہ ٹائر کی طرف جائیں گے یا نہیں۔ اس نے لڑکیوں سے کہا تھا۔ "معلوم ہوتا ہے تم اپنا فن بھول گئی ہو۔ اس جہاز میں اکیلا الفارس نہیں۔ اُس کا نائب بھی ہے اور اُس کے نیچے ایک افسر اور بھی ہے۔ ان میں سے کسی کو گانٹھ لو۔ ان میں رقابت پیدا کر دو۔ الفارس کے نائب کو اس کا دشمن بنا دو۔ اپنا جادو چلاؤ۔ تم کیا نہیں جانتیں؟ سب جانتی ہو۔"

اُس رات ایک لڑکی دوسری سے مایوس ہو کر کہہ رہی تھی کہ روزی، اینڈریو آئے تو اُسے کہتی ہیں کہ ہمیں یہاں سے نکال لے جائے۔

"سنو فلوری!" روزی نے اُسے جواب دیا۔ "اینڈریو ہمیں یہاں سے نکال نہیں سکے گا۔ یہ جنگی جہاز ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ رات کو عرشے پر، بلکہ وہ اوپر دیکھو، مستول پر مچان بنائے ایک بحری سپاہی کھڑا ہے۔ فرار کی کوشش میں ہمارے ساتھ اینڈریو کے پکڑے جانے کا بھی امکان ہے۔ ہمیں اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

"دوسرا حربہ استعمال کریں؟" فلوری نے پوچھا۔

"کرنا پڑے گا۔" روزی نے کہا۔ "الفارس کا نائب کپتان تو پہلے ہی ہمیں بھوکی نظروں سے دیکھتا اور مسکراتا رہتا ہے۔ یہ لوگ بڑے لمبے عرصے سے سمندر میں ہیں۔ ان کے سروں پر موت منڈلاتی رہتی ہے۔ خدا نے مرد میں عورت کی جو کمزوری پیدا کی ہے وہ اسی کیفیت میں اُبھرتی ہے۔ اشارے کی دیر ہے۔ یہ بتا دو کہ یہ کام میں کروں یا تم کرو گی۔ تمہیں مجھ سے زیادہ تجربہ حاصل ہے۔"

"میں ہی کر لیتی ہوں۔" فلوری نے کہا۔

"لیکن اس کام کے اصول یاد رکھنا۔" روزی نے کہا۔ "راز لے لینا لیکن اس کی قیمت صرف دکھا دینا۔ ادا نہ کرنا۔ اس شخص میں اتنی تشنگی بلکہ دیوانگی پیدا کرنا کہ یہ شخص تمہیں یا الفارس کو قتل کرنے کی باتیں کرنے لگے۔"

الفارس کا نائب رؤف کرد تھا۔ وہ ان لڑکیوں کو دیکھتا اور مسکراتا رہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ الفارس کی بیویاں یا داشتہ نہیں اور یہ خانہ بدوش ہیں جنہیں الفارس نے اپنے جہاز میں پناہ دی ہے۔ رؤف کرد کے دل میں لڑکیوں نے ہلچل بپا کر دی تھی۔ اُس رات جب یہ لڑکیاں عرشے پر جنگلے کا سہارا

یہ باتیں کر رہی تھیں، رؤف اپنی ڈیوٹی پر کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ الفارس سلطان ایوبی کے بلاوے پر جا چکا تھا۔ اب جہاز رؤف کرد کی تحویل میں تھا۔

فلوری عرشے کے جنگلے کے ساتھ کھڑی رہی۔ روزی ٹہلنے کے انداز سے وہاں سے چل پڑی اور رؤف کرد کے قریب سے گزرتے مسکرائی۔ رؤف کرد نے اُسے اپنے پاس بلا لیا اور رسمی سی باتیں کیں۔ روزی چلنے لگی تو رؤف کرد نے اُسے رُکنے کو کہا۔

"میں آپ کے پاس رُکی رہی تو وہ (فلوری) ناراض ہوگی۔" روزی نے کہا۔

"ناراض کیوں ہوگی؟"

"اپنے اپنے دل کی بات ہے۔" روزی نے کہا۔ "ایک روز الفارس نیچے سو رہے تھے اور میں اوپر آپ کے پاس کھڑی تھی تو اس (فلوری) نے دیکھ لیا۔ بعد میں کہنے لگی — 'میری ملکیت پر قبضہ نہ کرو۔ رؤف میرا ہے۔ جب ہم مصر جائیں گے تو میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی' — یہ الفارس کو پسند نہیں کرتی اور اس ڈر سے آپ کے قریب نہیں آتی کہ الفارس ناراض ہوگا۔"

رؤف کرد کے جذبات میں زلزلے بپا ہو گئے۔ مردانہ فطرت کی کمزوری نے اُس سے ہتھیار ڈلوا لیے۔ اُس نے فلوری اور روزی سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں بھی دیکھی تھیں لیکن اُن کے حسن اور ڈیل ڈول میں جو زہر، جو کشش تھی وہ اس نے کسی لڑکی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اب اُسے یہ پتہ چلا کہ ان میں سے ایک اُسے چاہتی ہے تو اس کا دماغ جذبات کے بجائے اُس راستے پر چلنے لگا جس پر مرد جاتے نظر آتے ہیں، واپس آتے دکھائی نہیں دیتے۔ روزی اُسے طلسم ہوشربا میں چھوڑ کر چلی گئی۔ اُس نے اپنے کیبن میں اُترنے والی سیڑھیاں پر پاؤں رکھ کر پیچھے دیکھا۔ رؤف کرد آہستہ آہستہ فلوری کی طرف جا رہا تھا۔

"آج رات سوؤ گی نہیں جوانتی؟" رؤف کرد نے فلوری کا وہ نام لیا جو اُس نے الفارس کو بتایا تھا۔ روزی نے اپنا نام ازمیر بتایا تھا۔ خانہ بدوشوں کے نام اسی قسم کے ہوا کرتے تھے۔

رؤف کرد کو اپنے قریب کھڑا دیکھ کر وہ ٹریننگ کے مطابق ایسے انداز سے شرمائی اور مسکرائی کہ اِس انداز سے کنواری دُلہن بھی نہ شرمائی ہوگی۔ رؤف کرد نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو فلوری مسکرا گئی۔

"ازمیر نے مجھے تمہارے متعلق کچھ بتایا ہے۔" رؤف کرد نے کہا۔ "کیا یہ سچ ہے؟"

فلوری نے اُس کی طرف دیکھا اور فوراً گردن گھما کر سمندر کی طرف دیکھنے لگی۔ رؤف کرد نے اپنا سوال دہرایا اور فلوری کے اس ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا جو جنگلے پر رکھا تھا۔ فلوری نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اُٹھا کر کے انگلیاں رؤف کرد کی انگلیوں میں اُلجھا دیں۔۔۔ تھوڑی ہی دیر بعد فلوری اُس جگہ رؤف کرد کے ساتھ بیٹھی تھی، جہاں اُس کی ڈیوٹی تھی۔ جہاز نے لنگر ڈال رکھے تھے۔ دو تین چار کشتیاں سمندر پر تیر رہی تھیں۔ یہ الفارس کے جہاز تھے جو گشت کر رہے تھے۔

آدھی رات کو رؤف کرد کی جگہ اُس کے ایک ماتحت افسر کو ڈیوٹی پر آنا تھا۔ رؤف کرد نے فلوری سے کہا کہ وہ اس کے کیبن میں چلے اور وہ آتا ہے۔ فلوری چلی گئی۔

جہاز کے عرشے سے صبح کی اذان کی آواز آئی تو فلوری رؤف کرد کے کیبن سے نکلی۔ اُس نے الفارس کے اس نائب کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ اُسے دل و جان سے چاہتی ہے اور الفارس کو وہ خاوند کی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کرے گی۔ اُس نے رؤف کرد سے یہ بھی کہا۔ "الفارس مجھے کہتا تھا کہ رؤف کے ساتھ بات نہ کرنا، بہت بُرا آدمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بہت بُرا آدمی ہے۔ اس نے ہمیں پناہ تو دی ہے لیکن ہماری مجبوری سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگر ہم اتنی مجبور نہ ہوتیں تو اتنی زیادہ قیمت کبھی نہ دیتیں۔"

رؤف کرد کے دل میں اپنی محبت کا دھوکہ اور الفارس کی دشمنی پیدا کر کے وہ اس کے کیبن سے نکل آئی اور جو باتیں اُسے الفارس نے کبھی نہیں بتائی تھیں وہ رؤف کرد نے اُسے بتا دیں۔

اُس رات سلطان ایوبی سویا نہیں۔ رات اجلاس میں گزر گئی۔ وہ ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا جس سے بیت المقدس کا محاصرہ ناکام ہو جائے۔ اس نے سالاروں وغیرہ کو بیت المقدس تک پہنچنے کا راستہ نقشے پر دکھایا۔ اُس نے نقشے پر اُن جگہوں پر نشان لگا رکھے تھے جہاں کچھ دن پہلے صلیبیوں کی چوکیاں تھیں اور اب وہاں اپنے چھاپہ مار تھے یا سواروں کی تھوڑی تھوڑی نفری تھی یا وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ راستہ صاف تھا۔ ایسی جگہوں پر بھی اُس نے نشان لگا رکھے تھے جہاں صلیبیوں کی قلعہ بندیوں کی ساخت کی چوکیاں ابھی موجود تھیں اور اُن میں نفری کچھ زیادہ تھی۔ سلطان ایوبی نے سب کو بتایا کہ اس نے اُن پر قبضہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی کیونکہ وہ اپنی جنگی طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا علاج اس نے یہ بتایا کہ یہ سب چوکیاں بلندیوں پر ہیں اس لیے انہیں نظر انداز کر کے ذرا سا دُور سے گزرنا ہے۔ ان میں جو فوج ہے وہ ان میں بیٹھی رہے۔ یہ تھوڑی تھوڑی نفری باہر آ کر ہمارا راستہ روکنے کی جرأت نہیں کرے گی۔

"لیکن وہ دُور سے ہمیں دیکھ کر ان میں سے قاصد بیت المقدس جا خبر دیں گے۔" ایک سالار نے کہا۔ "پھر ہم بیت المقدس والوں کو بے خبری میں نہیں لے سکیں گے۔"

"بے خبری میں جا لینے کی اُمید دل سے نکال دو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "صلیبیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم بیت المقدس جا رہے ہیں۔ ان کا انداز بتاتا ہے کہ وہ بیت المقدس کے راستے میں ہمارے مقابلے میں نہیں آئیں گے۔ ایک تو شہر میں پہلی فوج ہے جو کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئی۔ یہ شہر کے دفاع کے لیے محفوظ اور تیار رکھی گئی ہے۔ وہاں سے جاسوس اطلاع لائے ہیں کہ یہ فوج دن رات محاصرے میں لڑنے اور محاصرہ توڑنے کی مشق کرتی رہتی ہیں۔ اس میں اضافہ یوں ہُوا ہے کہ ہم نے جو مقامات فتح کئے ہیں وہاں کی بھاگی ہوئی فوج بھی بیت المقدس چلی گئی ہے۔ اس میں زرہ پوش نائٹ بھی ہیں۔ ہمارے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ محاصرے کے دوران یہ نائٹ دروازوں سے باہر آ کر حملے کریں گے اور ہر حملے کے بعد شہر میں چلے جائیں گے۔ انہوں نے یہ طریقہ ہم سے سیکھا ہے۔ چھاپہ مارو اور غائب ہو جاؤ۔ لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ تم دشمن کو بے خبری میں جا لو گے۔ دشمن تمہارے انتظار میں تیار کھڑا ہے۔ پھر بھی میں نے انتظام کر رکھا ہے کہ صلیبیوں کی کسی چوکی سے کوئی قاصد

بیت المقدس نہ پہنچ سکے۔ بیت المقدس اور اُن کی چوکیوں کے درمیان ہمارے چھاپہ مار موجود ہیں۔ کسی کو زندہ نہیں جانے دیں گے.....

"فوج کی تعداد کے متعلق جاسوس مختلف اطلاعیں لاتے ہیں۔ اِن سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ بیت المقدس کے اندر صلیبیوں کی باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار سے کچھ زیادہ ہو سکتی ہے کم نہیں ہوگی۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ وہاں مسلمان قید اور نظربندی میں ہیں اس لیے وہ اندر سے ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ اس کے مقابلے میں عیسائی شہری اپنی فوج کے دوش بدوش محاصرے میں بے جگری سے لڑیں گے۔ عیسائیوں نے اپنے بچوں کو بھی تیر اندازی کی تربیت دے رکھی ہے۔ شہر کی دیواروں کے اوپر سے ہم پر تیر صحیح معنوں میں موسلا دھار بارش کی طرح آئیں گے۔ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ صلیبی تیر پھینکنے کے لیے ایک نئی کمان لائے ہیں جس کی شکل صلیب کی سی ہے۔ اس سے تیر دُور بھی جاتا ہے اور نشانہ بھی صحیح ہوتا ہے۔"

سلطان ایوبی نے نقشے پر حاضرین کو تمام جگہیں اور راستے وغیرہ دکھائے پھر محاصرے کے متعلق ہدایات دیں اور سب سے پوچھا کہ یہ آخری اجلاس ہے اس لیے کسی کے ذہن میں کوئی ذرا سا بھی شک ہو تو وہ رفع کر لے اور کوئی سوال خواہ وہ کتنا ہی بے معنی کیوں نہ ہو پوچھ لے۔ قاضی بہاؤالدین شداد جو اس تاریخی جنگی مہم میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا، اپنی ڈائری، "سلطان یوسف پر کیا افتاد پڑی" میں لکھتا ہے ۔۔۔ "سلطان ایوبی نے (اس آخری اجلاس میں) رسول اکرم صلعم کی یہ حدیث سنائی ۔۔۔ جس کے لیے کامیابی کا دروازہ کُھل جاتا ہے اُسے فوراً داخل ہو جانا چاہیے، معلوم نہیں یہ دروازہ کب بند ہو جائے۔ سلطان ایوبی بہت تیزی سے مقبوضہ علاقے اور قلعے فتح کرتا آ رہا ہے اس لیے وہ بیت المقدس پر یلغار کو التوا میں ڈالنے کے سخت خلاف تھا۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "خدا نے ہماری کامیابی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ بند ہونے سے پہلے اس میں داخل ہو جاؤ۔"

"میرے رفیقو!" اُس نے نقشہ الگ رکھتے ہوئے کہا ۔۔۔ "حطین کی جنگ سے پہلے میں نے تمہیں ایک دو باتیں کہی تھیں، انہیں دہرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد ہم باتیں نہیں کر سکیں گے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ہم ایک دوسرے کو زندہ ملیں گے بھی یا نہیں۔ اس سے پہلے ہم نے صرف لڑائیاں لڑی ہیں۔ خانہ جنگی میں ایک دوسرے کا خون بہایا اور دشمن کو وقت اور مواقع فراہم کیا ہے کہ ہمارے علاقوں میں اپنے قلعے مضبوط اور بیت المقدس کا دفاع مستحکم کر لے۔ پھر ہم زمین دوز جنگ لڑتے رہے۔ صلیبی طلسماتی حُسن والی اور ناز و ادا اور چرب زبانی کی ماہر لڑکیاں ہمارے امیروں وزیروں، فوجی اور شہری حاکموں کے پاس بھیجتے رہے۔ صلیبیوں نے تخریب کاری اور سازش کے ماہرین ہماری صفوں میں داخل کیے۔ ان لڑکیوں اور ان آدمیوں نے جو تباہی مچائی اس سے تم میں سے کوئی بھی بے خبر نہیں۔ علی بن سفیان، غیاث بلبیس اور ان کے محکموں نے بڑی جانفشانی سے اس نظر نہ آنے والے محاذ پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ میرے ہاتھوں تجربہ کار حکام اور سالار غداری کے جُرم میں قتل ہوئے۔ بغاوتیں ہوئیں اور ہم نے دبائیں.....

"دشمن کا مقصد کیا تھا؟ ۔۔۔ نظریاتی تخریب کاری اور ہمارے مذہب اور ایمان کو کمزور کرنا اور ہماری

اُٹھتی ہوئی نسل کو ذہنی عیاشی کا عادی بنا دینا۔ دشمن نے ہمارے درمیان ایمان فروش پیدا کیے۔ دشمن کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے قبلۂ اوّل پر قابض رہے اور ہمارے ایمان فروش بھائیوں کی مدد سے مکہ معظمہ پر بھی قابض ہو جائے۔ تم بھولے نہیں ہو گے کہ پانچ سال گزرے جب میں شمالی علاقوں میں دشمن سے اُلجھا ہوا تھا، ریجنالڈ (شہزادہ ارناط) مدینہ منورہ سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا تھا۔ یہ میرے بھائی الملک العادل اور امیر البحر حسام الدین لولو کا کمال تھا کہ انہوں نے بروقت حرکت کی اور اس صلیبی کو پسپا کیا۔ میں نے اُسے اپنے ہاتھوں قتل کر کے انتقام لے لیا ہے.....

"دشمن کا مقصد ہمارے مذہب کے سرچشموں کو بند کرنا اور انہیں عیسائیت کا تیغ بنانا ہے۔ ہمارا مقصد دشمن کے مقصد اور عزائم کو تباہ کرنا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس جنگ کے اس پہلو کو سامنے رکھو۔ یہ ہماری نظریاتی جنگ ہے۔ مذہب تلوار کے زور سے پھیلا تھا یا نہیں لیکن مذہب کے تحفظ کے لیے میں تلوار کو ضروری سمجھتا ہوں۔ قوم نے تلوار سپاہی کے ہاتھ میں دی ہے اور قوم کی تاریخ نے نظریں ہم پر لگا دی ہیں۔ خدائے ذوالجلال کی نظریں بھی قوم کے سپاہی پر لگی ہوئی ہیں۔ خدا کے رسولؐ کی رُوحِ مبارک ہمیں دیکھ رہی ہے۔ ذرا غور کرو ہماری ذمہ داری کتنی مقدس اور ہمارا فرض کتنا عظیم ہے۔ اللہ کا سپاہی حکومت نہیں کرتا، اللہ کی حکومت کا تحفظ کیا کرتا ہے۔"

سلطان ایوبی نے جذباتی سی آہ لے کر کہا ۔۔۔ "آہ میرے رفیقو! سولہ ہجری کا ربیع الاوّل یاد کرو جب عمرو بن العاصؓ اور ان کے ساتھی سالاروں نے بیت المقدس کو کفار سے آزاد کرایا تھا۔ حضرت عمرؓ اُس وقت خلیفہ تھے۔ وہ بیت المقدس گئے۔ حضرت بلالؓ اُن کے ساتھ تھے۔ ان سب نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی تھی اور اُس نماز کی اذان بڑی مدت بعد حضرت بلالؓ نے دی تھی۔ حضرت بلالؓ رسول اکرم صلعم کی وفات کے بعد ایسے خاموش ہوئے تھے کہ لوگ اُن کی پُرسوز آواز کو ترس گئے تھے۔ انہوں نے اذان دینی چھوڑ دی تھی۔ لیکن مسجد اقصیٰ میں آ کر حضرت عمرؓ نے انہیں کہا کہ بلالؓ! مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کے در و دیوار نے بڑی لمبی مدت سے اذان نہیں سُنی۔ آزادی کی پہلی اذان تم نہ دو گے؟" ۔۔۔ حضور مقبول صلعم کی وفات کے بعد پہلی بار حضرت بلالؓ نے اذان دی اور جب انہوں نے کہا اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُولُ اللہ تو مسجد اقصیٰ میں سب کی دھاڑیں نکل گئی تھیں.....

"میرے عزیز دوستو! ہمارے دَور میں ایک بار پھر مسجد اقصیٰ اذان کو ترس رہی ہے۔ نوّے برسوں سے اس عظیم مسجد کے در و دیوار کسی مؤذن کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ یاد رکھو مسجد اقصیٰ کی اذانیں ساری دنیا میں سنائی دیتی ہیں۔ صلیبی ان اذانوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں..... اس مقدس مقصد کو سامنے رکھو۔ ہم کوئی عام سی جنگ لڑنے نہیں جا رہے، ہم اپنے خون سے تاریخ کا وہ باب پھر لکھنے جا رہے ہیں جو عمرو بن العاصؓ اور اُن کے ساتھیوں نے لکھا اور ان کے بعد آنے والوں نے اس درخشاں باب پر سیاہی پھیر دی تھی۔ اگر چاہتے ہو کہ خدا کے حضور ہاتھوں پر رُوشنی لے کر جاؤ اور اگر چاہتے ہو کہ آنے والی نسلیں تمہاری قبروں پر آ کر پھول چڑھایا کریں تو تمہیں بیت المقدس میں وہ منبر رکھنا ہوگا جو بیس سال گزرے نورالدین زنگی مرحوم و مغفور نے وہاں رکھنے کے لیے بنوایا تھا۔"

اس نے یہ منبر سب کو دکھایا اور کہا۔ "یہ سنبر زنگی مرحوم کی بیوہ اور اُس کی بیٹی لائی ہیں۔ ہمیں اِس بیٹی کی لاج رکھنی ہے جو قوم کی دو سَو بیٹیوں کو ساتھ لائی ہے کہ ہم میں سے کوئی میدانِ جنگ میں پیاسا نہ مر جائے۔ کوئی زخموں سے اس لیے نہ مر جائے کہ مرہم پٹی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ تم جانتے ہو کہ میں میدانِ جنگ میں عورتوں کو لانے کے حق میں کبھی نہیں ہُوا تھا۔ ان لڑکیوں کو میں نے اس لیے رکھ لیا ہے کہ غیرت اور قومی وقار کی یہ علامت ہمارے سامنے رہے اور ہم سب یاد رکھیں کہ ہماری اسی قسم کی بیٹیاں بیت المقدس میں کفار کی درندگی اور عیاشی کا شکار ہو رہی ہیں۔ یاد رکھو میرے رفیقو! قوم کی بیٹی اور قوم کے شہید کو فراموش کر دینے والی قوم کو خدا بھی فراموش کر دیا کرتا ہے اور اس کی لوحِ تقدیر پر عمر بھر کی لعنت لکھ دی جاتی ہے..... یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تم روزِ قیامت بعتیوں میں اُٹھائے جاؤ گے یا اُن میں جن کے متعلق رسولِ مقبول صلعم خدا سے کہیں گے کہ یہ ہیں وہ سرفروش جنہوں نے کفر کے طوفان کو روکا اور تیرے مذہب کا نام بلند کیا تھا۔"

سلطان ایوبی ایسی جذباتی باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا لیکن (قاضی بہاؤ الدین شدّاد اور اُس دَور کے دقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق) بیت المقدس کے معاملے میں وہ اِس قدر جذباتی تھا کہ جب بھی اُس کا ذکر کرتا اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے یا وہ غصے میں ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کے گھونسے مارنے لگتا اور بے چینی سے اُٹھ کر ٹہلنے لگتا تھا۔ اس آخری جنگی اجلاس میں اُس نے سالاروں وغیرہ کے جذبات کی یہ حالت کر دی کہ وہ جب باہر نکلے تو انہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ اُن کی چال ڈھال ہی بدل گئی تھی۔ وہ سیدھے اپنے اپنے دستوں میں گئے اور اپنے کمانداروں کی بھی جذباتی حالت وہی کر دی جو اُن کی اپنی اور سلطان ایوبی کی تھی۔

☆

سب چلے گئے تو سلطان ایوبی نے بحریہ کے کمانڈر الفارس بیدرون کو اپنے پاس بلا لیا اور اُس سے پوچھا کہ سمندر کی کیا خبر ہے۔ الفارس نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ اس کے جہاز گشت کرتے رہتے ہیں اور سکندریہ سے اُسے پیغام ملتے رہتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبیوں کے بحری بیڑے کے کوئی آثار نہیں۔ ٹائر کی بندرگاہ میں اُن کے جنگی جہاز موجود ہیں۔ میرے جاسوس چھوٹی بادبانی کشتیوں میں ماہی گیروں کے بہروپ میں وہاں جاتے رہتے ہیں۔ ٹائر اور اس سے آگے صلیبیوں کے بیڑے میں کوئی اضافہ نہیں ہُوا۔ جو بیڑہ موجود ہے یہ تیاری کی حالت میں ہے اور صلیبیوں نے جہازوں میں جل کر اُڑنے والے بارود کی نلکیاں لگا دی ہیں جو دُور سے آتی ہیں اور بادبانوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔

"یہ نلکیاں اُتنی ہی دُور سے آسکتی ہیں جتنی دُور تمہارے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر جا سکتے ہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ہم میں سے کسی کے بھی دل میں ڈر نہیں۔" الفارس نے کہا۔ "بحری چھاپہ مار اس حد تک تیار ہیں کہ بحری جنگ کے دَوران وہ چھوٹی کشتیوں میں دشمن کے جہازوں کے قریب جا کر اُن میں سوراخ کرنے اور اُن پر

آگ پھینکنے کو تیار ہیں۔"

"بشرطیکہ جنگ رات کو ہو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "دن کے وقت کسی چھاپہ مار کو سمندر میں نہ اُتارنا۔ جوش میں آکر جانیں ضائع ہوں گی..... محتاط رہنا الفارس! جس طرح تم ماہی گیروں کے بہروپ میں اپنے جاسوس ٹائر تک بھیجتے ہو اسی طرح دشمن کے جاسوس تمہارے جہازوں کے قریب آتے ہوں گے۔ اپنے جہازوں کو ایک دوسرے سے دُور رکھنا تاکہ اچانک حملے کی صورت میں سب گھیرے میں نہ آجائیں۔ انہیں اس طرح پھیلا کر رکھو کہ دشمن کو گھیرے میں لے سکو۔ آپس کا رابطہ دن میں جھنڈیوں سے اور رات کو قندیلوں سے رکھو۔"

جب الفارس سلطان ایوبی سے رخصت ہُوا، سحر کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ نماز کے لیے وہیں رک گیا۔

"الفارس!" اُسے اپنے قریب آواز سنائی دی۔ اُس نے دیکھا۔ وہ انٹیلی جنس کا کمانڈر حسن بن عبداللہ تھا۔ اُس نے الفارس سے ہاتھ ملا کر پوچھا۔ "مبارک ہو بھائی! ایک ہی بار دو لڑکیوں سے شادی کر لی ہے؟ دونوں کو ساتھ رکھا ہُوا ہے؟ اپنے ساتھ مروانے کا ارادہ ہے؟"

"اوہ حسن!" الفارس نے اندھیرے میں اُسے پہچانتے ہوئے کہا۔ "وہ تو بیچاری پناہ گزین لڑکیاں ہیں۔ یہیں ساحل پر چھپی ہوئی تھیں۔ خانہ بدوش ہیں۔ کہتی تھیں اُن کا سارا قبیلہ جنگ کی زد میں آکر گھوڑوں تلے کچلا گیا ہے۔"

"اور یہ محض اتفاق ہے کہ یہ دو لڑکیاں زندہ رہیں اور ساحل تک پہنچ گئیں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "صلیبیوں نے باقی سب خانہ بدوشوں کو گھوڑوں تلے روند ڈالا اور اتنی زیادہ خوبصورت دو لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا..... سمندر میں رہ رہ کر تم خشکی پر رہنے والے انسانوں کی فطرت کو شاید بھول گئے ہو۔"

الفارس ہنس پڑا اور بولا۔ "حسن بھائی! جاسوسی کرتے کرتے تم اب چیلوں اور کوؤں کو بھی صلیبیوں کے جاسوس سمجھنے لگے ہو۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو ناکہ یہ لڑکیاں دشمن کی جاسوس ہوں گی۔"

"ہو سکتی ہیں۔" حسن نے کہا۔ "تم کچھ زیادہ ہی زندہ دل ہو الفارس! اِن لڑکیوں کو ٹائر کے قریب ساحل پر اُتار آؤ۔ اجنبی لڑکیوں کو جنگی جہاز میں رکھنا مناسب نہیں۔"

"یہ نیکی نہیں ہو گی کہ میں انہیں مصر لے جا کر اُن کے ساتھ شادی کر لوں؟" الفارس نے کہا۔ "یا ایک کے ساتھ شادی کر لوں اور دوسری کی شادی کسی اور اچھے آدمی سے کرا دوں؟ غریب لڑکیاں ہیں۔ انہیں ساحل پر اُتار دیا تو تم جانتے ہو کہ صلیبی اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

"ہو سکتا ہے وہ صلیبی ہی ہوں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "سنو الفارس! تم بچے نہیں ہو۔ معمولی سپاہی بھی نہیں ہو۔ بحریہ کے تجربہ کار کمانڈر ہو۔ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم فرصت کا سارا وقت ان لڑکیوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے گزارتے ہو۔ ہزار قسمیں کھاؤ، میں نہیں مانوں گا کہ تم نے انہیں پاک صاف اور نیک لڑکیاں بنا کے رکھا ہُوا ہے۔ وہ اگر تمہیں دھوکہ نہ دیں تو تم اپنے آپ کو دھوکہ دے سکتے ہو۔ حسین اور جوان عورت کا جادو فرائض سے گمراہ کر دیتا ہے..... بہت کچھ ہو سکتا ہے الفارس!

ان لڑکیوں کو کہیں چھوڑ آؤ۔"

"اگر میں نے تمہارا کہا نہ مانا تو؟"

"تو مجھے دیکھنا پڑے گا کہ یہ لڑکیاں کیسی ہیں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "اگر مشکوک ہیں تو میں انہیں تمہارے جہاز سے اُتروا کر اپنے پاس بلا لوں گا، مگر میں تم پر چھوڑتا ہوں۔ ہم پُرانے دوست ہیں۔ تم خود ہی کوشش کرو کہ میں فرض کی ادائیگی میں دوستی کو قربان نہ کر دوں۔"

"مجھ سے کسی بیہودگی کی توقع نہ رکھو حسن!" الفارس نے کہا۔ "تم دوستی کی بات کرتے ہو، میں تو فرض کی ادائیگی میں اپنی جان بھی قربان کر دونگا۔ یہ لڑکیاں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ مجھے ان پر ذرا سا بھی شک ہُوا تو انہیں ساحل پر اُتاروں گا، زندہ سمندر میں پھینک دوں گا۔"

"واپس کس وقت جا رہے ہو؟" حسن بن عبداللہ نے پوچھا۔

"نماز پڑھ کر کچھ دیر سوؤں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔" الفارس نے کہا۔ "پھر چلا جاؤں گا۔ شام تک کشتی جہاز تک پہنچا دے گی۔"

☆

الفارس سے فارغ ہو کر حسن بن عبداللہ اُس کمرے کی طرف چلا گیا جہاں اُس کے محکمے کے آدمی رہتے تھے۔ اِن میں سے ایک کو باہر بلا کر اُسے کہا کہ الفارس بیدرون کا جہاز فلاں مقام پر لنگر انداز ہے۔ وہ کشتی میں جہاز تک جائے اور الفارس کے نائب رؤف کُرد سے کہے کہ اُسے حسن بن عبداللہ نے بھیجا ہے۔ رؤف کُرد کے نام حسن نے پیغام دیا کہ اِس آدمی کو کسی ڈیوٹی پر لگائے۔ اُسے دونوں لڑکیوں کے متعلق معلوم کرنا ہے کہ جہاز میں اِن کی کوئی درپردہ سرگرمی تو نہیں؛ اگر ہے تو لڑکیوں کو جہاز سے ہٹا کر اپنے پاس بلا لیا جائے۔

حسن بن عبداللہ نے اپنے اس آدمی کو ہدایات دیں اور ایک بادبانی کشتی کا انتظام کر کے اُسے رخصت کر دیا۔ ہوا کا رُخ بڑا اچھا تھا اور ہوا تیز تھی۔ کشتی جلدی جہاز تک پہنچ گئی۔ جہاز سے رسہ لٹکا کر اس آدمی کو اُوپر کر لیا گیا۔ وہ رؤف کُرد سے ملا۔ اُسے پیغام دیا اور اپنا مقصد زبانی بھی بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ تجربہ کار جاسوس ہے۔ رؤف کُرد کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اُسے یہ آدمی اچھا نہیں لگا، لیکن اس آدمی کے خلاف وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے دل میں جتنی قدر ایک جاسوس کی ہے اتنی سالار کی بھی نہیں اور ایک جاسوس کی رپورٹ پر ایک سالار کو سزائے موت دی جا سکتی ہے چنانچہ اس نے حسن بن عبداللہ کے اس جاسوس کی خاطر تواضع کی۔

"آپ لڑکیوں کو پہلے دن سے دیکھ رہے ہیں۔" جاسوس نے رؤف کُرد سے پوچھا۔ "اُن کے متعلق آپ کو ذرا سا بھی شک ہے تو بتا دیں۔ ہم انہیں عسقلان تفتیش کے لیے لے جائیں گے۔"

"میں نے ابھی تک اِن کی کوئی حرکت مشکوک نہیں دیکھی۔" رؤف کُرد نے جواب دیا۔ "زیادہ تر الفارس کے کمرے میں رہتی ہیں۔"

رؤف کُرد کو فوراً فلوری کا خیال آ گیا تھا۔ اگر جاسوس ایک روز پہلے آتا تو رؤف کُرد کا جواب یہ ہوتا کہ اِن لڑکیوں کو یہاں سے لے جاؤ کیونکہ جہازوں کا کمانڈر اِن لڑکیوں کے ساتھ مگن رہتا ہے، مگر فلوری نے گزشتہ رات اُسے بتایا تھا کہ وہ اُسے دل و جان سے چاہتی ہے۔ روزی اُن کی ہمراز تھی۔ اب رؤف کُرد کسی قیمت پر فلوری سے جُدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس کے دل میں الفارس کی دشمنی پیدا ہو گئی تھی لیکن وہ الفارس کو لڑکیوں سے محروم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ خود فلوری سے محروم ہو جاتا۔

"مجھے اب آپ کے ساتھ رہنا ہے۔" جاسوس نے کہا۔ "الفارس کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں جاسوسی کے لیے یہاں آیا ہوں۔ آپ نے حکم پڑھ لیا ہے۔ میں خود دیکھوں گا کہ لڑکیاں کیسی ہیں اور کیا کرتی ہیں۔ مجھے اگر ان پر جاسوسی کا نہیں، صرف یہ شک بھی ہُوا کہ الفارس اِن میں فرائض کے اوقات میں کھو رہے ہیں تو میں اِن لڑکیوں کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ اگر الفارس کو پتہ چل گیا کہ میں یہاں جاسوسی کر رہا ہوں تو مجھے آپ کے خلاف بیان دینا پڑے گا کہ میرے متعلق الفارس کو آپ نے بتایا ہے کیونکہ آپ کے سوا کسی کو علم نہیں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔"

یہ جنگی جہاز تھا جس میں جہاز کا عملہ بھی تھا اور اس میں بحری لڑائی کی تربیت یافتہ بری فوج بھی تھی۔ جہاز کی صفائی وغیرہ، کھانا پکانے اور دیگر کاموں کے لیے فوجی ملازم بھی تھے۔ وہاں ایک آدمی کا اصل روپ چھپائے رکھنا مشکل نہ تھا۔ الفارس کمانڈر تھا۔ وہ اِن چھوٹے چھوٹے ملازموں اور سپاہیوں میں سے کسی کو الگ کر کے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ آدمی اجنبی ہے جسے اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ رؤف کُرد جگہ گھوم پھر سکتا تھا مگر رؤف کو یہ شخص بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

جاسوس نے اُسی روز دونوں لڑکیوں کو دیکھ لیا اور اس نے اُسی روز رؤف کُرد سے کہہ دیا۔ "یہ لڑکیاں خانہ بدوش نہیں اور یہ مصیبت زدہ بھی نہیں۔ مجھے شک ہو گیا ہے۔"

"اتنے دنوں سے ہمارے ساتھ ہیں۔" رؤف کُرد نے کہا۔ "مجھے ان پر کوئی شک نہیں ہُوا۔"

"آپ کی آنکھ وہ نہیں دیکھ سکتی جو میری آنکھ دیکھ سکتی ہے۔" جاسوس نے کہا۔ "ٹھنڈے علاقوں کی خانہ بدوش عورتوں کے رنگ ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن اُن کی آنکھوں کا رنگ ایسا نہیں ہوتا اور ان میں یہ نفاست اور نزاکت نہیں ہوتی.... محترم! ہماری جنگ ایسی ہی لڑکیوں سے رہتی ہے۔ یہ لڑکیاں یہاں نہیں رہیں گی۔"

"کچھ دن دیکھ لو۔" رؤف کُرد نے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ واقعی مصیبت زدہ ہوں اور تم انہیں کسی اور مصیبت میں ڈال دو۔"

"ہاں!" جاسوس نے کہا۔ "میں جلد بازی نہیں کرونگا۔ کچھ دن دیکھ کر یقین کروں گا۔"

☆

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے ٹھیک کہا تھا کہ بیت المقدس میں جو صلیبی جرنیل ہیں انہیں معلوم ہے کہ اسلامی فوج بیت المقدس پر آ رہی ہے۔ اِدھر جب سلطان ایوبی اپنے سالاروں کو آخری ہدایات دے رہا تھا اُدھر بیت المقدس میں صلیبی ہائی کمانڈ اپنے جرنیلوں کو محاصرے میں لڑنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔

"ہم صلاح الدین کو راستے میں نہیں روکیں گے۔" اُن کا کمانڈر اِن چیف کہہ رہا تھا۔ "بے شک اس

کی فوج تعداد میں کم ہے لیکن اُسے اسلحہ اور رسد کی کوئی پریشانی نہیں۔ اُس کے امدادی انتظامات مضبوط اور قابلِ اعتماد ہیں۔ اُسے بیت المقدس کا محاصرہ کرنے دو۔ ہمارے پاس لمبے عرصے کے لیے خوراک اور دیگر سامان موجود ہے۔ اگر محاصرہ طویل اور خوراک کم رہ گئی تو ہم مسلمانوں کو بھوکا اور پیاسا رکھیں گے۔ اس سے خوراک بچے گی اور کھانے والے بھی کم ہو جائیں گے۔ مجھے سب سے زیادہ بھروسہ نائٹوں پر ہے۔ انہیں باہر نکل کر حملے کرنے اور واپس آنا ہے۔ میں آپ سب کو یقین دلاتا ہوں کہ محاصرہ ناکام رہے گا۔"

"آپ نے فوج کی حالت کو پیشِ نظر نہیں رکھا۔" ایک جرنیل نے کہا۔ "شہر میں فوج کی آدھی نفری ایسی ہے جو حطین سے عسقلان تک کی لڑائیوں سے بھاگی ہوئی ہے اور اُن کا لڑنے کا جذبہ سرد پڑ گیا ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اُن پر صلاح الدین کی فوج کا خوف طاری ہو گیا ہے۔ تازہ دم دستے وہی ہیں جو شہر میں موجود رہے ہیں میدانِ جنگ میں نہیں گئے۔"

"ہم نے اس مسئلے کا حل نکال لیا ہے۔" کمانڈر اِن چیف نے کہا۔ "پادری فوج میں گھومنے پھرنے لگے ہیں۔ وہ سپاہیوں کو انجیل کے حوالے دے کر ذہن نشین کرا رہے ہیں کہ اسلامی فوج کو شکست دینا کیوں ضروری ہے اور یہ مذہبی فریضہ ہے۔... اگر جرنیل اور دیگر کمانڈر اسے مذہبی جنگ سمجھ کر لڑیں گے تو سپاہی بھی مذہبی جوش و خروش سے لڑیں گے۔ اگر ہم بیت المقدس کی جنگ ہار گئے تو یورپ بھی ہمیں پناہ نہیں دے سکے گا۔ صلاح الدین کیوں کامیاب ہوا ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ اپنے مذہب کا پکا ہے جسے وہ ایمان کہتا ہے۔ ہم نے اُسے خانہ جنگی سے تباہ کرنے کی کوشش کی مگر اُس نے خانہ جنگی بھی جیت لی۔ ہم نے جن مسلمان حکمرانوں کو اُس کے خلاف کیا تھا وہ اُس کے مطیع ہو گئے۔ ہم نے اپنی بیٹیوں کی عصمتوں سے اُس کی جنگی طاقت اور سلطنت کو کمزور کرنے کی کوشش کی، مگر یہ قربانی بھی ضائع ہوئی۔ یہ شاید ہماری غلطی تھی کہ ہم نے عورت کو استعمال کیا اور اس اُمید پر بیٹھ گئے کہ صلاح الدین گھر بیٹھے مر جائے گا۔"

"ہماری کوئی قربانی ضائع نہیں ہوئی۔" بطریقِ اعظم جو وہاں موجود تھا، بولا۔ "آپ کی یہ سوچ غلط ہے کہ دو مذہبوں کی جنگ صرف فوجیں لڑا کرتی ہیں۔ اپنے مذہب کے فروغ اور دشمن مذہب کی تباہی کے لیے بیشک تلوار ضروری ہے لیکن دشمن کے ذہن اور اُس کی رُوح کو گمراہ کرنے کے لیے یہ طریقے ضروری تھے جن کے متعلق آپ کہہ رہے ہیں کہ قربانیاں ضائع ہوئیں۔ ہم اپنی اِن بیٹیوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنے غیر معمولی حُسن کی بدولت بڑے اونچے درجے کے حاکموں کی بیویاں بننا اور شاہانہ زندگی گزارنی تھی مگر انہوں نے اپنا آپ اور اپنا مستقبل صلیب پر قربان کر دیا اور وہ مسلمانوں کے حرموں اور درباروں میں ذلیل و خوار ہوئیں۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی انہوں نے کرائی۔ مسلمان حکمرانوں کے ایمان اِن لڑکیوں نے خریدے۔ ایک ہی حکمران کے اہم حاکموں میں رقابت پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا...

"صلیب کے جرنیلو! یہ مت بھولو کہ دشمن کو مارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُس میں ذہنی عیاشی اور جنسی جذبات پرستی پیدا کر دو۔ اُسے رنگ رنگ اور جھوٹی لذتوں کا عادی بنا دو۔ اُس کے حکمرانوں کو تخت و تاج اور

زر و جواہرات کی ہوس میں مبتلا کر دو۔ مسلمان دنیا بھر کا مانا ہوا اور دلیر سپاہی ہے۔ جنگی جذبہ اور مذہبی جنگ (جہاد) کا جتنا جنون مسلمانوں میں ہے اتنا ہم میں نہیں۔ جتنے اعلیٰ جرنیل مسلمانوں نے پیدا کیے ہیں اتنے ہم نہیں کر سکے۔ یہ اُن کی روایت ہے۔ اگر ہم نے اُن کے ذہن بدلنے کی کوشش نہ کی تو اُن کا جذبہ، مذہبی جنون اور اُن کی روایت زندہ رہے گی۔ اگر اُن کی روایت زندہ رہی تو صلیب زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اسلام یورپ تک گیا، ہندوستان اور اس سے اوپر چین تک گیا۔ چین کا امیر البحر مسلمان رہا۔ وہاں کے بعض جرنیل اب بھی مسلمان ہیں۔ ہندوستان کے مشرق میں بڑے بڑے جزیروں میں چلے جاؤ تو وہاں بھی تمہیں عربوں کی یعنی اسلام کی حکمرانی نظر آئے گی....

"آپ یہ طوفان صرف تلوار سے نہیں روک سکتے۔ یہ دوسرے طریقوں سے روکا جا سکے گا۔ ہمیں اسلام کے اس مرکز کو جسے مسلمان خانہ کعبہ کہتے ہیں، مُردہ کرنا پڑے گا۔ بیت المقدس پر قبضہ برقرار رکھنا پڑے گا۔ مسلمان حکمران اور بادشاہ جہاں کہیں بھی ہیں انہیں جنگی اور مالی مدد دے کر بے کار کرنا ہوگا اور اس کے ساتھ ہی اُن کے حرموں میں اپنی تجربہ کار لڑکیاں اسی طرح داخل کرتے رہیں گے جس طرح عرب کی ریاستوں میں کرتے رہے ہیں۔ ہم نے یہ طریقہ یہودیوں سے سیکھا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی کردار کُشی اور مذہبی بیخ کنی کا نہایت دانشمند منصوبہ بنا رکھا ہے اور وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ وہ ہماری مدد کر رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ وقت تیزی سے آ رہا ہے کہ بیت المقدس پر ہمارا مستقل قبضہ ہو جائے گا۔ اس کے ارد گرد دُور دُور کے علاقے بھی ہمارے قبضے میں ہوں گے۔ مسلمان ریاستوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اگر دشمن نہ ہوئے تو اُن میں اتحاد بھی نہیں ہوگا۔ یہودیوں کے دانشوروں نے صحیح کہا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو بادشاہ سمجھیں گے لیکن اُن کی بادشاہی اور آزادی کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ یہ کام آپ ہم پر چھوڑ دیں۔ یہ درپردہ اور زمین دوز کام دانشوروں کا اور مذہبی پیشواؤں کا ہے۔ آپ فوجی ہیں۔ میدانِ جنگ کی بات کریں۔ آپ کا بڑا ہی خطرناک دشمن بیت المقدس پر آ رہا ہے۔ آپ اس کو شکست دینے کی سوچیں۔"

☆

وہ اتوار کی صبح تھی اور ۱۱۸۷ء کے ماہ ستمبر کی بیس تاریخ تھی جب سلطان ایوبی حیران کُن تیز رفتاری سے بیت المقدس پہنچ گیا۔ ہجری کیلنڈر کے مطابق ۱۵ رجب ۵۸۳ھ کا روز تھا۔ صلیبیوں کو سلطان ایوبی کا انتظار تھا لیکن انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اِس قدر تیزی سے آئے گا۔ اُس نے راستے میں صلیبیوں کی بلندیوں والی قلعہ بندیوں اور پوسٹوں کو نظر انداز (بائی پاس) کیا اور فوج کو گزار کے گیا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ قلعہ بندیوں سے صلیبیوں نے بیت المقدس کو قبل از وقت اطلاع دینے کے لیے قاصد روانہ کیے ہوں گے لیکن کوئی بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب سلطان ایوبی کے ہراول دستے شہر تک پہنچے اُس وقت اوپر دیوار پر دو چار سنتری کھڑے تھے۔ شہر کے دروازے بند تھے۔ اندر سے گرجوں کے گھنٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ نقارے اور بگل بج اُٹھے۔ دیوار پر ہر طرف انسانوں کے سر اُبھرنے لگے۔ اُن سروں پر فولادی خود تھیں

اور کمانیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ ان سروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور پھر یوں نظر آنے لگا جیسے دیوار کے اوپر انسانی سروں کی ایک فصیل کھڑی کر دی گئی ہو۔ شہر کے مغرب کی جانب کچھ علاقہ چٹانی تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے خصوصی دستوں کو وہاں خیمہ زن کر دیا اور خود شہر کے ارد گرد یہ دیکھنے کے لیے گھومنے پھرنے لگا کہ دیوار کس جگہ سے کمزور ہے اور نقب کہاں لگائی جا سکتی ہے یا کہیں سے سرنگ کھودی جا سکتی ہے یا نہیں۔ سلطان ایوبی کے نقب زن جیش جانبازی میں مشہور تھے۔

اسلامی فوج شہر کے ہر طرف موجود تھی لیکن بڑا اجتماع مغرب کی جانب تھا جس جانب شہر کی دیوار کے دو مستحکم برج تھے۔ ایک داؤد برج اور دوسرا تنکرڈ برج تھا۔ ان میں دور مار تیر انداز تھے اور وہاں منجنیقیں بھی نصب تھیں۔ سلطان ایوبی شہر کے ارد گرد دیوار کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ اس دوران مغرب کی جانب والے دستوں کے سالار نے آگ اور پتھر پھینکنے والی منجنیقیں نصب کرنی شروع کر دیں۔ صلیبیوں نے بہادری کا یہ مظاہرہ کیا کہ اپنی دفاعی سکیم کے مطابق شہر کا ایک دروازہ کھول دیا۔ اس میں سے زرہ پوش نائٹ گھوڑوں پر سوار، ہاتھوں میں برچھیاں تانے سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نکلے اور منجنیقیں نصب کرنے والے مجاہدین پر ہلہ بول دیا۔ اُن کے پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا۔

گھوڑوں کے گھومنے پھرنے کے لیے جگہ کافی تھی۔ نائٹ آہن پوش تھے اس لیے اُن پر تیر کوئی اثر نہیں کرتے تھے۔ اُن کا ہلّہ (چارج) اس قدر تیز، شدید اور غیر متوقع تھا کہ مجاہدین کو پُر اثر مزاحمت کی مہلت نہ ملی۔ ان میں سے کئی نائٹوں کی برچھیوں سے زخمی اور شہید ہوئے اور پیچھے آنے والے گھوڑوں تلے کچلے گئے۔ گھوڑے بگولے کی طرح آئے تھے۔ اپنی اڑاتی ہوئی گرد میں گھومے اور جب دروازے کے قریب پہنچے تو دروازہ بند ہو گیا۔ وہ اپنے پیچھے خاک و خون میں تڑپتے کئی ایک مسلمان مہندس (منجنیقیں چلانے والے) چھوڑ گئے۔

سپاہی انہیں اُٹھانے کو دوڑے تو دو تین نسوانی آوازیں سنائی دیں — "پیچھے رہو، یہ ہمارا کام ہے"۔ اُس کے ساتھ ہی بہت سی لڑکیاں دوڑتی آئیں۔ انہوں نے درختوں کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے سٹریچر اُٹھا رکھے تھے۔ بعض لڑکیوں کے کندھوں سے پانی کے چھوٹے مشکیزے لٹک رہے تھے۔ اوپر سے صلیبیوں کے تیر آ رہے تھے جن سے دو تین لڑکیاں گر پڑیں۔ بہت سے مسلمان تیر انداز دوڑ کر لڑکیوں اور اوپر سے آنے والے تیروں کے درمیان آ گئے اور انہوں نے برجوں پر تیز تیر اندازی شروع کر دی۔ جو تیر انداز پیچھے تھے، انہوں نے بھی برجوں اور دیوار کے اوپر بڑی ہی تیز تیر اندازی شروع کر دی۔ اوپر سے تیروں کا مینہ تھم گیا اور دونوں طرف کے تیروں کے سائے میں لڑکیاں زخمیوں کو اُٹھا لائیں اور پیچھے درختوں کے سائے میں لے گئیں۔

اسد الاسدی جو اُس دور کا وقائع نگار تھا، اپنی ایک غیر مطبوعہ تحریر میں لکھتا ہے کہ سپاہی ہر جنگ میں زخمی ہوتے تھے۔ انہیں اُٹھا کر جراحوں کے خیموں تک پہنچا دیا جاتا تھا مگر انہیں اُٹھانے والے انہی کی طرح مرد اور سپاہی ہوتے تھے اور اس معاملے میں کوتاہی بھی نہیں کرتے تھے۔ لیکن بیت المقدس کے

محاصرے میں لڑکیوں نے زخمیوں کو اُٹھایا اور جراحوں کے خیموں کے ساتھ اُن کی مرہم پٹی میں ہاتھ بٹایا اور زخمیوں کے سر اپنی گودیوں میں رکھ کر پانی پلایا تو کئی ایک زخمی جو ہوش میں تھے جوش میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور للکارنے لگے "یہ زخم ہمیں لڑنے سے نہیں روک سکتے"۔ اور ایسی آوازیں بھی سنائی دیں "ہم بیت المقدس کے اندر جا کر زخموں پر پٹی باندھیں گے"۔ اور جب زخمیوں نے دیکھا کہ تین چار لڑکیوں کو بھی تیر لگے ہیں تو زخمیوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ لڑکیوں نے سب کے جوش اور جذبے میں آگ بھر دی تھی۔

✡

اسی مقام پر منجنیقیں نصب کرنے کے لیے مہندسوں کا ایک اور جیش آگے بڑھا۔ تیر اندازی تیز کر دی گئی۔ منجنیقیں نصب ہو گئیں۔ اُن سے وزنی پتھر اور آگ کے گولے پھینکے جانے لگے جو دیوار پر بھی گرتے تھے اور اندر بھی۔ دروازہ ایک بار پھر کھلا اور نائٹوں کے گھوڑے منجنیقوں کی طرف ہوا کی رفتار سے آئے تو اُن کے پہلو سے مسلمان سوار اُن پر ٹوٹ پڑے۔ عقب سے مزید مسلمان سوار اُن کی واپسی کا راستہ روکنے کو آ گئے۔ مسلمانوں نے نائٹوں کے گھوڑوں کو برچھیوں اور تلواروں سے زخمی کرنا شروع کر دیا۔ نائٹوں کی زرہ بکتر انہیں محفوظ رکھے ہوئے تھی۔

گھوڑوں کے ساتھ نائٹ بھی گرنے لگے۔ زمین پر انہیں گھائل کرنا اتنا مشکل نہ تھا، مگر وہ تجربہ کار لڑاکا سوار تھے۔ سب کو نہ گرایا جا سکا۔ اس کی بجائے وہ کئی ایک مسلمان سواروں کو گرا گئے۔ وہ واپس ہوئے تو مسلمان سواروں نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر جو نائٹ گھوڑوں کی پیٹھوں پر رہے وہ اندر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا..... اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا۔ برج داؤد کے سامنے اس طرح کے جو معرکے لڑے گئے وہ رفتار، شدت، خونریزی اور دونوں طرف کی شجاعت کے لحاظ سے بے مثال مانے جاتے ہیں۔ دونوں فوجوں کے عزم اور جذبے کی پختگی کا اندازہ اِن معرکوں سے ہوتا تھا۔ مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ بیت المقدس نے دونوں فوجوں پر جنون کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ وہ صلیبی سوار جو زخمی ہوئے اور باہر ہی گر پڑے وہ اس لحاظ سے بدقسمت تھے کہ انہیں اُٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ ستمبر کی گرمی اور دوپہر کا سورج انہیں زرہ بکتر میں جلا جلا کر مار رہا تھا۔ اُن کے مقابلے میں مسلمان زخمیوں کو لڑکیاں فوراً اُٹھا لے جاتیں، انہیں پانی پلاتیں، اُن کے منہ سر دھوتیں، اُن کے کپڑے تبدیل کرتیں اور اُن میں کچھ لڑکیاں مشکیزے اٹھائے چٹانوں میں کہیں سے پانی لا لا کر ادھ موئی ہوئی جا رہی تھیں۔

سلطان ایوبی نے بھی یہ معرکے دیکھے۔ اُس پر بھی جنونی کیفیت طاری تھی۔ چٹانوں اور وادیوں سے وزنی پتھر لانے کے لیے خچر گاڑیاں مصروف تھیں۔ منجنیقیں رات کو بھی دیوار پر اور اندر پتھر پھینکتی رہتی تھیں۔ برجوں میں سے بھی پتھر اور آتش گیر سیال کے گولے آنے لگے۔ اُن کے پیچھے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیروں نے آگ لگا دی۔ دو تین منجنیقیں آگ کی لپیٹ میں آ گئیں اور اِن کے مہندس جھلس گئے مگر سنگ باری جاری رہی۔ دیوار کی دیگر اطراف سے بھی پتھر اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکی جا رہی تھیں۔ باہر کہیں کہیں زمین

بلند تھی۔ وہاں سے پتھر اور ہانڈیاں (آتش گیر گولے) دیوار کے اوپر سے دُور اندر چلے جاتے تھے۔ اُن کے پیچھے بلیتے والے تیر بھی چلے جاتے تھے۔ انہوں نے شہر میں کئی جگہوں پر آگ لگا دی۔ دھواں باہر سے نظر آ رہا تھا۔

☆

صلیبی فوج جو پہلے سے شہر میں اندر موجود تھی اس کا مورال مضبوط تھا۔ دوسرے علاقوں سے جو فوجی بھاگ کر آئے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے حوصلہ مند اور جوشیلے تھے۔ اور اُن میں ایسے بھی تھے جن پر دہشت طاری تھی۔ یہ سب جم کر مقابلہ کر رہے تھے۔ اُن کے جوش و خروش سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو پسپا کر دیں گے۔ ایک اور دروازے سے بھی سوار باہر جا کر محاصرے پر حملے کرنے لگے تھے۔ مگر شہریوں کی کیفیت فوجیوں سے مختلف تھی۔ شہریوں میں عکرہ اور عسقلان وغیرہ سے آئے ہوئے پناہ گزین عیسائی بھی تھے۔ وہ تو سراپا دہشت بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے سارے شہر میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ اُن کے سامنے سلطان ایوبی کی فوج نے کئی بستیاں سلطان کے حکم سے نذرِ آتش کی تھیں۔

بیت المقدس کے تمام گرجوں کے گھنٹے مسلسل بج رہے تھے۔ دن اور رات ایک ہو گئے تھے۔ عیسائی گرجوں میں ہجوم کیے ہوئے تھے اور پادریوں کے ساتھ آواز ملا کر بلند آواز سے دعائیہ گیت گا رہے تھے۔ شہر کے باہر سلطان ایوبی کی فوج کے نعرے شہر کے اندر یوں سنائی دیتے تھے جیسے گھٹائیں گرجتی آ رہی ہوں۔ شہر میں جلتے شعلے عیسائیوں کا دم خم ختم کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کے جو جاسوس شہر میں عیسائیوں کے بھیس میں موجود تھے وہ اس طرح نفسیاتی حملے کر رہے تھے کہ دہشت ناک افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ایک افواہ یہ پھیلائی گئی کہ سلطان ایوبی بیت المقدس پر قبضہ نہیں کرے گا بلکہ شہر کو تباہ و برباد کر کے تمام عیسائیوں کو قتل کر دے گا۔ اور اُن کی جوان لڑکیوں کو اور تمام مسلمان آبادی کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ دہشت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ صلیب اعظم سلطان ایوبی کے قبضے میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یسوع مسیح عیسائیوں سے ناراض ہیں۔

اس دَور کے مفکروں کی جو تحریریں ملتی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائیوں کو اپنے وہ گناہ خوفزدہ کر رہے تھے جن کا تختۂ مشق انہوں نے وہاں کے مسلمانوں کو بنایا تھا (اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے) انہوں نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، بچوں کو برچھیوں پر اُٹھا کر قہقہے لگائے اور مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی تھی، مسجدوں اور قرآن کی بے حرمتی کی تھی اور نوّے برسوں سے مسلمان اُن کے وحشیانہ سلوک اور بربریت کا مسلسل شکار ہو رہے تھے۔ عیسائیوں نے اپنے عقیدے کے مطابق گرجوں میں جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا شروع کر دیا۔

موجودہ صدی کا ایک امریکی تاریخ دان انتھونی ویسٹ بہت سے مؤرخوں کے حوالوں سے لکھتا ہے کہ بیت المقدس کے عیسائی محاصرے میں اس قدر دہشت زدہ ہو گئے تھے کہ بہت سے عیسائی گلیوں میں نکل آئے۔ اِن میں سے بعض سینہ کوبی کرنے لگے اور بعض اپنے آپ کو کوڑے مارنے لگے۔ یہ خدا سے گناہ بخشوانے کا ایک طریقہ تھا۔ جو عیسائی لڑکیاں جوان تھیں اُن کی ماؤں نے اُن کے سروں کے بال بالکل صاف کر دیئے اور انہیں پانی میں غوطے دینے لگیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اِس طرح یہ لڑکیاں بے آبرو ہونے سے بچ جائیں گی۔ پادریوں نے بہت کوشش کی کہ لوگوں کو اس خوف اور دہشت سے نجات دلائیں مگر اُن کے وعظ بے اثر ہو گئے تھے۔

مسلمان آبادی کی کیفیت کچھ اور تھی۔ تین ہزار سے زیادہ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے قید میں تھے۔ گھروں میں جو مسلمان تھے وہ نظر بندی کی زندگی گزار رہے تھے۔ عیسائیوں سے ڈرتے کسی مسجد میں نہیں جاتے تھے۔ تمام مسلمانوں کو پتہ چل گیا کہ سلطان ایوبی نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا ہے۔ انہوں نے عیسائیوں کی خوفزدگی اور بزدلی کے مظاہرے دیکھے تو کئی ایک جوشیلے مسلمان جوانوں نے چھتوں پر چڑھ کر اذانیں دینی شروع کر دیں۔ قید میں جو مسلمان تھے انہوں نے بلند آواز سے آیاتِ قرآنی اور درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ عورتیں گھروں میں تھیں یا قید میں، انہوں نے اللہ کے حضور آہ و زاری اور حمد و ثنا شروع کر دی۔

عیسائی انہیں دیکھتے تھے مگر چپ رہتے کیونکہ وہ پہلے ہی یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں پر جو وحشیانہ اور غیر انسانی ظلم و تشدد کیا ہے انہیں اس کی سزا مل رہی ہے۔ وہ آنے والی سزا کے تصوّر سے کانپ رہے تھے اس لیے اب وہ مسلمانوں کو اذان اور ورد و وظیفے سے روکنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کا یہ رویّہ دیکھا تو جواں سال مسلمان گلی گلی چلّانے لگے — "امام مہدی آ گیا ہے..... ہمارا نجات دہندہ آ گیا ہے..... شہر کی دیواروں کے اوپر سے آ رہا ہے..... دروازے توڑ کر آ رہا ہے۔"

شہر کے اندر حق اور باطل کی، گرجوں کے گھنٹوں اور اذانوں کی معرکہ آرائی تھی، باہر گھوڑوں، تلواروں، برچھیوں اور تیروں کے معرکے لڑے جا رہے تھے۔ جوں جوں گرجوں میں دعائیہ گیت بلند ہوتے جا رہے تھے، تلاوتِ قرآن بھی بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ ننھے ننھے بچے بھی خدا کے حضور سجدہ ریز تھے۔ مگر باہر سلطان ایوبی کو ابھی تک کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی جہاں سے دیوار میں شگاف ڈلوا سکتا یا سُرنگ کھدوا سکتا۔ دیوار کے اوپر سے تیر موسلادھار بارش کی مانند آ رہے تھے۔ مسلمان نقب زنوں اور پتھر لانے والے سپاہیوں کے ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ زرہ پوش نائٹ ابھی تک باہر نکل نکل کر حملے کر رہے تھے اور انتہائی خونریز معرکے لڑے جا رہے تھے۔

☆

چالیس میل دُور بحیرۂ روم میں الفارس بیدرون کے چھ جہاز پھیلے ہوئے گشت کر رہے تھے تاکہ ٹائر میں صلیبیوں کا جو بحری بیڑہ ہے وہ فوج اور سامان لے کر ادھر نہ آ سکے۔ دونوں لڑکیاں اس کے جہاز میں تھیں مگر اُسے اب لڑکیوں کی طرف توجہ دینے کی مہلت نہیں ملتی تھی۔ سلطان ایوبی اور رئیس البحرین محسن نے اُسے بڑی نازک ذمہ داری سونپی تھی۔ کبھی کبھی وہ خود مستول کے اوپر بنی ہوئی مچان پر چڑھ جاتا اور سمندر کی

وسعت کو گہری نظروں سے دیکھتا رہتا تھا۔ دوسرے جہازوں میں بھی جاتا رہتا اور ہر جہاز کا عملہ اپنے فرائض سے غافل نہ ہو جائے۔

اس کے جہاز میں اس کا نائب رؤف کرد فطری سے ملتا رہتا تھا جو بہت حد تک چوری چھپے کی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس دونوں کو دیکھتا اور اُن پر گہری نظر رکھتا تھا۔

مصر کا بحری بیڑہ بحیرۂ روم میں دُور دُور تک گشت کرتا تھا کیونکہ خطرہ تھا کہ یورپ، خصوصاً انگلستان سے بیت المقدس کو بچانے کے لیے مدد آئے گی۔ سلطان ایوبی کی طوفانی پیشقدمی اور صلیبیوں کے ہر قلعے اور شہر پر یلغار دیکھی تو انہوں نے جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک اور انگلستان کے شہنشاہ رچرڈ کو ان الفاظ کے پیغام بھیج دیئے تھے کہ عرب سے صلیب اکھڑ رہی ہے اور بیت المقدس کو بچانا مشکل نظر آرہا ہے۔ ان پیغامات کا لب لباب یہ تھا کہ آؤ اور ہمیں بچاؤ۔ سلطان ایوبی کو توقع بھی تھی کہ بیت المقدس کی جنگ بحیرۂ روم میں بھی لڑی جائے گی جو بڑی خوفناک جنگ ہوگی، مگر جرمنی اور انگلستان سے کسی حرکت کی اطلاع نہیں آرہی تھی۔ شکست خوردہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ ٹائر کی بندرگاہ میں دبکا ہُوا تھا۔ تاہم سلطان ایوبی کا رئیس البحر دشمن کی بحریہ کی اس خاموشی کو کسی خطرے کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا۔ اس لیے پوری طرح چوکنا تھا۔

☆

محاصرے کی چوتھی رات تھی۔ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ صلیبی نائٹوں اور دیگر سواروں نے باہر آکر بڑے ہی دلیرانہ حملے کیے اور جانبازوں کی قربانی دی تھی۔ سلطان ایوبی نے جب چار دنوں کے اپنے زخمیوں اور شہیدوں کا حساب کیا تو اُس کے ماتھے کے شکن گہرے ہوگئے۔ اُس کے پاس اسلحہ اور سامان کی کمی نہیں تھی۔ مفتوحہ جگہوں سے اُس نے لمبی جنگ کے لیے اسلحہ وغیرہ اکٹھا کر لیا تھا مگر کمی نفری کی تھی۔ نفری تیزی سے کم ہو رہی تھی اور بیت المقدس کی دیوار اُس کے لیے بدستور چیلنج بنی ہوئی تھی۔

پانچویں دن سلطان ایوبی نے مغرب کی جانب یعنی داؤد برج کے سامنے سے کیمپ اکھاڑ دیا اور وہاں کی لڑائی بند کرادی۔ اس نے شمال کی طرف ایک جگہ دیوار کو کمزور دیکھا تھا۔ مغرب سے جب منجنیقیں ہٹائی جارہی تھیں اور دور پیچھے جو خیمے لگے ہوئے تھے، وہ اکھاڑے جارہے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سلطان ایوبی محاصرہ اُٹھا کر جارہے ہیں۔ دیوار کے اوپر جو شہری عیسائی تھے انہوں نے شہر میں خبر پھیلادی کہ محاصرہ اُٹھ گیا ہے اور مسلمانوں کی فوج پسپا ہو رہی ہے۔ سلطان ایوبی دیوار سے دُور فوج کو منتقل کر رہا تھا اور شام ہوگئی۔

شہر میں جہاں آہ وزاری، دہشت زدگی اور دعاؤں کا واویلا تھا وہاں خوشی کے نعرے گرجنے لگے۔ رات ہی رات عیسائی گرجوں میں جمع ہو کر خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔ عیسائی جو شام تک اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہے تھے مسلمان شہریوں پر ظلم و تشدد کا از سرِ نو آغاز کرنے کا پروگرام بنانے لگے۔ اس کی ابتدا انہوں نے طعنوں اور گالیوں سے کی۔ مسلمان بُجھ کے رہ گئے۔

دوسرے دن (۲۵ ستمبر ۱۱۸۷ء) بروز جمعہ دیوار پر کھڑے صلیبیوں نے دیکھا کہ شمال کی جانب جبل زیتون پر سلطان ایوبی کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور اس سے آگے، دیوار سے ذرا ہی دور مسلمانوں نے منجنیقیں نصب کر دی ہیں اور کم و بیش دس

ہزار فوج (سوار اور پیادہ) حملے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی ہر جنگی مہم کا آغاز جمعہ کے روز اس وقت کیا کرتا تھا جب مسجدوں میں خطبے دیئے جارہے ہوتے تھے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ بیت المقدس پر بھی اُس نے پوزیشن اور پلان بدل کر جمعہ کے روز فیصلہ کُن حملہ کیا۔

شہر پر پہلے سے زیادہ پتھر اور ہانڈیاں گرنے لگیں۔ شہر میں فوراً خبر پھیل گئی کہ مسلمانوں کی اور زیادہ فوج آگئی ہے اور اب شہر ایک دو دن کا مہمان ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ شہر میں دہشت زدگی کی نئی لہر آئی۔ لوگ گھروں سے نکل کر گلیوں اور بازاروں میں واویلا بپا کرنے لگے۔ مسلمانوں کی اذانیں ایک بار پھر سنائی دینے لگیں۔ عیسائیوں کی حالت زار سے خود پادری متاثر ہوئے۔ وہ صلیبیں ہاتھوں میں اُٹھائے گلی گلی، کوچہ کوچہ پھرنے لگے۔ وہ بھی روتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے۔

صلیبی سواروں نے ایک بار پھر باہر نکل کر منجنیقوں پر ہلّہ بولا مگر سلطان ایوبی نے اب یہ معرکہ اپنی نگرانی میں لے لیا تھا۔ اُس کے سوار تین اطراف سے صلیبی سواروں کی طرف سرپٹ رفتار سے بڑھے اور انہیں پیس کر رکھ دیا۔ صلیبی منجنیقوں تک پہنچ ہی نہ سکے۔ اس کے بعد صلیبیوں نے دو اور ہلّے بولے لیکن مسلمان شاہسواروں نے انہیں دروازے سے زیادہ آگے نہ آنے دیا۔ سلطان ایوبی نے پہلی بار اپنے ایک نقب زن جیش (سُرنگیں کھودنے اور دیواریں توڑنے والوں) کو آگے بڑھایا۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ ہر ایک کے ہاتھ میں لمبی ڈھال تھی جس کے پیچھے وہ سر سے پاؤں تک چھپا ہُوا تھا۔ ان ڈھالوں کے علاوہ انہیں اوپر سے آنے والے تیروں سے بچانے کے لیے سلطان ایوبی کے ہزاروں تیر اندازوں نے نہایت تیزی سے دیوار کے اس حصے پر تیر برسانے شروع کر دیئے جس حصے کے نیچے نقب لگائی یا سُرنگ کھودنی تھی۔ کہتے ہیں کہ تیر اس قدر زیادہ برسائے جارہے تھے کہ دیوار اُن کے پیچھے چھپ گئی تھی اور دیوار کے اوپر کسی صلیبی کا سر نظر نہیں آتا تھا۔

وہاں ایک دروازہ تھا جس کے اوپر عمارت بنی ہوئی تھی۔ اس دروازے کے پیچھے بھی ایسا ہی ایک مضبوط دروازہ تھا۔ دونوں کے درمیان ڈیوڑھی تھی جس کے اوپر عمارت تھی۔ سلطان ایوبی اُس کے نیچے سُرنگ کھُدوانا چاہتا تھا۔ اس دروازے سے کچھ دُور دیوار ذرا کمزور نظر آتی تھی۔ وہاں بڑی منجنیقیں جو نورالدین زنگی مرحوم نے اپنی زندگی میں بنوائی تھیں کئی کئی من وزنی پتھر مار رہی تھیں۔ دیوار خاصی چوڑی تھی، لیکن مسلسل ایک ہی جگہ سنگ باری سے اس میں شگاف پڑنے لگا تھا۔ پتھروں کے دھماکے شہر والوں کا خون خشک کر رہے تھے۔

دن کے وقت نقب زن جیش ڈھالوں کی اوٹ اور تیروں کے سائے میں دروازے تک پہنچ گئے۔ اب اوپر سے ان پر کوئی تیر نہیں چلا سکتا تھا۔ رات کے وقت سینکڑوں جانبازوں نے مل کر دروازے یعنی ڈیوڑھی کے نیچے تیس گز سے زیادہ لمبی سُرنگ کھود لی، جو ڈیوڑھی جتنی چوڑی تھی۔ اوپر کی عمارت کو مضبوط شہتیروں سے سہارا دیا گیا۔ اس مہم میں دو دن صرف ہوئے۔ شہتیر آگے پہنچانے میں کئی مجاہد شہید ہوگئے۔ پھر اس سُرنگ میں گھاس اور لکڑیاں بھر کر ان پر آتش گیر سیال مادہ پھینکا گیا اور اُسے آگ لگادی گئی۔ تمام نقب زن جانباز وہاں سے بھاگ آئے۔

آگ نے شہتیروں کو بھی جلا دیا اور اوپر سے عمارت دھنسنے لگی پھر مہیب گڑگڑاہٹ سے گر پڑی۔ اُدھر دیوار پر جس جگہ منجنیق پتھر مارے جا رہے تھے وہاں بھی شگاف ہو گیا۔ اب ملبے کے اوپر سے گزر کر شہر میں داخل ہونا تھا مگر یہ بڑا ہی خطرناک اقدام تھا۔ یہاں سے ملبہ ہٹانے کی مہم شروع ہوئی۔

☆

شہر میں گرجوں کے گھنٹے اور زیادہ تیزی سے بجنے لگے۔ اذانوں کی مقدس اور فاتحانہ آوازیں اور زیادہ بلند ہونے لگیں۔ صلیبی جرنیلوں اور حکمران ٹولے کے بھی حوصلے پست ہو گئے۔ انہوں نے کانفرنس بلائی جس میں جرنیلوں نے یہ تجویز پیش کی کہ تمام تر فوج اور جتنے بھی عیسائی شہری رضاکارانہ طور پر ہمارے ساتھ آسکتے ہیں ایک ہی بار باہر نکل کر سلطان ایوبی کی فوج پر ہلّہ بول دیں۔ یہ تجویز بطریق اعظم ہرکولیز نے اس لیے منظور نہ کی کہ شکست کی صورت میں شہر میں عورتیں اور بچے رہ جائیں گے جو مسلمانوں کے انتقام کا نشانہ بنیں گے۔ آخر کار یہ تجویز منظور ہوئی کہ سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کی بات چیت کی جائے۔ اُس کی نمائندگی ایک عیسائی سردار بالیان کو دی گئی۔

باہر سے سلطان ایوبی کی فوج نے دیکھا کہ دروازے کی گری ہوئی عمارت کے ملبے پر سفید جھنڈا لہرا رہا ہے۔ تیر اندازوں کو روک دیا گیا۔ جھنڈے کے ساتھ تین چار آدمی نمودار ہوئے۔ ایک نے بلند آواز سے کہا۔ ”ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنا چاہتے ہیں“۔ سلطان ایوبی سُن رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ انہیں آگے لے آؤ۔

سلطان ایوبی نے اُن کا استقبال کیا اور انہیں اپنے خیمے میں لے گیا۔ بات صلیبی سردار بالیان نے شروع کی اور کہا کہ مسلمان فوج محاصرہ اٹھا کر واپس چلی جائے اور سلطان ایوبی اپنی شرائط بتلائے۔ صلیبی دراصل بیت المقدس سے دستبردار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی بیت المقدس لیے بغیر ٹلنے والا نہیں تھا مگر اس کا ابھی ایک بھی سپاہی شہر میں داخل نہیں ہو سکا تھا۔ وہ ابھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اُس نے شہر لے لیا ہے۔ ابھی صلیبی یہ کہہ سکتے تھے کہ شہر پر اُن کا قبضہ ہے۔

اِدھر صلح کی بات چیت ہو رہی تھی اُدھر محاصرے کی جنگ جاری تھی۔ سلطان ایوبی معاہدوں اور مذاکرات کا قائل نہیں تھا۔ بات چیت کے ساتھ اس نے جنگ جاری رکھی تھی۔ دیوار کا شگاف کھل گیا تھا۔ اِدھر مجاہدین نے جوش میں آ کر گری ہوئی عمارت کے ملبے پر ہلّہ بول دیا۔ دیوار کے شگاف میں سے بھی جانباز اندر جانے لگے اور نقب زن جیش فوج کی سہولت کے لیے شگاف کو کھلا کرنے لگے۔ مگر صلیبی اس شہر سے دستبردار نہ ہونے کا پختہ عزم کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے دونوں جگہوں سے حملہ آوروں کو باہر دھکیل دیا۔ باہر سے دستے سیلاب اور طوفان کی طرح بڑھے۔ آگے جانے والے صلیبیوں کے تیروں اور برچھیوں سے گرے۔ پیچھے والے انہیں روندتے ہوئے آگے گئے۔ بڑا ہی خونریز معرکہ لڑا گیا۔ اس دوران کسی جانباز نے شہر کے بڑے دروازے کے بُرج سے لال کراس والا جھنڈا اتار پھینکا اور وہاں اسلامی جھنڈا چڑھا دیا۔ عیسائی شہریوں نے ایسی بھگدڑ مچائی کہ صلیبی فوج کے

لیے رکاوٹ اور مسئلہ بن گئے۔

سلطان ایوبی کے جانباز دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔ ان میں سے کچھ مسجد اقصیٰ میں داخل ہو گئے اور اوپر سے صلیب اتار کر دور پھینک دی۔ وہاں بھی اسلامی پرچم لہرانے لگا لیکن شہر میں دونوں فوجیں ایک دوسری کا بُری طرح کشت و خون کر رہی تھیں۔ یہ ضرور نظر آ رہا تھا کہ صلیبیوں کی جارحیت اور مزاحمت کی شدت تیزی سے کم ہو رہی تھی۔

☆

سلطان ایوبی صلیبیوں کے وفد کے ساتھ صلح کی بات چیت کر رہا تھا۔ اُسے باہر کی اور شہر کی ابھی کچھ خبر نہیں تھی۔ اُس نے بالیان سے کہا۔ ”میں نے بیت المقدس کو اپنی طاقت سے آزاد کرانے کی قسم کھائی تھی۔ اگر آپ لوگ یہ شہر مجھے اس طرح دے دیں جیسے یہ میں نے فتح کیا ہے تو میں صلح کی بات سُن لوں گا۔“

”صلاح الدین!“ بالیان نے ذرا دبدبے سے کہا۔ ”اس شہر کا نام ابھی یروشلم ہے بیت المقدس نہیں۔ اگر صلح نہیں کرنا چاہتے تو ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے لیکن یہ سُن لو کہ اس شہر میں آپ کے چار ہزار فوجی ہمارے جنگی قیدی ہیں اور جو مسلمان شہری ہماری قید میں ہیں ان کی تعداد تین ہزار ہے۔ ہم ان تمام قیدیوں کو اور شہر کے ہر ایک مسلمان باشندے کو، خواہ وہ عورت ہے یا بچہ، جوان ہے یا بوڑھا، قتل کر دیں گے۔“

سلطان ایوبی کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئیں اور اُس کے ہونٹ کانپے۔ وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ خیمے کا پردہ اُٹھا۔ اس کا ایک کمانڈر آیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ کمانڈر نے اس کے کان میں سرگوشی کی — ”شہر لے لیا گیا ہے۔ بڑے دروازے اور مسجد اقصیٰ پر جھنڈے چڑھا دیئے گئے ہیں۔“

سلطان ایوبی کو بالیان کی دھمکی کا جواب مل گیا۔ اُس کی لال انگارہ آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہوئی۔ اُس نے بڑی زور سے اپنی ران پر ہاتھ مار کر صلیبی سردار بالیان سے کہا۔ ”فاتح مفتوح کے ساتھ صلح کی بات نہیں کیا کرتے، کوئی ایک بھی مسلمان تمہارا قیدی نہیں“۔ وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی بڑے تحمل سے بات کیا کرتا تھا، مگر بالیان کی دھمکی کے ساتھ ہی فتح کی خبر سُن کر اُس کی آواز میں تہر اور گرج پیدا ہو گئی۔ اُس نے کہا۔ ”تم سب میرے قیدی ہو۔ تمہاری ساری فوج میری قیدی ہے۔ شہر میں رہنے والا ہر ایک عیسائی میرا قیدی ہے۔ اس شہر سے اب وہ عیسائی نکل کر جا سکے گا جو میرا مقرر کیا ہوا زرِ فدیہ ادا کرے گا۔ جاؤ، اندر جا کر دیکھو یہ یروشلم ہے یا بیت المقدس۔“

بالیان اور اس کے ساتھ آئے ہوئے صلیبی گھبرا گئے۔ خیمے سے نکل کر دیکھا۔ سلطان ایوبی کی فوج کا بیشتر حصہ شہر میں داخل ہو چکا تھا اور بڑے دروازے پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔

یہ اتفاق تھا یا سلطان ایوبی نے پلان ہی ایسا بنایا تھا یا خدائے ذوالجلال کا منشا ہی تھا کہ سلطان ایوبی بروز جمعہ، ۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء، بمطابق ۲۷ رجب ۵۸۳ ہجری شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ غور فرمایئے یہ رجب کی ستائیسویں رات تھی اور یہ وہ رات ہے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام سے معراج کو تشریف

لے گئے تھے۔ تمام مسلم اور غیر مسلم مؤرخین نے بیت المقدس کی فتح کی یہی تاریخ لکھی ہے۔

☆

سلطان ایوبی جب شہر میں داخل ہوا تو مسلمان گھروں سے نکل آئے۔ عورتوں نے سروں سے اوڑھنیاں اتار کر اُس کے راستے میں پھینک دیں۔ سلطان ایوبی کے باڈی گارڈوں نے گھوڑوں سے اتر کر اوڑھنیاں راستے سے اُٹھا لیں کیونکہ سلطان اپنی پرستش اور خوشامد سے سخت نفرت کرتا تھا۔ ظلم و تشدد کے مارے ہوئے مسلمان چیخ چیخ کر نعرے لگا رہے تھے اور بعض سجدے میں گر پڑے۔ آنسو تو سب کے جاری تھے۔ یہ بڑا ہی جذباتی اور دردناک منظر تھا۔ عینی شاہدوں کے مطابق، سلطان ایوبی اس قدر جذباتی ہو گیا تھا کہ نعروں کے جواب میں ہاتھ بلند کر کے ہلاتا تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں تھی، بلکہ وہ ہونٹوں کو بھینچتا اور دانتوں میں دبانے کی کوشش کرتا تھا۔ یہ کوشش جذباتیت کو دبانے اور سسکیاں روکنے کی تھی۔

عیسائی شہری گھروں میں دبکے خوف سے کانپ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی جوان لڑکیوں کو چھپا لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اکثر لڑکیوں کو مردانہ لباس پہنا دیئے گئے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان سپاہی خواتین کی بے حرمتی کا انتقام لینے کے لیے اُن کی بیٹیوں کو بے آبرو کریں گے، لیکن یورپی مؤرخ، لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین نے اپنے آپ کو ایسا عالی ظرف اور کشادہ دل کبھی ثابت نہیں کیا تھا جتنا اُس وقت کیا جب اس کی فوج صلیبی فوج سے شہر کا قبضہ لے رہی تھی۔ اُس کی فوج کے سپاہی اور افسر گلی کوچوں میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے گھوم پھر رہے تھے اور اُن کی نظر اس پر تھی کہ کوئی مسلمان شہری کسی عیسائی شہری پر انتقاماً حملہ نہ کر دے۔ سلطان ایوبی کے احکام ہی ایسے تھے۔ البتہ کسی عیسائی کو شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

سلطان ایوبی سب سے پہلے مسجدِ اقصیٰ میں گیا۔ جذبات کی شدت سے وہ مسجد کی دہلیز پر گھٹنوں کے بل جیسے گر پڑا ہو۔ وہ دہلیز پر سجدہ ریز ہو گیا اور بہاؤالدین شدّاد اور احمد بیلی مصری کے مطابق، سلطان ایوبی کے آنسو اس طرح بہہ رہے تھے کہ اس عظیم مسجد کی دہلیز دُھل رہی تھی۔ مسجد کی حالت بہت بُری تھی۔ کئی ایک مسلمان حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً مسجد میں سونے اور چاندی کے فانوس اور شمعدان رکھے تھے۔ انہوں نے عقیدت کے طور پر مسجد میں طرح طرح کے بیش قیمت تحائف بھی رکھے تھے۔ صلیبی تمام فانوس، شمعدان اور قیمتی تحائف اٹھا لے گئے تھے۔ فرش سے جگہ جگہ خارا اور مرمر کی سلیں غائب تھیں۔ مسجد مرمت طلب تھی۔

مرمت کی طرف توجہ دینے سے پہلے سلطان ایوبی نے شکست خوردہ عیسائیوں کے متعلق فیصلہ کرنا ضروری سمجھا۔ اس نے اپنی مشاورتی مجلس سے مشورہ کیا اور حکم نامہ جاری کیا کہ ہر عیسائی مرد دس اشرفی (دینار) عورت پانچ اشرفی اور ہر بچہ ایک اشرفی زرِ فدیہ ادا کر کے شہر سے نکل جائے۔ کوئی بھی عیسائی وہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ بُرج داؤد کے نیچے والا دروازہ کھول دیا گیا جہاں مسلمان حاکم فدیہ وصول کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور عیسائی آبادی کا انخلا شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے عیسائیوں کا سربراہ بالیان شہر سے نکلا۔ اُس کے پاس انگلستان کے بادشاہ ہنری کی بھیجی ہوئی بے اندازہ رقم تھی۔ اس میں سے اُس نے تیس ہزار اشرفی طلائی زرِ فدیہ ادا کی اور اُس کے

عوض دس ہزار عیسائیوں کو رہا کرا لیا۔

باب داؤد پر باہر جانے والے عیسائیوں کا تانتا بندھ گیا۔ وہ پورے پورے خاندان کا زرِ فدیہ ادا کر کے جا رہے تھے۔ یہ رواج تھا کہ مفتوحہ شہر کو فوج بُری طرح لوٹ لیتی تھی ـــ بیت المقدس تو وہ شہر تھا جہاں صلیبیوں نے فتح کے بعد مسلمانوں کا قتلِ عام کیا اور اُن کے گھر لُوٹ لیے اور اُن کی بیٹیوں اور بہوؤں کی بے حرمتی کی مگر مسلمانوں نے یہ شہر فتح کیا تو لُوٹ مار کی بجائے یوں ہُوا کہ سلطان ایوبی کے فوجیوں نے اور باہر سے فوراً پہنچ جانے والے مسلمان تاجروں نے عیسائیوں کے گھروں کا سامان خریدا تاکہ وہ زرِ فدیہ دینے کے قابل ہو جائیں۔ اس طرح وہ عیسائی خاندان بھی رہا ہو گئے جن کے پاس زرِ فدیہ پورا نہیں تھا۔

اس موقع پر ایک تضاد دیکھنے میں آیا جو کئی ایک مؤرخوں اور اُس دور کے وقائع نگاروں نے بیان کیا ہے۔ بیت المقدس کے سب سے بڑے پادری بطریقِ اعظم ہرکولیز نے یہ حرکت کی کہ تمام گرجوں کی جمع شدہ رقم اپنے قبضے میں لے لی۔ گرجوں سے سونے کے پیالے اور دیگر بیش قیمت اشیاء چُرا لیں۔ کہتے ہیں کہ یہ دولت اتنی زیادہ تھی کہ اس سے سینکڑوں غریب عیسائیوں کے خاندانوں کو رہا کرایا جا سکتا تھا مگر ان کے اس سب سے بڑے پادری نے کسی ایک کا بھی زرِ فدیہ نہ دیا۔ وہ اپنا فدیہ ادا کر کے نکل گیا۔ کسی مسلمان فوجی نے دیکھ لیا کہ یہ شخص بہت سی دولت ساتھ لے جا رہا ہے۔ اس فوجی کی رپورٹ پر کسی حاکم نے سلطان ایوبی سے کہا کہ اُسے اتنی دولت اور اتنا سونا نہ لے جانے دیا جائے۔

”اگر اُس نے زرِ فدیہ ادا کر دیا ہے تو اُسے نہ روکا جائے“ سلطان ایوبی نے کہا۔ ”میں ان لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ کسی سے فالتو رقم نہیں لی جائے گی۔ جو کوئی جتنا ذاتی سامان ساتھ لے جا سکتا ہے لے جائے۔ میں اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہونے دوں گا“

بطریقِ اعظم اپنے گرجوں سے چرائی ہوئی دولت اور قیمتی سامان لے گیا۔

سلطان ایوبی نے زرِ فدیہ ادا کرنے کی میعاد چالیس دن مقرر کی تھی۔ چالیس دن پورے ہو گئے تو ابھی تک ہزاروں غریب اور نادار عیسائی شہر میں موجود تھے۔ نوّے برس پہلے جب صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو دُور دُور سے عیسائی یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ کبھی یہاں سے نکلنا بھی پڑے گا۔

یہ حالت دیکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی العادل اُس کے پاس آیا۔

”محترم سلطان!“ العادل نے کہا۔ ”آپ جانتے ہیں کہ اس شہر کی فتح میں میرا اور میرے دستوں کا کتنا ہاتھ ہے۔ اس کے عوض مجھے ایک ہزار عیسائی بطور غلام دے دیں“

”اتنے غلام کیا کرو گے؟“ سلطان صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

”یہ میری مرضی پر ہو گا، میں جو چاہوں کروں“

سلطان ایوبی نے العادل کو ایک ہزار عیسائی دینے کا حکم دے دیا۔ العادل نے ایک ہزار عیسائی منتخب کیے اور انہیں باب داؤد لے جا کر سب کو رہا کر دیا۔

"سلطانِ محترم!" العادل نے واپس آکر سلطان ایوبی سے کہا۔ "میں نے ان تمام عیسائی غلاموں کو شہر سے رخصت کر دیا ہے۔ اُن کے پاس زرِ فدیہ نہیں تھا۔"

"میں جانتا تھا تم ایسا ہی کرو گے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "ورنہ میں تمہیں ایک بھی غلام نہ دیتا۔ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمہاری یہ نیکی قبول کرے۔"

یہ واقعات افسانے نہیں، مؤرخوں نے بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ عیسائی عورتوں کا ایک ہجوم سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ پتہ چلا کہ یہ اُن صلیبی فوجیوں کی بیویاں، بیٹیاں یا بہنیں ہیں جو مارے گئے یا قید ہو گئے ہیں اور اُن کے پاس زرِ فدیہ نہیں۔ سلطان ایوبی نے سب کو صرف رہا ہی نہ کیا بلکہ انہیں کچھ رقم دے کر رخصت کیا۔ اُس کے بعد اُس نے عام حکم جاری کر دیا کہ تمام عیسائیوں کو جو شہر میں رہ گئے ہیں زرِ فدیہ معاف کیا جاتا ہے۔ وہ جا سکتے ہیں۔ صلیبیوں کی صرف فوج قید میں رہی۔

اس سے پہلے سلطان ایوبی نے مسجدِ اقصےٰ کی صفائی اور مرمت کرائی تھی۔ اُس دور کی تحریروں کے مطابق سلطان ایوبی خود سپاہیوں کے ساتھ اینٹیں اور گارا اُٹھا تا رہا۔ ۱۹ اکتوبر، ۱۱۸۷ء جمعہ کا مبارک دن تھا۔ سلطان ایوبی جمعہ کی نماز کے لیے مسجدِ اقصےٰ میں گیا تو وہ منبر جو نورالدین زنگی مرحوم نے بنوایا تھا اور مرحوم کی بیوہ اور بیٹی لائی تھیں، اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے منبر اپنے ہاتھوں مسجد میں رکھا۔ جمعہ کا خطبہ دمشق سے آئے ہوئے ایک خطیب نے پڑھا۔

اس کے بعد سلطان ایوبی نے مسجدِ اقصےٰ کی آرائش کی طرف توجہ دی۔ مرمر کے پتھر منگوا کر فرش میں لگوائے اور مسجد کو جی بھر کے خوبصورت بنایا۔ وہ خوب صورت پتھر جو سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھوں لگوائے تھے آج بھی مسجدِ اقصےٰ میں موجود ہیں اور اُن کی خوب صورتی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

☆

بیت المقدس کی فتح تاریخِ اسلام کا بہت بڑا واقعہ اور عظیم کارنامہ تھا، مگر سلطان ایوبی کا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اُسے سرزمینِ عرب اور فلسطین کو صلیبیوں سے پاک کرنا تھا۔ اُس نے بیت المقدس کو جہاں ایک مضبوط چھاؤنی اور عسکری مستقر بنایا وہاں اس مقدس مقام کو علم و فضل کا مرکز بنا دیا۔ ۵ رمضان ۵۸۳ ہجری (۳۰ نومبر ۱۱۸۷ء) کے روز اُس نے بیت المقدس سے کوچ کیا۔ اُس کا رُخ شمال کی طرف تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے الملک الظاہر کو جو کسی اور جگہ تھا، پیغام بھیجا کہ اپنے دستے لے کر اُس کے پاس آ جائے۔ سلطان ٹائر پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔ یہ صلیبیوں کی مضبوط چھاؤنی تھی اور بندرگاہ تھی۔ سلطان ایوبی نے بحریہ کے کمانڈر الفارس بیدرون کو پیغام بھیجا کہ وہ ٹائر سے کچھ دُور تک آ جائے اور جب سلطان اس شہر کا محاصرہ کرے تو الفارس صلیبی بیڑے پر حملہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے الفارس کو حملے کے جو دن بتائے وہ دسمبر کے آخر یا جنوری کے شروع کے تھے۔

دونوں لڑکیاں الفارس کے جہاز میں تھیں۔ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس وہاں نہیں تھا۔

حسن بن عبداللہ بیت المقدس کی جنگ پھر فتح کے بعد کاموں میں مصروف رہا۔ ادھر سے فارغ ہو کر اُسے خیال آیا کہ اُس نے اپنا ایک آدمی الفارس کے جہاز میں بھیجا تھا۔ اُس نے ایک قاصد رؤف کُرد کے پاس یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ اُس کا آدمی کیا کر رہا ہے۔ اس قاصد کو جہاز تک پہنچنے کئی دن لگ گئے۔ رؤف کُرد نے قاصد کو بتایا کہ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس بہت دن ہوئے چلا گیا تھا۔

جاسوس اُس وقت تک بحیرۂ روم کی تہہ میں مچھلیوں کی خوراک بن چکا تھا اور رؤف کُرد اُس کے اس انجام سے اچھی طرح واقف تھا۔ کچھ روز پہلے جاسوس نے رؤف کُرد سے کہا تھا کہ ان لڑکیوں کو وہ یہاں نہیں رہنے دے گا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ جب جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتا ہے تو چھوٹی چھوٹی کشتیاں اُس کے قریب آ جاتی اور ماہی گیری قسم کے لوگ مختلف چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ ان میں ایک آدمی کو اُس نے تین چار جگہوں پر دیکھا تھا۔ لڑکیاں اُسے رسّے کی سیڑھی لٹکا کر اوپر بلاتی ہیں اور اُس سے کچھ خریدنے کی بجائے اُس کے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہیں۔ جہاز اگر دس پندرہ میل دُور ساحل کے ساتھ کہیں لنگر انداز ہوا تو وہاں بھی یہ آدمی کشتی لے کے آ گیا۔ جاسوس کو اس آدمی پر شک تھا۔

فلوری نے رؤف کُرد کی عقل مار ڈالی تھی۔ وہ اس سے راز کی باتیں پوچھتی اور وہ اُسے سب کچھ بتا دیتا تھا۔ الفارس بہت مصروف رہتا تھا۔ وہ دوسرے جہازوں میں بھی چلا جاتا تھا۔ ایک روز رؤف کُرد نے فلوری کے طلسم سے مسحور ہو کر اُسے بتا دیا کہ جہاز میں ایک خطرناک آدمی ہے، اس کے ساتھ کوئی بات نہ کرنا۔ رؤف کُرد ان لڑکیوں کو ابھی تک خانہ بدوش سمجھ رہا تھا اور وہ اُن کے اصلی ناموں، فلوری اور روزی سے واقف نہیں تھا۔ یہ لڑکیاں دراصل تجربہ کار جاسوس تھیں۔ وہ سمجھ گئیں کہ جس آدمی کے متعلق رؤف کُرد نے بات کی ہے وہ جاسوس ہے۔ رؤف کُرد کو گوارا نہ تھا کہ فلوری جہاز سے چلی جائے۔ اُس نے اِن لڑکیوں کو یہ بھی بتا دیا کہ یہ جاسوس ہے۔

ایک رات الفارس کسی دوسرے جہاز میں گیا ہوا تھا۔ آدھی رات کے وقت رؤف کُرد اور فلوری عرشے پر جنگلے کے ساتھ ایسی جگہ چھپے ہوئے تھے جہاں پیچھے اور دائیں بائیں سامان پڑا تھا۔ حسن عبداللہ کا جاسوس دانستہ یا اتفاقیہ اُدھر آ نکلا۔ رؤف کُرد گھبرانے یا دُنی جھوٹ بولنے کی بجائے اُٹھ کر اُسے ذرا پرے لے گیا اور کہا کہ وہ اُس لڑکی کو لالچ وغیرہ دے کر پوچھ رہا تھا کہ وہ دونوں کون ہیں۔ اُس نے جاسوس سے کہا کہ میں چلا جاتا ہوں، تم اِس کے پاس بیٹھ جاؤ اور اپنے تجربے اور علم کے مطابق اس سے باتیں کر کے بھید لو کہ یہ ہیں کون؟

جاسوس کو فلوری کے پاس بھیج کر اُس نے روزی کو جا جگایا اور اُسے کہا کہ شکار فلاں جگہ ہے، تم بھی چلی جاؤ۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہوں گا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔

روزی اوپر آئی۔ رؤف کُرد نے اُسے گز بھر لمبی رسّی دی اور وہ اُس جگہ چلی گئی جہاں جاسوس اور فلوری بیٹھے تھے۔ وہاں اندھیرا تھا۔ روزی اُن کے پاس بیٹھ گئی۔ جاسوس گپ شپ کے انداز سے اُن کی

اصلیت کا بھید حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ روزی نے رسّی اُس کی گردن کی گرد لپیٹ دی۔ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ فلوری نے فوراً رسّی کا دوسرا سرا پکڑ لیا۔ پیشتر اس کے جاسوس اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں ہلاتا، اُس کی گردن کا پھندا لڑکیوں نے رسّی اپنی اپنی طرف کھینچ کر تنگ کر دیا۔ وہ ذرا دیر تڑپا پھر اُس کا جسم ساکت ہو گیا۔

رؤف کُرد ذرا پرے کھڑا تھا۔ وہاں اگر کوئی ملازم تھا تو اُسے اُس نے کوئی کام بتا کر وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ لڑکیوں نے جاسوس کی لاش سمندر میں پھینک دی۔ روزی چلی گئی۔ فلوری وہیں بیٹھی رہی۔ رؤف کرد اُس کے پاس چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

☆

الفارس کو معلوم ہی نہ تھا کہ اُس کے جہاز میں کوئی جاسوس آیا یا رؤف کرد نے کسی نئے آدمی کو جہاز میں کسی کام پر لگایا تھا۔ اُس کے قتل کے دو چار روز بعد الفارس کو خیال آیا کہ اُس کے اپنے اور دوسرے پانچ جہازوں کے ملاح اور بحری سپاہی تو مہینوں سے سمندر میں ہیں اور وہ سب اُکتا گئے ہوں گے۔ اُس نے دوسرے جہازوں میں جا کر ملاحوں اور سپاہیوں کی کیفیت دیکھی تھی۔ وہ خشکی کی رونق سے دُور فراغت اور بے یقینی کیفیت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اگر کبھی بحری معرکہ ہو جایا کرتا تو اُن کی ذہنی حالت یہ نہ ہوتی چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ ایک رات وہ تمام جہازوں کو اکٹھا کر کے لنگر ڈال دے گا اور جشن منائے گا۔ ملاح اور سپاہی گائیں بجائیں گے اور سب کو اچھا کھانا دیا جائے گا۔

اُس نے رؤف کرد اور اپنے ماتحت افسروں سے بات کی۔ اُس وقت دونوں لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ناچیں گی۔ الفارس زندہ دل انسان تھا۔ وہ خود بھی جشن اور راگ رنگ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے ابھی کوئی رات مقرر نہ کی کیونکہ اُسے خشکی سے سلطان ایوبی کے قاصد کا انتظار تھا۔ دسمبر کا آخری ہفتہ تھا۔

دو روز بعد قاصد آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ سلطان ایوبی ٹائر سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا ہے اور الفارس اپنے جہازوں کو ٹائر کے قریب لے جائے تاکہ محاصرے کے وقت وہ کم وقت میں ٹائر پہنچ سکے۔ قاصد نے خاص طور پر کہا تھا کہ اب دن اور رات چوکس رہیں کیونکہ صلیبی جہاز قریب ہی موجود ہیں۔۔۔۔ الفارس نے قاصد کو رخصت کیا اور اُس شام اپنے بکھرے ہوئے جہازوں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا اشارہ دے دیا۔ اُس نے رؤف کرد کو بتایا کہ چند روز بعد شاید انہیں بحری جنگ لڑنی پڑے اس لیے دو رات بعد جشن منا لیا جائے۔

رؤف کرد نے بتا دیا کہ فلاں رات جہاز اکٹھے ہوں گے اور رونق میلہ ہو گا۔

اینڈریو کی کشتی آتی ہی رہتی تھی۔ حسن بن عبداللہ کے جاسوس نے اُسے کئی جگہوں پر دیکھا تھا۔ اب جہاز ساحل کے قریب آ گیا تو اینڈریو آ گیا۔ لڑکیوں نے حسبِ معمول اُسے اوپر بلا لیا اور اُس سے کچھ خریدا اور اُس کے کان میں یہ قیمتی اطلاع ڈال دی کہ فلاں رات جہاز اکٹھے کھڑے ہوں گے اور عرشوں پر جشن ہو گا۔ اینڈریو کچھ

رہا تھا کہ دُور سے الفارس کے دوسرے جہاز آ رہے تھے۔ وہ لڑکیوں کو یہ کہہ کر چلا گیا۔ ''اُس رات اسی طرف میری کشتی آ جائے گی۔ سیڑھی پھینک کر اُتر آنا۔''

☆

وہ رات آ گئی۔ چھ جہاز بادبان لپیٹے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ جہازوں کے کپتان اور دیگر افسر الفارس کے جہاز میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ پُرتکلف کھانا ہو رہا تھا۔ ملاح اور سپاہی اپنے اپنے جہازوں میں ناچ کُود رہے تھے۔ الفارس کے جہاز میں دونوں لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ دف اور ساز بج رہے تھے۔ جہازوں پر بہت سی مشعلیں جلا دی گئی تھیں۔ رات کو دن بنا دیا گیا تھا۔

یہ رونق جب عروج کو پہنچی تو رات خاصی گزر چکی تھی۔ صلیبیوں کے دس بارہ جنگی جہاز بتیاں بجھائے ہوئے الفارس کے جہازوں کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ وہ نصف چاند کی ترتیب میں تھے۔ وہ قریب آ گئے تو بھی کسی کو پتہ نہ چلا۔ اِدھر چھوٹی سی ایک کشتی الفارس کے جہاز کے قریب ہو رہی تھی۔ اچانک الفارس کے جہازوں پر جلتے ہوئے گولے گرنے لگے اور تیروں کی ایسی بوچھاڑیں آئیں کہ کئی ملاح اور سپاہی تڑپنے لگے۔ الفارس اور اُس کے کپتانوں نے اس اچانک حملے سے نکلنے کی کوشش کی مگر جہازوں کو نکالنا ممکن نہ تھا۔ سپاہیوں نے تیروں سے جواب دیا۔ منجنیقوں سے آگ پھینکی۔ ایک صلیبی جہاز کو آگ لگی مگر صلیبی اپنا کام کر چکے تھے۔ اُن کے جہاز واپس چلے گئے۔

معرکہ جس طرح اچانک شروع ہوا تھا اسی طرح اچانک ختم ہو گیا۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی تحریر کے مطابق الفارس کے پانچ جہاز جل کر تباہ ہو گئے۔ دو کپتان اور بہت سے بحری سپاہی شہید ہو گئے۔ قاضی شداد نے اس کی تاریخ ۲۷ شوال ۵۰۲ھ (۳۰ دسمبر ۱۱۸۷ء) لکھی ہے۔

چونکہ جہاز جل رہے تھے اس لیے روشنی بہت تھی۔ کسی نے دیکھا کہ ایک کشتی جا رہی تھی جس میں دو مرد اور دو عورتیں تھیں۔ الفارس نے اپنے جہاز سے ایک کشتی اتروائی اور اُس کشتی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ اُس کشتی سے تیر آنے لگے۔ اِدھر سے بھی تیر چلے اور کشتی کو گھیر لیا گیا۔ دونوں مرد اور ایک لڑکی تیروں کا نشانہ بن گئی۔ ایک بچ گئی۔ بعد میں اسی لڑکی کے بیان سے تباہی کی اصل حقیقت کھُلی۔

اُس وقت سلطان ایوبی ٹائر سے کچھ دُور خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے سیدھا ٹائر پر یلغار کرنی تھی۔ کوچ سے ایک ہی روز پہلے اُسے اطلاع ملی کہ چھ میں سے پانچ جہاز تباہ ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی بجھ کے رہ گیا۔ وہ ایسی بُری خبر سننے کے لیے تیار نہیں تھا اور وہ اتنی جلدی دل چھوڑنے والا بھی نہیں تھا۔ اُس نے پیش قدمی ملتوی کر دی اور الفارس اور دوسرے کپتانوں کو بلایا۔ الفارس نے اُسے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ ملاح اور سپاہی فراغت اور سمندر سے اُکتائے ہوئے تھے اس لیے اُس نے جشن کا اہتمام کیا تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور مشیروں کا اجلاس بلایا اور یہ صورتِ حال سب کے سامنے رکھی۔ سب نے یہ مشورہ دیا کہ سخت سردی پڑ رہی ہے اور بارشیں شروع ہو چکی ہیں۔ اس موسم میں جنگ جاری نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کے علاوہ سپاہی مسلسل جنگ اور تیز رفتار کوچ اور پیش قدمی سے اتنے تھک چکے تھے کہ

اصلیت کا بھید حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ روزی نے رسّی اُس کی گردن کی گرد لپیٹ دی۔ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ فلوری نے فوراً رسّی کا دوسرا سرا پکڑ لیا۔ پیشتر اس کے جاسوس اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں ہلاتا، اُس کی گردن کا پھندا لڑکیوں نے رسّی اپنی اپنی طرف کھینچ کر تنگ کر دیا۔ وہ ذرا دیر تڑپا پھر اُس کا جسم ساکت ہو گیا۔

رؤف کرد ذرا پرے کھڑا تھا۔ وہاں اگر کوئی ملازم تھا تو اُسے اُس نے کوئی کام بتا کر وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ لڑکیوں نے جاسوس کی لاش سمندر میں پھینک دی۔ روزی چلی گئی۔ فلوری وہیں بیٹھی رہی۔ رؤف کرد اُس کے پاس چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

☆

الفارس کو معلوم ہی نہ تھا کہ اُس کے جہاز میں کوئی جاسوس آیا یا ڈھونڈ کر مرتے کسی نئے آدمی کو جہاز میں کسی کام پر لگایا تھا۔ اُس کے قتل کے دو چار روز بعد الفارس کو خیال آیا کہ اس کے اپنے اور دوسرے پانچ جہازوں کے ملاح اور بحری سپاہی تو مہینوں سے سمندر میں ہیں اور وہ سب اکتا گئے ہوں گے۔ اُس نے دوسرے جہازوں میں جا کر ملاحوں اور سپاہیوں کی کیفیت دیکھی تھی۔ وہ خشکی کی رونق سے دُور فراغت اور بے یقینی کیفیت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اگر کبھی کبھی بحری معرکہ ہو جایا کرتا تو اُن کی ذہنی حالت یہ نہ ہوتی چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ ایک رات وہ تمام جہازوں کو اکٹھا کر کے لنگر ڈال دے گا اور جشن منائے گا۔ ملاح اور سپاہی گائیں بجائیں گے اور سب کو اچھا کھانا دیا جائے گا۔

اُس نے رؤف کرد اور اپنے ماتحت افسروں سے بات کی۔ اُس وقت دونوں لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ناچیں گی۔ الفارس زندہ دل انسان تھا۔ وہ خود بھی جشن اور راگ رنگ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے ابھی کوئی رات مقرر نہ کی کیونکہ اُسے خشکی سے سلطان ایوبی کے قاصد کا انتظار تھا۔ دسمبر کا آخری ہفتہ تھا۔

دو روز بعد قاصد آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ سلطان ایوبی ٹائر سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا ہے اور الفارس اپنے جہازوں کو ٹائر کے قریب لے جائے تاکہ محاصرے کے وقت وہ کم وقت میں ٹائر پہنچ سکے۔ قاصد نے خاص طور پر کہا تھا کہ اب دن اور رات چوکس رہیں کیونکہ صلیبی جہاز قریب ہی موجود ہیں ..... الفارس نے قاصد کو رخصت کیا اور اُس شام اپنے بکھرے ہوئے جہازوں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا اشارہ دے دیا۔ اُس نے رؤف کرد کو بتایا کہ چند روز بعد شاید انہیں بحری جنگ لڑنی پڑے اس لیے دو رات بعد جشن منا لیا جائے۔

رؤف کرد نے بتا دیا کہ فلاں رات جہاز اکٹھے ہوں گے اور رونق میلہ ہو گا۔

اینڈریو کی کشتی آتی ہی رہتی تھی۔ حسن بن عبداللہ کے جاسوس نے اُسے کئی جگہوں پر دیکھا تھا۔ اب جہاز ساحل کے قریب آ کر رکا تو اینڈریو آ گیا۔ لڑکیوں نے حسبِ معمول اُسے اوپر بلا لیا اور اُس سے کچھ خریدا اور اُس کے کان میں یہ قیمتی اطلاع ڈال دی کہ فلاں رات جہاز اکٹھے کھڑے ہوں گے اور عرشوں پر جشن ہو گا۔ اینڈریو دیکھ

رہا تھا کہ دُور سے الفارس کے دوسرے جہاز آ رہے تھے۔ وہ لڑکیوں کو یہ کہہ کر چلا گیا۔ "اُس رات اسی طرف میری کشتی آ جائے گی۔ سیڑھی پھینک کر اُتر آنا۔"

☆

وہ رات آ گئی۔ چھ جہاز بادبان لپیٹے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ جہازوں کے کپتان اور دیگر افسر الفارس کے جہاز میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ پُرتکلف کھانا ہو رہا تھا۔ ملاح اور سپاہی اپنے اپنے جہازوں میں ناچ کود رہے تھے۔ الفارس کے جہاز میں دونوں لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ دف اور ساز بج رہے تھے۔ جہازوں پر بہت سی مشعلیں جلا دی گئی تھیں۔ رات کو دن بنا دیا گیا تھا۔

یہ رونق جب عروج کو پہنچی تو رات خاصی گزر چکی تھی۔ صلیبیوں کے دس بارہ جنگی جہاز بتیاں بجھائے ہوئے الفارس کے جہازوں کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ وہ نصف چاند کی ترتیب میں تھے۔ وہ قریب آ گئے تو بھی کسی کو پتہ نہ چلا۔ ادھر چھوٹی سی ایک کشتی الفارس کے جہاز کے قریب ہو رہی تھی۔ اچانک الفارس کے جہازوں پر جلتے ہوئے گولے گرنے لگے اور تیروں کی ایسی بوچھاڑیں آئیں کہ کئی ملاح اور سپاہی تڑپنے لگے۔ الفارس اور اُس کے کپتانوں نے اس اچانک حملے سے نکلنے کی کوشش کی مگر جہازوں کو نکالنا ممکن نہ تھا۔ سپاہیوں نے تیروں سے جواب دیا۔ منجنیقوں سے آگ پھینکی۔ ایک صلیبی جہاز کو آگ لگی مگر صلیبی اپنا کام کر چکے تھے۔ اُن کے جہاز واپس چلے گئے۔

معرکہ جس طرح اچانک شروع ہوا تھا اسی طرح اچانک ختم ہو گیا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد کی تحریر کے مطابق الفارس کے پانچ جہاز جل کر تباہ ہو گئے۔ دو کپتان اور بہت سے بحری سپاہی شہید ہو گئے۔ قاضی شداد نے اس کی تاریخ ۲۷ شوال ۵۰۲ھ (۳۰ دسمبر ۱۱۰۷ء) لکھی ہے۔

چونکہ جہاز جل رہے تھے اس لیے روشنی بہت تھی۔ کسی نے دیکھا کہ ایک کشتی جا رہی تھی جس میں دو مرد اور دو عورتیں تھیں۔ الفارس نے اپنے جہاز سے ایک کشتی اتروائی اور اُس کشتی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ اُس کشتی سے تیر آنے لگے۔ اِدھر سے بھی تیر چلے اور کشتی کو گھیر لیا گیا۔ دونوں مرد اور ایک لڑکی تیروں کا نشانہ بن گئی۔ ایک بچ گئی۔ بعد میں اسی لڑکی کے بیان سے تباہی کی اصل حقیقت کھلی۔

اُس وقت سلطان ایوبی ٹائر سے کچھ دُور خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے سیدھا ٹائر پر یلغار کرنی تھی۔ کُوچ سے ایک ہی روز پہلے اُسے اطلاع ملی کہ چھ میں سے پانچ جہاز تباہ ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی بجھ کے رہ گیا۔ وہ ایسی بُری خبر سننے کے لیے تیار نہیں تھا اور وہ اتنی جلدی دل چھوڑنے والا بھی نہیں تھا۔ اُس نے پیش قدمی ملتوی کر دی اور الفارس اور دوسرے کپتانوں کو بلایا۔ الفارس نے اُسے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ ملاح اور سپاہی فراغت اور سمندر سے اکتا گئے ہوئے تھے اس لیے اُس نے جشن کا اہتمام کیا تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور مشیروں کا اجلاس بلایا اور یہ صورتِ حال سب کے سامنے رکھی۔ سب نے یہ مشورہ دیا کہ سخت سردی پڑ رہی ہے اور بارشیں شروع ہو چکی ہیں اس موسم میں جنگ جاری نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کے علاوہ سپاہی مسلسل جنگ اور تیز رفتار کُوچ اور پیش قدمی سے اتنے تھک چکے تھے کہ

انہیں جذبات میں لا کر لڑاتے رہنا ظلم ہے اور اس کا نتیجہ شکست بھی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے بحری بیڑے کی تباہی کی مثال دے کر کہا کہ اتنا طویل عرصہ سپاہیوں کو گھروں سے دُور رکھنے کے اثرات ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیت المقدس کی عظیم فتح ہمارے لیے کوئی اور حادثہ بن جائے۔

سلطان ایوبی ڈکٹیٹر نہیں تھا۔ اُس نے یہ مشورہ منظور کر لیا اور حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں سے جو عارضی فوج بنائی گئی تھی وہ توڑ دی جائے اور ان لوگوں کو کچھ رقم دے کر گھروں کو بھیج دیا جائے۔ اُس نے اپنی باقاعدہ فوج کے بھی کچھ حصے کو تھوڑی چھٹی دے کر گھروں کو بھیج دیا اور ۲ جنوری ۱۱۸۸ء کے روز عکرہ کو روانہ ہو گیا۔ ۵ مارچ ۱۱۸۸ء تک وہ عکرہ میں رہا۔

آنسو جو مسجدِ اقصیٰ میں گرے

صلیبی جنگ عروج کو پہنچ گئی تھی۔ بیت المقدس کی فتح نے سارے یورپ کو زلزلے کے بڑے ہی شدید جھٹکے کی طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی زندگی کا مشن پورا کر دیا تھا لیکن بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے سے چھڑا لینا ہی کافی نہیں تھا۔ اس مقدس شہر کا دفاع مستحکم کرنا تھا جو صرف شہر کی دیواریں مضبوط کر لینے تک محدود نہیں تھا۔ بیت المقدس کو صلیبیوں سے بچائے رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اِرد گرد، دُور دُور کے علاقے پر قبضہ کیا جائے اور ساحل کو بھی اپنی تحویل میں رکھا جائے۔ بہت سے اہم مقامات پر سلطان ایوبی نے پہلے قبضہ کر لیا تھا۔ باقی جو رہ گئے تھے ان پر سلطان ایوبی کی فوج حملے کرتی اور قابض ہوتی چلی جا رہی تھی۔

مفتوحہ مقامات سے عیسائی آبادی بھاگتی چلی جا رہی تھی جن مقامات پر عیسائیوں کا قبضہ تھا وہاں انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ ان کے لیے مسلمانوں کا قتلِ عام روزمرہ کا معمول اور مذہبی فریضہ تھا۔ اس کے برعکس سلطان ایوبی جو جگہ فتح کرتا تھا وہاں کے عیسائی باشندوں کو اپنی فوج کی حفاظت میں نکال دیتا تھا سوائے جنگی قیدیوں یعنی صلیبی فوجیوں کے۔ ارضِ فلسطین کی اب یہ کیفیت تھی کہ سلطان ایوبی ہر ایک دستے کو خواہ وہ اُس کے ہیڈ کوارٹر سے کتنی ہی دُور کیوں نہ تھا، رابطے اور اپنے احکام کا پابند رکھے ہوئے تھا۔ چھاپہ مار جیش عقابوں اور چیتوں کی طرح پہاڑیوں، جنگلوں اور صحراؤں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ جہاں انہیں صلیبی فوج کا کوئی دستہ یا رسد کا قافلہ نظر آتا وہ اُس پر ٹوٹ پڑتے، شبخون مارتے اور انہیں ہلاک، زخمی اور تتر بتر کر کے اُن کے گھوڑے، اسلحہ اور رسد اُٹھا لاتے۔

اِن چھاپہ ماروں نے جو شبخون مارے وہ ہماری تاریخ کی ولولہ انگیز، ایمان افروز اور مافوق الفطرت شجاعت کی داستانیں ہیں۔ ہر ایک کا بیان شروع ہو جائے تو یہ داستان بڑی لمبی مدت تک ختم نہ ہو۔ یہ ارضِ فلسطین کے پاسبان تھے جو اکیلے اکیلے، دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں کئی کئی سو نفری کے دستوں اور دشمن کے کیمپوں پر شبخون مارتے اور شب کی تاریکی میں گم یا اپنے خون میں ڈوب جاتے تھے۔ انہوں نے دشمن سے رسد چھین کر اپنی فوجوں کو دی اور خود دشمن کی تلاش میں بھوکے بھٹکتے رہے، لڑتے اور کٹتے رہے، اپنی لگائی ہوئی آگ میں زندہ جلتے رہے۔ انہیں کفن نصیب نہ ہوئے، کسی نے ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی اور وہ کسی قبر میں دفن نہ ہوئے۔

وہ قہر تھے جو دشمن پر ٹوٹتے رہے۔ انہی کے بھروسے سلطان ایوبی بیت المقدس کی فتح سے بعد ایوب

فلسطین میں شیر کی طرح دندناتا، دھاڑتا اور گرجتا رہا۔ سلطان ایوبی کی ان گوریلا اور کمانڈو (چھاپہ مار) پارٹیوں کے متعلق مشہور و معروف یورپی مؤرخ لین پول لکھتا ہے۔ "یہ بے دین (مسلمان) ہمارے نائٹوں (جنگجو سرداروں) کی طرح وزنی زرہ بکتر نہیں پہنتے تھے لیکن ہمارے زرہ پوش نائٹوں کو ناکوں چنے چبوا دیتے تھے۔ اُن پر حملہ کیا جاتا تو بھاگتے نہیں تھے۔ اُن کے گھوڑے ساری دنیا میں تیز رفتار مانے گئے تھے۔ وہ جب دیکھتے تھے کہ (صلیبی) اُن کے تعاقب سے ہٹ گئے ہیں تو وہ پھر واپس آجاتے تھے۔ ان (مسلمان چھاپہ ماروں) کی حالت اُن کبھی نہ تھکنے والی مکھیوں جیسی تھی جنہیں اڑاؤ تو ایک لمحے کے لیے اُڑ کر پھر تمہارے اوپر بیٹھ جاتی ہیں۔ اگر انہیں ہر وقت دُور رکھنے کی کوشش کرتے رہو تو وہ دُور رہتے تھے۔ جونہی یہ کوشش ترک کر دی جاتی وہ شب خون مار جاتے..... وہ پہاڑی علاقے کی طوفانی بارش کی طرح چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں آتے اور صلیبی فوج کی ترتیب توڑ کر غائب ہو جاتے۔ ہمارے نائٹوں کو وہ قدم قدم پر پریشان کرتے اور ہماری فوج کی پیش قدمی کو سست کیے رکھتے۔"

☆

یہ خطہ جو آج اسرائیل کہلاتا ہے، سلطان ایوبی کے دور میں ارضِ مقدس تھا جسے صلیبیوں سے پاک کرنے کے لیے اللہ کے ایک ایک سپاہی نے وہاں اپنے خون کا نذرانہ دیا۔ سلطان ایوبی نے بعض بستیاں تباہ و برباد کر دی تھیں۔ جنگ بے رحمانہ تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اُس کے دل میں رحم کا ایک ذرہ بھی نہیں رہا لیکن اُس نے رحمدلی کے ایسے مظاہرے کیے کہ صلیبی مؤرخوں نے بھی اُسے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس سے رحم کی بھیک مانگنے کے لیے صلیبیوں کی ایک ملکہ بھی آئی اور ایک غریب صلیبی عورت بھی۔

صلیبی ملکہ کا نام سبیلا تھا۔ وہ مشہور صلیبی حکمران ریمانڈ کی بیوی تھی۔ جنگِ حطین کے وقت وہ طبریہ کے قلعے کی ملکہ تھی۔ آپ پچھلی اقساط میں پڑھ چکے ہیں کہ ریمانڈ جنگِ حطین کے میدان سے بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی نے طبریہ کا قلعہ سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا تھا اور سلطان ایوبی نے اُسے قید نہیں کیا تھا۔ اسی جنگ میں سلطان ایوبی نے بیت المقدس کے حکمران گائی آف لوزینان کو جنگی قیدی بنا لیا تھا۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب سلطان ایوبی عکرہ کے مقام پر خیمہ زن تھا، اُسے اطلاع ملی کہ ملکہ سبیلا اُسے ملنے آرہی ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے آنے سے نہ روکا بلکہ آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

"صلاح الدین!" — ملکہ سبیلا جو شکست کھا چکنے کے بعد بھی ملکہ ہی کہلانا پسند کرتی تھی کیوں کہ اپنے خاوند کے قتل کے بعد وہ تریپولی کی حکمران تھی، بولی — "کیا آپ کو معلوم ہے کہ کتنے ہزار یا کتنے لاکھ عیسائی گھروں سے بے گھر ہو گئے ہیں؟ ان پر یہ ظلم آپ کے حکم سے ہوا ہے۔"

"اور جن بے گناہ مسلمانوں کا آپ نے قتلِ عام کرایا اور کرایا جا رہا ہے وہ کس کے حکم سے کرایا جا رہا ہے؟" — سلطان ایوبی نے اُس کا جواب سُنے بغیر کہا۔ "اگر میں خون کا بدلہ خون سے لوں تو ایک بھی عیسائی زندہ نہ رہے..... آپ کیوں آئی ہیں؟..... یہی شکایت مجھ تک پہنچانے؟"

"نہیں۔" ملکہ سبیلا نے جواب دیا۔ "میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں..... گائی آف لوزینان آپ کے پاس جنگی قیدی ہے۔ میں اُسے رہا کرانے آئی ہوں۔"

"میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ اُسے کیوں رہا کرانا چاہتی ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں یہ ضرور پوچھوں گا کہ کس شرط پر میں اُسے رہا کروں؟"

"اگر آپ کا بیٹا یا بھائی قید ہو جائے تو کیا آپ اُسے رہا کرانے کی کوشش نہیں کریں گے؟" ملکہ سبیلا نے پوچھا۔

"میرے وہ کماندار، عہدیدار اور سپاہی جو آپ کے جنگی قیدی ہیں وہ سب میرے بیٹے اور میرے بھائی ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اگر میں خود قید ہو گیا تو میں بھی آپ سے رہائی کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میرا کوئی بیٹا اور میرا کوئی بھائی میری رہائی کے لیے آپ کے پاس نہیں جائے گا۔"

"صلاح الدین!" ملکہ سبیلا نے کہا۔ "آپ خود بادشاہ ہیں۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ ایک بادشاہ کا قید میں پڑے رہنا اُس کی کتنی توہین ہے۔ وہ یروشلم اور گرد و نواح کے دُور دُور کے علاقے کا حکمران تھا۔"

"یروشلم نہیں بیت المقدس۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ "گائی اس خطے کا غاصب تھا۔ کسی غاصب کو ہم بادشاہ نہیں کہا کرتے۔ اگر آپ یہ کہتیں کہ وہ اسلام کا خاتمہ کر کے یہاں صلیب کی حکمرانی قائم کرنے آیا تھا تو میں آپ کی بھی اور اُس کی بھی قدر کرتا۔ میں ہر اُس انسان کی قدر دل و جان سے کرتا ہوں جو اپنے مذہب اور عقیدے کا قدردان ہوتا ہے۔ اُس کا مذہب چاہے بے بنیاد اور جھوٹے عقیدوں کا ہی مجموعہ کیوں نہ ہو۔ میں نہ اپنے کو بادشاہ سمجھتا ہوں نہ کسی کی بادشاہی کو تسلیم کرتا ہوں۔ بادشاہی صرف اللہ کی ذات کی ہے اور ہم اُس کی بادشاہی کے محافظ ہیں۔ ہم اللہ کے سپاہی ہیں۔"

"ہم بھی خدا کی حکمرانی کے لیے کوشاں ہیں۔" ملکہ سبیلا نے کہا۔

"اگر آپ اُس خدا کی قائل ہوتیں جس کا میں قائل ہوں تو آپ ایک بادشاہ کی رہائی کی بجائے یہ درخواست لے کر آتیں کہ اس بادشاہ کے سپاہیوں کو رہا کر دو۔" سلطان نے کہا۔ "آپ کو اس سے انکار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ خطہ ہمارا ہے آپ کا نہیں۔ یہاں صلیبی امن پسند باشندوں کی طرح رہ سکتے ہیں، بادشاہ بن کر نہیں۔ اپنے صلیبی دوستوں کو بتا دیں کہ انسانوں کی قتل و غارت سے باز آجاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔ آپ کا ہر حربہ ناکام ہو چکا ہے۔ آپ نے اپنی معصوم بیٹیوں کو گناہوں کی تربیت دی اور ان کی عصمتیں داؤ پر لگائیں۔ آپ نے ہمارے مذہبی پیشواؤں کے بہروپ میں اپنے تخریب کار بھیج کر میری قوم کے عقیدوں کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے زر و جواہرات، شراب اور دلکش لڑکیوں کے ذریعے میری قوم میں غداری کا بیج بویا اور خانہ جنگی کرائی۔ آپ نے حشیشین سے مجھے قتل کرانے کی کئی بار کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں میں خانہ جنگی کرائی اور ہماری جنگی طاقت کو تباہ کر دیا..... ہاں ملکہ صلیب! میں اعتراف کرتا ہوں کہ آپ اس میں کامیاب ہوئیں کہ ہماری سلطنت

ٹکڑوں میں کاٹ دیا اور مسلمان نے مسلمان کا خون بہایا....."

"میرے عزیز سلطان!" ملکہ سبیلا نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "میں اتنی لمبی اور پیچیدہ بحث کے لیے نہیں آئی۔ میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں کہ گائی آف لوزینان کو رہا کر دو۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے بعد میرے پاس نہیں آئیں گی۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ میرے اس خیمے سے ہی ہمیشہ کے لیے نہیں چلی جائیں گی بلکہ آپ اس خطے سے جا رہی ہیں۔ پھر آپ کبھی ادھر کا رُخ نہیں کریں گی۔ آپ جب ادھر کا کبھی رُخ کریں گی تو بحیرۂ روم کا پانی آپ کے جہازوں کے نیچے اُبلتا ہوا سمندر بن جائے گا۔ میں آپ کو کسی بحث میں اُلجھانا نہیں چاہتا۔ آپ کو ایک پیغام دے رہا ہوں اور آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ یہ پیغام اپنی صلیب کے تمام پجاریوں تک پہنچا دینا.....

"کہاں ہے آپ کی صلیب الصلبوت جس پر آپ سب حلف اُٹھا کر آئے تھے کہ سرزمین عرب کو تہہ تیغ کریں گے، مسجدِ اقصیٰ اور خانۂ کعبہ کو مسمار کر کے اپنی عبادت گاہیں بنائیں گے؟..... وہ صلیب میرے قبضے میں ہے اور آپ کے عزائم میرے رحم و کرم پر ہیں۔ آپ جسے یروشلم کہتے ہیں وہ پھر بیت المقدس ہے اور ہمیشہ بیت المقدس رہے گا۔"

"آپ کی فوج بہتر اور زیادہ ہے۔" ملکہ سبیلا نے کہا۔ "ہماری فوج کی قیادت ناقص ہے۔"

"حقیقت سے چشم پوشی نہ کرو ملکہ!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو۔ خود فریبی شکست کی علامت ہوتی ہے۔ میری فوج کبھی بھی صلیب کی فوج سے زیادہ نہیں ہوئی۔ کبھی بہتر بھی نہیں ہوئی۔ میری فوج کو کبھی زرہ نصیب نہیں ہوئی۔ میرے سالاروں کو ایسی حسین لڑکیاں کبھی نہیں ملیں جو آپ کے سالاروں کے خیموں میں رہتی ہیں۔ میری فوج کا اسلحہ آپ سے بہتر نہیں۔ البتہ راز کی ایک بات آپ کو بتا دیتا ہوں۔ میری فوج کے پاس صرف ایک قوت ہے جس سے آپ کی فوج محروم ہے۔ اُسے ہم ایمان اور عشقِ رسولﷺ کہتے ہیں۔ اگر آپ کا عقیدہ سچا ہوتا تو آپ کی قوم خدا کو عزیز ہوتی، مگر اُس خدا کو جو وحدہٗ لاشریک ہے، آپ نے ایک بیٹے کا باپ بنا رکھا ہے۔ آپ خدا کو انسان کی سطح پر لے آئے ہیں اور اُس کی حکومت کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنے آپ کو بادشاہ کہتے اور کہلاتے ہیں۔"

"کیا آپ مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں؟" ملکہ سبیلا نے کہا۔

"ملکہ سبیلا!" سلطان ایوبی نے اُس کے لہجے میں طنز کی جھلک دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے خدا نے قرآن کی معرفت مجھے بتایا ہے کہ ہم نے انہیں دماغ دیئے ہیں لیکن وہ سوچتے نہیں، ہم نے انہیں آنکھیں دی ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں، ہم نے انہیں کان دیئے ہیں لیکن وہ سنتے نہیں..... اور خدائے ذوالجلال نے فرمایا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جب سزا دینے پر آتے ہیں تو ان کے دلوں اور دماغوں پر مہر ثبت کر دیتے ہیں..... آپ اسلام قبول نہ کریں۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ فتح اُسے ملتی ہے جس کے دل میں ایمان ہوتا ہے۔ میری قوم کے قائدین کے دلوں سے جب آپ نے دولت، عورت اور شراب کے ذریعے ایمان نکال دیا تھا تو ہم آپس میں لڑتے اور ایک

دوسرے کا خون بہاتے رہے۔ خدا نے ہمیں سزا دی۔ ساری قوم گنہگار نہیں ہوا کرتی، قائدین گنہگار ہوتے ہیں مگر سزا پوری قوم کو ملتی ہے۔ قوم گنہگار نہیں ہوتی، اسے گمراہ کیا جاتا ہے.....

"میری اصل قوت یہ ہے کہ میں نے شکست کھائی تو اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ میں نے اپنے سالاروں سے بھی یہی کہا کہ غلطی ہے تو ہم سب کی، بدقسمتی ہے تو ہم سب کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں شکست ہوئی ہے اور اب قومی وقار کا تقاضا یہ ہے کہ شکست کو فتح میں بدلو۔ اگر شکست کی ذمہ داری ایک دوسرے پر پھینکتے اور اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرتے رہو گے تو ایک اور شکست سے دوچار ہو گے اور سلطنتِ اسلامیہ جو آج دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے، کل کئی ٹکڑوں میں بٹ جائے گی اور کفار ایک ایک ٹکڑے کو نگل لیں گے۔ جُرم، ہماری خانہ جنگی کا ذمہ دار الملک الصالح تھا یا سیف الدین غازی، آپ تھے یا گمشتگین، مگر میں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ یہ بھی میری ذمہ داری ہے۔ میں نے ہر حربہ استعمال کیا اور اللہ کے سپاہیوں نے اپنے خون سے سلطنت کے ٹکڑے جوڑ دیئے۔ خون سے جوڑے ہوئے ٹکڑے پھر کبھی الگ نہیں ہوتے ملکہ سبیلا!..... آج دیکھ لیں وہ وقت یاد کریں جب آپ کی فوجیں مدینہ منورہ تک جا پہنچی تھیں، مگر آج آپ میرے پاس اپنے ایک بادشاہ کی رہائی کی بھیک مانگ رہی ہیں۔ یہ کس عمل کا نتیجہ ہے؟ — صرف اس عمل کا کہ اللہ کی ذات نے مجھ پر جو فرض عائد کیا تھا وہ میں نے جان کی بازی لگا کر ادا کیا اور اللہ نے مجھے انعام سے نوازا۔"

ملکہ سبیلا سلطان ایوبی کی باتیں انہماک سے سُن رہی تھی لیکن اُس کے ہونٹوں پر جن میں جوانی کی کشش اور حُسن ابھی قائم تھا، طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"میں آپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نہیں دے رہا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "آپ کی مسکراہٹ بتا رہی ہے کہ میرے خیمے سے نکل کر آپ میری باتوں کو ذہن سے اس طرح پھینک دیں گی جس طرح آپ کی فوج نے حطین اور بیت المقدس میں ہتھیار پھینکے تھے۔ میں آپ کو یہ باتیں صرف اس لیے سنا رہا ہوں کہ یہ میرے خدا اور میرے رسولﷺ کا حکم ہے کہ جن کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے، ان کی پٹی کھول دو اور انہیں دکھاؤ کہ حق کیا اور باطل کیا ہے..... غور کرو ملکہ محترمہ! آپ کے خاوند نے حسن بن صباح کے فدائیوں سے مجھے قتل کرانے کے لیے چار قاتلانہ حملے کرائے۔ ایک بار میں گہری نیند سویا ہوا تھا جب انہوں نے مجھ پر حملہ کیا لیکن ہوا کیا؟ وہ خود قتل ہو گئے۔ ایک بار میں اکیلا اُن کے گھیرے میں آگیا تھا لیکن میں بچ گیا اور وہ مارے گئے..... اور اب آپ اس حقیقت سے کس طرح انکار کر سکتی ہیں کہ آپ کا خاوند جو مجھے فدائیوں سے قتل کرانے کی کوشش کرتا رہا، انہی کے ہاتھوں خود قتل ہوا۔ اُسے کوئی نہ بچا سکا.....

"غور سے سنو ملکہ! حطین کے میدان سے آپ کا خاوند لڑے بغیر بھاگ گیا۔ آپ نے لڑے بغیر طبریہ کا قلعہ میرے حوالے کر دیا۔ آپ سب نے جس صلیب الصلبوت پر لڑنے اور لڑتے ہوئے مرنے کی قسم کھائی تھی وہ اسی میدانِ جنگ میں آپ کے اسی پادری کے خون میں ڈوب گئی جسے آپ اس صلیب کا محافظِ اعظم کہتے تھے۔ یہ صلیب اب میرے قبضے میں ہے اور آپ میرے پاس التجا لے کر آئی ہیں کہ گائی کو رہا کر دوں۔"

"آپ مجھے یہ باتیں کیوں یاد دلا رہے ہیں؟" ملکہ سبیلا نے جھنجھلا کر کہا۔

"اس لیے کہ آپ خدا کے ان واضح اشاروں کو بھی" سلطان ایوبی نے جواب دیا۔ "آپ کی آنکھوں پر شہنشاہیت کی پٹی بندھی ہوتی ہے۔ آپ کو شہنشاہیت پر بھروسہ ہے اور آپ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کریں گی کہ آپ کو اس پر بھی ناز ہے کہ آپ عورت ہیں اور حسین عورت ہیں۔ میں یہ کہہ کر آپ کو خوش کر سکتا ہوں کہ آپ واقعی حسین ہیں مگر یہ کہہ کر آپ کو مایوس کروں گا کہ میں کوئی فیصلہ آپ کے حسن سے متاثر ہو کر نہیں کروں گا۔ آپ کا یہ نیم عریاں جسم مجھے صراطِ مستقیم سے ہٹا نہیں سکتا۔"

ملکہ سبیلا ایک عام عورت کی طرح ہنس پڑی اور بولی۔ "مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ پتھر ہیں۔"

سلطان ایوبی نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کے لیے میں یقیناً پتھر ہوں مگر میں ایسا موم ہوں جو ایمان کی حرارت سے پگھل جاتا ہے اور اُسے رحم کا جذبہ بھی پگھلا دیتا ہے۔ جسمانی لذت اور آسائش انسان کو نہ اپنے کام کا رہنے دیتی ہے نہ قوم کے کام کا اور اُسے خدا بھی دھتکار دیتا ہے۔"

"میں آپ کے دل میں رحم کا جذبہ ہی بیدار کرنے آئی ہوں"۔ ملکہ سبیلا نے کہا۔ "گائی کو رہا کر دیں۔ میں نے سنا ہے کہ سچے مسلمان کے گھر اُس کا دشمن چلا جائے تو وہ اُسے بھی بخش دیتا ہے۔"

اس کے بعد ملکہ سبیلا منت سماجت پر آ گئی۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ وہ گائی کو اس شرط پر چھوڑ دے گا کہ وہ تحریری عہد کرے کہ میرے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے گا۔ ملکہ سبیلا نے کہا کہ تحریری عہد نامہ دیا جائے گا اور یہ بھی تحریر کر دیا جائے گا کہ گائی اس عہد سے پھر جائے اور پھر کبھی گرفتار ہو جائے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ آخر یہی طے ہُوا۔ ملکہ سبیلا چلی گئی۔ سلطان ایوبی نے اسی روز گائی آف لوزینان کی رہائی کا حکم نامہ قاصد کو دے کر دمشق روانہ کر دیا۔ تین چار دنوں بعد گائی کو سلطان ایوبی کے پاس لایا گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے ترجمان سے جس کی معرفت وہ صلیبیوں کے ساتھ بات چیت کیا کرتا اور اُن کی سمجھا کرتا تھا، کہا کہ اسے اس عہدنامے کا ترجمہ اس کی زبان میں سنا دو اور اگر یہ چاہے کہ اس کا ترجمہ اس کی زبان میں بھی تحریر کیا جائے تو کر دو اور اس پر اس کے دستخط کرا لو۔

"اور اُسے یہ بھی کہہ دو کہ میں اُس کے ساتھ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اُسے کہہ دو کہ میں جانتا ہوں کہ یہ عہدنامے کی خلاف ورزی کرے گا اور میرے خلاف لڑے گا۔ اُسے کہہ دو کہ میں نے ملکہ سبیلا سے متاثر ہو کر اُسے رہا نہیں کیا۔ میں اُسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس جیسے گناہگار آدمی کو بھی بخش سکتا ہوں۔ میں اللہ کی راہ میں لڑ رہا ہوں، کسی سے میں ذاتی انتقام نہیں لینا چاہتا... اور یہ جہاں جانا چاہتا ہے وہاں تک اُسے محافظوں کی حفاظت میں پہنچا دو۔"

گائی آف لوزینان جو بیت المقدس کا حکمران تھا اور جنگِ حطین میں جنگی قیدی ہُوا تھا، عہدنامے پر دستخط کر کے سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے ہاتھ بڑھایا۔ گائی نے پُرجوش طریقے سے ہاتھ ملایا اور کہا۔ "ایوبی! تم عظیم ہو"۔ اور خیمے سے نکل گیا۔

گائی کی رہائی کو یورپی مؤرخوں نے کُھل کر بیان کیا ہے اور اُسے ملکہ سبیلا کا کارنامہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے جیسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے ملکہ سبیلا سے متاثر ہو کر اور گائی کو اپنے جیسا بادشاہ سمجھ کر رہا کیا تھا اور جیسے اُسے عام اور غریب لوگوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے جو صلیبی جنگوں میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا اور اس کی وفات تک اس کے ساتھ رہا، اپنی یادداشتوں میں ایک غریب عیسائی عورت کا واقعہ تحریر کیا ہے۔

یہ اُن دنوں کا واقعہ ہے جب گائی آف لوزینان کی رہائی کے بعد صلیبیوں نے ساحلی شہر عکرہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ (اس محاصرے کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا) صلیبی فوج کے کیمپ کے ساتھ ہی اُن عیسائی شہریوں کا کیمپ تھا جو دوسری جگہوں اور بیت المقدس سے نکل کر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ محاصرہ دو سال طویل ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے ایک تو چھاپہ مار تھے جو محاصرہ کرنے والی صلیبی فوج کے کسی نہ کسی حصے پر شبخون مارتے رہتے تھے، دوسرے کچھ غیر فوجی مسلمان تھے جو انہی علاقوں کے رہنے والے تھے۔ انہیں اجازت دی گئی تھی کہ صلیبی فوج کو پریشان کرتے رہیں۔ چوں کہ عیسائی شہری اپنی فوج کے ساتھ تھے اس لیے وہ فوج کی بہت مدد کرتے تھے۔

مسلمان غیر فوجی گروہ ان عیسائی شہریوں کو بھی پریشان کرتے رہتے تھے۔ رات کو اُن کے کیمپ میں گُھس جاتے اور اُن کا سامان اُٹھا لاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک دو عیسائیوں کو اٹھا لاتے اور انہیں جنگی قید میں دے دیتے۔ عیسائی شہری اپنی فوج سے شکایت کرتے رہتے تھے کہ "مسلمان چور اور ڈاکو" رات کو آ کر اُن کا سامان چوری کر لیتے ہیں۔ فوج نے پہرے کا انتظام کر دیا۔ اس کے باوجود "چوری چکاری" اور اغوا کا سلسلہ جاری رہا۔

ایک رات ایک آدمی عیسائیوں کے کیمپ سے تین ماہ عمر کی ایک بچی اٹھا لایا۔ ماں کی یہ ایک ہی بچی تھی اور وہ بھی دودھ پیتی بچی۔ اُس نے واویلا بپا کر دیا۔ وہ صلیبی کمانڈروں کے پاس گئی۔ وہ پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ کسی کے ہاتھ نہیں آتی تھی۔ صلیبیوں کے اعلیٰ کمانڈر تک وہ جا پہنچی۔ اُس نے اس عورت کو اجازت دے دی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا کیمپ قریب ہی ہے، اُس کے پاس چلی جاؤ۔ سب کو یقین تھا کہ بچی کو مسلمان اٹھا لے گئے ہیں۔

مامتا کی ماری ہوئی ماں پوچھتی بھٹکتی سلطان ایوبی کے کیمپ میں آن پہنچی۔ قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے کہ اُس وقت وہ سلطان ایوبی کے پاس کھڑا تھا اور سلطان کہیں جانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ کسی نے اُسے بتایا کہ ایک غریب سی عیسائی عورت روتی آئی ہے اور سلطان سے ملنا چاہتی ہے۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ اُسے فوراً لے آؤ، اُس پر یقیناً ہماری طرف سے زیادتی ہوئی ہوگی۔

عورت جب سلطان ایوبی کے سامنے آئی تو وہ گھوڑے کے قریب زمین پر پیٹ کے بل لیٹ گئی۔ وہ بار بار ماتھا زمین پر رگڑتی اور روتی تھی۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ اٹھو اور بتاؤ کہ تم پر کس نے زیادتی کی ہے؟

"مجھے اپنے فوجی کمانڈروں نے کہا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے پاس چلی جاؤ۔ وہ بہت رحم دل ہے اور فریاد سنے گا" — عورت نے کہا۔ "آپ کے آدمی میری دودھ پیتی بچی اٹھا لائے ہیں۔"

قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے کہ عورت جس انداز سے روتی تھی اور جو فریادیں کرتی تھی اس سے سلطان ایوبی کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بچی کو اغوا ہوئے چھ سات دن گزر چکے تھے۔ سلطان ایوبی گھوڑے سے اُتر آیا۔ اُس نے حکم دیا کہ ابھی معلوم کرو کہ بچی کون لایا ہے۔ اُس نے عورت کو کھانا کھلانے کو کہا اور جہاں کہیں وہ جا رہا تھا وہاں نہ گیا۔ وہ مسلمان شہری جو عیسائی کیمپ میں سامان وغیرہ اٹھانے جاتے تھے، فوج کے ساتھ رہتے تھے۔ ان میں سے جو آدمی بچی اٹھا لایا تھا وہ وہاں موجود تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے پاس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ بچی اسی نے اغوا کی تھی اور اُسے وہ فروخت کر آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا کہ اس آدمی کے ساتھ اُس شخص کے پاس جاؤ جس نے اس سے بچی خریدی ہے اور اُس نے جو قیمت دی تھی وہ اُسے دے کر بچی لے آؤ۔

سلطان ایوبی بچی کی واپسی تک اپنے خیمے میں موجود رہا۔ بچی دُور نہیں گئی تھی۔ جلدی مل گئی۔ اس کی قیمت واپس کر دی گئی۔ سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھوں بچی ماں کے ہاتھوں میں دی۔ ماں نے بچی کو فوراً اپنی چھاتیوں کے ساتھ لگا لیا اور ایسی بے تابی سے پیار کیا کہ (شداد کے الفاظ میں) ہم سب پر رقت طاری ہو گئی۔ سلطان ایوبی نے اُسے ایک گھوڑی پر رخصت کیا۔

بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور ارضِ فلسطین میں صلیبیوں کو ہر مقام پر شکست ہوئی تو صلیبی دنیا میں بھونچال آ گیا۔ اُس وقت تین بادشاہیاں جنگی لحاظ سے بہت طاقتور مانی جاتی تھیں۔ ایک تھی فرانس، دوسری جرمنی اور تیسری انگلستان۔ اُن کے پوپ (پاپائے روم اربانوس ثانی) نے خود ہر ایک کے پاس جا کر انہیں جنگ کے لیے تیار کیا۔ اس کی زبان پر ہر جگہ یہی الفاظ تھے:

"اگر تم صلاح الدین ایوبی کے خلاف نہ اٹھے تو سارے یورپ سے صلیب اُٹھ جائے گی اور ہر جگہ تمہیں اسلامی جھنڈے لہراتے نظر آئیں گے۔ یہ جنگ صلاح الدین ایوبی کی ذاتی جنگ نہیں۔ یہ عیسائیت اور اسلام کی جنگ ہے۔ صلیبِ اعظم مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ یروشلم پر مسلمانوں کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ ہزارہا عیسائی عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی گئی ہیں۔ وہ مسلمان فوج میں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ کیا تم گھر بیٹھے اسلام کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روک سکو گے؟ تم کس طرح برداشت کر رہے ہو کہ وہ صلیب جس پر حضرت عیسٰیؑ کو مصلوب کیا گیا تھا مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائے؟"

پوپ نے اس قسم کی جھوٹی سچی باتیں سنا کر بڑے بڑے صلیبی بادشاہوں کو مشتعل کر دیا۔ جرمنی کا بادشاہ فریڈرک دو لاکھ فوج لے کر سب سے پہلے آ گیا۔ یہ فوج اتنی زیادہ تھی کہ اُس نے کسی صلیبی بادشاہ کو اپنا اتحادی نہ بنایا۔ اُس نے اپنا پلان بنا رکھا تھا۔ اس کے مطابق اُس نے دمشق پر حملہ کیا۔ اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کے طریقۂ جنگ سے واقف نہیں تھا۔ وہ دو لاکھ نفری کے لشکر کے

بھروسے پر سرزمینِ عرب پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ دمشق پر اُس کے حملے کو دوسری صلیبی جنگ کہتے ہیں۔ جو فریڈرک نے اپنی کثیر افواج کے زعم میں لڑنے کی کوشش کی اور جس میں دمشق کی وہ ایک اینٹ بھی نہ اکھاڑ سکا۔ مسلمان چھاپہ ماروں نے اُس کی رسد پر ایسے دلیرانہ چھاپے مارے کہ اُس کے سینکڑوں گھوڑے اور گھوڑا گاڑیاں اپنے ساتھ لے آئے۔ رسد جو ان کے ہاتھ لگی وہ انہوں نے اپنی فوج کے حوالے کر دی۔

فریڈرک بُری طرح ناکام ہُوا۔ اُس کے پاس رسد کی کمی ہو گئی اور فوج کا جانی نقصان بھی بہت ہُوا۔ اُس نے پیچھے ہٹ کر دمشق پر ازسرِنو حملے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن مسلمان چھاپہ ماروں نے اس کی فوج کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ پانی کے ذخیروں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی تاریخ ۲۰ جنوری ۱۱۹۱ء (۲۲ ذی الحج ۵۰۶ ہجری) لکھی گئی ہے۔ اس کے ماتم میں جرمنوں نے اپنے کیمپ میں جگہ جگہ لکڑیاں جمع کر کے اس طرح آگ لگائی جیسے ان کا کیمپ جل رہا ہو۔ اِدھر مسلمان سپاہیوں نے وہ رات خوشی سے دف اور نقارے بجاتے اور ناچتے گاتے گزار دی۔

جرمن فوج کی کمان اس کے بیٹے نے سنبھال لی۔ اُسے معلوم تھا کہ شاہِ فرانس فلپس آگسٹس اور شہنشاہِ انگلستان رچرڈ بھی آ رہے ہیں۔ وہ بحری جہازوں سے آ رہے تھے۔ فریڈرک کے بیٹے نے فلسطین کے ساحلی شہر عکرہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو ہدایات دے رکھی تھیں۔ اُن کے مطابق اُس کی فوج پر جوابی حملہ نہ کیا بلکہ اُسے جانے دیا۔ ان سالاروں کو معلوم تھا کہ راستے میں اپنے چھاپہ مار جیش موجود ہیں۔ ان چھاپہ ماروں کا انداز یہ تھا کہ دشمن کی فوج کے آخری حصے پر شبخون مارتے اور غائب ہو جاتے۔ یہ زیادہ نفری کے جیش تھے۔ رات کو جرمن پڑاؤ کرتے تو چھاپہ مار آتش گیر سیال کی ہانڈیاں چھوٹی منجنیقوں سے جرمنوں کے کیمپ پر پھینکتے اور اُن کے پیچھے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلاتے جن سے کیمپ میں آگ لگ جاتی۔

جرمن فوج جب عکرہ پہنچی تو اس کی نفری صرف بیس ہزار رہ گئی تھی۔ یہ فوج جب ارضِ مقدس میں داخل ہوئی تھی تو اس کی نفری دو لاکھ تھی۔ اس میں سے کچھ دمشق پر حملے کے دوران تباہ ہوئی، کچھ بیماری، بھوک، اور پیاس کی نذر ہو گئی، کچھ دمشق سے عکرہ تک کوچ کے دوران چھاپہ ماروں کا شکار ہو گئی اور اُن سپاہیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی جو فوج سے بھگوڑے ہو گئے تھے۔ جو بیس ہزار نفری رہ گئی تھی وہ بُری طرح بددل ہو چکی تھی۔ اس کے دل سے صلیب کا احترام اور اپنا حلف صاف ہو چکا تھا۔

اُدھر سے شاہِ فرانس اور شہنشاہِ انگلستان سمندر کے راستے چلے آ رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو جاسوسوں نے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ انگلستان کی فوج جو اُس وقت قبرص میں پہنچ چکی تھی کیسی ہے اور اس کی نفری کتنی ہے۔ اس کی نفری ساٹھ ہزار تھی۔ فرانس کی فوج کی نفری بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ بیس ہزار جرمن فوج تھی۔ صلیبیوں کی کچھ فوج پہلے سے ارضِ مقدس میں موجود تھی۔

سلطان ایوبی کو جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ گائی آف لوزینان جو یہ عہد نامہ کر کے سلطان ایوبی کی جنگی قید سے رہا ہُوا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے گا، کاؤنٹ کونراڈ کے

ساتھ مل کر الگ فوج جمع کر چکا ہے جس میں سات سو نائٹ (زرہ پوش سردار) ہیں، نو ہزار فرنگی فوج اور بارہ ولندیزی اور دیگر یورپی افسر اور سپاہی ہیں۔ اس طرح صرف اس فوج کی نفری تقریباً بائیس ہزار ہو گئی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق صلیبی فوج کی مجموعی نفری چھ لاکھ تھی جو اسلحہ اور دیگر جنگی ساز و سامان کے لحاظ سے اسلامی فوج سے برتر تھی۔

سلطان ایوبی کے ساتھ دس ہزار مملوک تھے۔ یہ اس کی منتخب فوج تھی جس پر اُسے پورا پورا بھروسہ تھا۔ عکرہ نہایت اہم مقام تھا۔ یہ بندرگاہ بھی تھی جسے قدرت نے ایسا بنایا تھا کہ بحریہ کا بہت بڑا اور محفوظ اڈہ بن سکتی تھی۔ عکرہ شہر میں سلطان ایوبی کی فوج کی نفری دس ہزار تھی۔ سلطان ایوبی بیت المقدس سے کمک نہیں لے سکتا تھا کیونکہ یہی وہ شہر تھا جس کی خاطر صلیبیوں نے اتنا زیادہ لشکر اکٹھا کیا تھا۔ اس شہر کے دفاع کو کمزور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے شہروں اور قلعوں سے بھی فوج کو نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ انگلستان کا بحری بیڑہ بہت طاقت ور اور خوفناک تھا۔ سلطان ایوبی کو اچھی طرح احساس تھا کہ اس کا مصری بحری بیڑہ انگلستان کے بیڑے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سلطان ایوبی کے لیے یہ اتنا بڑا اور زیادہ خطرناک چیلنج تھا جو اُسے قبول کرنا تھا مگر اس کا مقابلہ ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اُسے ایک خطرہ اور بھی نظر آ رہا تھا جو یہ تھا کہ اس کی فوج چار سال سے لڑ رہی تھی۔ اس کے چھاپہ مار اتنی لمبی مدت سے جنگلوں اور پہاڑوں میں لڑا رہے تھے اور وہ وہیں زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنگ کے جسمانی پہلو کو دیکھا جائے تو یہ فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ مذہب کی لگن کے جذبے کے زور پر وہ اس قلیل اور تھکی ہوئی فوج کو چھ لاکھ تازہ دم صلیبی فوج کے خلاف کس طرح لڑا سکتا تھا۔

قاضی بہاؤالدین شداد جو اُس کی مجلسِ مشاورت کا رُکن اور اس کا مشیرِ خاص اور ہمراز بھی تھا، لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ ہر وقت گہری سوچ میں غرق رہتا اور ذہن میں جنگ کے نقشے بناتا رہتا تھا۔ اُس کی صحت گر رہی تھی اور ایک بار وہ بیمار پڑ گیا۔ چوتھے روز اُٹھ بیٹھا لیکن اس کی صحت میں پہلے والی جان نہیں رہی تھی۔ اُس کی عمر ۵۴ برس ہو گئی تھی۔ وہ نوجوانی میں میدانِ جنگ میں اُترا تھا اور ابھی تک جنگلوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں لڑ رہا تھا۔ اُس نے بیت المقدس کی فتح کی قسم کھائی تھی جو اُس نے پوری کر دی تھی۔ اس کے بعد اُس نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے جیتے جی بیت المقدس سے اسلامی پرچم نہیں اُترنے دے گا۔ یہ تھا وہ عہد جس نے اُسے نیند اور آرام سے محروم کر دیا تھا۔

☆

امریکی تاریخ دان اور محقق، انتھونی ویسٹ نے ہیرلڈ لیم، لین پول، گبن اور ارنول جیسے مشہور و معروف مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے: ”سلطان (ایوبی) مسجدِ اقصیٰ میں جا بیٹھا اور سارا دن خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتا رہا کہ خدا اُسے اس نازک موقعے پر اسلامی فوج کی صحیح عسکری قیادت کی

توفیق عطا فرمائے۔ ایک شخص کے بیان کے مطابق، جس نے اُسے مسجد میں پڑے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ شام ہوئی تو وہ مسجد سے نکلا۔ اُس وقت اُس کے چہرے پر اطمینان اور سکون تھا۔“

یہ صحیح ہے کہ سلطان ایوبی مسجدِ اقصیٰ میں جا کر سجدہ ریز ہُوا اور اس نے رو رو کر خدائے ذوالجلال سے مدد اور رہبری مانگی تھی لیکن اُس وقت کے عینی شاہدوں اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ دن کے وقت نہیں بلکہ رات کے وقت مسجدِ اقصیٰ گیا تھا۔ اس نے ساری رات نوافل، دعا اور ورد وظیفے میں گزاری اور صبح کی نماز پڑھ کر باہر آیا تھا۔

اُس رات وہ مسجد میں اکیلا نہیں تھا۔ مسجد کے صحن کے ایک کونے میں کوئی آدمی اپنے اوپر کمبل ڈالے بیٹھا تھا۔ وہ کبھی ایک سجدہ کرتا، کبھی رو رو اور دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہاتھ منہ پر پھیرتا، پھر سجدے میں چلا جاتا تھا۔ اُسے نماز پڑھنی نہیں آتی تھی یا وہ کوئی ایسا ورد یا وظیفہ کر رہا تھا جس میں اسی طرح سجدے اور دُعا کرنی تھی۔ یہ شخص اُس وقت مسجد کے کونے میں آ بیٹھا تھا جس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر آخری نمازی مسجد سے نکل گیا تھا۔ اُس کا چہرہ کمبل میں چھپا ہُوا تھا۔

صبح جب مؤذن نے اذان دی تو وہ اُٹھا اور اپنے آپ کو کمبل میں چھپا کر مسجد سے نکل گیا تھا۔ ایک آدمی جو مسجد کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا، اُسے دیکھ کر رُک گیا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا، پھر اس کے پیچھے چل پڑا۔ کمبل والے نے گھوم کر دیکھا اور قدم تیز کر لیے۔ اُس کے تعاقب میں جانے والا بھی تیز تیز چلنے لگا۔ آگے ایک اور آدمی کھڑا تھا۔ کمبل والا اُس کے پاس رُکا اور کچھ کہہ کر آگے چلا گیا۔ دوسرا آدمی وہیں کھڑا رہا۔ تعاقب میں جانے والے نے اُس سے پوچھا کہ یہ کون تھا۔

”اوہ! یہ تم ہو!“ اُس آدمی نے کہا۔ ”تم اُس کا تعاقب کر رہے ہو؟“

”میں نے اس کے پاؤں دیکھے ہیں“۔ تعاقب کرنے والے نے کہا۔ ”یہ مرد نہیں عورت ہے۔ تمہاری رشتہ دار ہے؟ تم اُسے جانتے ہو؟“

”احتشام دوست!“۔ اُس آدمی نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو۔ ہر کسی پر نظر رکھنا تمہارے فرائض میں شامل ہے اور میرا فرض ہے کہ میں تم سے کچھ بھی نہ چھپاؤں، لیکن ایک عورت کا مسجد میں جانا گناہ تو نہیں؟“

”بالکل نہیں“۔ احتشام نے کہا۔ ”مجھے شک اس سے ہُوا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کمبل میں کیوں لپیٹ رکھا ہے؟ ... سنو العاص! رات کو ہم تین آدمی مسجد کے ارد گرد پہرے پر پھرتے رہے ہیں کیونکہ سلطان نے رات مسجد میں گزاری ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ ہم بہروپ میں اُن کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتے رہے ہیں۔ سلطان کسی کو بتائے بغیر مسجد میں آئے تھے۔ انہیں معلوم نہیں کہ اُن کے باوردی محافظوں کے علاوہ بھی کوئی اُن کی حفاظت پر مامور ہے۔ یہ حسن بن عبداللہ کا انتظام ہے۔ تم خود فوج میں کماندار ہو اور مجھے اچھی طرح جانتے ہو اس لیے تمہیں یہ سب کچھ بتا رہا ہوں۔“

"منور بناؤ احتشام!" — العاص نے جواب دیا — "بیت المقدس میں اور مسجد اقصیٰ کے اتنی قریب کھڑے ہو کر سلطان جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ کون ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے اس پر کیوں شک کیا ہے؟"

"میں نے رات اُسے صحن کے کونے میں دیکھا" — احتشام نے جواب دیا — "سلطان کی حفاظت کے لیے ضروری تھا کہ اُسے وہاں سے اُٹھا دیا جاتا۔ عشاء کا وقت گزر گیا تھا۔ اس آدمی کو چلے جانا چاہیئے تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی منبر کے سامنے عبادت اور وظیفے میں مصروف تھے۔ یہ آدمی جو کمبل میں لپٹا ہُوا تھا سلطان پر قاتلانہ حملہ کر سکتا تھا لیکن کسی کو مسجد سے اٹھایا اور نکالا نہیں جا سکتا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ شخص عجیب طریقے سے عبادت کر رہا تھا۔ سجدے سے اٹھتا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیتا۔ اُس نے باقاعدہ نماز نہیں پڑھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے باری باری اندر آ کر اس طرح اسے دیکھا کہ اُسے پتہ نہ چل سکا کہ اُسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ میرے اس ساتھی نے باہر آ کر بتایا کہ اس پر نظر رکھو لیکن اُسے اٹھانا نہیں کیونکہ میں نے اُس کے بالکل پیچھے بیٹھ کر اُس کی سسکیاں سُنی ہیں اور اس کے بعض الفاظ ایسے سُنے ہیں جیسے یہ اپنے گناہوں کی بخشش اور صلیبیوں کی شکست کی دعا کر رہا ہے ....

"اس سے مجھے اور زیادہ شک ہُوا۔ وہ اتنا بے خبر نہیں ہو سکتا تھا کہ اُسے یہ بھی پتہ نہ چل سکتا کہ اُس کے پیچھے کوئی آ کر بیٹھ گیا ہے۔ ہم کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ کیا کیا جائے۔ اس شش و پنج میں رات گزر گئی۔ صبح کی اذان کے ساتھ ہی یہ آدمی مسجد سے نکلا۔ ہم نے باری باری ساری رات اس پر نظر رکھی تھی۔ میں نے مسجد کی روشنی میں دیکھا کہ یہ جب باہر آ رہا تھا تو کمبل میں سے اُس کے پاؤں نظر آ رہے تھے اور میں اس کے ہاتھ بھی دیکھے جو اُس نے فوراً کمبل میں چھپا لیے تھے۔ میں اس کے تعاقب میں چل پڑا۔"

"ہاں میرے دوست!" — العاص نے کہا — "تم نے ٹھیک دیکھا ہے۔ یہ مرد نہیں عورت ہے اور بڑی ہی خوبصورت اور جوان عورت ہے اور میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ایک گناہگار عورت ہے جو دس سال ہمارے خلاف جاسوسی کرتی رہی ہے۔"

"یہ صلیبی ہے؟"

"صلیبی تھی" — العاص نے جواب دیا — "اب مسلمان ہے۔ میں نے اُسے ایک مسلمان گھر میں رکھا ہُوا ہے۔ اُسے تم مجذوب کہہ سکتے ہو۔ درویشوں کی طرح باتیں کرتی ہے۔"

"اور تم لوگ اس کی باتوں میں آ گئے ہو" — احتشام نے کہا — "تم میدانِ جنگ میں لڑنے والے فوجی اِن عورتوں کی چالبازیوں کو نہیں سمجھ سکتے۔"

"تو میرے ساتھ آؤ" — العاص نے کہا — "تم اُسے دیکھو، اُس کی باتیں سنو۔ اپنا شک رفع کرو۔ ہمیں بھی کچھ بتاؤ۔ یہ تمہارا فن ہے تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس کی باتوں کا قائل ہو گیا ہوں۔ میں نے اُسے پناہ دلوائی ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اور احتشام العاص کے ساتھ چلا گیا۔

☆

وہ ایک بزرگ کا مکان تھا جو مدت سے بیت المقدس میں رہتا تھا۔ احتشام اور العاص اُس کی ڈیوڑھی میں جا بیٹھے۔ یہ بزرگ انسان جو عالم فاضل بھی تھا، نماز کے لیے مسجد میں چلا گیا تھا۔ احتشام نے العاص سے کہا "اس عورت کو دیکھنے سے پہلے میں تم سے یہ پوچھوں گا کہ یہ عورت کہاں سے آئی ہے۔ اس کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو، وہ مجھے بتا دو۔"

"یہ پچھلی گرمیوں کا واقعہ ہے" — العاص نے احتشام کو سنایا — "میں مصر کی سرحد سے تھوڑی دور چھاپہ ماروں کے ایک دستے میں تھا۔ بیت المقدس فتح ہو چکا تھا۔ ہماری زندگی ٹیلوں، ٹیکریوں اور صحرا میں گزر رہی تھی۔ اس علاقے میں ہمارا کوئی کام نہیں رہ گیا تھا جو ادھر کے چھاپہ مار ابھی تک کر رہے ہیں۔ آخر ہمیں واپسی کا حکم مل گیا۔ مجھے ایک جیش کی کمان دے دی گئی۔ میرے ساتھ سولہ چھاپہ مار تھے۔ ہر ایک جیش اپنے اپنے طور پر واپس آ رہا تھا۔ ایک جگہ ٹیلے ستونوں کی طرح کھڑے تھے اور بعض کی شکلیں بڑی ڈراؤنی اور عجیب عجیب سی تھیں۔ میرے ایک چھاپہ مار نے مذاق سے کہا کہ یہ جنات اور چڑیلوں کے محل ہیں، یہاں خوبصورت اور بدکار عورتوں کی بدروحیں بھی ہوں گی۔ ہم یہ سُن کر ہنس پڑے اور ان ٹیلوں میں داخل ہو گئے ....

"ہمیں ان ٹیلوں نے کیا ڈرانا تھا۔ ہم نے تو ان ٹیلوں سے زیادہ خوفناک جگہوں میں راتیں گزاری ہیں۔ ہم اُس جگہ بھی رات کو سوئے ہیں جہاں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ لیکن ان ٹیلوں کے اندر گئے تو ہم ٹھٹھک کر رک گئے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ خوف کیا ہوتا ہے۔ میرا سارا جیش رک کر کلمہ شریف کا ورد کر رہا تھا — سامنے ایک ٹیلے کے سائے میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جو مادر زاد برہنہ تھی۔ اس کے سامنے ایک عورت پیٹھ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ وہ بھی برہنہ تھی۔ بیٹھی ہوئی عورت جوان لگتی تھی۔ اس کا چہرہ بادامی رنگ کا تھا۔ ہونٹ ریت کے ڈھیلے کی طرح خشک اور پھٹے پھٹے۔ اُس کا منہ کُھلا ہُوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ برہنہ جسم کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس حالت میں بھی پتہ چلتا تھا کہ وہ بہت خوبصورت ہے ....

"یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ دونوں انسان ہوتیں۔ یہ راستہ نہیں تھا کہ کوئی قافلہ یہاں سے گزرا ہوتا اور ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ لیا ہوتا اور یہ بچ بچا کر یہاں چھپ گئی ہوتیں۔ میں اپنے سپاہیوں کو ڈرانا نہیں چاہتا تھا مگر میں خود ڈر گیا اور انہیں دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ یہ گناہگار عورتوں کی بھٹکتی ہوئی بدروحیں ہیں۔ میں اس اُمید پر دُور ہی رکا کہ یہ غائب ہو جائیں گی، مگر جو عورت بیٹھی ہوئی تھی بیٹھی رہی اور جو لیٹی ہوئی تھی وہ لیٹی رہی۔ بیٹھی ہوئی عورت پھٹی پھٹی نظروں سے ہمیں دیکھتی رہی۔ میرے ایک ساتھی نے آہستہ سے کہا — "پیچھے کو لوٹ چلو"۔ ایک اور نے کہا — "ہاں .... پیچھے کو چلو لیکن اُن کی طرف پیٹھ نہ کرنا"....

پہلا اُن سے فاصلہ پندرہ قدم ہوگا۔ ہم سب نہایت آہستہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹنے۔ تب بیٹھی ہوئی عورت نے سر کا اشارہ کیا جیسے ہمیں بلا رہی ہو۔ میں نے ایک قدم اور پیچھے اٹھایا تو اس نے سر سے پھر اشارہ کیا۔ مجھے صاف نظر آیا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میں نے واقعی کوئی آواز سنی تھی یا میرے دل میں خیال آیا تھا۔ مجھے اپنے آپ میں آواز سنائی دی ۔۔۔ 'بھاگو مت العاص! دیکھ لو یہ انسان ہی نہ ہوں' ۔۔۔ اچانک میرا ہاتھ اپنی کمر پر پڑا اور اس ہاتھ سے تلوار نیام سے نکال لی۔ جیسے قدم اپنے آپ آگے کو اٹھنے لگے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ مجھے آگے جانے سے روک رہے تھے۔ میری زبان پر آیۃ الکرسی کا ورد تھا۔۔۔۔

"میں اس سے تین چار قدم دُور رُک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھی۔ پھر اُس نے میری طرف قدم اٹھایا۔ اُس کا سر ڈولنے لگا۔ اس نے دوسرا قدم اٹھایا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ اس طرح گری کہ اس کا سر میرے پاؤں کے قریب آ گرا اور اس کے بال میرے پاؤں پر بکھر گئے۔ میں برہنہ عورت کو ہاتھ لگاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ وہ برہنہ نہ ہوتی تو بھی میں گھبرایا ہوا تھا لیکن مجھے دیکھنا تھا کہ یہ انسان ہے یا کوئی شر شرارہ۔ میں بیٹھ گیا اور اس کی نبض دیکھی۔ نبض چل رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ جنات اور چڑیلوں کی نبض شاید نہیں ہوتی۔ میں نے اُس سے ہٹ کر اُس عورت کی نبض پر ہاتھ رکھا جو بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنی جھلسا دینے والی گرمی کے باوجود اُس عورت کا جسم غیر معمولی طور پر سرد تھا جیسے رات کو صحرا کی ریت سرد ہو جاتی ہے۔ اس کی نبضوں میں جان نہیں تھی۔ اُس کا منہ کھلا ہوا اور آنکھیں ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھیں۔ جسم سفید تھا۔ میں نے اس میں موت کی تمام نشانیاں دیکھیں۔۔۔۔

"اور وہ جو میرے سامنے گری تھی اس کا جسم گرم تھا۔ یہ بدروحیں یا جنات نہیں ہو سکتی تھیں۔ اللہ نے مجھے عقل اور دلیری عطا فرمائی۔ میں نے اپنے جیش کو بلایا۔ ہمارے پاس پانی کے چھوٹے مشکیزے تھے۔ کھانے کا سامان بھی تھا جو تین ٹٹوؤں پر لدا ہوا تھا۔ میرا جیش پیادہ تھا۔ میں نے کہا کہ فوراً پانی اور دو چادریں لاؤ۔ میرے ساتھی پانی اور چادریں لے آئے۔ سورج ابھی سر پر نہیں آیا تھا۔ وہاں عمودی ٹیلے کا سایہ تھا۔ میں نے بے ہوش عورت پر چادر ڈالی اور اُسے سیدھا کر کے ٹیلے کے دامن میں کر دیا۔ اس کے جسم کو اچھی طرح لپیٹ دیا۔ دوسری چادر نیچے بچھا کر اس پر لٹا دیا اور اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اُس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اس میں پانی ٹپکایا جو اس کے حلق میں اترتا چلا گیا۔۔۔۔

"مجھے ساتھی روکتے رہے کہ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالوں لیکن مجھ پر اب نہ ڈر کا اثر تھا نہ اپنے ساتھیوں کی باتوں کا اثر۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں۔ اُس کے ہونٹ بند ہوگئے اور پھر کھل گئے۔ میں نے اس کے منہ میں اور پانی ٹپکایا۔ پھر ایک کھجور کی گٹھلی نکال کر کھجور اس کے منہ میں رکھی۔ وہ کھانے لگی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں نے اُسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔"

☆

العاص احتشام کو سنا رہا تھا ۔۔۔ "اُسے میں نے کھانے کو دیا جو کچھ ہمارے پاس تھا۔ اس نے پانی پیا۔ پھر ہم نے اُسے کھانے پینے سے روک دیا کیونکہ اس کا پیٹ بہت دنوں سے خالی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا ۔۔۔ 'میں تمہاری زبان سمجھتی اور بولتی ہوں ۔۔۔' یہ بھی جب ۔۔۔ پھر اس نے پوچھا کہ ہم کون ہیں۔ میں نے بتایا کہ ہم اسلامی فوج کے چھاپہ مار ہیں۔ بیت المقدس کو جا رہے ہیں۔ اس نے کہا 'پھر مجھے تم سے رحم کی توقع نہیں رکھنی چاہیے' ۔۔۔ میں نے اسے کہا کہ تم مسلمان معلوم نہیں ہوتی۔ اس نے کہا ۔۔۔ 'میں جھوٹ نہیں بولوں گی لیکن سچ بولوں گی تو تم پچھتاؤ گے کہ تم نے مجھے مرنے کیوں نہ دیا' ۔۔۔ میں نے اُسے کہا ۔۔۔ 'تم صرف یہ یقین دلا دو کہ تم انسان ہو' ۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ اُس کے جسم میں خون حرکت میں آ رہا تھا۔۔۔۔

"اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ کھانے اور پانی سے اُسے نیند آ رہی تھی۔ وہ بچوں کی طرح جھک گئی اور گہری نیند سو گئی۔ ہم نے بہت قتل و غارت کی تھی۔ بہت شب خون مارے تھے۔ ہمارے کئی ساتھی ہمارے سامنے شہید ہوئے تھے۔ مرنا اور مارنا ہمارے لیے بچوں کا کھیل تھا لیکن ایک عورت پر، خواہ وہ ہماری دشمن ہی تھی، ہاتھ اٹھانا ہمارے لیے گناہ کبیرہ تھا۔ میں نے اپنے جیش سے کہا کہ سورج سر پر آ رہا ہے۔ جھکے ہوئے ٹیلے دیکھو اور اُن کے سائے میں آرام کر لو۔ یہ جاگے گی تو اُسے ساتھ لے جائیں گے۔۔۔۔

"میرے ایک دو ساتھیوں نے کہا کہ جاسوس معلوم ہوتی ہے لیکن باقی سب کہہ رہے تھے کہ اس جگہ جاسوس عورتوں کا کیا کام، یہ انسان نہیں۔ میری رائے یہ تھی کہ چونکہ ہمارے چھاپہ مار جیش عراق اور فلسطین کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ سرگرم تھے اس لیے ان لڑکیوں کو یہاں بھیجا گیا ہوگا کہ ہمیں گمراہ کریں، لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا۔ ان کے ساتھ ایک دو مردوں کا ہونا ضروری تھا۔۔۔۔

"غروبِ آفتاب سے ذرا پہلے وہ جاگی اور اُٹھ بیٹھی۔ میں اس کے قریب جا بیٹھا۔ اس نے پانی پیا اور کھانے کو کچھ اور مانگا۔ میں نے اُسے کھانا دیا۔ اب وہ اچھی طرح بول سکتی تھی۔ اُس نے مری ہوئی عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا ۔۔۔ 'اسے دفن کر دو' ۔۔۔ میرے سپاہی دین دار تھے۔ ایک نے اپنی چادر دے دی۔ لاش کو چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ سپاہیوں نے قبر کھودی اور اسے دفن کر دیا۔"

☆

العاص نے احتشام کو بتایا ۔۔۔ "اس عورت نے یہ بتانے کی بجائے کہ وہ کون ہے، وہ دونوں کہاں سے آ رہی تھیں اور کہاں جا رہی تھیں، اس نے پوچھا ۔۔۔ 'تم نے اپنے خدا کو کبھی دیکھا ہے؟' ۔۔۔ میں نے جو جواب زبان پر آیا دے دیا۔ اُس نے کہا ۔۔۔ 'میں نے تمہارا خدا دیکھ لیا ہے۔ ابھی ابھی اُسے دیکھا ہے۔ تم کہو گے کہ تم نے خواب دیکھا ہے لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ خدا نے مجھے کہا ہے کہ میں نے تجھے وہ آنکھیں دے دی ہیں جو آنے والے وقت کے اندھیرے میں دیکھ سکیں گی۔ خدا نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ تو نے گناہ کی پھر کبھی سوچی تو تیرے اپنے ہاتھ خنجر سے تیری آنکھیں نکال دیں گے۔ خدا نے مجھے یہ بھی کہا ہے

کریں تجھے اُس جگہ لے جا رہا ہوں جہاں سے میں نے اپنے رسول کو اپنے پاس بلایا تھا'...

"اُس نے ایسی بہت سی باتیں کیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ صحرا کے سفر اور مصیبتوں نے اُس کے دماغ پر اتنا اثر کیا ہے کہ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ مثلاً اس نے یہ بھی کہا۔ 'تم نے میرا جسم کیوں ڈھانپ دیا ہے؟ اسے ننگا رہنے دیتے تو کیا ہو جاتا؟ ... میں اب جسم نہیں صرف روح ہوں۔ روح پاک ہو جائے تو جسم کے گناہ دُھل جاتے ہیں'۔ وہ زیادہ تر اسی قسم کی باتیں کرتی رہی۔ ان سے مجھے یقین تو ہو گیا کہ یہ انسان ہے بدروح نہیں اور مجھے اس کے بتانے کے بغیر ہی پتہ چل گیا کہ یہ اُن صلیبی لڑکیوں میں سے ہے جو ہمارے امیروں وزیروں اور سالاروں کو غدار بنانے اور راز لے کر اپنے ملک کو بھیجنے کے لیے ہماری طرف بھیجی جاتی ہیں لیکن اُس کی اُن باتوں سے مجھے یہ شک ہونے لگا کہ اس کے دماغ پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور یہ اس قسم کی باتیں کر کے مجھے بیوقوف بنا رہی ہے تاکہ میں اُسے وہاں تک حفاظت سے پہنچا دوں جہاں یہ جانا چاہتی ہے...

"میں نے اُسے کہا کہ مجھے صحیح صحیح بتا دو کہ تم دونوں کہاں جا رہی تھیں۔ میں نے اُسے دھمکیاں دیں' پھر یہ بھی ظاہر کیا کہ میں بیوقوف بن چکا ہوں اور وہ مجھے استعمال کر سکتی ہے مگر اُس کے انداز اور اس کی مجذوبانہ باتوں میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ سورج غروب ہونے کے بعد میں نے اُسے سامان والے ٹٹو پر بٹھا دیا اور ہم چل پڑے۔ سفر رات کو ہی کرنا ہوتا تھا۔ دن کو صحرا جلنے اور جلانے لگتا تھا۔ میں نے اپنے جیش سے کہہ دیا تھا کہ مجھ پر کوئی شک نہ کرنا، اگر اسے تنہا میں لے جاؤں تو اس سے میرا مقصد صرف یہ ہوگا کہ میں اس سے بھید لینے کی کوشش کر رہا ہوں...

"میرا جیش آگے آگے چلتا رہا۔ میں اس عورت کے ٹٹو کے ساتھ بہت پیچھے رہا۔ وہ اب سنبھلتی جا رہی تھی لیکن اس کی باتیں درویشوں کی طرح ہی رہیں۔ آدھی رات کے بعد ہم نے پڑاؤ کیا۔ اسے میں نے سب سے الگ رکھا اور خود بھی اس کے ساتھ رہا۔ میں نے اس سے ایک بار پھر پوچھا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ 'جہاں تم لے جاؤ گے'۔ میں نے کہا کہ میں اُسے قید خانے میں لے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا۔ 'قید خانے میں بھی خدا ہوتا ہے'۔ پھر میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ میں نے سفلہ پن کا اور حیوانیت کا مظاہرہ کیا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ میرے ساتھ سودا بازی کرے گی اور کہے گی کہ میں اسے کسی ایسے شہر میں پہنچا دوں جو صلیبیوں کے قبضے میں ہو۔ لیکن اس پر کچھ بھی اثر نہ ہُوا۔ اُس نے میری طرف توجہ ہی نہ دی۔ اگلی رات اُس نے بتایا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے...

"اُس نے بتایا کہ وہ ڈیڑھ سال سے قاہرہ رہی ہے۔ وہاں کسی امیر کبیر تاجر کی بیٹی بنی رہی۔ ایک مسلمان حاکم کی داشتہ رہی اور دو حاکموں کو اس کا دشمن بنایا، پھر تینوں کو آپس میں ٹکرایا۔ قاہرہ کے سرکاری کاموں میں گڑبڑ کرائی۔ دو صلیبی جاسوسوں کو قید خانے سے رہا کرایا۔ ایک بڑے خطرناک جاسوس اور تخریب کار کو جسے سزائے موت دی جانے والی تھی، ان مسلمان حاکموں کی مدد سے فرار کرایا۔ اس نے اور بھی بہت سے کام کیے۔ آخر میں وہ جاسوسی اور سراغرسانی کے استاد اور سربراہ علی بن سفیان کو قتل کرانے کا بندوبست کر رہی تھی...

"اسے جنگِ حطین کے نتیجے کی اطلاع ملی۔ اُسے یہ بھی معلوم ہُوا کہ صلیب الصلبوت سلطان ایوبی کے قبضے میں آگئی ہے اور اس صلیب کا محافظِ اعظم میدانِ جنگ میں مارا گیا ہے۔ اُسے یہ بھی پتہ چلا کہ کچھ صلیبی حکمران مارے گئے اور جنگی قیدی ہو گئے ہیں اور بیت المقدس کا حکمران گائی آف لوزینان بھی قید ہو گیا ہے۔ یہ خبریں اُس کے دماغ پر ہتھوڑوں کی طرح پڑتی رہیں، پھر اُسے دو اور خبریں ملیں۔ ایک یہ کہ اس کا ہیرا استاد ہرمن (جو لڑکیوں کو ٹریننگ دے کر مسلمان علاقوں میں بھیجا کرتا تھا) قید ہو گیا ہے اور بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ان خبروں نے اس کا دماغ ہلا ڈالا۔ اسے تربیت دے کر اور تیار کر کے قاہرہ بھیجا گیا تھا اور گناہوں کی تربیت کہیں لڑکپن کے آغاز میں شروع کی گئی تھی۔ اس کے اندر جذبات کی جگہ فریب اور دھوکہ بھر دیا گیا لیکن مذہب کے معاملے میں یہ کوری نہیں تھی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اسے صلیب الصلبوت اور یسوع مسیح کی خوشنودی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ اسے تربیت کے بعد آخری اشیرباد عکرہ کے بڑے گرجے میں صلیب الصلبوت کے پادری نے دی تھی جسے محافظِ اعظم کہتے تھے...

"اُس نے اُسے بتایا تھا کہ صلیب کی حکمرانی ناقابلِ تسخیر ہے اور اس کا مرکز یروشلم ہے جس کے قریب حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اسلام کوئی مذہب نہیں اور مسلمانوں کو عیسائیت میں لانا یا انہیں قتل کرنا ثواب کا کام ہے اور یہ کہ جو لڑکیاں صلیب کے نام پر عصمتیں قربان کر رہی ہیں انہیں اگلے جہان بہشت کی حوریں بنایا جائے گا۔ ایسی ہی کچھ اور باتیں تھیں جو اُس کے ذہن اور دل پر نقش کر کے عقیدہ بنا دی گئیں اور وہ گناہوں کو نیکی سمجھتی رہی۔ فریب کاری اور دھوکہ دہی کو کارِ ثواب سمجھتی رہی...

"اُسے جب پتہ چلا کہ صلیب الصلبوت بھی نہیں رہی۔ اس کا محافظِ اعظم پادری بھی نہیں رہا اور یسوع مسیح کی حکمرانی کا مرکز یروشلم بھی نہیں رہا تو اس کے عقیدے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ قاہرہ میں جو اس کے مرد ساتھی یعنی صلیبی جاسوس تھے وہ وہاں سے بھاگنے لگے تھے، پھر ایک روز وہ اپنے کسی ساتھی کی تلاش میں نکلی تو پتہ چلا کہ وہ غائب ہے۔ اُسے ایک اور ساتھی ملا اس نے اُسے کہا کہ ہماری مدد کرنے والا کوئی نہیں، مسلمان ہو کر کسی سے شادی کر لو یا یہاں سے بھاگ جاؤ...

"اب تو اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔ اُس نے اپنی اس سہیلی کو ساتھ لیا۔ اپنے چاہنے والے ایک مسلمان حاکم سے دو گھوڑے شوقیہ سواری اور سیر سپاٹے کے لیے اور دونوں شام کے وقت نکلیں۔ اندھیرا گہرا ہُوا تو شہر سے نکل آئیں۔ انہوں نے کھانے اور پانی کا کچھ انتظام کر رکھا تھا مگر انہیں صحرا کے سفر کی

ذرا سی بھی سوجھ بوجھ نہیں تھی، نہ انہیں اپنی منزل کا کچھ پتہ تھا۔ انہیں امید تھی کہ راستے میں انہیں صلیبی فوج کا کوئی دستہ مل جائے گا۔ اُن کی بدقسمتی اور بہت بڑی حماقت تھی کہ راستے کے متعلق کچھ بھی نہ جانتے ہوئے چل پڑیں۔۔۔۔

رات تو گزر گئی۔ انہوں نے گھوڑے سرپٹ دوڑائے تھے۔ دوسرے دن جب سورج اوپر آکر صحرا کو جلانے لگا تو گھوڑے تھکن اور پیاس سے بے حال ہونے لگے۔ ان لڑکیوں کا اپنا حال بہت بُرا ہونے لگا۔ انہیں صحرا میں پانی اور سبزہ زار کے سراب نظر آنے لگے اور وہ ان کے پیچھے گھوڑے دوڑانے لگیں۔ اس روز تو گھوڑوں نے کچھ ساتھ دیا مگر دوسرے دن بھی انہیں کچھ کھانے کو اور پانی نہ ملا تو دونوں گھوڑے پہلے رُکے، پھر گرے اور پھر کبھی نہ اُٹھے۔۔۔۔

"اُس کے بعد جو اِن دونوں کا سفر شروع ہُوا اُسے احتشام دوست! تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ظالم صحرا اس قسم کے مسافروں کو کس انجام تک پہنچایا کرتا ہے۔ اس لڑکی نے اپنی زبان سے مجھے بتایا کہ میں نے جو دھوکے لوگوں کو دیئے تھے اس سے زیادہ ظالمانہ دھوکے مجھے صحرا نے دیئے۔ میں نے صحرا میں ندیاں بہتی دیکھیں۔ اُن کے قریب گئی تو وہ دُور ہٹتی گئیں۔ ہم دونوں اُن کے پیچھے بھاگتی رہیں۔ میں نے نخلستان دیکھے، گلستان دیکھے اور میں نے صحرا میں بحری جہاز اور بادبانی کشتیاں تیرتی دیکھیں۔ ہم ہاتھ اوپر کر کے ہلاتی، چلاتی اور ان کے پیچھے دوڑتی رہیں۔ بعض جگہوں پر ہمیں پانی مل بھی گیا۔ ہم نے ایسی جگہ کئی کئی دن گزارے۔۔۔۔

"لڑکی نے مجھے بتایا کہ صحرا میں اُس کا وہ وجود مر گیا جس نے قاہرہ کے حاکموں پر جادو کر رکھا تھا۔ اُسے ہمارے خدا کا خیال آگیا اور اُس کے اندر یہ احساس کانٹے کی طرح چبھنے لگا کہ صلیب الصلبوت کے محافظِ اعظم نے اُسے دھوکہ دیا ہے اور اب وہ دوسروں کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے۔ اس پر یہ حقیقت کُھلی کہ اپنی عصمت پیش کر کے کسی کو دھوکہ دینا ثواب کا کام نہیں ہو سکتا۔ اُسے یہ خیال بھی آگیا کہ مسلمان اپنی لڑکیوں کو اس طرح استعمال نہیں کرتے۔ ایک روز صحرا میں اُسے یہ احساس بھی ہُوا جیسے وہ اور اُس کی سہیلی مر چکی ہیں اور وہ دوزخ میں پھینک دی گئی ہیں یا وہ بدروحیں بن چکی ہیں اور دوزخ کی طرح جلتے ہوئے میدان میں بھٹک رہی ہیں۔۔۔۔

"ایک رات اُس نے اپنی سہیلی سے کہا کہ وہ اپنے عقیدے سے دل برداشتہ ہو گئی ہے اور اب وہ مسلمانوں کے خدا کو پکارے گی۔ دونوں کے ہونٹ اور زبانیں لکڑی کی طرح ہو گئی تھیں۔ حلق میں کانٹے چُبھ رہے تھے اور وہ بڑی مشکل سے بات کرتی تھیں۔ اس کی سہیلی نے بہت بُرا منایا کہ وہ اپنے عقیدے سے منحرف ہو رہی ہے اور اپنے دشمن کے عقیدے کو اپنانا چاہتی ہے۔ اِس نے اُس کی نہ سنی۔ اس کی جب سہیلی سو گئی تو یہ اُس سے کچھ دُور چلی گئی۔ اس نے سجدے کیے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر خدا کو پکارتی اور گناہوں کی بخشش مانگتی رہی۔ وہ ساری رات روتی رہی۔ سجدے کے سوا عبادت کا اُسے کوئی اور طریقہ نہیں آتا تھا۔

"اسی رات اس کے دماغ پر اثر ہو گیا یا واقعی خدا نے اُسے کوئی اشارہ دیا۔ یہ کہتی ہے کہ اسے اپنے سامنے دھوئیں کی طرح ایک باریش انسان کھڑا نظر آیا۔ اس نے کہا۔ "اگر تو نے دل سے توبہ کی ہے تو اس ریگستان میں جہاں سے انسانوں کا گزر نہیں ہُوا کرتا، وہ انسان آئیں گے جن کے خدا کو تو نے پکارا ہے۔ تو یہاں سے زندہ نکل جائے گی۔" اسے یاد نہیں کہ اس سے کتنی مدت بعد میں اپنے جیش کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ اُسے زندہ دیکھا اور اس کی سہیلی مر چکی تھی۔۔۔۔

"تم جانتے ہو کہ یہ برہنہ کیوں تھیں۔ صحرا کا بھٹکا ہُوا مسافر جب چلنے لگتا ہے تو پہلے اپنا سامان پھینکتا ہے، پھر اپنے جسم سے ایک ایک کپڑا اُتارتا اور پھینکتا جاتا ہے۔ یہ کام وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں کرتا اور چلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ وہ کہیں گر پڑتا ہے۔ اس لڑکی کو یاد نہیں کہ اُس نے اور اس کی سہیلی نے کپڑے کب اور کہاں اُتار پھینکے تھے۔۔۔۔

"ہم دس بارہ روز بعد بیت المقدس پہنچے۔ اس کی صحت بحال ہو گئی تھی۔ اس کی خوبصورتی نکھر آئی تھی لیکن یہ باتیں مجذوبوں کی طرح کرتی رہی۔ اگر یہ ایسی باتیں تمہارے ساتھ کرتی تو تم بھی اس سے متاثر ہو جاتے۔ اُس نے بار بار کہا۔ "بیت المقدس پر اب صلیبیوں کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ خدا انہیں راستے میں غرق کرے گا۔" وہ اسی طرح کی پیشین گوئیاں کرتی رہی۔ رات کو اس کی عبادت شروع ہوتی تھی۔ طریقہ یہی تھا کہ سجدے کرتی، روتی اور دعا مانگتی تھی۔۔۔۔

"اب یہ حسن کے گھر رہتی ہے۔ انہیں میں بہت عرصے سے جانتا تھا۔ یہ عالم فاضل بزرگ ہیں۔ میں اُن کا معتقد ہوں۔ میں نے اُسے ان کے حوالے کر دیا۔"

☆

العاص یہ باتیں سنا رہا تھا اور یہ بزرگ نماز پڑھ کر آ گیا۔ اس نے احتشام سے کہا۔ "یہ ضروری نہیں کہ خدا سے یہ فضیلت اُسی کو عطا ہوتی ہے جس کے پاس علم و فضل ہوتا ہے۔ معلوم نہیں کس وقت کیسی فریاد اس کے سینے سے نکلی جو خدا نے سُن لی اور اس لڑکی کو یہ مقام عطا کر دیا۔ یہ مجذوب ہے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ پاگل نہیں اور یہ دھوکہ بھی نہیں دے رہی۔ اُس نے اپنی خواہش پر اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں نے اُسے نماز پڑھانے اور سکھانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اس کی عبادت کا اپنا ہی طریقہ ہے۔ خدا اور رسول اللہ صلعم کو مانتی ہے اور جب بولتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اُسے غیب سے کوئی اشارہ ملا ہے۔"

"یہ مسجد اقصیٰ میں جاتی رہتی ہے؟" احتشام نے پوچھا۔

"نہیں۔" بزرگ نے کہا۔ "رات کو پہلی بار مسجد میں گئی ہے۔ العاص صبح آیا تو میں نے اُسے بتایا کہ وہ مسجد میں چلی گئی ہے۔ العاص اس کے پیچھے چلا گیا اور وہ اُسے شاید راستے میں مل گئی۔"

"یہیں سے شک پیدا ہوتا ہے کہ یہ اُسی رات کیوں مسجد میں گئی جس رات سلطان مسجد میں موجود تھے؟"

"میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔" بزرگ نے کہا۔

احتشام نے کہا کہ میرا فرض ہے کہ میں لڑکی کو حسن بن عبداللہ کے پاس لے جاؤں۔ یہ اُس کی مرضی ہے کہ اُسے آپ کے حوالے کر دے یا سلطان کے پاس لے جائے۔

لڑکی کو جب بتایا گیا کہ اُسے احتشام کے ساتھ جانا پڑے گا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ الماس بھی ساتھ گیا۔ حسن بن عبداللہ نے اس کی کہانی الماس اور احتشام سے سُن کر لڑکی سے کچھ باتیں پوچھیں تو اس نے یہی جواب دیا۔ "اب تو سمندر سے آتے ہوئے بیڑے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو.... مجھے اپنے سلطان کے پاس لے چلو۔ اُس نے رات کو جو دعا کی تھی وہ خدا نے قبول کر لی ہے۔"

بہت کوشش کے باوجود اُس نے کچھ نہ بتایا تو اس کے متعلق سلطان ایوبی کو اطلاع دی گئی۔ سلطان کو اسی روز عکرہ جانا تھا۔ اُس نے کہا کہ لڑکی کو لے آؤ.... لڑکی سلطان ایوبی کے سامنے گئی تو دو زانو ہو کر سلطان کا دایاں ہاتھ چوما، پھر اُٹھی اور سلطان ایوبی کی آنکھوں میں قریب ہو کر دیکھا۔ اُس نے اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ان آنکھوں سے رات سجدے میں آنسو گرے تھے۔ مجھے تمہارے دشمن کے جہاز ان آنسوؤں میں ڈوبتے نظر آ رہے ہیں۔ بیت المقدس کی دیواروں تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا.... خون کا سمندر بہہ جائے گا.... وہ راستے میں مر جائیں گے.... وہ تباہ ہو رہے ہیں۔ آنسو جو خدا کے حضور سجدے میں بہتے ہیں انہیں فرشتے موتی سمجھ کر اٹھا لیتے ہیں۔ خدا ان موتیوں کو ضائع نہیں کرتا۔ نیت صاف ہو تو راستے صاف ملتے ہیں۔"

بہت کوشش کی گئی کہ لڑکی کو اُس کے اصلی روپ میں لایا جائے، لیکن وہ ایسی باتیں کرتی رہی جیسے اُسے آنے والا وقت نظر آ رہا ہو۔ اُسے آخر مجذوب سمجھ کر اسی بزرگ کے حوالے کر دیا گیا اور اُسے ہدایت دی گئی کہ وہ اس پر نظر رکھے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے مسجدِ اقصیٰ میں خدا کے حضور جو آنسو بہائے تھے وہ فرشتوں نے موتی سمجھ کر اٹھا لیے۔ سب سے پہلے اُسے یہ اطلاع ملی کہ جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک مر گیا ہے۔ اس سے چند دن بعد ایک صلیبی حکمران کاؤنٹ ہنری کے مرنے کی اطلاع ملی۔ یہ بھی صلیبی فوج کا ایک اتحادی تھا اور بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے آیا تھا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ کاؤنٹ ہنری کی موت کو صلیبیوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس کا انکشاف اس طرح ہوا کہ سلطان ایوبی کے بحری چھاپہ ماروں نے صلیبیوں کی دو جنگی کشتیاں پکڑیں جو فلسطین کے ساحل سے کچھ دُور سے گزر رہی تھیں۔ ان میں پچاس صلیبی بحری سپاہی تھے۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔

اس سے اگلے ہی روز صلیبیوں کی ایک بڑی کشتی پکڑی گئی۔ اس میں ایک کوٹ تھا جس پر ہیرے جواہرات لگے ہوئے تھے۔ یہ کسی شاہ کا کوٹ ہو سکتا تھا۔ صلیبی قیدیوں نے بتایا کہ یہ کاؤنٹ

ہنری کا کوٹ ہے اور وہ مر گیا ہے۔ اس کشتی میں ایک قیدی اور بھی تھا جو بحری کمانڈر معلوم ہوتا تھا۔ اس کے متعلق انکشاف ہوا کہ کاؤنٹ ہنری کا بھانجا ہے۔ ان سب کو جنگی قید میں ڈال دیا گیا۔

کاؤنٹ ہنری کی موت کے متعلق تین مختلف روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دریا میں ڈوب گیا تھا۔ مسلمان مؤرخ کہتے ہیں کہ صرف ایک گز گہرے پانی میں گرا اور مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ دریا میں نہانے اُترا تو بیمار پڑ گیا اور مر گیا۔

سلطان ایوبی جس کے متعلق سب سے زیادہ سنجیدہ بلکہ متفکر تھا وہ انگلستان کا جنگجو بادشاہ رچرڈ تھا جو بلیک پرنس (سیاہ شہزادہ) کے نام سے مشہور تھا اور اسے "شیر دل رچرڈ" بھی کہا جاتا تھا۔ وہ جنگ کا ماہر تھا۔ ذاتی طور پر بہت دلیر اور اسے قدرت نے یہ وصف عطا کیا تھا کہ اس کا قد لمبا اور بازو بھی لمبے تھے۔ اس سے اُسے یہ فائدہ حاصل تھا کہ اس کی تلوار دشمن تک پہنچ جاتی تھی مگر دشمن کی تلوار اس تک مشکل سے ہی پہنچتی تھی۔ صلیبی دنیا میں سب کی نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں۔ اس کی جنگی قوت بھی زیادہ تھی اور اُس کی بحری جنگی قوت اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور تھی۔ سلطان ایوبی کو یہی خطرہ نظر آ رہا تھا۔

آپ نے اس سلسلے کی کہانیوں میں سلطان ایوبی کے ایک امیر البحر حسام الدین لولوء کا نام پڑھا ہوگا۔ رئیس البحرین عبدالمحسن تھا۔ سلطان ایوبی کو جب یہ اطلاع ملی کہ رچرڈ اپنے بحری بیڑے کے ساتھ آ رہا ہے تو اس نے المحسن کو یہ حکم بھیجا کہ وہ رچرڈ کے بیڑے کے سامنے نہ آئے اور اپنے جہاز بکھیر کر رکھے۔ حسام الدین لولوء کو اُس نے چند ایک جہازوں اور جنگی کشتیوں کے ساتھ عسقلان بلا لیا تھا اور اُسے کہا تھا کہ دشمن کے جہازوں پر نظر رکھے لیکن آمنے سامنے کی ٹکر نہ لے۔ اس کی بجائے بحری چھاپہ ماروں کو دشمن کے اکیلے دکیلے جہازوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کرے۔

سلطان ایوبی نے دیکھ لیا تھا کہ سمندر میں بھی اُسے چھاپہ مار جنگ لڑنی پڑے گی۔ یہ وہ دن تھے جو سلطان ایوبی کے لیے بڑے ہی اذیت ناک تھے۔ وہ رات کو سوتا بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی مجلسِ مشاورت میں کہا کہ ہمیں ایک ساحلی شہر قربان کرنا پڑے گا اور وہ عکرہ ہی ہو سکتا ہے۔ میں دشمن کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہے عکرہ میں ہے اور اگر عکرہ لے لیا گیا تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جائے گی پھر بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانا آسان ہو جائے گا۔ سلطان ایوبی نے مجلسِ مشاورت کو بتایا کہ وہ دشمن کو عکرہ میں لانے میں کامیاب ہو گیا تو دشمن عکرہ کی دیواروں کے ساتھ ہی سر پٹختا رہے گا۔ مجلسِ مشاورت نے اسے اجازت دے دی کہ جس طرح وہ مناسب اور سودمند سمجھتا ہے کرے۔

☆

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیت المقدس اور ارضِ مقدس کو سلطان ایوبی کے وہ آنسو ہی بچا سکتے تھے جو اُس نے مسجدِ اقصیٰ میں بہائے تھے اور وہ دعائیں بچا سکتی تھیں۔

رات مسجد اقصیٰ میں سجدے میں گر گر مانگی تھیں ۔ دعائیں اس لڑکی نے بھی مسجد اقصیٰ میں ہی مانگی تھیں جس سے سلطان ایوبی کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا ۔ "تمہارے دشمن کے جہاز تمہارے آنسوؤں میں ڈوبتے نظر آرہے ہیں"

یہ تو کوئی مؤرخ نہیں بتا سکتا کہ اس رات سلطان ایوبی نے خدائے ذوالجلال سے کیا کیا باتیں کی تھیں، البتہ یہ حقیقت ہر مؤرخ نے بیان کی ہے کہ رچرڈ کا وہ بحری بیڑہ جس سے ایوبی جیسا مردِ خدا بھی خوفزدہ تھا، انگلستان سے روانہ ہوا تو بحیرۂ روم میں داخل ہوتے ہی ایک خوفناک طوفان کی لپیٹ میں آگیا۔ تمام جہاز بکھر گئے۔ ایک اندازے کے مطابق اس بیڑے میں پانچ سو بیس چھوٹے جہاز تھے۔ ان میں چند ایک بڑے جنگی جہاز تھے۔ یہ سب فوج، گھوڑوں، رسد اور ساز و سامان سے بھرے ہوئے تھے۔

طوفان میں بیڑہ ایسا بکھرا کہ رچرڈ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ طوفان کے بعد جب کئی دنوں کی تگ و دو سے بیڑہ یکجا کیا گیا تو پتہ چلا کہ پچیس بڑے جہاز غرق ہو گئے ہیں اور دو بہت بڑے باربردار جہاز بھی ڈوب گئے ہیں۔ ان میں بے اندازہ اسلحہ اور دیگر سامان تھا۔ رچرڈ کو جو سب سے زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا وہ ایک خطیر رقم تھی جو وہ اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ یہ بے بہا خزانہ تھا جو بحیرۂ روم کی تہہ میں چلا گیا۔

رچرڈ قبرص کے جزیرے میں لنگر انداز ہوا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے بیڑے کے تین چار جہازوں کو طوفان نے قبرص کے ساحل پر پہنچا دیا ہے۔ ان میں سے ایک میں اس کی نوجوان بہن جوآنا بھی تھی اور اس کی منگیتر بیرنگاریا بھی۔ ان دونوں کے متعلق اس نے سمجھ لیا تھا کہ ڈوب مری ہیں لیکن وہ زندہ سلامت تھیں۔ البتہ قبرص کے بادشاہ آئزک نے رچرڈ کے لیے یہ مسئلہ کھڑا کر رکھا تھا کہ اس نے اپنے ساحل کے ساتھ آنے والے ان تین جہازوں سے سامان نکلوا کر اپنے قبضے میں لے لیا اور تمام آدمیوں کو رچرڈ کی بہن اور منگیتر سمیت قید میں ڈال دیا تھا۔ رچرڈ کو آئزک کے خلاف جنگ لڑنی پڑی۔ آئزک کو شکست دے کر اسے ایک خیمے میں قید کیا مگر آئزک رات کو اس طرف سے خیمہ پھاڑ کر جدھر کوئی پہرہ دار نہیں تھا، فرار ہو گیا۔ رچرڈ پندرہ بیس روز اسے جزیرے میں ڈھونڈتا پھرا، آخر وہ اسے مل گیا۔ رچرڈ نے اس کا گھوڑا لے لیا۔ یہ غیر معمولی طور پر تیز رفتار گھوڑا تھا۔ رچرڈ ارضِ مقدس میں لڑنے آیا تو یہی گھوڑا اس کے پاس تھا۔

☆

رچرڈ جب ارضِ مقدس کے ساحل کے قریب آیا اس وقت اس کے اتحادی صلیبی عکرہ کو محاصرے میں لے چکے تھے۔ سب سے پہلے جس کی فوج نے محاصرہ کیا وہ گائی آف لوزینان تھا جسے ملکہ سبیلا نے اس عہد نامے پر رہا کرایا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کے خلاف نہیں لڑے گا۔ اس کے ساتھ فرانس کے بادشاہ فلپس آگسٹس کی فوج آن ملی اور محاصرہ مستحکم ہو گیا۔ شہر کے اندر مسلمان فوجوں کی تعداد دس ہزار تھی اور رسد کم و بیش ایک سال کے لیے کافی تھی ۔ محاصرہ ۱۳ اگست ۱۱۸۹ء کے روز شروع ہوا۔

عکرہ کے شہر کے محلِ وقوع کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے ایک طرف نا شکل کی دیوار تھی اور تین اطراف کو سمندر تھا۔ سمندر میں صلیبیوں کا بحری بیڑہ موجود تھا۔ جہاز بکھیر کر کھڑے کیے گئے تھے۔ دیوار سے دور صلیبی فوج نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ اس طرح خشکی کے تمام راستے بند ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی شہر کے اندر نہیں باہر تھا۔ اس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے اور اپنی نقل و حرکت کی جھلک دکھا کر دشمن کو عکرہ میں گھسیٹ لیا تھا۔ صلیبیوں نے جب اس شہر کا محاصرہ کیا اس وقت انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ سلطان ایوبی شہر میں ہے مگر جب انہوں نے تمام فوج محاصرے میں لگا دی تو اس کے ایک حصے پر عقب سے حملہ ہوا۔ تب انہیں پتہ چلا کہ سلطان ایوبی باہر ہے اور اس نے اس صلیبی فوج کو محاصرے میں لے لیا ہے جس نے عکرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

سلطان ایوبی کی یہ دشواری تھی کہ اس کے پاس فوج کی کمی تھی، تاہم اسے توقع تھی کہ وہ محاصرہ توڑ لے گا لیکن وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ محاصرہ زیادہ مدت تک رہے تاکہ صلیبیوں کی طاقت یہیں پر صرف ہوتی رہے۔ ۴ اکتوبر ۱۱۸۹ء کے روز صلیبیوں پر زبردست حملہ کیا۔ صلیبی مقابلے کے لیے تیار تھے۔ بڑی ہی خونریز جنگ ہوئی، جس میں نو ہزار صلیبی مارے گئے لیکن ان کے پاس چھ لاکھ کا لشکر تھا۔ نو ہزار کے مر جانے سے کوئی فرق نہ پڑا۔ انہوں نے شہر کو فتح کرنے پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی لیکن ان کی فوج دیوار کے قریب جانے سے ڈرتی تھی کیونکہ دیوار کے اوپر سے مسلمان ان پر تیروں کے علاوہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکتے تھے۔

صلیبیوں نے دیوار کے قریب پہنچ، شہر کے اندر پتھر اور آگ برسانے اور دیوار پھلانگنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ بہت اونچے دبابے (بُرج) تیار کیے جو لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے لکڑی کے پہیے لگائے گئے اور یہ بُرج اتنے بڑے تھے کہ ان میں کئی سو سپاہی سما جاتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے پھینکے ہوئے آتشیں سیال اور آگ سے بچانے کے لیے ان کے فریموں پر تانبا چڑھا دیا گیا تھا۔ یہ بُرج جب دیوار کے قریب لے جائے گئے تو دیوار سے مسلمانوں نے ان پر آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکنی شروع کر دیں۔ سیال بُرجوں پر بھی پھیلا اور ان کے اندر جو سپاہی کھڑے تھے ان پر بھی پڑا۔ جب چند ہانڈیاں پھینکنے کے بعد برج بھیگ گئے تو صرف ایک ایک جلتی ہوئی لکڑی آئی۔ ہر بُرج سے ایک لکڑی ٹکرائی اور برج مہیب شعلوں کی لپیٹ میں آگئے۔ ان میں سے ایک بھی سپاہی زندہ نہ رہا۔

دیوار کے باہر ایک خندق تھی جسے پار کرنا صلیبیوں کے لیے مشکل تھا۔ انہوں نے اس خندق کو مٹی سے بھرنا شروع کر دیا لیکن شہر کے اندر کی فوج اس قدر دلیر تھی کہ اس کے جیش باہر آکر صلیبیوں پر حملہ کرتے اور واپس چلے جاتے۔ صلیبیوں نے خندق کو بھرنے کے لیے یہاں تک کیا کہ اس میں اپنے مرے ہوئے سپاہیوں کی لاشیں پھینک دیں، پھر ان کے جتنے سپاہی مرتے، ان سب کی لاشیں خندق میں پھینک دیتے۔ عقب سے ان پر سلطان ایوبی نے وسیع پیمانے کے شبخونوں کے انداز کے حملے کیے مگر صلیبیوں کا محاصرہ ٹوٹنے کی بجائے مستحکم ہوتا گیا۔

شہر والوں کے ساتھ سلطان ایوبی نے پیامبر کبوتروں کے ذریعے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ ایک آدمی جس کا نام عیسٰی العوام تھا چمڑے میں پیغام باندھ کر کمر کے ساتھ باندھ لیتا اور سمندر میں اُتر جاتا۔ وہ رات کو یہ کام کرتا تھا۔ وہ دشمن کے لنگر انداز جہازوں کے نیچے سے گزر آیا کرتا تھا۔ وہ پیغام لاتا اور لے جاتا تھا۔ ایک رات وہ اسی طرح آیا۔ اُسے شہر میں لے جانے کے لیے سونے کے ایک ہزار سکوں سے بھری ہوئی تھیلی اور تحریری پیغامات دیئے گئے۔ قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے — "وہ جب خیریت سے شہر میں داخل ہو جایا کرتا تھا تو ایک کبوتر اڑا دیتا تھا جو ہمارے پاس آجاتا تھا۔ اس سے ہم سمجھ لیتے تھے کہ عیسٰی خیریت سے پہنچ گیا ہے۔ ہم اس کے کبوتر کو واپس اُڑا دیتے تھے۔ جس رات وہ ایک ہزار سونے کے سکے لے کر گیا، اس سے اگلے دن اس کا کبوتر نہ آیا۔ ہم سمجھ گئے کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ کئی روز بعد شہر سے اطلاع ملی کہ عیسٰے کی لاش عکرہ کے ساحل کے ساتھ تیرتی ہوئی ملی تھی۔ سونے کے سکے اس کے جسم کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ لاش کی حالت بہت بُری تھی۔ وہ سونے کے وزن سے تیر نہ سکا اور ڈوب گیا۔"

عکرہ کا حاکم میر قراقوش تھا اور سپہ سالار علی ابن احمد المشطوب تھا۔ وہ بار بار سلطان ایوبی کو یہی پیغام بھیجتے تھے کہ وہ ہتھیار نہیں ڈالیں گے لیکن باہر سے صلیبیوں پر حملے جاری رکھے جائیں اور کسی نہ کسی طرح شہر میں فوج، اسلحہ اور رسد پہنچائی جائے۔

یہی سلطان ایوبی کے سامنے ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ شہر تک مدد کس طرح پہنچاتے۔ اُس کی اپنی حالت یہ تھی کہ بخار سے اس کا جسم جل رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ شب بیداری، دوسری وجہ اعصاب پر بوجھ اور تیسری وجہ یہ تھی کہ وہاں لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ گلی سڑی لاشوں کی اتنی زیادہ بدبو تھی کہ وہاں ٹھہرا نہیں جا سکتا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی بیماری میں اضافہ کیا۔ تین چار روز تو وہ اُٹھ بھی نہ سکا۔ اُسے عکرہ ہاتھ سے جاتا نظر آرہا تھا۔

☆

پھر شمع بُجھ گئی

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خیمے میں بیمار پڑا تھا۔ اُس سے تھوڑی ہی دُور عکرہ کے باہر اُس کے جانباز دستے اس صلیبی لشکر پر حملے کر رہے تھے جس نے عکرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔ فلسطین کی تاریخ میں سب سے زیادہ خونریز معرکے لڑے جا رہے تھے مگر محاصرہ ٹوٹتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ شہر کے اندر سلطان ایوبی کی محصور فوج کی نفری دس ہزار تھی اور محاصرہ کرنے والے صلیبیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ تھی۔ سلطان ایوبی صلیبیوں کے عقب میں یعنی شہر سے باہر تھا۔ اُس کے پاس دس ہزار مملوک تھے جن پر اُسے بہت بھروسہ تھا۔ مملوک عقب سے صلیبیوں پر بڑے ہی جانبازانہ حملے کرتے تھے مگر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہونے کے علاوہ محاصرہ نہ ٹوٹ سکنے کی وجہ یہ تھی کہ صلیبیوں نے عکرہ کے اردگرد مورچے کھود لیے تھے، جو سلطان ایوبی کی فوج کے لیے خطرناک تھے۔ سوار جب حملہ کرتے تو گھوڑے مورچوں میں گر پڑتے تھے۔

عکرہ کے باہر میلوں وسعت میدانِ جنگ بنی ہوئی تھی۔ لاشوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ عکرہ کی دیوار کے باہر دیوار جتنی لمبی اور اتنی چوڑی خندق تھی جسے عبور کرنا مشکل تھا۔ صلیبیوں نے اس خندق کے ایک حصے میں اپنے مرے ہوئے فوجیوں کی لاشیں اور مرے ہوئے گھوڑے پھینکنے شروع کر دیئے تھے تاکہ یہاں سے خندق بھر جائے اور خندق سے گزر کر دیوار تک پہنچا جائے۔ جنگ کا شوروغل اتنا زیادہ تھا کہ فضا میں سوائے گدھوں کے کوئی اور پرندہ نظر نہیں آتا تھا۔ گدھ کہیں اُترتے، لاشوں کو کھاتے اور اُڑ جاتے تھے۔

اِن گدھوں کے درمیان تقریباً ہر روز ایک کبوتر عکرہ سے اڑتا اور سلطان ایوبی کے کیمپ میں جا اترتا تھا اور بہت دیر بعد کیمپ سے اُڑ کر عکرہ کو واپس چلا جاتا تھا۔ محاصرے اور خونریز معرکوں کے دوران ایک روز یہ کبوتر عکرہ سے اڑا۔ انگلینڈ کا بادشاہ رچرڈ اپنے خیمے سے باہر کھڑا تھا۔ اُس کی ساتھ اس کی بہن جوآنا بھی تھی۔

"اس کبوتر پر نظر رکھو۔" رچرڈ نے حکم دیا۔ "جونہی نظر آئے اس پر باز چھوڑ دو۔ یہ کبوتر ہماری شکست کا باعث بن سکتا ہے۔"

اُس کے پاس اُس کی بہن جوآنا اور اُس کی منگیتر بیرنگاریا کھڑی تھیں۔ رچرڈ کی عمر خاصی ہو گئی تھی۔ اور اب اس نوجوان لڑکی کو اپنے ساتھ اس ارادے سے لایا تھا کہ بیت المقدس فتح کر کے اِس سے شادی کرے گا۔ اُس کی بہن جوآنا تھوڑا ہی عرصہ پہلے تک سسلی کے بادشاہ کی بیوی تھی۔ بادشاہ مر گیا تو جوآنا

جوانی میں بیوہ ہوگئی۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس لڑکی کی شادی ہوئی تھی۔ رچرڈ انگلستان سے آتے ہوئے اسے سسلی سے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

رچرڈ کو جوآنا کی ہنسی سنائی دی۔ رچرڈ نے اُس کی طرف دیکھا تو جوآنا نے اُس سے پوچھا: "میرے بھائی! کیا اس کبوتر کے مر جانے سے صلاح الدین ایوبی بھی مر جائے گا؟"

"یہ کبوتر پیامبر ہے جوآنا!" — رچرڈ نے کہا — "اس کی ایک ٹانگ کے ساتھ عکرہ والوں کا پیغام بندھا ہوتا ہے جو صلاح الدین کے پاس جاتا ہے۔ صلاح الدین اس پیغام کا جواب اسی کبوتر کے ساتھ بھیجتا ہے۔ صلاح الدین ہم پر باہر سے جو حملے کرتا ہے وہ عکرہ والوں کے پیغاموں کے مطابق ہوتے ہیں۔ عکرہ والوں کا جوش اور جذبہ اور ہتھیار نہ ڈالنے کا عزم اس کبوتر کی وجہ سے قائم ہے، ورنہ کوئی محصور فوج اتنے شدید حملے زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتی۔ تم دیکھ رہی ہو کہ ہماری منجنیقوں کے پھینکے ہوئے پتھروں نے کئی جگہوں سے دیوار کا اوپر کا حصہ گرا دیا ہے اور ہماری پھینکی ہوئی آگ نے شہر میں تباہی بپا کر رکھی ہے مگر وہ ہتھیار نہیں ڈال رہے۔"

"آپ کا اصل مقصد اور منزل یروشلم ہے جو ابھی بہت دُور ہے۔" جوآنا نے کہا۔ "اگر عکرہ کی فتح میں کئی سال گزر گئے تو کیا آپ اپنی زندگی میں یروشلم تک پہنچ سکیں گے؟ ہمارے جاسوس اور مسلمان جنگی قیدی بتاتے ہیں کہ شہر کے اندر صرف دس ہزار تعداد کی فوج ہے۔ ہماری تعداد ابتدا میں چھ لاکھ تھی۔ اب پانچ لاکھ رہ گئی ہوگی۔ محاصرہ پچھلے سال (۱۱۹۰ء) ۱۳ اگست کے روز شروع ہوا تھا۔ اب ۱۱۹۱ء کا اگست آگیا ہے۔ دو سال.... میرے بھائی! دو سال.... ابھی آپ دس ہزار نفری کے محصورین سے ہتھیار نہیں ڈلوا سکے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کو محاصرے میں شامل ہوئے ابھی چند مہینے گزرے ہیں لیکن چند مہینوں میں آپ نے عکرہ کی تھوڑی سی دیوار توڑنے اور منجنیقوں سے شہر کے کچھ حصے کو آگ لگانے کے سوا کیا کامیابی حاصل کی ہے؟ مجھے تو یہ نظر آرہا ہے کہ اس شہر کے کھنڈر ہی آپ کو ملیں گے۔"

رچرڈ نے اپنی منگیتر کو وہاں سے چلے جانے کو کہا۔ وہ چلی گئی تو رچرڈ اپنی بہن سے مخاطب ہوا۔ "صلیب الصلبوت اور یروشلم کے وقار اور تقدس کا مطالبہ یہ ہے کہ تم بھول جاؤ کہ تم میری بہن ہو۔ تم اس صلیب کی بیٹی ہو جو مسلمانوں کے قبضے میں ہے اور یروشلم جہاں ہمارے پیغمبر کی عبادت گاہ ہے اس پر بھی مسلمان قابض ہیں۔ تم جانتی ہو کہ ہمیں اسلام کو ختم کرنا ہے اور تم یہ بھی دیکھ رہی ہو کہ مسلمان خودکشی کی طرح لڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ موت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ فتح حاصل کرنے کے لیے لڑتے ہیں۔ میں پہلی بار یہاں آیا اور انہیں لڑتے دیکھا ہے۔ اُن کے جذبے کے جنون کی جو کہانیاں سنی تھیں وہ اپنی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مسلمان کو عورت مار سکتی ہے۔ اُن کے درمیان جو خانہ جنگی ہوئی تھی وہ ہمارے بادشاہوں نے اُن پر ایک سازش کے تحت بادشاہی، زر و جواہرات، شراب اور عورت کا نشہ طاری کر کے کرائی تھی مگر صلاح الدین ایسا پتھر نکلا کہ اس کے عزم کو متزلزل نہ کرسکے۔ اُس نے اپنے اُن

بھائیوں کو جو ہمارے ہاتھ میں آگئے تھے، تلوار کے زور سے اپنا مطیع کر لیا یا اُن کے دلوں میں اسلامی جذبہ بیدار کر لیا۔"

"میں نے بھی یہ سنا ہے۔" جوآنا نے کہا۔ "میں نے اُن لڑکیوں کے ایثار کی کہانیاں بھی سنی ہیں جنہیں مسلمان امراء اور حاکموں کے پاس جاسوسی اور دیگر تخریب کاری کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ میرا خیال ہے یہ طریقہ کامیاب نہیں رہا۔"

"میں اسے ناکام بھی نہیں کہتا۔" رچرڈ نے کہا۔ "اگر مسلمانوں کے قومی جذبے کو تباہ کرنے کے لیے یہ لڑکیاں استعمال نہ کی جاتیں تو یہ لوگ بہت عرصہ پہلے نہ صرف یروشلم کو فتح کر چکے ہوتے بلکہ یہ آدھے یورپ پر قابض ہو چکے ہوتے۔ ہم نے عورت کے حسن اور جسم کے جادو سے اور اُن میں سے بہت سے امیروں، وزیروں اور سالاروں کو سلطان بنانے کے لالچ سے اُن کا اتحاد توڑ دیا تھا۔ اُن کی جنگی قوت انہیں آپس میں لڑا کر تباہ کر دی تھی، مگر یہ پھر متحد ہو گئے ہیں۔"

"آپ یہ باتیں مجھے کیوں سنا رہے ہیں؟" جوآنا نے کہا۔ "آپ کے بولنے کے انداز میں مایوسی کیوں ہے؟ میں آپ کی کیا مدد کرسکتی ہوں؟"

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم بھول جاؤ کہ میری بہن ہو، تم صلیب کی بیٹی ہو۔ صلیب کی فتح کے لیے تم بہت کچھ کر سکتی ہو۔ تم دیکھ رہی ہو کہ ہم مسلمانوں کے خلاف لڑ بھی رہے ہیں اور ہماری آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی طرف اپنے ایلچی بھیجتے رہتے ہیں۔ میری ملاقات صلاح الدین کے بھائی العادل سے بھی ہو چکی ہے۔ میں اُن سے اپنی شرائط منوانے کی کوشش کر رہا ہوں جو وہ نہیں مان رہے۔ میں انہیں کہہ رہا ہوں کہ یروشلم اور صلیب الصلبوت ہمارے حوالے کر دو اور تم ان علاقوں سے نکل جاؤ جن پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ صلاح الدین نے ایک بھی شرط ماننے سے انکار کر دیا ہے۔"

"آپ صلاح الدین ایوبی سے کیوں نہیں ملتے؟"

"وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتا۔" رچرڈ نے جواب دیا۔ "وہ بیمار بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کا بھائی العادل اُسی جیسا پُرعزم اور پکا مسلمان ہے۔ وہ صلاح الدین کی جگہ لے رہا ہے۔ میں نے اس میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ جوان ہے اور زندہ دل بھی لگتا ہے۔ میں اس شخص کے دل پر قبضہ کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ میں اُسے دوست بنا سکوں گا لیکن جو کام تمہارا ہے وہ میں کیسے کر سکتا ہوں؟.... کیا تم نے اُسے پسند نہیں کیا تھا؟"

"آپ مجھ سے وہ کام لینے کی سوچ رہے ہیں جو ہماری تربیت یافتہ لڑکیاں بہت مدت سے کر رہی ہیں۔"

"ہاں!" رچرڈ نے کہا۔ "اس کے دل پر قبضہ کرو۔ محبت کا والہانہ اظہار کرو اور اُسے کہو کہ تم اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو۔ میں درمیان میں آجاؤں گا اور صلاح الدین سے کہوں گا کہ وہ اگر ساحلی علاقے اپنے بھائی اور میری بہن کو دے دے تو میں اپنی بہن کی شادی العادل کے ساتھ کرنے کو تیار ہوں۔ تم العادل کو تیار کرنا کہ وہ اپنا مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کرے۔ اُسے یہ لالچ دو کہ وہ ساحلی علاقے کی اتنی وسیع سلطنت کا

سلطان بن جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اُسے صلاح الدین کے خلاف کر سکوگی۔“

جوآنا کچھ دیر خاموش رہی۔ رچرڈ اُسے دیکھتا رہا۔ آخر جوآنا نے آہ لی اور بولی: ”میں کوشش کروں گی۔“

”مسلمانوں کو اسی دھوکے سے مارا جاسکے گا۔“ رچرڈ نے کہا۔ ”میں میدانِ جنگ میں انہیں شکست دینے کی پوری کوشش کروں گا لیکن بہت لمبی مدت درکار ہوگی۔ میں شاید اُس وقت تک زندہ نہ رہوں۔ مجھے واپس انگلستان بھی جانا ہے۔ وہاں کے حالات مخدوش ہیں۔ مخالفین میری غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔“

☆

جو کبوتر رچرڈ کے اوپر سے گزر کر آ گیا تھا وہ صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے سامنے بنی ہوئی ایک کھرلی پر آن بیٹھا۔ دربان نے دوڑ کر اُس کی ٹانگ سے بندھا ہُوا پیغام کھولا اور خیمے میں لے گیا۔ سلطان ایوبی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اُسے آرام کی سخت ضرورت تھی لیکن وہ اُٹھ بیٹھا اور پیغام پڑھنے لگا۔ شہر کے اندر کی فوج ساتھ سلطان کا رابطہ پیامبر کبوتروں کے ذریعے قائم تھا۔ یہ پیغام عکرہ کے دونوں حاکموں، المشطوب اور بہاؤالدین قراقوش کا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد جو سلطان ایوبی کی مجلس مشاورت کا اہم رُکن اور اُس کا ہمراز دوست بھی تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ یہ دونوں غیر معمولی طور پر دلیر اور ذہین سالار تھے، محاصرے میں اُن کی حالت بہت بُری ہو گئی تھی۔ شہر تباہ ہو رہا تھا لیکن یہ دونوں ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ باہر والے ہر وقت یہ خبر سننے کے لیے تیار رہتے تھے کہ عکرہ کی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

اس پیغام میں بھی المشطوب اور قراقوش نے سلطان ایوبی کو وہی کچھ لکھا تھا جو وہ ہر پیغام میں لکھتے تھے۔ اب کے انہوں نے زیادہ زور دے کر لکھا کہ ہم سے یہ توقع نہ رکھنا کہ ہم جیتے جی ہتھیار ڈال دیں گے لیکن آپ کی مدد یہ ہمارے لیے بے حد ضروری ہو گئی ہے کہ صلیبیوں پر باہر سے حملے زیادہ کر دیں۔ سپاہیوں سے کہیں کہ وہ اسی جذبے سے لڑیں جس جذبے سے شہر والے مقابلہ کر رہے ہیں۔ آدھا شہر جل چکا ہے۔ فوج بھی آدھی رہ گئی ہے لیکن شہریوں کے جذبے کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ عورتیں بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہیں۔ لوگ کھانا خود کم کھاتے اور فوج کو زیادہ کھلاتے ہیں۔

انہوں نے دیوار کی یہ کیفیت لکھی کہ صلیبیوں کی منجنیقوں کی مسلسل سنگ باری سے دیوار کئی جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے۔ بالائی حصہ ختم ہو چکا ہے۔ بُرج گر پڑے ہیں۔ دشمن نے باہر خندق کو کئی جگہوں سے اپنے سپاہیوں کی لاشوں اور مرے ہوئے گھوڑوں اور مٹی سے بھر لی ہے جہاں سے وہ دیوار کے قریب آ کر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ جب ڈھولوں کی آواز سنیں، عقب سے صلیبیوں پر بہت ہی سخت حملہ کریں۔ ہم ڈھول اُس وقت بجایا کریں گے جب صلیبی دیوار پر حملہ کیا کریں گے۔ آپ ایسے جانباز تیار کریں جو سمندر کی طرف سے ہم تک اسلحہ پہنچائیں۔

سلطان ایوبی کمزوری اور بخار کے باوجود اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے پیغام کا جواب لکھوایا جس میں اُس نے عکرہ والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ یہ بھی لکھا کہ جانباز پہلے ہی شہر تک اسلحہ پہنچانے کے لیے جا چکے ہیں۔

اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اسلام پر بڑا ہی سخت وقت آن پڑا ہے۔ یہ میری ہی کوشش تھی کہ صلیبی بیت المقدس کی طرف بڑھنے کی بجائے عکرہ کا محاصرہ کریں تاکہ میں انہیں یہیں اُلجھا کر اُن کی جنگی طاقت کمزور کر دوں۔ تم لوگ عکرہ کے دفاع کے لیے نہیں، مسجدِ اقصیٰ کے دفاع کے لیے لڑ رہے ہو۔“

یہ پیغام کبوتر کے ذریعے بھیج کر سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ میرے پاس ہر ایک کمانڈر اور ہر ایک سپاہی کے پاس جانے کا وقت نہیں رہا۔ میرے جسم میں جو طاقت رہ گئی ہے اُسے میں جہاد میں صرف کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے کمانڈروں اور سپاہیوں سے کہو کہ اپنے اللہ، اپنے رسولؐ اور اپنے مذہب کے لیے لڑو۔ اب یہ نہ سوچو کہ تم اپنے سلطان کے حکم سے لڑ رہے ہو۔ یہ بھی نہ سوچو کہ تمہیں اب زندہ رہنا ہے۔ اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔

قاضی بہاؤالدین شدّاد لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی ایسا جذباتی کبھی نہیں ہُوا تھا۔ اُس کی جذباتی حالت بالکل اُس ماں سے ملتی جلتی تھی جس کا بچہ کھو گیا ہو۔ وہ سوتا نہیں تھا۔ آرام نہیں کرتا تھا۔ میں نے اُسے کئی بار کہا کہ سلطان! اپنی صحت کا خیال رکھو۔ تم اپنے اعصاب کو تباہ کر رہے ہو۔ اللہ کو یاد کرو۔ فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے..... سلطان کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے جذباتیت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا—

”بہاؤالدین! میں صلیبیوں کو بیت المقدس نہیں دوں گا۔ میں اس مقدس جگہ کی بے حرمتی نہیں ہونے دوں گا جہاں سے میرے پیارے رسولؐ خدا کے حضور گئے تھے۔ اُس جگہ میرے رسولؐ نے سجدہ کیا تھا.....“ وہ گرج کر بولا۔ ”نہیں..... بہاؤالدین! نہیں۔ میں مر کے بھی صلیبیوں کو بیت المقدس نہیں دوں گا۔“

قاضی شدّاد آگے چل کر لکھتا ہے کہ ایک رات وہ اس قدر بے چین تھا کہ میں بہت دیر اس کے ساتھ رہا۔ اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اُسے قرآن کی دو تین آیتیں بتائیں اور کہا کہ یہ پڑھتے رہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور اُس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ آیتیں پڑھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ سوتے میں بڑبڑایا— ”یعقوب کی کوئی خبر نہیں آئی؟..... وہ شہر میں داخل ہو جائے گا“— پھر وہ سو گیا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ نیند میں بھی بے چین تھا۔

سلطان ایوبی کے خیمے سے عکرہ کی دیوار نظر آتی تھی۔ اس کے باہر صلیبی لشکر یوں دکھائی دیتا تھا جیسے چیونٹیاں کسی چیز پر اکٹھی ہو گئی ہوں۔ رات کو عکرہ کی دیواروں پر مشعلیں جلتی پھرتی رہتی تھیں اور رات کے اندھیرے میں آگ کے گولے دیوار کے اوپر سے اندر جاتے نظر آتے تھے۔ دیوار سے بھی ایسے گولے باہر آتے تھے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار راتوں کو دشمن پر شبخون مارتے رہتے تھے۔

☆

نیند میں سلطان ایوبی جس یعقوب کا نام لے رہا تھا وہ اُس کی بحریہ کا ایک بڑا ہی دلیر کپتان تھا۔ عکرہ شہر کے اندر رسد اور اسلحہ پہنچانا ناممکن ہو گیا تھا۔ پچھلی قسط میں بیان کیا جا چکا ہے کہ شہر کے ایک طرف سمندر تھا اور ادھر صلیبیوں کے بحری جہاز بکھرے ہوئے تھے۔ شہر والوں کو سامان پہنچانا بڑا ہی

ضروری تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے اس بحری بیڑے سے اس مہم کے لیے رضاکارا مانگے تھے۔ یعقوب نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں، قاضی بہاؤالدین شداد اور دو اور مؤرخوں نے یعقوب کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ حلب کا رہنے والا تھا۔ اُس نے بحریہ اور فوج سے سپاہی منتخب کیے۔ اُن کی تعداد چھ سو پچاس تھی۔ انہیں یعقوب اپنے جہاز میں لے گیا اور بیروت چلا گیا وہاں سے اُس نے جہاز کو (جو بڑا جنگی جہاز تھا) رسد اور اسلحہ سے بھر لیا۔ یہ اتنا زیادہ سامان تھا جو عکرہ والوں کو بڑے لمبے عرصے تک لڑنے کے قابل بنا سکتا تھا۔

یعقوب نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ جانیں قربان کر دینی ہیں، یہ سامان عکرہ تک پہنچانا ہے۔ جہاز جب عکرہ سے کچھ ہی دُور رہ گیا تھا کہ صلیبیوں کے چالیس جہازوں نے اُسے گھیر لیا۔ یعقوب کے جانبازوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ جہاز چلتا رہا اور یعقوب اُسے عکرہ کے ساحل کی طرف لے جاتا رہا۔ جانبازوں نے دشمن کے جہازوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ ایک فرانسیسی مؤرخ ڈی ونسوف نے لکھا ہے کہ وہ جنات اور بدروحوں کی طرح لڑے لیکن دشمن کے گھیرے سے نہ نکل سکے۔ آدھے سے زیادہ مسلمان سپاہی تیروں کا نشانہ بن گئے۔

یعقوب نے جب دیکھا کہ جہاز بادبان برباد ہو جانے سے کھُلے سمندر کی طرف بہہ گیا ہے اور اب دشمن جہاز پر قبضہ کرے گا تو اُس نے اپنے جانبازوں سے چلا کر کہا۔ "خدا کی قسم! ہم وقار سے مریں گے۔ دشمن کو نہ یہ جہاز ملے گا نہ اس میں سے کوئی چیز اُس کے ہاتھ آئے گی.... جہاز میں سوراخ کر دو۔ سمندر کو جہاز کے اندر آنے دو"۔۔۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ جو جانباز زندہ رہ گئے تھے، انہوں نے عرشے کے نیچے جا کر جہاز کو توڑنا شروع کر دیا۔ تختے ٹوٹے تو سمندر جہاز میں داخل ہونے لگا۔ کسی نے بھی جانباز نے جہاز سے کُود کر جان بچانے کی کوشش نہ کی۔ سب جہاز کے ساتھ سمندر کی تہہ میں چلے گئے۔

اس واقعہ کی تاریخ ۸ جون ۱۱۹۱ء لکھی گئی ہے۔

سلطان ایوبی کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ خیمے سے نکلا۔ اُس کا گھوڑا ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے حکم دیا۔ "دف بجاؤ"۔ دف بج اُٹھے۔۔۔ یہ حملے کا سگنل تھا۔ ذرا سی دیر میں اُس کے دستے حملے کی تیاری کے لیے جمع ہو گئے۔۔۔ سلطان ایوبی نے اتنا ہی کہا۔ "آج دشمن کو چیر کر دیوار تک پہنچنا ہے"۔۔۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کے تمام دستے، سوار اور پیادہ اُس کے پیچھے گئے۔ یہ بظاہر اندھا دھند حملہ تھا لیکن سلطان ایوبی نے پہلے ہی فوج کو ترتیب بنا رکھی تھی۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کو یوں قہر و غضب سے آتے دیکھا تو اُن کے پیادہ دستے کمانوں میں تیر ڈال کر دیوار کی مانند کھڑے ہو گئے۔ صلیبی فوج کے مورچے بھی تھے۔ انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔

حملے کی قیادت سلطان ایوبی خود کر رہا تھا۔ اس لیے اُس کے ملوک بجلیوں کی طرح صلیبیوں پر

ٹوٹے مگر صلیبیوں کی تعداد بہت ہی زیادہ تھی۔ مسلمان یوں لڑے جیسے وہ زندہ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ گھوڑ سوار گھوڑے گھما گھما کر لاتے اور حملے کرتے تھے۔ یہ معرکہ اُس وقت ختم ہوا جب شام تاریک ہو گئی۔ صلیبیوں کا نقصان بہت ہی زیادہ تھا مگر وہ کامیابی حاصل نہ کی جا سکی جس کے لیے سلطان ایوبی نے حملہ کرایا تھا۔

ایسا حملہ پہلا اور آخری نہیں تھا۔ عکرہ دو سال محاصرے میں رہا۔ اس دوران سلطان ایوبی نے عقب سے ایسے کئی حملے کرائے۔ ہر حملے میں جانبازوں نے بہادری کی ایسی مثالیں پیش کیں جو اس سے پہلے وہ خود بھی پیش نہیں کر سکے تھے۔ اس دوران سلطان ایوبی کو مصر سے بھی کمک ملی اور کئی ایک مسلمان امارتوں نے اُسے اپنی فوجیں اور سامان بھیجا۔ اگر ہر حملے کا ذکر تفصیل سے کیا جائے تو سینکڑوں صفحے درکار ہوں گے۔ یہ جہاد کا جذبہ نہیں بلکہ جنون تھا۔ ان حملوں سے عکرہ کا محاصرہ تو نہ توڑا جا سکا لیکن صلیبیوں پر یہ خوف طاری ہو گیا کہ مسلمان انہیں یہاں سے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔ صلیبیوں کا چونکہ لشکر زیادہ تھا اس لیے ان کا جانی نقصان بھی زیادہ ہوتا تھا۔ اتنی زیادہ لاشوں اور زخمیوں کو دیکھ دیکھ کر صلیبیوں کا حوصلہ مجروح ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے قہر کا اثر خود رچرڈ کے دل پر پڑ رہا تھا۔

اس دوران رچرڈ سلطان ایوبی کے پاس صلح کے لیے اپنے ایلچی بھیجتا رہتا تھا۔ اس کا ایلچی العادل کے پاس آیا کرتا اور العادل صلح کا پیغام سلطان ایوبی تک پہنچایا کرتا تھا۔ اُس کے مطالبات یہ تھے کہ بیت المقدس جسے وہ یروشلم کہتے تھے انہیں دے دیا جائے، صلیب الصلبوت انہیں واپس دے دی جائے اور صلیبی جن علاقوں پر حطین کی جنگ سے پہلے قابض ہو چکے تھے وہ علاقے صلیبیوں کو واپس دے دیئے جائیں.... سلطان ایوبی یروشلم کا نام سُن کر بھڑک اٹھتا تھا۔ تاہم اُس نے العادل کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ رچرڈ کے ساتھ صلح کی بات چیت جاری رکھے۔ تقریباً تمام مؤرخ لکھتے ہیں کہ رچرڈ اور العادل دوست بن گئے تھے اور العادل جب رچرڈ کے پاس جاتا یا رچرڈ اُسے ملنے آتا تو رچرڈ کی بہن جوآنا بھی ساتھ ہوتی تھی۔ اس دوستی کے باوجود العادل رچرڈ کی شرائط تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔

ان ملاقاتوں کے ساتھ عکرہ کی جنگ جاری تھی۔ خونریزی بڑھتی جا رہی تھی اور عکرہ والوں کی حالت بہت ہی بُری ہوتی جا رہی تھی۔ محاصرہ کرنے والوں میں دوسرے صلیبی بادشاہ بھی تھے جن میں قابلِ ذکر فرانس کا بادشاہ تھا۔ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ ان سب کا لیڈر بن گیا تھا۔

☆

"میں نے یہ کامیابی حاصل کر لی ہے کہ اُس نے میری محبت قبول کر لی ہے"۔۔۔ جوآنا نے اپنے بھائی رچرڈ سے کہا۔ "لیکن میں نے اس میں وہ کمزوری نہیں دیکھی جو آپ بتاتے تھے کہ ہر مسلمان امیر اور حاکم میں پائی جاتی ہے۔ وہ میرے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے لیکن اپنا مذہب چھوڑنے کی بجائے مجھے اسلام قبول کرنے کو کہتا ہے"۔

"معلوم ہوتا ہے تم نے اپنا جادو اس طرح نہیں چلایا جس طرح اس فن کی ماہر لڑکیاں چلاتی رہتی ہیں"۔ رچرڈ نے کہا۔ "یہ میں نے بھی دیکھ لیا ہے کہ العادل کردار کا پکا ہے۔ میں اُسے کہہ چکا ہوں کہ اگر وہ تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے تو عیسائیت قبول کرے اور اپنے بھائی سے کہے کہ ساحلی علاقہ اُسے دے دے جس پر اُس کی اور تمہاری حکمرانی ہوگی۔ اُس نے جواب دیا کہ اپنا مذہب ترک کرنا ہوتا تو اتنے خون خرابے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا، کہ تم میری بہن کو پسند کرتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ اپنی بہن سے پوچھو۔ میں اُسے اتنا ہی چاہتا ہوں جتنا وہ مجھے چاہتی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے اُن کے میل ملاقات اور محبت پر کوئی اعتراض نہیں.... شکار جال میں آگیا ہے۔ اب یہ تمہارا کمال ہوگا کہ اُسے شیشے میں اُتار لو۔"

"مجھے یاد آیا۔" جوآنا نے کہا۔ "میری دونوں خادمائیں کہیں نظر نہیں آرہیں۔ رات یہیں تھیں۔ صبح سے غائب ہیں۔"

"میرا خیال ہے وہ اب غائب ہی رہیں گی۔" رچرڈ نے کہا۔ "وہ مسلمان تھیں۔"

"وہ سسلی کی مسلمان تھیں۔" جوآنا نے کہا۔ "اور وہ اُس وقت سے میرے ساتھ تھیں جب میری شادی ہوئی اور میں سسلی گئی تھی۔"

"مسلمان کہیں کا بھی رہنے والا کیوں نہ ہو، سب کا جذبہ ایک سا ہوتا ہے۔" رچرڈ نے کہا۔ "اسی لیے ہم اس قوم کو خطرناک سمجھتے ہیں اور ہم اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ان کا اتحاد ٹوٹ جائے۔ ان دونوں نے یہاں آکر دیکھا کہ ہم اُن کی قوم کے خلاف لڑ رہے ہیں تو وہ اُن کے پاس چلی گئی۔"

رچرڈ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اُس وقت یہ دونوں عورتیں سلطان ایوبیؒ کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ اُن کی چھان بین کرکے انہیں سلطان کے پاس لے جایا گیا۔ انہوں نے سلطان سے ملنے کی خواہش کی تھی اور کہا تھا کہ وہ کچھ باتیں صرف سلطان کو بتانا چاہتی ہیں۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ سسلی میں جنمی پلی ہیں اور لڑکپن میں شاہی محل میں ملازم ہوگئی تھیں۔ جب جوآنا بادشاہ کی بیوی بن کر آگئی تو ان دونوں کو جسمانی چستی اور اچھی شکل و صورت کی وجہ سے جوآنا کی خاص خادمائیں بنا دیا گیا۔ سسلی میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اس لیے وہاں اسلام زندہ تھا۔ ان دونوں کو بھی اپنا مذہب یاد رہا۔ جوآنا بیوہ ہوگئی تو شہنشاہ رچرڈ آگیا۔ وہ جوآنا کو اپنے ساتھ لایا تو ان دونوں کو بھی ساتھ آنا پڑا۔ یہاں انہوں نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑتے دیکھا تو کفار کی نوکری سے اُن کا دل اچاٹ ہوگیا۔

یہ دونوں عورتیں صرف جسمانی طور پر ہی چست اور چالاک نہیں تھیں، ذہنی طور پر بھی ہوشیار تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ جوآنا رچرڈ کی منگیتر کو بتا رہی تھی کہ اُس نے صلاح الدین ایوبیؒ کے بھائی العادل کو پھانس لیا ہے۔ وہ کہتی تھی کہ العادل کے دل میں اُس کی اور اُس کے دل میں العادل کی محبت پیدا ہوگئی ہے اور اگر العادل نے اپنا مذہب ترک کر دیا تو اُن کی شادی ہو جائے گی پھر صلاح الدین

ایوبی کو مارنا اور یروشلم پر قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ ان عورتوں نے اس شک کا بھی اظہار کیا کہ العادل اور جوآنا کہیں ملتے ملاتے بھی ہیں۔ یہ خبر سلطان ایوبی تک پہنچانے کے لیے دونوں عورتیں وہاں سے بھاگ آئیں۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں ان عورتوں کے نام نہیں لکھے، یہ لکھا ہے کہ سلطان ایوبی نے ان دونوں کو نہایت عزت و احترام اور انعام و اکرام کے ساتھ دمشق بھیج دیا۔

سلطان ایوبی نے ان عورتوں کی اطلاع پر تو یقین کر لیا لیکن اُسے یہ یقین نہیں آرہا تھا کہ اُس کا سگا بھائی اُسے دھوکہ دے رہا ہے۔ اُسے اپنے ہر سالار پر اعتماد تھا لیکن العادل اور اپنے دو بیٹوں (الافضل اور الظاہر) کی موجودگی میں وہ بہت سی پریشانیوں سے آزاد تھا۔ صلیبیوں پر عقب سے جو حملے کیے جاتے تھے اُن کی قیادت یہ تینوں کرتے یا وہ خود کرتا تھا۔ اس کے علاوہ العادل ہی صلیبی حکمرانوں، خصوصاً رچرڈ سے ملتا اور بات چیت کرتا تھا۔ تاہم اُس نے العادل کے ساتھ بات کر لینا مناسب سمجھا مگر عکرہ کی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی کمک آرہی تھی۔ العادل کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے متعلق سلطان ایوبی کو یہی اطلاعیں ملتی تھیں کہ آج اُس نے فلاں جگہ حملہ کیا ہے اور آج فلاں جگہ۔ سلطان ایوبی کو اپنے بیٹے بھی نہیں ملتے تھے۔ اب تو اُس کی اپنی یہ حالت تھی کہ صحت کی خرابی کے باوجود جنگ میں شریک رہتا تھا۔

عکرہ کی دیوار ایک جگہ سے مسلسل سنگ باری سے گر پڑی تھی۔ صلیبی وہاں سے اندر جانے کی کوشش کرتے تو مسلمان جانوں کی بازی لگا کر انہیں روک لیتے تھے۔ دور سے نظر آنے لگا تھا کہ یہ شگاف دونوں فریقوں کی لاشوں سے بھرتا جا رہا ہے۔ آخر اندر سے کبوتر یہ پیغام لایا۔ "اگر کل تک یہیں مدد نہ پہنچی یا آپ نے باہر سے محاصرہ توڑنے کی کوشش نہ کی تو ہمیں ہتھیار ڈالنے پڑیں گے کیونکہ شہریوں کے بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ شہر جل رہا ہے اور فوج تھوڑی رہ گئی ہے اور جو رہ گئی ہے وہ مسلسل دو سال بغیر آرام کیے لڑ لڑ کر لاشیں بن گئی ہے۔"

سلطان ایوبیؒ کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے اسی وقت اپنے تمام تر دستے یکجا کرکے بڑا ہی شدید حملہ کیا۔ ایسی خونریزی ہوئی کہ تاریخ کے ورق پھڑپھڑانے لگے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ انسانی ذہن ایسی خونریزی کو تصور میں نہیں لا سکتا۔ رات کو بھی مسلمانوں نے صلیبیوں کو چین نہ لینے دیا۔ آدھی رات کے بعد سلطان ایوبی اس طرح اپنے خیمے میں آیا اور پلنگ پر گرا جیسے اُس کا جسم زخموں سے چور ہو گیا ہو۔ اس نے ہانپتی کانپتی آواز میں حکم دیا کہ صبح پھر ایسا ہی حملہ ہوگا، مگر صبح کی روشنی نے اُسے جو منظر دکھایا اس سے اُس پر نیم غشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ عکرہ کی دیواروں پر صلیبیوں کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ صلیبیوں کا لشکر شگاف سے اندر جا رہا تھا۔۔۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ تاریخ ۱۷ جمادی الثانی ۵۸۷ ہجری (۱۲ جولائی ۱۱۹۲ء) تھی۔

اشقوب اور قراقوش نے صلیبیوں سے شرائط طے کر لی تھیں۔ اس کے باوجود سلطان ایوبی کو یہ منظر بھی دیکھنا پڑا کہ فرینکی تقریباً تین ہزار مسلمان قیدیوں کو رسّوں سے باندھے عکرہ سے باہر لائے۔ ان میں فوجی تھے اور شہری بھی۔ انہیں ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا اور چاروں طرف سے صلیبیوں کی فوج کے سوار اور پیادہ دستوں نے ان بندھے ہوئے نہتے قیدیوں پر حملہ کر دیا۔ سلطان ایوبی کی فوج کو بالکل توقع نہیں تھی کہ صلیبی اس قدر درندگی اور ذلّت کا مظاہرہ بھی کر سکتے ہیں۔ جب صلیبی فوج قیدیوں پر ٹوٹ پڑی، مسلمان فوج کسی کے حکم کے بغیر اٹھ دوڑی اور صلیبیوں پر پورے قہر سے حملہ کیا مگر تمام قیدی شہید کیے جا چکے تھے۔ دونوں فوجوں میں بڑا سخت تصادم ہُوا۔

☆

اس دوران رچرڈ پر بھی سلطان ایوبی کی طرح بیماری کے شدید حملے ہوئے۔ دنیائے صلیب کو اس پر بڑا ہی بھروسہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شیر دل تھا مگر عکرہ کے محاصرے میں جہاں وہ کامیاب ہُوا تھا وہاں اُس کا حوصلہ بھی ٹوٹ گیا تھا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ مسلمان اتنی بے جگری سے لڑتے ہیں۔ اس کی منزل اب بیت المقدس تھی۔ اُس نے ساحل کے ساتھ ساتھ کوچ کیا۔ آگے عسقلان اور حیفہ جیسے بڑے شہر اور قلعے تھے۔ سلطان ایوبی نے اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ وہ ان شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر کے یہاں اپنے اڈے بنانا اور بیت المقدس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

سلطان ایوبی نے بیت المقدس کی خاطر بہت بڑی قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے حکم دیا: "عسقلان کو تباہ کر دو۔ قلعے اور شہر کو جلے کا ڈھیر بنا دو۔" — سالاروں اور مشیروں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اتنا بڑا شہر؟ اتنا مضبوط قلعہ؟ — سلطان ایوبی نے گرج کر کہا — "شہر پھر آباد ہو جائیں گے۔ انسان پیدا ہوتے رہیں گے مگر بیت المقدس کو صلیبیوں سے بچائے رکھنے کے لیے صلاح الدین ایوبی شاید پھر پیدا نہ ہو..... اپنے تمام شہر اور بچے مسجدِ اقصیٰ پر قربان کر دو۔"

سلطان ایوبی بے شک جذباتی ہو گیا تھا لیکن اُس نے فنِ حرب و ضرب اور حقائق سے چشم پوشی نہ کی۔ اپنے چھاپہ مار دستوں کو صلیبی لشکر کے پیچھے ڈال دیا۔ یہ دستے بکھر کر رچرڈ کے لشکر پر جو کوچ کر رہا تھا، عقبی حصے میں شب خون مارتے اور غائب ہو جاتے۔ اس طرح اس لشکر کا کوچ بہت ہی سست رہا۔ دشمن کی رسد محفوظ نہ رہی۔ رچرڈ عسقلان جا رہا تھا۔ وہاں پہنچا تو قلعہ اور شہر جلے کا ڈھیر بن چکے تھے۔ وہاں جو مسلمان فوج تھی اُسے بیت المقدس کے دفاع کے لیے بھیج دیا گیا تھا۔ رچرڈ کے راستے میں جتنے قلعے آئے وہ سب مسمار ہو چکے تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ رچرڈ کا دماغ خراب ہونے لگا تھا کہ مسلمان ایسی قربانی بھی دے سکتے ہیں۔ وہ جان گیا کہ بیت المقدس پر قبضہ آسان نہیں۔

اس پر یہ افتاد بھی پڑی کہ فرانس کا بادشاہ اُس کا ساتھ چھوڑ گیا۔ انہوں نے عکرہ لے تو لیا تھا لیکن مسلمانوں نے اس کامیابی میں اُن کی کمر توڑ دی تھی۔ سلطان ایوبی کو عکرہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا بہت

افسوس تھا لیکن اُس کی یہ چال کامیاب رہی کہ اس نے صلیبیوں کا جنگی طاقت کا گھمنڈ توڑ دیا تھا۔ اس نے اب پھر اپنا مخصوص طریقۂ جنگ شروع کر دیا تھا۔ یہ شب خونوں اور چھاپوں کا سلسلہ تھا۔ یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمان چھاپہ مار رات کی تاریکی میں طوفان کی طرح آتے اور صلیبی فوج کے عقبی حصے پر شب خون مار کر بے تحاشہ نقصان کرتے اور غائب ہو جاتے تھے۔ اس طرح صلیبیوں کے لیے ایک ماہ کا سفر تین ماہ کا ہو جاتا تھا۔ سلطان ایوبی نے صلیبیوں کے کوچ کی رفتار سست کر کے بیت المقدس کا دفاع مضبوط کر لیا۔

☆

"جوآنا کچھ کرو..... صلیب کی خاطر کچھ کرو"..... رچرڈ نے اپنی بہن سے کہا۔ "العادل کو ہاتھ میں لو۔ ہم لڑ کر بیت المقدس نہیں لے سکتے۔"

"وہ مجھے چاہتا ہے" — جوآنا نے جواب دیا۔ "کوچ کے دوران بھی میری اس سے ملاقات ہو چکی ہے۔ میں یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ وہ مجھے والہانہ طور پر چاہنے لگا ہے لیکن کہتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ وہ میری کوئی شرط ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔"

اُدھر سلطان ایوبی نے العادل، اپنے بیٹوں اور سالاروں کو بلا رکھا تھا۔ اس کی زبان پر اب دو ہی لفظ رہتے تھے — "اسلام۔ بیت المقدس" — اس نے ان سب کو بیت المقدس کے دفاع کی ہدایات دیں۔ کانفرنس کے بعد العادل اُسے تنہائی میں ملا اور کہا — "رچرڈ مجھے اپنی بہن پیش کر رہا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اپنا مذہب ترک کر دوں۔"

"تمہیں اسلام سے زیادہ محبت ہے یا رچرڈ کی بہن سے؟"

"دونوں سے۔"

"تو اُسے اپنے مذہب میں لاؤ اور شادی کر لو" — سلطان ایوبی نے کہا — "میں اجازت دیتا ہوں۔"

"میں آپ سے شادی کی اجازت لینے نہیں آیا" — العادل نے کہا — "میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ رچرڈ جیسا دلیر اور جنگجو بادشاہ بھی ان ذلیل ہتھکنڈوں پر اُتر آیا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اس کی بہن اچھی لگتی ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے مذہب سے غدّاری نہیں کروں گا۔"

"اور وہ بھی اپنے مذہب سے غدّاری نہیں کرے گی۔"

"جائے جہنم میں" — العادل نے کہا — "ان حربوں سے رچرڈ بیت المقدس نہیں لے سکتا۔"

سلطان ایوبی کے چہرے پر رونق آ گئی۔ یورپی مؤرخوں نے رچرڈ کی اس حرکت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رچرڈ نے اس شرط پر اپنی بہن العادل کو پیش کی تھی کہ وہ عیسائی ہو جائے لیکن رچرڈ کی بہن نے العادل کو دھتکار دیا تھا۔

یہ پردہ اُسی وقت چاک ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ رچرڈ بیت المقدس کے قریب جا کر خیمہ زن ہُوا۔ یہاں عکرہ کی جنگ سے زیادہ خونریز معرکوں کی توقع تھی لیکن رچرڈ نے اپنی وہی شرائط پیش کرنی شروع کر دیں

جو وہ پہلے کر چکا تھا۔ ایک بار سلطان ایوبی نے اس کے ایلچی کی بے عزتی کر دی اور اُسے فوراً واپس چلے جانے کو کہہ دیا۔ اس دوران سلطان ایوبی کو پتہ چلا کہ رچرڈ اتنا زیادہ بیمار ہو گیا ہے کہ اُس کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں رہی۔ سلطان ایوبی رات کو اپنے خیمے سے نکلا اور رچرڈ کے خیموں کا رخ کر لیا۔ اس نے صرف العادل کو بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ العادل نے ہنس کر کہا کہ فلاں جگہ رچرڈ کی بہن میرے انتظار میں کھڑی ہو گی۔ اُسے بھی ساتھ لے جانا۔

جوآنا وہاں کھڑی تھی۔ اُس نے گھوڑے کے قدموں کی آہٹ سنی تو دوڑ کر آئی اور بولی "تم آ گئے العادل؟" — سلطان ایوبی گھوڑے سے اُترا اور جوآنا کو گھوڑے پر بٹھا کر خاموشی سے رچرڈ کی خیمہ گاہ کی طرف چل پڑا۔ جوآنا کچھ کہہ رہی تھی۔ سلطان ایوبی نے عربی زبان میں کہا — "تمہاری زبان میرا بھائی سمجھ سکتا ہے میں نہیں سمجھتا" — یہ جوآنا نہ سمجھ سکی۔

سلطان ایوبی رچرڈ کے خیمے میں داخل ہوا۔ رچرڈ واقعی سخت بیمار تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ بات کرنے کے لیے اپنا ترجمان بلا لیا۔ سلطان ایوبی نے پہلی بات یہ کہی — "اپنی بہن کو سنبھالو میرا بھائی اپنا مذہب ترک نہیں کرے گا.... اور مجھے بتاؤ کہ تمہیں تکلیف کیا ہے۔ میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں مرتا دیکھ کر میں حملہ کر دوں گا۔ صحت یاب ہو جاؤ گے تو دیکھا جائے گا۔"

رچرڈ حیرت سے اُٹھ بیٹھا اور بے ساختہ بولا — "تم عظیم ہو صلاح الدین.... تم سچے جنگجو ہو۔" اس نے اپنی تکلیف بتائی۔ سلطان ایوبی نے کہا — "ہمارے علاقے میں بیمار ہونے والے کو ہمارے ہی طبیب ٹھیک کر سکتے ہیں۔ جس طرح انگلستان کی فوج یہاں آ کر بیکار ہو جاتی ہے اسی طرح تمہارے ڈاکٹر بھی یہاں آ کر اناڑی ہو جاتے ہیں۔ میں اپنا طبیب بھیجوں گا۔"

"صلاح الدین! ہم کب تک ایک دوسرے کا خون بہاتے رہیں گے؟" — رچرڈ نے کہا — "آؤ، صلح اور دوستی کریں۔"

"لیکن میں دوستی کی وہ قیمت نہیں دوں گا جو تم مانگ رہے ہو" — سلطان ایوبی نے کہا — "تم خون خرابے سے ڈرتے ہو، بیت المقدس کی خاطر میری پوری قوم اپنا خون قربان کر دے گی۔"

وہاں سے واپس آ کر سلطان ایوبی نے اپنا طبیب رچرڈ کے علاج کے لیے بھیجا۔ اُسے صحت یاب ہوتے ہوتے بہت دن گزر گئے۔ سلطان ایوبی جنگ کے لیے تیار ہو چکا تھا لیکن حملے کی بجائے رچرڈ کی طرف سے صلح کی نئی شرطیں آ گئیں۔ رچرڈ بیت المقدس سے دستبردار ہو گیا تھا۔ اُس نے صرف یہ رعایت مانگی کہ عیسائی زائرین کو بیت المقدس میں داخلے کی اجازت دی جائے اور ساحل کا کچھ علاقہ صلیبیوں کو دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے یہ شرائط مان لیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ سلطان ایوبی کی فوج مسلسل لڑ رہی تھی اور شہادت اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ اب کم تعداد سے اتنی بڑی فوج سے لڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد نے یہ بھی لکھا ہے کہ دو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا، سپاہی دن رات لڑتے رہے تھے۔ وہ

ذہنی طور پر شل ہو چکے تھے۔ بعض دستوں میں احتجاج بھی شروع ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی جسمانی طور پر تھکی ہوئی اور ذہنی طور پر پژمردہ فوج کے بل بوتے پر بیت المقدس کو خطرے میں ڈالنے سے گریز کر رہا تھا۔

رچرڈ مسلمانوں کی بے خوفی اور جذبے سے گھبرا رہا تھا۔ اُس کی صحت بھی جواب دے گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے اپنے ملک میں اس کے مخالفین سر اٹھا رہے تھے۔ انگلستان کا تخت و تاج خطرے میں پڑ گیا تھا۔

اس معاہدے پر ۲ ستمبر ۱۱۹۲ء (۲۲ شعبان ۵۸۸ھ) کے روز دستخط ہوئے۔ رچرڈ ۹ اکتوبر ۱۱۹۲ء کے روز اپنی فوج کے ساتھ انگلستان کے لیے روانہ ہوا۔ اس معاہدے کی میعاد تین سال مقرر کی گئی۔ رچرڈ نے بوقتِ رخصت سلطان ایوبی کو پیغام بھیجا کہ میں معاہدے کی میعاد گزرنے کے بعد یروشلم فتح کرنے آؤں گا — اُس کے بعد کوئی صلیبی بیت المقدس کو فتح نہ کر سکا۔ اِس صدی میں جون ۱۹۶۷ء میں عربوں کی بے اتفاقی نے اور اُن کی اُنہی کمزوریوں نے جو کفّار سلطان ایوبی کے دَور میں مسلمان امراء میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے، بیت المقدس یہودیوں کے حوالے کر دیا ہے۔

رچرڈ کی روانگی کے بعد سلطان ایوبی نے اعلان کیا کہ اس کی فوج کے جو افراد حج کے لیے جانا چاہتے ہیں، اپنے نام دے دیں، انہیں سرکاری انتظامات کے تحت حج کے لیے بھیجا جائے گا۔ فہرستیں تیار ہو گئیں اور اُن سب کو حج کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ خود سلطان ایوبی کی دیرینہ خواہش تھی کہ حج کعبہ کو جائے مگر جہاد نے اسے مہلت نہ دی اور جب مہلت ملی تو اُس کے پاس سفر خرچ کے لیے پیسے نہیں تھے۔ اُسے سرکاری خزانے سے پیسے پیش کیے گئے جو اُس نے یہ کہہ کر قبول نہ کیے کہ یہ خزانہ میرا ذاتی نہیں۔ اس نے اپنے آپ کو حج کی سعادت سے محروم کر دیا، سرکاری خزانے سے ایک پیسہ نہ لیا۔ مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید لکھتا ہے کہ وفات کے وقت سلطان ایوبی کی کل دولت ۴۷ درہم چاندی کے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ اس کا ذاتی مکان بھی نہیں تھا۔

پھر شمع بجھ گئی

سلطان صلاح الدین ایوبی ۴ نومبر ۱۱۹۲ء کے روز بیت المقدس سے دمشق پہنچا۔ اُس کے چار ماہ بعد سلطان خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ دمشق پہنچنے سے وفات تک کا آنکھوں دیکھا حال قاضی بہاؤالدین شدّاد کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے:

".... اُس کے بچّے دمشق میں تھے۔ اُس نے ستانے کے لیے اسی شہر کو پسند کیا۔ اُس کے بچّے اُسے دیکھ کر تو خوش ہوئے ہی تھے، دمشق اور گرد و نواح کے لوگ اپنے فاتح سلطان کو دیکھنے کے لیے ہجوم در ہجوم آ گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی قوم کی یہ بے تابانہ عقیدت مندی دیکھی تو اگلے ہی روز (۵ نومبر بروزِ جمعرات) دربارِ عام منعقد کیا جس میں سلطان کو ملنے اور اگر کسی کو

کوئی شکایت ہو تو بیان کرنے کی ہر کسی کو اجازت تھی.... مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، امیر غریب، حاکم اور عوام سلطان صلاح الدین ایوبی سے ملنے جمع ہوگئے۔ شاعروں نے اس تقریب میں سلطان کی شان میں نظمیں سنائیں....

"سلطان صلاح الدین ایوبی کو مسلسل جہاد اور سلطنت کی مصروفیات نے نہ دن کو کبھی چین لینے دیا نہ راتوں کو اطمینان کی نیند سونے دیا تھا۔ وہ جسمانی طور پر بھی نڈھال ہو چکا تھا اور ذہنی طور پر بھی۔ جھکے ہوئے اعصاب کو تازہ دم کرنے کے لیے اُس نے دمشق کے علاقے میں ہرنوں (غزال) کے شکار کو شغل بنا لیا۔ وہ اپنے بھائیوں اور بچوں کے ساتھ شکار کھیلا کرتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کچھ روز آرام کرکے مصر چلا جائے گا مگر دمشق میں بھی سرکاری کاموں نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا....

"میں اُس وقت بیت المقدس میں (وزیر) تھا۔ ایک روز دمشق سے مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط ملا۔ اُس نے مجھے دمشق میں بلایا تھا۔ میں فوراً روانہ ہونے لگا، مگر مسلسل موسلادھار بارش نے راستوں کو دلدل بنا دیا تھا۔ اس قدر کیچڑ اور اتنی تیز بارش کہ میں انیس روز بعد بیت المقدس سے نکل سکا۔ میں ۲۲ محرم الحرام بروز جمعہ وہاں سے روانہ ہوا اور ۱۲ صفر بروز منگل دمشق پہنچا۔ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ملاقات کے کمرے میں امراء اور دیگر حکام سلطان کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو میری آمد کی اطلاع دی گئی۔ اُس نے مجھے فوراً اپنے خاص کمرے میں بلا لیا۔ میں جب اُس کے سامنے گیا تو وہ بازو پھیلا کر اٹھا اور مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ میں نے اُس کے چہرے پر ایسا اطمینان اور سکون کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے....

"اگلے روز اُس نے مجھے بلایا۔ میں اس کے خاص کمرے میں پہنچا تو اُس نے مجھ سے پوچھا کہ ملاقات کے کمرے میں کون لوگ بیٹھے ہیں۔ میں نے اُسے بتایا کہ (اُس کا بیٹا) الملک الافضل، چند ایک اُمراء اور بہت سے دوسرے لوگ آپ کی ملاقات کے لیے بیٹھے ہیں۔ اُس نے جمال الدین اقبال سے کہا کہ ان لوگوں سے میری طرف سے معذرت کرکے کہہ دو کہ آج میں کسی سے نہیں مل سکوں گا۔ اس نے میرے ساتھ کچھ ضروری باتیں کیں اور میں چلا آیا....

"دوسرے دن اُس نے مجھے علی الصبح بلا لیا۔ میں گیا تو وہ اپنے باغیچے میں بیٹھا اپنے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اُس نے پوچھا کہ ملاقات کے کمرے میں کوئی ملاقاتی ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ فرنگیوں (فرنگیس) کے ایلچی آئے بیٹھے ہیں۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ فرنگی ایلچیوں کو یہیں بھیج دو۔ اس کے بچے وہاں سے چلے گئے۔ اس کا سب سے چھوٹا بچہ امیر ابوبکر جس سے سلطان ایوبی کو بہت پیار تھا وہیں رہا۔ جب فرنگی آئے تو بچے نے اُن کے بغیر داڑھیوں کے چہرے اور اُن کا لباس دیکھا تو بچہ ڈر کر رونے لگا۔ بچے نے بغیر داڑھی کے کبھی کوئی انسان نہیں دیکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے فرنگیوں سے معذرت کی کہ اُن کے حلیے کو دیکھ کر بچہ رو پڑا ہے۔ سلطان نے بچے کو اندر بھیجنے کی بجائے فرنگیوں سے کہا کہ وہ آج اُن سے نہیں مل سکے گا۔ اُس نے

انہیں بغیر بات چیت کیے رخصت کر دیا....

"اُن کے جانے کے بعد اُس نے کہا۔ "جو کچھ پکا ہے لے آؤ"۔ اس کے آگے ہلکی پھلکی غذا رکھی گئی جس میں کھیر بھی تھی۔ اُس نے بہت تھوڑا کھایا۔ میں نے محسوس کیا جیسے اُس کی بھوک مر گئی ہو۔ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اُس نے بتایا کہ وہ ملاقاتیں کم کر رہا ہے کیونکہ وہ بدہضمی اور کمزوری محسوس کرتا ہے۔ کھانے کے بعد اُس نے مجھ سے پوچھا۔ "حاجی واپس آگئے ہیں؟"۔ میں نے اُسے بتایا کہ راستے میں کیچڑ زیادہ ہے۔ شاید کل تک حاجی آجائیں۔ سلطان نے کہا۔ "ہم ان کے استقبال کے لیے جائیں گے"۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک حاکم کو بلا کر حکم دیا کہ حاجی آرہے ہیں اور راستے میں کیچڑ اور پانی ہے۔ فوراً آدمیوں کو بھیجو اور جس راستے سے حاجی آرہے ہیں اس راستے سے کیچڑ اور پانی صاف کر دو۔ میں اس سے اجازت لے کر چلا آیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کا جوش و خروش اور اُس کی مستعدی ماند پڑ گئی تھی....

"دوسرے دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر حاجیوں کے استقبال کے لیے نکلا۔ میں بھی گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کے پیچھے گیا۔ اُس کا بیٹا الملک الافضل بھی آگیا۔ لوگوں میں جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی کہ سلطان باہر آیا ہے۔ لوگ کام کاج چھوڑ کر اُٹھ دوڑے۔ وہ اپنے فاتح سلطان کو قریب سے دیکھنا اور اُس سے ہاتھ بھی ملانا چاہتے تھے۔ جب سلطان عقیدتمندوں کے اس بے صبر اور بے قابو ہجوم میں گھر گیا تو اُس کے بیٹے الملک الافضل نے گھبراہٹ کے عالم میں مجھے کہا کہ سلطان نے سواری والا لباس نہیں پہن رکھا۔ (یہ زرہ بکتر کی قسم کا لباس ہوا کرتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس لباس کے بغیر کبھی باہر نہیں نکلا تھا) ہمیں پریشانی ہوئی۔ سلطان کے ساتھ باڈی گارڈ بھی نہیں تھے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ (سلطان ایوبی پر اس سے پہلے قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ اب بھی حملہ ہو سکتا تھا) میں ہجوم کو چیرتا سلطان تک پہنچا اور اُسے کہا کہ آپ اپنے مخصوص لباس میں نہیں ہیں۔ وہ اس طرح چونکا جیسے نیند سے جگا دیا گیا ہو۔ اُس نے کہا کہ میرا لباس یہیں لایا جائے مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا جو اُسے لباس لا دیتا۔ مجھے کچھ زیادہ ہی خطرہ محسوس ہونے لگا....

"مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کوئی حادثہ ہونے والا ہو۔ میں نے اُسے کہا کہ میں یہاں کے راستوں سے واقف نہیں۔ کیا کوئی ایسا راستہ ہے، جہاں لوگ کم ہوں اور آپ واپس جا سکیں؟ اُس نے کہا کہ ایک راستہ ہے۔ اُس نے گھوڑا اس رُخ کو موڑ لیا۔ لوگوں کا ہجوم بے پناہ تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھوڑا باغوں کے درمیانی راستے پر ڈال دیا۔ میں اور الملک الافضل اُس کے ساتھ تھے۔ میرا دل بوجھل تھا میں اُس کی جان کو بھی خطرے میں محسوس کر رہا تھا اور اُس کی صحت کو بھی۔ ہم المینبہ کے چشمے سے ہوتے ہوتے ہوئے قلعے میں داخل ہوئے....

"جمعہ کی شام سلطان ایوبی نے غیر معمولی کمزوری محسوس کی۔ آدھی رات سے ذرا پہلے اُسے بخار ہوگیا۔ یہ صفراوی بخار تھا جو جسم کے اندر زیادہ تھا، باہر کم لگتا تھا۔ صبح (۲۱ فروری ۱۱۹۳ء) وہ ملاقات

سے نڈھال ہو چکا تھا۔ جسم کو ہاتھ لگانے سے حرارت کم لگتی تھی۔ میں اُسے دیکھنے گیا۔ اس کا بیٹا الملک الافضل اُس کے پاس تھا۔ سلطان نے بتایا کہ اُس نے رات بڑی تکلیف میں گزاری ہے۔ اُس نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ ہم نے گپ شپ میں اُن کا ساتھ دیا۔ اس سے اُس کی مزاجی شگفتگی بحال ہو گئی۔ دن کے دوسرے پہر تک وہ خاصا بہتر ہو گیا۔ ہم وہاں سے اٹھنے لگے تو اُس نے کہا کہ الملک الافضل کے ساتھ کھانا کھا کر جائیں۔ میرے ساتھ قاضی الفضل بھی تھا۔ وہ کسی اور کے ہاں کھانا کھانے کا عادی نہ تھا۔ وہ معذرت کر کے چلا گیا۔ میں کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ صلاح الدین ایوبی سے رخصت ہوتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں اپنا دل سلطان کے پاس چھوڑ چلا ہوں۔ کھانے کے کمرے میں گیا۔ دستر خوان بچھ چکا تھا۔ بہت سے افراد بیٹھے تھے۔ الملک الافضل اپنے باپ کی جگہ بیٹھا تھا۔ بے شک الافضل صلاح الدین ایوبی کا بیٹا تھا لیکن سلطان کی جگہ بیٹے کو بیٹھا دیکھ کر بہت دکھ ہُوا۔ کھانے پر جو لوگ بیٹھے تھے اُن کی بھی جذباتی حالت میرے جیسی تھی۔ ان میں سے بعض کے تو آنسو نکل آئے....

"اس روز کے بعد سلطان ایوبی کی صحت بگڑتی چلی گئی۔ میں اور قاضی الفضل روزانہ کئی کئی بار اُس کمرے میں جاتے تھے جہاں سلطان صلاح الدین بیمار پڑا تھا۔ اُسے تکلیف میں ذرا سا بھی افاقہ ہوتا تو ہمارے ساتھ باتیں کرتا تھا، ورنہ اکثر یوں ہوتا کہ وہ آنکھیں بند کیے پڑا رہتا اور ہم اُسے دیکھتے رہتے۔ اُس کی جان کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اُس کا طبیب خاص غیر حاضر تھا (قاضی بہاؤ الدین نے یہ نہیں لکھا کہ طبیب خاص کہاں چلا گیا تھا) سلطان کا علاج چار طبیب مل کر کر رہے تھے مگر مرض بڑھتا جا رہا تھا....

"بیماری کے چوتھے روز چاروں طبیبوں نے فیصلہ کیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جسم سے خون نکال دیا جائے۔ اسی وقت سلطان کی حالت زیادہ بگڑ گئی اور اس کے بعض اہم غدود بے کار ہو گئے۔ اس سے اُس کے جسم میں اندر کی رطوبتیں خشک ہونے لگیں۔ سلطان ایوبی نقاہت کی آخری حد تک جا پہنچا۔ چھٹے دن ہم نے اُسے سہارا دے کر بٹھایا۔ اُسے ایک دوائی دی گئی جس کے بعد ہلکا گرم پانی پینا ضروری تھا۔ پانی لایا گیا۔ اُسے ہلکا گرم ہونا چاہیئے تھا۔ سلطان ایوبی کے منہ سے پیالہ لگایا گیا، تو اس نے کہا کہ پانی بہت گرم ہے۔ اُس نے نہ پیا۔ پانی ذرا ٹھنڈا کر کے لایا گیا تو سلطان نے کہا کہ یہ بالکل ٹھنڈا ہے۔ اُس نے غصے یا خفگی کا اظہار نہ کیا، مایوسی کے لہجے میں اتنا ہی کہا ___ 'اے خدا! کوئی بھی نہیں جو مجھے ہلکا گرم پانی دے سکے'....

"میری اور الفضل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (دنیائے صلیب پر دہشت طاری کر دینے والا انسان بالکل بے بس ہو گیا تھا)... ہم دونوں دوسرے کمرے میں آ گئے۔ قاضی الفضل نے کہا ___ 'قوم کتنے عظیم انسان سے محروم ہو جائے گی۔ بخدا اُس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو پانی کا یہ پیالہ اُس کے سر پر دے مارتا جو اُس کی پسند کا پانی نہیں لایا تھا'.... ساتویں اور آٹھویں روز صلاح الدین کی حالت اتنی زیادہ بگڑ گئی کہ اُس کا ذہن

بھٹکنے لگا۔ نویں روز اس پر غشی طاری ہو گئی۔ وہ پانی بھی نہ پی سکا۔ شہر میں خبر پھیل گئی کہ سلطان ایوبی کی حالت تشویش ناک ہو گئی ہے۔ تمام شہر پر موت کی اداسی طاری ہو گئی۔ ہر جگہ اور ہر زبان پر اُس کی صحت یابی کی دعائیں تھیں۔ تاجر اور سوداگر ایسے ڈرے کہ انہوں نے بازاروں سے اپنا مال اٹھانا شروع کر دیا۔ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کہ ہر ایک فرد کس طرح اداس اور کتنا پریشان تھا....

"میں اور قاضی الفضل رات کا پہلا پہر سلطان ایوبی کے پاس رہتے اور اُسے دیکھتے رہتے تھے۔ وہ بول اور دیکھ نہیں سکتا تھا۔ باقی رات ہم باہر کھڑے رہتے۔ کوئی اندر سے آتا تو اُس سے پوچھ لیتے کہ سلطان کی حالت کیسی ہے۔ ہم جب علی الصبح وہاں سے باہر نکلتے تو باہر لوگوں کا ہجوم کھڑا دیکھتے۔ اب لوگ ہم سے یہ پوچھنے سے بھی ڈرتے تھے کہ سلطان کی صحت کیسی ہے۔ وہ ہمارے چہروں سے جان لیتے تھے کہ سلطان کی حالت ٹھیک نہیں۔ ہجوم چپ چاپ ہمیں دیکھتا اور ہم ہجوم کو دیکھ کر سر جھکا لیتے تھے.... دسویں روز طبیبوں نے اُسے انتڑیاں صاف کرنے والی دوا دی جس سے اُسے کچھ افاقہ ہو گیا۔ اس کے بعد جب سب کو پتہ چلا کہ سلطان ایوبی نے جو کا پانی پیا ہے تو سب نے خوشی منائی۔ اُس رات ہم چند گھنٹے اس کے پاس جانے کا انتظار کرتے رہے، لیکن محل میں چلے گئے جہاں جمال الدین اقبال بیٹھا تھا۔ اُس سے صلاح الدین کی حالت پوچھی۔ وہ اندر چلا گیا اور توران شاہ سے پوچھ کر ہمیں بتایا کہ سلطان کے دونوں پھیپھڑوں میں نمی اور ہوا آنے جانے لگی ہے۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہم نے جمال الدین سے کہا کہ خود جا کر دیکھے کہ باقی جسم پر پسینے کے آثار ہیں یا نہیں۔ اُس نے اندر جا کر دیکھا اور واپس آ کر بتایا کہ پسینہ بہت آ رہا ہے۔ یہ ایک خوشخبری تھی۔ ہم سکون اور اطمینان سے چلے آئے....

"دوسرے دن جو منگل کا دن، صفر کی ۲۷ تاریخ اور سلطان صلاح الدین کی علالت کا گیارہواں روز تھا، ہم سلطان کو دیکھنے گئے۔ اندر نہ جا سکے۔ ہمیں بتایا گیا کہ پسینہ اس قدر زیادہ نکل رہا ہے کہ بستر میں سے ہوتا ہُوا فرش پر ٹپک رہا ہے۔ یہ خبر اچھی نہیں تھی۔ جسم کی رطوبت تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ طبیبوں نے حیرت سے بتایا کہ جسم اندر سے خشک ہو جانے کے باوجود سلطان کے جسم میں ابھی توانائی موجود ہے....

"صلاح الدین ایوبی کے بیٹے الملک الافضل نے دیکھا کہ سلطان کی صحت یابی کی کوئی امید نہیں رہی تو اُس نے امراء اور وزراء سے حلف وفاداری لینے کا فوری انتظام کیا۔ اُس نے تمام قاضیوں کو رضوان محل میں بلایا اور انہیں کہا کہ تم حلف کا مسودہ تیار کریں جس میں صلاح الدین ایوبی جب تک زندہ ہے اُس کی وفاداری کا حلف نامہ ہو اور اُن کی وفات کے بعد الملک الافضل کی وفاداری کا۔ الافضل نے معذرت اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسا حلف نامہ کبھی تیار نہ کراتا لیکن سلطان کی حالت تشویشناک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے....

"حلف نامہ تیار ہو گیا۔ دوسرے دن حلف اٹھانے کے لیے متعلقہ امراء وزراء کو بلایا گیا۔ سب

سے پہلے دمشق کے گورنر سعد الدین مسعود نے حلف اٹھایا۔ اس کے بعد نصرالدین آیا جو سہیون کا گورنر تھا اس نے اس شرط پر حلف اٹھایا کہ جس قلعے کا وہ گورنر ہے وہ سلطان ایوبی کی وفات کے بعد اُس کی (نصرالدین کی) ذاتی ملکیت سمجھا جائے گا۔ تمام امراء، وزراء اور گورنروں نے حلف اٹھا لیا۔ دو تین نے اپنی شرائط منوا کر حلف اٹھایا۔ حلف نامے کے الفاظ یہ تھے — ' اس لمحے سے میں متحدہ مقصد کی خاطر الملک الناصر (صلاح الدین ایوبی) کا وفادار رہوں گا جب تک کہ وہ زندہ ہے۔ اس کی حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے اَن تھک اور مسلسل کوشش کرتا رہوں گا۔ اس کی خاطر اپنی جان، اپنا مال، اپنی تلوار اور اپنی فوج اور اپنی رعایا کو وقف کیے رکھوں گا۔ میں اس کا ہر حکم مانوں گا اور اس کی ہر خواہش کی تکمیل کروں گا۔ میں خدا کو گواہ ٹھہرا کر اعلان کرتا ہوں کہ سلطان کے بعد میں یہی وفاداری اس کے بیٹے الافضل کے لیے وقف کروں گا اور اُس کے بعد الافضل کے بیٹوں کے لیے۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اس کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ اس کے لیے میں اپنی جان، اپنا مال، اپنی تلوار اور اپنی فوج کو وقف کیے رکھوں گا۔ میں اپنے حلف وفاداری میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں '.....

"حلف نامے کی دوسری شق یہ تھی — ' اگر میں اپنے حلف کی خلاف ورزی کروں تو میں حلفیہ تسلیم کرتا ہوں کہ صرف اس خلاف ورزی کی بنا پر میری بیویاں مطلقہ ہو جائیں (یعنی بیویاں میری نہیں رہیں گی) اور مجھے تمام ذاتی اور سرکاری خادموں سے محروم کر دیا جائے گا اور مجھ لازم ہو گا کہ میں ننگے پاؤں یا پیادہ حج کعبہ کو جاؤں '.....

"۲۶ صفر ۵۸۹ھ (۳ مارچ ۱۱۹۳ء) منگل کی شام تھی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی بیماری کا گیارھواں روز۔ اُس کی توانائی بالکل ختم ہو گئی اور اُمید دم توڑ گئی۔ رات کو ایسے وقت مجھے، قاضی الفضل اور ابن فکی کو بلایا گیا جس وقت پہلے کبھی نہیں بلایا گیا تھا۔ ابن فکی کا پورا نام ابوالمعالی محمد محی الدین تھا اور ابن فکی کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت عثمانؓ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ قانون، علم اور سائنس کا عالم تھا۔ صلاح الدین ایوبی اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ جب سلطان ایوبی نے یروشلم فتح کیا تو مسجدِ اقصٰے میں پہلے جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے سلطان ایوبی نے اسی کو منتخب کیا تھا۔ بعد میں اُسے دمشق کا قاضی مقرر کر دیا گیا تھا.....

"ہم گئے تو الملک الافضل نے کہا کہ ہم تینوں ساری رات اُس کے ساتھ رہیں۔ وہ سوگوار تھا اور گھبرایا ہوا بھی۔ قاضی الفضل نے اعتراض کیا اور کہا کہ رات بھر لوگ باہر کھڑے سلطان کی صحت کی خبر سننے کا انتظار کرتے ہیں۔ اگر ہم ساری رات اندر رہے تو وہ کچھ اور سمجھ لیں گے اور شہر میں غلط خبر پھیل جائے گی۔ الافضل سمجھ گیا۔ اُس نے کہا کہ ہم لوگ چلے جائیں۔ ہماری بجائے اُس نے امام ابوجعفر کو اس مقصد کے لیے بلا لیا کہ اگر رات کو صلاح الدین پر نزع کا عالم طاری ہو گیا تو امام اُس کے سرہانے قرآن پڑھے گا۔ ہم وہاں سے آ گئے.....

"اس کے بعد امام ابوجعفر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی آخری رات کی جو روداد سنائی وہ میں تحریر کرتا ہوں۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے سلطان کے سرہانے قرآن خوانی کی۔ اس دوران سلطان پر کبھی غشی طاری ہو جاتی، کبھی ہوش میں آ جاتا اور کبھی اُس کا ذہن بھٹک جاتا۔ آدھی رات کے بعد ۲۷ صفر ۵۸۹ھ (۴ مارچ ۱۱۹۳ء) کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔ امام ابوجعفر نے بتایا — ' میں بائیسویں پارے کی سورۃ الحج پڑھ رہا تھا۔ میں نے جب پڑھا — ' خدا ہی قادرِ مطلق ہے، برحق ہے، وہ مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ' تو میں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی خفیف سی سرگوشی سنی۔ وہ کہہ رہا تھا — ' یہ سچ ہے، یہ سچ ہے ' — یہ اُس کے آخری الفاظ تھے۔ اُس کے فوراً بعد صبح کی اذان سنائی دی۔ میں نے قرآن بند کر دیا۔ اذان ختم ہوتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نہایت سکون اور اطمینان سے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا — امام ابوجعفر نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اذان شروع ہوئی تو وہ ایک آیت پڑھ رہا تھا — ' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں ' — تو سلطان ایوبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اُس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ اسی کیفیت میں اپنے خدا کے حضور گیا '.....

"میں جب پہنچا اس وقت صلاح الدین فوت ہو چکا تھا۔ خلفائے راشدین کے بعد اگر قوم پر کوئی کاری ضرب پڑی ہے تو وہ سلطان ایوبی کے انتقال کی تھی۔ قلعے، شہر، وہاں کے لوگوں اور دنیا بھر کے مسلمانوں پر غم کی ایسی گھٹا چھائی جو صرف خدا جانتا ہے کہ کتنی گہری تھی۔ میں نے لوگوں کو اکثر کہتے سُنا ہے کہ انہیں جو شخص سب سے زیادہ عزیز ہے اُس کے لیے وہ اپنی جان قربان کر دیں گے، لیکن میں نے کبھی کسی کو کسی کے لیے جان قربان کرتے نہیں دیکھا۔ البتہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سلطان ایوبی کی زندگی کی آخری رات ہم سے کوئی پوچھتا کہ سلطان ایوبی کی جگہ کون مرنے کو تیار ہے تو ہم میں سے بہت سے لوگ اپنی جانیں قربان کر کے سلطان ایوبی کو زندہ رکھتے.....

"اُس روز شہر میں جسے دیکھا بے اختیار آنسو بہاتے دیکھا۔ لوگ رونے کے سوا کچھ اور سوچتے ہی نہیں تھے۔ کسی شاعر کو مرثیہ سنانے کی اجازت نہ دی گئی۔ کسی امام، کسی قاضی اور کسی عالم نے لوگوں کو صبر کی تلقین نہ کی۔ وہ خود رو رہے تھے۔ ہچکیاں لے رہے تھے۔ صلاح الدین کے بچے روتے چیختے گلیوں میں نکل گئے۔ انہیں روتا دیکھ کر لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے..... ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کی میّت کو آخری غسل دے کر کفن پہنایا جا چکا تھا۔ غسل عدالت کے ایک اہلکار الدلائی نے دیا تھا۔ غسل کے لیے مجھے کہا گیا تھا مگر میرا دل اتنا مضبوط نہ تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ میّت باہر لا کر رکھی گئی۔ جنازے پر جو کپڑا ڈالا گیا وہ قاضی الفضل نے دیا تھا۔ جب جنازہ لوگوں کے سامنے رکھا گیا تو مردوں کی دھاڑوں اور عورتوں کی چیخوں سے آسمان کا جگر چاک ہونے لگا۔ دمشق کی عورتوں کے بین سنے نہیں جاتے تھے.....

"قاضی محی الدین ابن فکی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ میں کچھ نہیں بتا سکتا کہ جنازے میں کتنے لوگ تھے۔

البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ سب نمازِ جنازہ میں کھڑے تھے مگر نماز پڑھنے کی بجائے سب ہچکیاں لے رہے تھے۔ اور بعض بے قابو ہو کر دھاڑیں مار اٹھتے تھے۔ ارد گرد عورتوں کا بے انداز ہجوم بین کر رہا تھا۔ نماز جنازہ کے بعد میت باغیچے کے اُس مکان میں رکھی گئی جہاں مرحوم نے علالت کے دن گزارے تھے۔ عصر سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی کو قبر میں اتار دیا گیا۔ لوگ گھروں کو واپس گئے تو یوں لگتا تھا جیسے لاشوں کا ہجوم چلا جا رہا ہو۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبر پر قرآن خوانی کرتا رہا....

رو منکہ بہاؤ الدین ابنِ شدّاد نے یہ یادداشتیں خلیفہ کی اجازت سے قلم بند کی ہیں اور اس تحریر کو الملک النصر ابو ظفر یوسف ابن نجم ایوب صلاح الدّین ایوبی کی وفات پر ختم کیا ہے۔ خدا اُس پر رحمت فرمائے۔ اس تحریر سے میرا مقصد خدا کی خوشنودی ہے اور میرا مقصود یہ بھی ہے کہ اُسے یاد رکھو جو نیک تھا اور صرف نیکی پر دھیان رکھو۔"

ان یادداشتوں کے بعد یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ سلطان ایوبی کی ایک خواہش یہ تھی کہ فلسطین کو صلیبیوں سے پاک کریں۔ اُس کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ اس کی دوسری خواہش یہ تھی کہ فتح فلسطین کے فریضہ کے بعد فریضۂ حج ادا کرے مگر اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ بیماری نہیں تھی بلکہ یہ کہ اُس کے پاس اتنے پیسے ہی نہیں تھے۔ اُس کی ذاتی جیب خالی تھی۔ ہلالِ نَو کی درانتی سے فصلِ صلیبی کاٹنے والا مردِ مجاہد، مصر، شام اور فلسطین کا سلطان جس کے قدموں میں سلطنت کے خزانے تھے وہ اتنا غریب تھا کہ حج کو نہ جا سکا اور اُسے جو کفن پہنایا گیا تھا وہ قاضی بہاؤ الدّین شدّاد، قاضی الفضل ابنِ ذکی نے در پردہ پیسے جمع کر کے خریدا تھا۔۔ آج فلسطین سلطان ایوبی کا ماتم اسی طرح کر رہا ہے جس طرح ۴ مارچ ۱۱۹۳ء کے روز دمشق کی بیٹیوں نے بین کیے تھے۔

☆